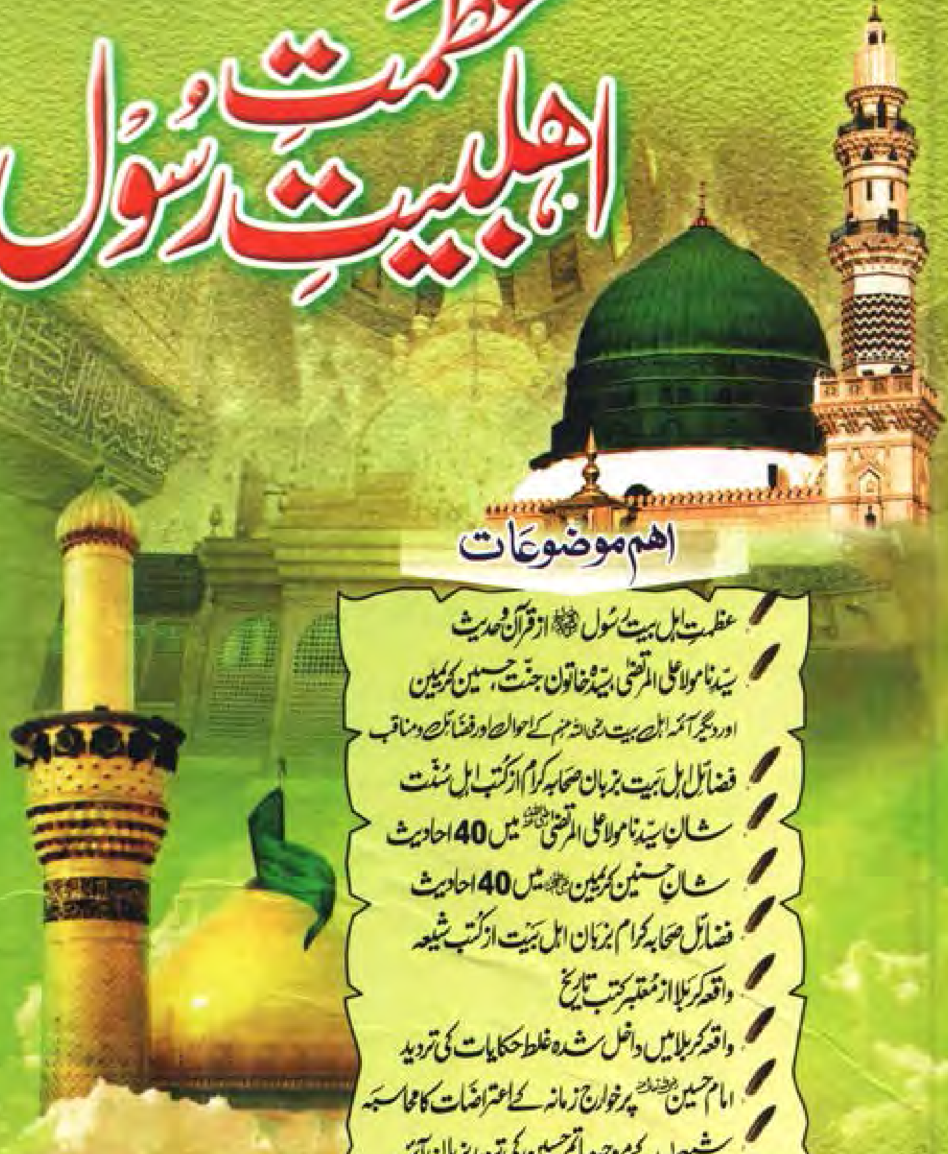


عظمتِ اہلبیتِ رسول

اہم موضوعات

- عظمت اہل بیت رسول از قرآن و حدیث
- سیدنا مولا علی المرتضیٰ، سیدہ خاتون جنت، حسنین کریمین اور دیگر آئمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے احوال اور فضائل و مناقب
- فضائل اہل بیت بزبان صحابہ کرام از کتب اہل سنت
- شان سیدنا مولا علی المرتضیٰ میں 40 احادیث
- شان حسنین کریمین میں 40 احادیث
- فضائل صحابہ کرام بزبان اہل بیت از کتب شیعہ
- واقعہ کربلا از معتبر کتب تاریخ
- واقعہ کربلا میں داخل شدہ غلط حکایات کی تردید
- امام حسین پر خوارج زمانہ کے اعتراضات کا محاسبہ
- شیعوں کے مروجہ ماتم حسین کی تردید بزبان آئمہ اہل بیت از کتب شیعہ

بحکم شیخ طریقت سیدی وسندی حضور قبلہ پیر سید
محمد باقر علی شاہ گیلانی مجددی نقشبندی

مصنف
مفسر قرآن علامہ حافظ قاری
محمد طیب نقشبندی

مکتبہ برہان القرآن
مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
0321-4298570

بسم الله الرحمن الرحیم

دِیدارِ مُصطفیٰ ﷺ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْحَبِیْبِ الْعَالِی الْقَدْرِ الْعَظِیْمِ الْجَاہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ

بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص ہر شبِ جُمعہ (جمعہ اور جمعرات کی درمیانی رات) اس درود شریف کو پابندی سے کم از کم ایک مرتبہ پڑھے گا، موت کے وقت سرکارِ مدینہ ﷺ کی زیارت کرے گا اور قبر میں داخل ہوتے وقت بھی یہاں تک کہ وہ دیکھے گا کہ سرکارِ مدینہ ﷺ اُسے قبر میں اپنے رحمت بھرے ہاتھوں سے اُتار رہے ہیں۔ (افضل الصلوٰۃ علیٰ سیّد السادات)

عظمتِ اہلبیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف

مفسرِ قرآن علامہ حافظ قاری
محمد طیب نقشبندی

بحکم شیخ طریقت سیدی وسندی حضور قبلہ پیر سید
محمد باقر علی شاہ کیلانی مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: مکتبہ برھان القرآن
مرکز الاویس دانا دربار مارکیٹ لاہور 0321-4298570

نام کتاب عظمتِ اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف مفسرِ قرآن علامہ حافظ قاری محمد طیب نقشبندی

طباعت اول ذوالحج 1435ھ

طباعت دوم محرم الحرام 1439ھ ستمبر 2017ء

اضافہ شدہ ایڈیشن اگست 2022ء بمطابق محرم الحرام 1444ھ

صفحات 560

باہتمام محمد نعمان رضا

ہدیہ

ملنے کے پتے

دارالنور داتا دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ غوثیہ پرانی سبزی منڈی کراچی

مکتبہ فیضانِ مدینہ مدینہ ٹاؤن، سردار آباد (فیصل آباد)

Find us in Uk

UK Branch: Jamia Rasolia Islamic Center

250 Uper Chorlton Road Old Trafford Manchester M160 BL

Mob: 0077868834 00745005809

فہرست مضامین

فصلِ سوم

اہل بیتِ رسول ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عقیدت

فصل چہارم

اہل بیت رسول ﷺ بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان سے گہری محبت رکھتے تھے

فصل پنجم

آئمہ اہل سنت کی اہل بیت رسول ﷺ سے والہانہ عقیدت

باب دوم

مناقب امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ

فصل اول

حیات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چند نمایاں نقوش

فصل دوم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل

فصل سوم

مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بعض کرامات

فصل چہارم

سیدنا حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے اخلاق حمیدہ

فصل پنجم
آپ کے بارے میں بعض شبہات کا ازالہ:

باب سوم
مناقب حضرت سیدہ فاطمۃ الزاہرا خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا

فصل اول
سیدۃ النساء فاطمہ الزاہرا رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات زندگی

فصل دوم
سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل

باب چہارم
مناقب حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ

فصل اول
آپ کے مختصر احوال زندگی

فصل دوم
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل

فصل سوم
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ حمیدہ

باب پنجم
مناقب سید الشہداء حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ

فصل اول
سیدنا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے احوال زندگی

دوسری فصل

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل

باب ہفتم
تاقیامت موجود اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے فضائل

باب ششم
ازواج رسول ﷺ امہات المؤمنین کے فضائل

فصل اول
ازواج رسول ﷺ کے اجتماعی فضائل

فصل دوم

ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

فصل سوم

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہا

فصل ہشتم

فصل نہم

فصل دہم

فصل یازدہم

فصل دوازدہم

باب ہشتم
دیگر آئمہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

فصل اول
حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما

فصل دوم
حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ

فصل سوم
امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما

فصل چہارم
امام ابوالحسن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما

فصل پنجم
حضرت امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہما

فصل ششم
حضرت امام محمد تقی بن امام علی رضا رضی اللہ عنہما

فصل ہفتم

حضرت امام علی نقی بن امام محمد تقی رضی اللہ عنہما

فصل ہشتم

امام حسن عسکری بن امام علی نقی رضی اللہ عنہما

فصل نہم

امام محمد بن عبد اللہ المہدی رحمہ اللہ

فصل دہم

بحث درود شریف

خدا مقام اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(کلام مصنف علامہ قاری محمد طیب نقشبندی)

ہے درخشاں دونوں عالم میں مقام اہل بیت
مثلِ خورشید فلک تاباں ہے نام اہل بیت
خود رسول اللہ نے ان کی محبت فرض کی
اور صحابہ نے سکھایا ہے مقام اہل بیت
اہل قُربیٰ کی مودت حکم ہے قران کا
اور جزو دیں ہے بے شک احترام اہل بیت
جان دینا دیں کی خاطر کوئی اس سے سیکھ لے
ہمت و جرأت شجاعت ہے پیام اہل بیت
وقت کے شمروں یزیدوں کے لیے ہر دور میں
صاعقہ باراں ہے تیغ بے نیام اہل بیت
ہیں اکٹھے حشر تک قرآن اور آل نبی
ہے کتاب اللہ سے یہ انضمام اہل بیت
ان کے ذکر خیر سے معمور یہ قرآن ہے
اور نمازوں میں بھی شامل ہے سلام اہل بیت
ہے کلید خُلد طیبؔ حبّ آلِ مصطفیٰ
شکر مولا میں بھی ہوں ادنیٰ غلام اہل بیت

منقبت در شانِ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

بھائی ہے وہ رسول کا مولا علی علی
شوہر ہے وہ بتول کا مولا علی علی

ہے جان سے بھی پیارا مولا علی علی
ہر سنی کا ہے نعرہ مولا علی علی

من کنتُ مولا میرے نبی نے ہے کہہ دیا
میں جس کا مولا اس ہی کا مولا علی علی

صدیق کا ہے جانی بھائی عمر کا ہے
عثماں غنی کا بھی ہے پیارا علی علی

ہم مانتے ہیں گوہر کعبہ علی علی
ہم جانتے ہیں شوہر زہرا علی علی

بھائی رسول کا ہے شوہر بتول کا
حسن وحسین کا ہے بابا علی علی

بدر و احد کا غازی غازی حنین کا
خیبر کا درہے کس نے اکھاڑا علی علی

آقا ہیں شہر علم علی اسکا باب ہے
اور ہے ولایتوں کا منبع علی علی

دشمن ہے وہ علی کا صحابہ کو جو بکے
ہم ہیں علی کے اور ہمارا علی علی

اولادِ مصطفیٰ و علی کے ہیں ہم غلام
طیبؔ ہماری آنکھ کا تارا علی علی

منقبت بحضور سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما

(کلام مصنف قاری محمد طیّب نقشبندی)

ذاتِ رسول پاک کا نقشہ حسن حسین
حُسنِ رخِ رسول کا جلوہ حسن حسین

حق نے چلایا ان سے ہے نسل رسول کو
ذرّیتِ نبی کا ہیں منبع حسن حسین

سارے جہاں میں انکی سخاوت کی دھوم ہے
جودو کرم عطا کا ہیں دریا حسن حسین

خُلقِ نبی شجاعتِ حیدر کا ہیں نمود
اور وارثان عفتِ زہرا حسن حسین

نازل تمہارے حق میں ہے سورۂ ھل اتیٰ
اور حاملِ مودت قُربیٰ حسن حسین

جان نبی و قلب علی کا ہیں یہ قرار
دوغنچہ ہائے گلبن زہرا حسن حسین

وہ راکبان دوش حبیب خدا رہے
چشم رسول پاک کا تارا حسن حسین

فرمان مصطفیٰ ہے یہ میرے دو پھول ہیں
ہیں قلب مصطفیٰ کا سہارا حسن حسین

طیبؔ کو یاد رکھنا بروز جزا کے ہے
ادنیٰ سا اک غلام تمہارا حسن حسین

منقبت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

(کلام مصنف قاری محمد طیب نقشبندی)

کیا تیرا مرتبہ ہے اے دختر رسول
عالم سے تو وراء ہے اے دختر رسول

تو خوش تو آقا خوش ہیں تیرے غم سے ان کا غم
تو جزو مصطفیٰ ہے اے دختر رسول

تیری عظمتوں پہ قرباں مری روح اور مری جاں
تو زوج مرتضیٰ ہے اے دختر رسول

دو نور تجھ سے پھوٹے اک ہوگیا حسین
اک حسن مجتبیٰ ہے اے دختر رسول

ترے فقر وفاقہ پر میں دل وجاں سے ہوں نثار
تو مخزنِ رضا ہے اے دختر رسول

چشم فلک نے دیکھا نہ رنگ رداء ترا
تو منبع حیاء ہے اے دختر رسول

تو لڑے برائے دنیا یہ سب قصہ جھوٹ ہے
دنیا سے تو وراء ہے اے دختر رسول

ہوتا تھا رات بھر سے بھی سجدہ ترا طویل
تو پیکر صفا ہے اے دختر رسول

ہوکر بتول نکلے تو باہر برائے مال
یہ تجھ پہ افتراء ہے اے دختر رسول

طیبؔ کو بخشوانا بروز جزا کہ وہ
ترے در کا اک گدا ہے اے دختر رسول

فضیلت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

(کلام مصنف قاری محمد طیب نقشبندی)

حکم کتاب حق ہے مودت حسین کی
لازم ہے مومنوں پہ محبت حسین کی

قربان راہ حق میں کیا سارا خاندان
بے مثل ہے جہاں میں سخاوت حسین کی

کٹوا دو سر جھکاؤ نہ باطل کے سامنے
پیغام دے رہی ہے شہادت حسین کی

نانا نبی ہے بابا علی ماں ہے فاطمہ
بالا ہے کائنات سے عظمت حسین کی

مجھ سے حسین ہے اور میں ہوں حسین سے
قول نبی ہے چمکی ہے رفعت حسین کی

ان کے لیے رسول نے سجدہ کیا دراز
قلب نبی میں ایسی ہے الفت حسین کی

قرآن پڑھ رہے ہیں وہ نیزے کی نوک پر
ہے لازوال ایسی تلاوت حسین کی

تیغوں کے سائے میں ہے سجدہ ادا کیا
نازاں ہے جس پہ حق وہ عبادت حسین کی

طیبؔ در حسین سے جنت کی بھیک مانگ
رب ہے حسین پاک کا جنت حسین کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بندۂ پُرتقصیر راقم الحروف محمد طیب غفرلہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول ﷺ سے فارغ ہو کر 30 ذی الحجہ 1420 ہجری کو واپس اپنے گھر مانچسٹر انگلینڈ پہنچا اور اگلے ہی دن یکم محرم الحرام 1421 ہجری کو میں نے پیش نظر کتاب ''عظمت اہل بیت رسول ﷺ'' کے لیے قلم اٹھا لیا، اور الحمدللہ! ساڑھے تین ماہ کی مختصر مدت میں کتاب مکمل ہو گئی اور بروز منگل 18 جولائی 2000 عیسوی بمطابق 12 ربیع الثانی 1421 ہجری کو یہ پیش لفظ لکھ رہا ہوں۔ برطانیہ کی مصروف ترین زندگی میں میں روزانہ اوسط دو گھنٹے سے زیادہ وقت نہ نکال سکا۔ اس دوران کئی دن خالی بھی گئے۔ ایک یہ بھی بابرکت امر ہے کہ روزانہ نماز فجر جو ان دنوں قریباً سوا چار بجے ہوتی ہے، سے لے کر ساڑھے چھ بجے تک فجر کے نورانی اوقات میں لکھنے کا روزانہ معمول رہا۔ مئی، جون اور جولائی کے گرم مہینوں میں اہل برطانیہ کے لیے صبح کا یہ وقت گہری نیند کا ہوتا ہے رات گیارہ بجے عشاء کی نماز ادا ہوتی ہے نماز سے فارغ ہو کر ابھی سوتے ہیں اور آدھی نیند بھی پوری نہیں ہو پاتی کہ صبح نماز فجر کے لیے پھر اٹھ جاؤ۔ ایسے میں گہرے مذہبی لوگ ہی نماز فجر کے لیے اٹھتے ہیں۔ مسلمانوں کی 95 فیصد آبادی نیند کی گہری وادیوں میں اتر کر خواب خرگوش کے خراٹے بھر رہی ہوتی ہے مگر اللہ نے مجھ گنہگار پر آل رسول ﷺ کا صدقہ یہ کرم فرمایا ہے کہ نماز فجر اور نماز اشراق کا یہ درمیانی نورانی وقت آل رسول ﷺ کی عظمت و توقیر لکھنے میں گزرانے کی سعادت حاصل ہوئی اور محرم الحرام کی یکم تاریخ سے لکھنا شروع کر دیا جو کہ سیدنا امام عالی مقام حضرت مولا حسین پاک رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مہینہ ہے۔

وجہ تالیف

یہ کتاب لکھنے کا باعث یہ ہوا کہ میرے والد گرامی شیخ الحدیث والتفسیر محقق اسلام حضرت علامہ محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ردِ شیعیت اور دفاع ناموس صحابہ علیہم الرضوان میں دور حاضر کی عظیم تصانیف تحفہ جعفریہ، عقائد جعفریہ، فقہ جعفریہ اور دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ اور میزان الکتب تحریر فرمائیں جو مجموعی طور پر سولہ جلدوں میں طبع ہو چکی ہیں تو ان کتب کو جہاں برصغیر پاک و ہند کے علماء و عوام اہل سنت میں بے پناہ پذیرائی ملی ہے وہاں بعض حاسدین و معاندین نے آپ کو خروج و نصب کے طعنے دینے شروع کر دیئے۔ والد گرامی علیہ الرحمہ نے ان بے بنیاد اعتراضات کا جواب دینے کیلئے "عظمت اہل بیت رسول ﷺ" کے عنوان سے اپنی زندگی کی آخری کتاب لکھی ابھی وہ مکمل نہیں ہوئی تھی کہ 14 جولائی 1996ء کو بروز اتوار بعد نماز مغرب والد صاحب کا وصال ہو گیا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اپنی زندگی کے آخری دن یعنی 14 جولائی 1996ء کو تہجد کے وقت نماز تہجد سے فارغ ہونے کے فوراً بعد آپ نے مذکورہ کتاب کے چند صفحے لکھے اور دور حاضر کے امام الخوارج محمود عباسی کے اس غلط دعوے کا جواب لکھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ دورِ نبوی ﷺ میں بچہ ہونے کی وجہ سے صف صحابہ کرام علیہم الرضوان میں شامل نہیں ہیں، اس غلط دعوے کا جواب مکمل ہوا اور اسی دن شام کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد آپ کے پیر و مرشد پیر طریقت رہبر شریعت پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب بخاری قدس سرہ العزیز آستانہ عالیہ حضرت کیلیا نوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ پاکستان، نے اس کتاب کا مسودہ پڑھنے کیلئے منگوایا، ان سے کسی اور آدمی نے لیا پھر پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا۔ یوں قبلہ والد گرامی کی وہ عظیم تصنیف جو آپ نے شدید بیماری کے ایام میں تصنیف کی تھی ضائع ہو گئی۔ جس کا آپ کے تلامذہ، عقیدت مندوں اور دوستوں کو بے حد افسوس تھا۔ خود قبلہ عالم حضرت صاحب بے حد متأسف تھے۔ مجھے آپ نے اور والد صاحب کے اکثر تلامذہ نے متعدد بار حکم فرمایا کہ تم نے وہ ضائع ہونے والا سارا مسودہ دیکھا تھا اس لیے تمہارا یہ فرض بنتا ہے کہ اسے دوبارہ لکھو، اس طرح تم اپنے والد گرامی کی روح کو خوش کر سکو گے اور انہیں اپنی قبر میں بھی روحانی سکون حاصل ہوگا۔ میں اپنی ایک کتاب "سیرت خلفائے راشدین، از کتب شیعہ" کی تکمیل میں ہمہ تن محو تھا اس لیے اس طرف توجہ نہ دے سکا۔

میں نے وہ کتاب مکمل کی اور تکمیل کے فوراً بعد حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا جس کا میں پہلے تذکرہ کر چکا ہوں وہاں مکہ مکرمہ میں قبلہ حضرت پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے ملاقات ہوگئی وہ بھی حج کیلئے تشریف لائے ہوئے

تھے، انہوں نے دوبارہ حکم فرمایا کہ یہ کام بے حد ضروری ہے اس میں کوئی تاخیر قابل قبول نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ان شاء اللہ گھر پہنچتے ہی شروع کر دوں گا۔ چنانچہ میں نے گھر قدم رکھتے ہی اگلے دن قلم تھام لیا۔ اللہ کے فضل و کرم نے آل محمد ﷺ کے صدقہ میں مدد فرمائی اور قبلہ حضرت صاحب کا روحانی تصرف اور والد صاحب کی دعائیں کام آئیں اور مجھ جیسے ناقص العلم تہی دامن بے مایہ اور گنہگار و سیاہ کار انسان سے اللہ نے یہ کام لے لیا۔ وما توفیقی الا باللہ

جب انسان لکھنے بیٹھتا ہے تو طرح طرح کے مضامین ذہن میں اترنے لگتے ہیں کہ اس پر لکھا جائے، اس پر لکھا جائے یہی میرے ساتھ ہوا۔ میرا خیال تھا کہ جس طرح والد صاحب نے اہل بیت رسول ﷺ کی شان میں پہلے آیات مع تفسیر لکھیں، پھر احادیث وارد کیں، پھر خوارج زمانہ کے اعتراضات کا رد لکھا، پھر چلتے چلتے بات ابن تیمیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچی اور ان کی بعض عبارات جن سے نقص شان علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا پہلو نکلتا ہے پر گفتگو ہوئی اور ان کے بعض نظریات زیر بحث آئے۔ میں بھی انہی خطوط پر چلوں گا مگر میں نے دیکھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے اہل سنت کو قلم اٹھاتے ہوئے احتیاط کی ضرورت ہے اس لیے میں نے کئی باتوں کو قلم انداز کر دیا اور مناسب جانا کہ فضائل اہل بیت کے بیان ہی پہ زیادہ زور دیا جائے۔ اس لئے یہ کہنا مشکل بلکہ غلط ہے کہ یہ وہی تمام مضامین ہیں جن پر قبلہ والد گرامی نے قلم اٹھایا تھا تاہم جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ انہی کے خیالات کی ترجمانی ہے۔ جس طرح میں اولاد ہونے کی حیثیت سے انہی کے وجود کا حصہ ہوں اسی طرح ان کا شاگرد ہونے کے ناطے میرے افکار بھی انہی کے افکار کا حصہ ہیں۔ مجھے امید واثق ہے کہ اہل علم میری اس حقیر کوشش کو سراہیں گے اور حوصلہ افزائی کریں گے اور جہاں خامی دیکھیں گے آگاہ فرما کر اصلاح کا موقع فراہم کریں گے۔ وفقنا اللہ لما یحب ویرضاہ

محمد طیب غفرلہ 18 جولائی 2000ء

کچھ مصنف کے بارے میں

استاذ العلماء مولانا قاری محمد طیب صاحب علماء، احباب علم و دانش، صاحبان قرطاس وقلم کے حلقہ میں ایک باعمل عالم دین، خوش گفتار، خوش اخلاق، بلند شعار، نفیس طبع، عالم، قاری، محقق اور مصنف کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کو بچپن ہی سے دین سے ایسی لگن اور محبت تھی کہ آپ نے دس سال کی عمر میں قرآن کریم مکمل حفظ کرنے کے بعد صرف ساڑھے چار سال کی قلیل مدت میں نو سال پر محیط درس نظام کا سارا کورس اپنے والد گرامی محقق اسلام شیخ القرآن علامہ محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل کر لیا اور دورہ حدیث شیخ المحدثین علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ رضویہ فیصل آباد میں کیا۔ آپ کے والد گرامی فرماتے ہیں ''میرے اس بیٹے نے اس محنت اور لگن سے پڑھا ہے کہ جب میں پچھلی رات سحری کے نفل پڑھنے کے لیے اٹھتا تو اس وقت یہ اپنے مطالعہ سے فارغ ہو کر گھر آرام کرنے کے لیے آ رہا ہوتا۔'' کوئی شک نہیں جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے دین کی خدمت لینا ہوتی ہے۔ انہیں کسی اور کام میں لگن دی ہی نہیں جاتی۔ ان کی ساری صلاحیتیں دین کے لیے وقف ہو جاتی ہیں۔ مصنف علام نے عربی بول چال کے حوالہ سے کوئی کورس یا تعلیم و تعلم کا مستقل سلسلہ اپنائے بغیر اپنی خداداد صلاحیت سے دور طالب علمی میں کتب درسیہ پر ایسے شاندار اور فصیح و بلیغ عربی حواشی لکھے جو دلائل و براہین سے مزین و آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ حسن کتابت و خوشنویسی کا بھی ایک خوبصورت شاہکار ہیں جنہیں دیکھ کر اور پڑھ کر حضرت مصنف کی طبعی نفاست کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے نوعمری میں ہی اپنے والد گرامی کے ساتھ جامعہ کے تنظیمی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سترہ سال کی عمر میں مسند تدریس پر فائز ہوئے اور باکمال علمی کاوشوں کا لوہا منوایا۔ عام طور پر درس نظامی کے اساتذہ فن قراءت سے کم مانوس ہوتے ہیں لیکن حضرت مصنف بیک وقت کتب درسیہ کے ساتھ فن تجوید میں بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے یہی آپ کی وہ ہمہ جہت تدریسی و تنظیمی خدمات تھیں جنہوں نے اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ کو کسی حد تک تدریسی ذمہ داریوں سے بے نیاز کر کے تصنیف و تالیف کے لئے موقع فراہم کیا۔ فن قراءت پر مشہور زمانہ کتاب ''شاطبی'' کی چار جلدوں پر مشتمل شرح، آپ کا ایک مثالی کارنامہ ہے۔ دوران تدریس طلباء سے عبارت سنتے اور اعراب کی درستگی پر پورا زور دیتے۔ مفہوم اس شاندار الفاظ میں بیان کرتے کہ ترجمہ میں ایک ایک لفظ طالب علم کے ذہن میں نقش ہو جاتا۔ تنظیمی امور میں طلباء کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے کبھی کبھار طلباء سے انتظامی امور کی بجا آوری میں کوئی غفلت سرزد ہو جاتی تو ناظم جامعہ کے حضور اس غلطی کو اپنی غلطی قرار دیتے ہوئے معذرت کے لیے پیش ہوتے۔ اپنے اساتذہ والدین اور مرشد طریقت کے حضور ہمیشہ نیازمندی سے حاضری دیتے۔ آپ کی یہی عادت ان تمام بزرگوں سے دعا کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

سلسلہ طریقت میں آمد

جناب مصنف کے والد حضرت محقق اسلام علامہ محمد علی علیہ الرحمۃ کو اپنے دور کے اکابر علماء سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو دور طالب علمی میں ہی پیر طریقت، رہبر شریعت حضور خواجہ خواجگان خواجہ نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آگے چل کر حضرت محقق اسلام کو استاذ المحدثین امام الفقہاء حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم اعلیٰ جامعہ حزب الاحناف اور پھر میزبان مہمانان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ضیاء الملت والدین بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضور قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ دونوں بزرگوں سے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ سے سند خلافت عنایت ہوئی۔ حضرت قبلہ محقق اسلام فرماتے ہیں جب مجھے حضرت قطب مدینہ کی طرف سے خلافت عنایت ہوئی۔ چند ہفتوں بعد مجھے ایک نہایت ایمان افروز خواب آیا۔ بحالت نیند میں ایک بہت بڑا اجتماع دیکھتا ہوں اور پھر ایک آواز سنتا ہوں۔ حضور جان کائنات رحمت عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد اعلان ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربار عالیہ شرقپور شریف میں جلوہ فرما ہیں۔ پھر میں اپنے آپ کو آستانہ عالیہ شرقپور شریف پر حاضر پاتا ہوں۔ وہاں پھر ایک آواز سنتا ہوں کہ آج یہاں شرقپور شریف میں حضور محبوب سبحانی، قطب ربانی، شہباز لامکانی، میراں محی الدین الشیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما ہیں۔ میں دل ہی میں اپنے آپ کو اس قدر خوش نصیب خیال کرتا ہوں کہ آج مجھے قسمت کس بلند مقام پر لے آئی ہے۔ پھر خیال آیا کہ آج میرا بیٹا محمد طیب بھی میرے ساتھ ہوتا تو اس نور کی برسات میں وہ بھی مالا مال ہوتا اچانک میں نے اپنے پیچھے دیکھا تو وہ میرے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا ہے اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔

سحری کا وقت تھا۔ میں نے اپنے بیٹے محمد طیب کو بلایا۔ ابھی خواب کی وجہ سے وجدانی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ آنکھیں برس رہی تھیں اور میں نے سحری کے پرسکون اور پرنور وقت میں سلسلہ عالیہ قادریہ میں اسے بیعت کر لیا۔

حضرت محقق اسلام باعمل عالم دین اور صاحب نظر ولی کامل تھے۔ آپ کو اپنی موت کا وقت معلوم ہو چکا تھا۔ آپ کا وصال 28 صفر المظفر کو ہوا۔ 25 صفر کو اتفاقاً جمعۃ المبارک کا دن تھا، آپ نے راقم الحروف اور مولانا قاری محمد طیب صاحب سے فرمایا۔ مجھے اپنی زندگی کا یقین نہیں۔ جامعہ رسولیہ میں ہونے والے حضرت خواجہ نور الحسن شاہ صاحب کیلانی علیہ الرحمۃ کے عرس کے اشتہار چھپ چکے ہیں۔ 2 ربیع الاول کو میرے آقا نعمت حضور قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب تشریف لا رہے ہیں تم دونوں اور جو چند ایک میرے نیاز مند ہیں میرے آقائے نعمت سے گزارش کرنا کہ وہ تم سب کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں قبول فرمالیں۔ 2 ربیع الاول کو حضور قبلہ عالم پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ رسولیہ میں تشریف لائے۔ تو آپ نے حضرت محقق اسلام کی وصیت کے مطابق آپ کے نیاز مندوں کو 12 ربیع الاول رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دن اپنے سلسلہ میں لینے کا وعدہ فرمایا اور 12 ربیع الاول کو گلشن راوی میں سراپا حسن و اخلاق پیر طریقت حاجی محمد شفیق صاحب

کے دولت خانہ پر تشریف لائے حسب وعدہ آپ نے ان تمام احباب کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں قبول فرمایا۔ یوں جناب مصنف کو طریقت کے ان دو عظیم سلسلوں سے فیض کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت محقق اسلام علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد حضور تاجدار کیلانی نے حضرت محقق اسلام علیہ الرحمۃ کی ساری اولاد پر جو شفقت فرمائی اور خصوصی دعاؤں سے نوازا اس شفقت نے حضرت محقق اسلام کی اولاد کو والد گرمی کے سایہ رحمت کے اٹھ جانے کا احساس نہیں ہونے دیا۔

حضرت مصنف اس بات کا نہ صرف اعتراف کرتے ہیں بلکہ باعث فخر کہتے ہیں کہ میری اس تحریر میں حضور سید السادات پیر طریقت واقف اسرار حقیقت پروردہ آغوش ولایت حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں اور آپ کا روحانی تصرف شامل ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ سادات کرام اپنے حسب ونسب میں بے مثال ولاجواب ہیں۔ لیکن جو مقام اللہ تعالیٰ نے حضور سیدی وسندی تاجدار کیلانی کو عطا فرمایا وہ بڑا ہی بے مثال اور منفرد ہے۔ کہ آپ بعض اور سادات کرام کی طرح نسبی تعلق کی بناء پر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کے متعلق نہایت معمولی سے معمولی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوئے۔ جس جرأت اور بہادری کے ساتھ آپ نے سادات کرام کی ناموس کا دفاع کیا۔ اسی جرات اور بہادری کے ساتھ ناموس صحابہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا دفاع کیا۔ آپ کا وصیت نامہ حضرت محقق اسلام علامہ محمد علی نقشبندی رحمہ اللہ کی کتب میں چھپ چکا ہے۔ جس میں آپ نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا:

> ”میرے بعد میرے آستانہ پر میری اولاد سے تمام سادات امہات المومنین و جملہ صحابہ کرام کیساتھ عقیدت و محبت کا دعوی رکھنے کے باوجود جس نے کسی ایک صحابی کے بارے میں معمولی سے معمولی بدگمانی کا ارتکاب کیا وہ سجادہ نشین ہی کیوں نہ ہو اس کا مجھ سے نہ دنیا میں تعلق ہے نہ آخرت میں۔“

حضرت مرشد کامل کی دین کے ساتھ کمال محبت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ علماء کرام کو ہمیشہ رہنے والے کام یعنی تحریر کی طرف نہ صرف رغبت دیتے رہے بلکہ اپنی جیب خاص سے اسے شائع کرنے کا اہتمام بھی فرماتے رہے۔ یہ آج کے مشائخ کے لئے ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ آستانے جہاں خرافات دن بدن بڑھ رہی ہیں ان مشائخ کو اپنے آستانوں کا تقدس برقرار رکھنے کے لیے ایسا مثالی کردار پیش کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قبلہ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کے اسی علمی فیضان کو نسل در نسل جاری وساری رکھے۔ آمین!!

رضائے مصطفیٰ نقشبندی

ناظم اعلیٰ: جامعہ رسولیہ شیرازیہ

بلال گنج، لاہور

کچھ کتاب کے بارے میں

صحابہ کرام، امہات المومنین رضی اللہ عنہم، آل رسول ﷺ۔ یہ سیرت کا ایک ایسا نازک مرحلہ ہے جہاں بڑے بڑے دانشور سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لکھتے لکھتے محبت آل رسول رضی اللہ عنہم سے اکھڑ گئے اور بعض عظمت آل رسول رضی اللہ عنہم لکھتے لکھتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے۔ اس نازک مرحلہ پر ہر مسلمان کو اس یقین سے گزرنا چاہیے کہ جس زبانِ رسالت نے علی المرتضیٰ، فاطمہ الزہرا، امام حسن، سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہم سے عقیدت ونیاز مندی کا حکم دیا اسی زبان رسالت نے خلفاء ثلاثہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم سے نیاز مندی کا حکم دیا۔ مقام افسوس ہے کہ ہمیں اپنے رسول پاک ﷺ کی ایک بات سے اتفاق ہے اور دوسری سے اختلاف۔ مصنف علام نے جہاں اہل بیتِ رسول رضی اللہ عنہم کی عظمت میں کمال علمی مواد جمع کیا وہیں دامن صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ بلکہ جہاں آیات قرآنیہ اور ارشادات رسول ﷺ سے استدلال کیا وہاں صحابہ کرام وامہات المومنین رضی اللہ عنہم کے ایمان افروز کلمات تحسین پیش کیے جس سے کتاب کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ یہ وہ کمال کوشش ہے جسے جس قدر خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ مصنف علام کی اس علمی کاوش نے امت میں انتشار وافتراق کی فضا کو ختم کر کے اسے دائرہ محبت کے قریب لا کر کھڑا کیا ہے۔ محبت اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی آڑ میں واقعہ کربلا کے حوالے سے جو کم علم واعظین اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی بے صبری بے قراری بیان کرنے جیسی جسارت کے مرتکب ہوئے انہیں میٹھے اور محبت بھرے انداز میں اس مقام کی نزاکت کا احساس دلایا۔ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم نے میدان کربلا میں نہ بے صبری کی نہ ان کی چیخوں کی آواز خیموں سے آئیں نہ ہی انہوں نے پلید یزیدیوں سے پانی کی بھیک مانگی۔ بلکہ انہوں نے جرات وبہادری کی وہ شاندار مثال قائم کی جس سے اسلام کا سر ہمیشہ کے لیے بلند ہوگیا۔ اس واقعہ کو جس افسانوی انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔ وہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے مقام سے بہت گرا ہوا انداز ہے بلکہ جناب مصنف نے قرآن کی تفسیر میں اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا کردار پیش کیا۔

"اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔"

عبارت کی نفاست اور حسن استدلال کی بناء پر کتاب اپنے موضوع پر بالکل منفرد اور انوکھی اور جداگانہ اعزاز کی حامل ہے۔ ایسی انوکھی تحریر کی مثال اس موضوع پر لکھی جانے والی تحریروں میں بہت کم ملے گی۔ جن کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔

حضرت مصنف کو اہل بیت اطہار سے محبت گھٹی میں پلا دی گئی۔اس لئے ہر لفظ محبت وعقیدت کا خوشبو دار پھول ہے اور بدگمانی اور بدعقیدگی کی فضا میں حکمت ومعرفت کا چمکتا ہوا چراغ ہے۔اس قدر دلنشیں انداز، جس موضوع کو شروع کریں اسے مکمل کیے بغیر دل کو قرار نہیں۔لحہ بہ لحہ تجسس بڑھتا جاتا ہے دل روشن اور منور ہوتا جاتا ہے۔ہر عنوان ہر سطر اور ہر لفظ پر مصنف کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی اس حسین کاوش کو (جو اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی بارگاہ میں ان کا نیا زمندانہ نذرانہ ہے) اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔

رضائے مصطفیٰ نقشبندی
ناظم اعلیٰ دار العلوم جامعہ رسولیہ شیرازیہ
بلال گنج لاہور

باب اوّل

اہل بیت رسول ﷺ کے اجتماعی فضائل

فصلِ اول:

آیاتِ قرآن مجید اور فضیلت اہل بیت رسول ﷺ

پہلی آیت مباہلہ نصاریٰ اور شانِ اہلِ بیت

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران آیت 61 پارہ 3)

ترجمہ: جو آدمی آپ سے (الوہیت عیسیٰ میں) جھگڑے بعد ازاں کہ آپ کے پاس علم آگیا تو آپ (اسے) کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی۔ اور ہم خود بھی آجاتے ہیں اور تم خود بھی آجاؤ۔ پھر ہم مباہلہ کرتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کی دعا کرتے ہیں۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ نجران کے علاقہ کے عیسائی 9 ہجری میں مدینہ طیبہ آئے اور حضور پرنور نبی پاک ﷺ سے الوہیت عیسیٰ پر جھگڑا کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے دلائل سے ان پر حق واضح کیا مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ تب اللہ کریم نے یہ آیت اتاری کہ اے نبی ﷺ! آپ ان عیسائیوں سے کہہ دیں کہ تم اپنے بیٹے لے آؤ، ہم اپنے بیٹے لے آتے ہیں۔ تم اپنی عورتیں لے آؤ ہم اپنی عورتیں لے آتے ہیں تم خود بھی آجاؤ ہم بھی آجاتے ہیں اور ایک جگہ جمع ہو کر اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو اور وہ ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ وقت مقرر ہوا۔ آپ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اور اپنے نواسوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو لے کر میدان میں نکلے۔ اس نورانی جماعت کو دیکھ کر عیسائی دور ہی سے بھاگ گئے اور کہنے لگے اگر ان لوگوں نے دعا کر دی تو یقیناً اللہ کا عذاب اترے گا اور کوئی عیسائی زندہ نہیں بچے گا۔

تو لفظ اَبْنَاءَنَا کے تحت آپ ﷺ حضرت حسن وحسین کو لے کر نکلے۔ نِسَآئَنَا کے تحت سیدہ فاطمہ خاتون جنت کو لے کر آئے۔ آپ ﷺ کی دیگر بیٹیاں رقیہ، ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہن ساری اس واقعہ سے قبل وصال کر چکی تھیں اس کی تحقیق کے لئے ملا باقر مجلسی کی کتاب "حیات القلوب" دیکھی جائے اور بعض روایات میں ہے کہ آیت مبارکہ کے الفاظ وَاَنْفُسَنَا (کہ ہم خود بھی آتے ہیں) کے تحت آپ ﷺ خود نکلے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی اس میں شامل کیا۔ اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

1۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (نجرانی وفد کے سردار) عاقب اور سید آئے۔ آپ نے انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں آپ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو میں جانتا ہوں کون سی چیز تمہیں اسلام لانے سے روکتی ہے کہنے لگے بتایئے! فرمایا: صلیب کی محبت، شراب نوشی اور خنزیر خوری کی لذت، یہ چیزیں تمہیں اسلام سے روکتی ہیں۔ حضرت جابر کہتے ہیں تب آپ نے ان کو دعوت دی کہ ایک دوسرے پر لعنت کی دعا کرتے ہیں انہوں نے اگلے دن آنے کا وعدہ کیا۔ اگلے دن رسول کریم ﷺ تشریف لائے۔ حضرت علی اور فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا ہوا تھا۔ پھر آپ نے سید اور عاقب کو بلایا انہوں نے آنے سے انکار کر دیا اور اپنے عجز کا اقرار کیا نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالحقِّ لَو فَعلا لَاَمْطَرَ الوادی عَلَیهما ناراً۔

ترجمہ: اس رب کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اگر وہ دونوں آجاتے اور ملاعنت کرتے تو یہ وادی ان پر آگ برسا دیتی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنا وَاَبْنَآئَکُمْ۔

اور وہ اس طرح کہ اَنْفُسَنَا سے رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں ابنآئنا سے حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور نسآئنا سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں:

(تفسیر در منثور بروایت حاکم، ابن مردویہ، ابونعیم فی الدلائل جلد 2 صفحہ 68 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

2۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ندع ابنآئنا و ابنائکم...الخ، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلِیْ اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں (میرے اہل وعیال ہیں) (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حدیث 6217، جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حدیث 3724)

3۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی واقعہ مباہلہ روایت کرتے ہوئے آخر میں کہا رسول اللہ ﷺ مباہلہ کے لیے نکلے تو آپ کے ساتھ علی، فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ نبی پاک ﷺ نے ان سے فرمایا: اِنْ اَنَا دَعَوْتُ فَاَمِّنُوْا اَنْتُمْ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا تو عیسائیوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ (تفسیر درمنثور جلد 2 بروایت ابونعیم فی الدلائل صفحہ 69 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ عیسائیوں نے بھی مباہلے کے لیے میدان میں نکلنا چاہا مگر ان کے ایک سردار نے کہا میں مقابلے میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں اگر یہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے۔

(تفسیر کبیر للفخر الرازی جلد 3 صفحہ 247 مطبوعہ دار الحدیث ملتان)

ان احادیث سے مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اس موقع پر اپنے مقرب ترین افراد کو لے کر نکلے۔ بہرحال اس جگہ ان حضرات کے لیے بہت بڑا مقام اور فضلیت ہے رسول اکرم ﷺ ان نفوس قدسیہ کو اپنے ساتھ اسلام کی دلیلوں کے طور پر لے کر نکلے گویا آپ زبان حال سے فرما رہے تھے۔ عیسائیو! میرے دین کی صداقت دیکھنی ہے تو شجاعت علی کو دیکھ لو، میری بیٹی کی طہارت وعفت کو دیکھ لو اور حسین وحسن کی عظمت کو دیکھ لو۔

جب یہ نفوس قدسیہ صداقتِ اسلام کے لیے دلائل ٹھہرے تو جتنا دعویٰ عظیم ہو دلیل بھی اسی قدر عظیم ہوتی ہے۔ اور یہ دلیل وہ ہے جو امام الانبیاء صاحب قرآن حبیب رحمان ﷺ نے پیش کی ہے۔ جب صداقتِ اسلام میں کوئی شک نہیں ہے تو عظمتِ اہل بیت رسول اللہ ﷺ میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

اس جگہ لفظ ابناء نا کے تحت رسول اللہ ﷺ کا اپنے نواسوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو لیکر نکلنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے لیے بیٹوں کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی لیے ان دونوں کی ذریت کو اولاد رسول ﷺ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی رگوں میں رسول اللہ ﷺ کا خون ہے۔

اس آیت کے تحت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے بہت خوبصورت کلام فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ حسن وحسین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں، اللہ رب العزت نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ آپ اپنے بیٹے لیکر آئیں تو آپ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو لیکر آئے، تو واجب ٹھہرا کہ دونوں آپ کے بیٹے ہوں، اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ ۔ وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے داود، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام ہیں۔ (سورہ انعام آیت 84)

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف اپنی والدہ کے ذریعے ذریت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ثابت ہوا کہ

کبھی بیٹی کا بیٹا (نواسہ) بھی بیٹا کہہ کر بلایا جاتا ہے، اسی بنیاد پر حسنین کریمین کو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے قرار دیا گیا۔ (تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 248 مطبوعہ مکتبہ دار الحدیث ملتان)

حسنین کریمین کو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے کیوں قرار دیا گیا؟

میں نے اپنی تفسیر برھان القرآن میں اس آیت مباہلہ کے تحت جو لکھا ہے اس کا مقدمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سگے بیٹے طیب، طاہر، قاسم اور ابراہیم اللہ رب العزت نے شیر خوارگی ہی میں اٹھا لیے تھے۔ کیونکہ اگر آپ کا کوئی سگا بیٹا بڑا ہوتا اور آپ کے بعد زندہ رہتا تو بہت ممکن تھا کہ کئی گمراہ لوگ اسے نبی مان لیتے اور کہتے کہ اگر انبیاء سابقین کے بیٹے انبیاء ہو سکتے ہیں تو سید الانبیاء ﷺ کا بیٹا کیوں نبی نہیں ہے؟

اس لیے اللہ رب العزت نے آپ کی سگی نرینہ اولاد کو بچپن میں ہی اٹھا لیا۔ (اسی لیے فرمایا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(سورہ احزاب آیت 40)

گویا تحفظِ ختم نبوت کے لیے آپ کے سگے بیٹوں کو شیر خوارگی میں اللہ نے واپس بلا لیا جبکہ آپ کی چار بیٹیاں جوان ہوئیں۔ اُن کی شادیاں ہوئیں مگر ان میں سے کسی سے نرینہ اولاد نہ ہوئی اگر ہوئی تو فوت ہوگئی، سوا سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے، یعنی صرف حسنین کریمین ہی وہ دو بیٹے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے پلے بڑھے، اس لیے انہیں ہی اولاد رسول ﷺ قرار دیا گیا اور حضور ﷺ انہیں ہمیشہ اپنے بیٹے ہی کہہ کر پکارتے تھے کبھی نواسہ نہ کہا۔ اس لیے ان کی پشتوں سے دنیا میں پھیلنے والے تمام حسنی و حسینی سادات کرام کو اولاد رسول ﷺ ہی کہا اور مانا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی رگوں میں رسول اللہ ﷺ کا خونِ مبارک جاری ہے۔ ان کا احترام بالواسطہ احترام رسول ﷺ ہے اور ان کو تکلیف دینا بالواسطہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینا ہے۔ (تفسیر برھان القرآن جلد 2 صفحہ 77 مطبوعہ مکتبہ برھان القرآن داتا دربار مارکیٹ لاہور)

مختصر ترین لفظوں میں یوں سمجھو کہ رسول اکرم ﷺ کی گود مبارک نرینہ اولاد سے خالی تھی تو اللہ نے اسے حسنین کریمین کے ذریعے بھر دیا۔

دوسری آیت: اللہ نے اہل بیت رسول ﷺ کو پاک فرما دیا

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٣٢ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ﴿۳۳﴾

(سورہ احزاب آیت 32، 33 پارہ 22 رکوع 1)

ترجمہ: اے نبی ﷺ کی بیویو! تم کسی دوسری عورت کی طرح نہیں ہو۔ (سب سے افضل ہو) اگر تم اللہ سے ڈرو تو اپنی بات میں لوچ (ہلکی مسکراہٹ) نہ رکھا کرو کہیں وہ شخص تم میں دلچسپی نہ لے جس کے دل میں مرض ہے اور ہمیشہ اچھی بات کہا کرو اور اپنے گھر میں ٹھہرا کرو اور دور جاہلیت والی پرانی بن ٹھن کے ساتھ باہر نہ نکلا کرو اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے اے رسول کے گھر والو! کہ تم سے ہر طرح کی آلائش (ناپاکیزگی) دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

اس آیت میں لفظ اہل بیت یعنی رسول کے گھر والے کا مصداق کون ہے؟ کن لوگوں کے حق میں یہ لفظ بولا گیا ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے تین اقوال ہیں:

قول اول:

اس سے صرف ازواجِ رسول ﷺ مراد ہیں کوئی دوسرا اس میں شامل نہیں چنانچہ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (جو خود آل محمد ﷺ میں شامل ہیں ان پر صدقہ حرام ہے) سے یہ روایت کیا کہ نَزَلَتۡ فِي نِسَاءِ النَّبِي خَاصَّةً یہ آیت صرف اور صرف ازواج نبی ﷺ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ عکرمہ (تابعی) رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

مَنۡ شَاءَ بَاهَلتهُ اِنَّهَا نَزَلَتۡ فِي اَزۡوَاجِ النَّبِي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد 9 صفحہ 3132 حدیث 17675 مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

ترجمہ: جو شخص چاہے میں اس سے یہ مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ یہ آیت ازواج نبی ﷺ ہی کے لیے اتری ہے۔

ابن جریر نے بھی صحابی رسول سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عکرمہ بازاروں میں ندا کیا کرتے تھے کہ یہ آیت اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! تم سے اللہ ہر قسم کی آلائش کو دور رکھے) امہات المومنین کے لیے ہی نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن جریر سورۃ احزاب جلد 22 صفحہ 15 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اسی طرح ابن سعد نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ازواج رسول ﷺ کے حق میں ہی یہ آیت اتری ہے۔ (تفسیر روح المعانی سورہ احزاب جلد 22 صفحہ 13 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صرف ازواج رسول ﷺ مراد لینے والوں کی یہی دلیل ہے کہ اس آیت کا مضمون ہی یا نسآء النبی (اے

ازواجِ رسول) کے لفظ سے شروع ہو رہا ہے پھر لَا تَخْضَعْنَ، قُلْنَ، قَرْنَ اَقِمْنَ، اور اَطِعْنَ جیسے صیغہ ہائے جمع مونث صاف صاف بتا رہے ہیں کہ ازواج رسول مراد ہیں اور اگلی آیت میں وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ صیغہ ہائے جمع مونث بھی یہی سمجھا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر لفظ اہل البیت اور اہل کسی شخص کی بیوی کے لیے ہی استعمال ہوا ہے مثلاً:

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُه عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔

ترجمہ: (فرشتوں نے حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام سے کہا) کیا تم حکم خداوندی سے تعجب کرتی ہو (کہ بڑھاپے میں ہم سے کیسے بچہ پیدا ہوگا) اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

(سورہ ھود آیت 73 پارہ 12)

اس آیت میں لفظ اہل البیت بیوی ہی کے لیے بولا گیا ہے۔

2۔ اِذْ رَاٰنَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو اپنی اہل یعنی اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں آگ دیکھ رہا ہوں۔

(سورہ طٰہٰ آیت 10 پارہ 16)

3۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا۔

ترجمہ: تو جب موسیٰ علیہ السلام نے (حضرت شعیب کے پاس) اپنی میعاد پوری کر لی اور اپنی اہل (بیوی) کو لے چلے تو طور کی جانب سے آگ محسوس ہوئی تو اپنی اہل سے کہا۔ (سورہ قصص آیت 29 پارہ 20 رکوع 7)

4۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ۔

ترجمہ: اور جب آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے باہر تشریف لائے۔

(سورہ آل عمران آیت 121 پارہ 4)

اس آیت میں لفظ اھل سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اترا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر نص فرمائی ہے۔

5۔ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے کہا کیا میں تمہیں ایسے گھر والے نہ بتاؤں جو اس بچے (موسیٰ) کی کفالت کریں گے اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں گے۔ (سورہ قصص آیت 12 پارہ 20)

تو ان تمام آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے لئے بولا گیا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے اپنے گھر کی مالکہ کے لئے یعنی اپنی والدہ کے لئے اہل بیت کا لفظ استعمال کیا۔ تو جب

سارے قرآن مجید میں یہی طریقہ چلا آرہا ہے تو آیت تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ ...الخ میں اہل بیت کا لفظ ازواج رسول ﷺ کے لئے کیوں نہیں ہے؟ جب کہ ان آیات کا شانِ نزول بھی ازواج رسول ﷺ ہی سے متعلق ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے زیورات طلب کیے تو آپ نے اپنی ازواج سے چند ہفتے علیحدگی اختیار کرلی جسے سیرت النبی میں واقعہ ایلا سے یاد کیا جاتا ہے تب اللہ نے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا سے لے کر اِنَّ اللہَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا تک تمام آیات نازل فرمائیں جن میں پہلے تو ازواج رسول ﷺ سے کہا گیا کہ اگر تم مال لینا چاہتی ہوتو جتنا مال چاہو لے لو۔ اس کے بعد تمہیں طلاق دی جائے گی اور اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی چاہتی ہوتو یاد رکھو اللہ کے نزدیک تمہارا مرتبہ بہت زیادہ بلند ہے تم مرتبے میں دیگر تمام عورتوں سے بڑھ کر ہو اس کے بعد فرمایا کہ اے ازواج رسول ﷺ! اللہ تو تمہیں تمام دنیاوی آلائشوں سے دور کر کے خوب پاک فرمانا چاہتا ہے تاکہ تمہارے دل سے دنیا کی تمام محبتیں ختم ہو جائیں اور تمہارے دل ہمارے نبی کی طرح ہر دنیوی خواہش سے پاک ہو جائیں اور تمہارے دلوں کو خدا اور اس کے رسول کی محبت سے بھر کر تمہیں سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا جائے۔

یہاں تک تو قولِ اول کے قائلین کے دلائل ہیں۔ راقم الحرف محمد طیب عرض کرتا ہے کہ اس قول کے اس حصے سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس آیت تطہیر میں ازواج رسول ﷺ داخل ہیں اس لئے کہ اگر ازواج نبی کو نکال دیں تو اس آیت کا ماقبل اور مابعد سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔

قول ثانی:

اس آیت میں اہل بیت سے حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمہ زہرہ خاتون جنت اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور یہ کہ صرف انہی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور اس پر اتنی احادیث وارد ہیں کہ شمار میں لانا مشکل ہے (اور اسی سبب سے راقم الحروف نے یہ آیت یہاں درج کی ہے) چند ایک یہاں لکھی جارہی ہیں

1۔ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی اکرم ﷺ صبح کو تشریف لائے جب کہ آپ کے اوپر سیاہ بالوں والی منقش چادر (کالی کملی) تھی۔ اتنے میں حسن رضی اللہ عنہ آگئے آپ نے انہیں اپنی چادر میں داخل کرلیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ آگئے وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو گئے پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں انہیں بھی داخل کرلیا گیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی داخل کرلیا پھر فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے اہل بیت رسول ﷺ! کہ تم سے ہر آلائش کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک کر

دے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل اہل بیت النبی حدیث 6261)

2۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے آپ کے ساتھ حسن وحسین اور علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ جب آپ اندر آگئے تو جناب علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کو قریب کر کے اپنے سامنے بٹھالیا اور حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو اپنے رانوں پر رکھ لیا پھر ان پر اپنی چادر ڈال دی۔ میں ان کی طرف پشت کئے بیٹھا تھا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا

(جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث 3787)

اس مفہوم کی حدیث ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے، ابن جریر، ابن مردویہ اور طبرانی نے ابوحمراء رضی اللہ عنہ سے اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اکثر دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سیدہ فاطمہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہما کے گھر کے دروازے پر نماز فجر کے لئے دستک دیتے تو فرماتے "اٹھو نماز کے لئے تم اے اہل بیت! تم کو اللہ پاک کرنا چاہتا ہے۔

ان احادیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت مولا علی، خاتون جنت اور ان کے بیٹوں حضور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوئی ہے۔ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر چادر ڈال کر یہ آیت پڑھی گویا تخصیص کر دی کہ یہ وہ اہل بیت ہیں جن سے اللہ نے ہر آلائش دور کر دی ہے اور ان کے لیے یہ آیہ تطہیر اتاری۔

قول ثانی کے قائلین یہ دلیل بھی رکھتے ہیں کہ اس آیت میں مذکر ضمیریں بولی گئی ہیں یعنی عَنْكُمُ الرِّجْسَ اور وَیُطَهِّرَكُمْ کیونکہ اس کا مدلول پانچ افراد پنج تن پاک رضی اللہ عنہم ہیں جن سے چار مرد ہیں اور ایک عورت تو اکثریت کے سبب جمع مذکر کی ضمیریں لائی گئیں۔ اگر اس جگہ اہل بیت سے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوتیں تو عنکن اور یطھر کن بولا جاتا مگر ان کا جواب قول اول والوں نے یہ دیا ہے کہ چونکہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ کے جمع کے صیغوں میں اہل البیت کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ لفظ مذکر ہے تو اس کے لیے جمع مذکر کی ضمیریں لائی گئیں ہیں اور اس کی دیگر مثالیں بھی قرآن مجید میں موجود ہیں جیسے:

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ

(سورہ ھود آیت 73 پارہ 12)

میں حضرت سارہ علیہا السلام کو خطاب ہے اور ضمیر جمع مذکر لفظ اہل البیت کی وجہ سے آئی ہے اسی طرح فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا (سورہ طٰہٰ، 10) میں موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کے لئے ضمیر جمع مذکر بولی جارہی ہے کیونکہ بیوی کو لفظ اہل سے یاد

کیا گیا ہے۔

البتہ یہاں ایک حدیث ہے جسے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِي خَمْسَةٍ فِي وَفِي عَلِيٍ وَ فَاطِمَه وَ حَسَن حُسَيْن رضی الله تعالی عنهم،

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۝

(تفسیر در منثور جلد 6 صفحہ 604)

یعنی یہ آیہ تطہیر پانچ افراد کے لیے نازل ہوئی میرے لئے، علی اور فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے لئے، مگر یہ حدیث ائمہ دین کے نزدیک پایہ صحت سے ساقط ہے، علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میری تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو پانچ کا عدد اختصاص کے لئے نہیں بلکہ یہ بتانے کے لئے ہے کہ پانچ اہل بیت پاک کے معظم ترین فرد ہیں جن کا خصوصیت سے ذکر کیا جا رہا ہے۔ کئی مواقع پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عدد بولا ہے مگر اس سے اختصاص مراد نہیں ہوتا بلکہ معظم ترین افراد کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے ارشاد نبوی ہے:

اِجْتَنِبُو السَّبْعِ الْمَوْبِقَات۔

سات مہلک کاموں سے بچو۔

(صحیح بخاری کتاب الوصایا باب 23 حدیث 2766، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 144)

آگے حدیث مبارک میں وہ سات مہلک کام بتائے گئے ہیں یعنی شرک، عقوقِ والدین، سحر، قتل، جھوٹ، غیبت اور جھوٹی گواہی وغیرہ مگر مقصد یہ نہیں کہ ان سات کے علاوہ سب کام حلال ہیں مقصد یہ ہے یہ سات کام محرمات میں سے اہم ترین اور معظم ترین ہیں۔

قول ثالث:

اس آیت میں اہل بیت سے ازواج رسول اور علی و فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم دونوں مراد ہیں۔ وہ اس طرح کہ یہ آیت اپنے سیاق وسباق اور شانِ نزول کے لحاظ سے تو ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہی نازل ہوئی ہے تاہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اس تطہیر کی نعمت سے آپ کی پیاری اور لاڈلی بیٹی خاتونِ جنت اور آپ کے پیارے نواسوں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور آپ کے چچازاد بھائی اور داماد مولا علی رضی اللہ عنہ کو بھی سرفراز کیا جائے اور جو فضل آپ کی ازواج پر ہوا ہے ان پر بھی ہو جائے تو آپ نے ان نفوس قدسیہ کو اپنی چادر میں لے کر دعا فرمائی کہ اے اللہ! اگر تو نے میری ازواج کو میرے اہل بیت کہہ کر انہیں تطہیر عطا فرمائی ہے تو اہل بیت کے لفظ سے میں ان کو بھی یاد کرتا ہوں۔ یا اللہ! ان پر بھی یہ نعمت ارزاں

فرمادے تواللہ نے اپنے محبوب کی یہ دعا قبول فرمائی۔
یہ قول پچھلے دونوں اقول کو جمع کر دیتا اور اختلاف اٹھا دیتا ہے اور متعدد احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چند ایک ملاحظہ ہوں:

1- ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ... الخ میرے گھر میں نازل ہوئی اس وقت گھر میں سات افراد تھے جبریل، میکائیل علیہما السلام، علی، فاطمہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم جب کہ میں گھر کے دروازہ پر تھی میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اَلَسْتُ مِنْ اَهْلِ الْبَيْت؟ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں؟ فرمایا:

اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ اِنَّكِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِي۔

ترجمہ: تم تو پہلے ہی بھلائی پر ہو تم تو ازواج نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سے ہو۔ ابن مردویہ۔

(تفسیر درمنثور جلد 5 صفحہ 377 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

2- حضرت ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر میں خیبر سے آئی ہوئی چادر میں لیٹے ہوئے تھے، اتنے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں ان کے پاس گوشت سے بھری ہنڈیا تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے شوہر اور اپنے دونوں بیٹوں کو بلالاؤ تو وہ انہیں بلالائیں ابھی وہ کھا ہی رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت اتری:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ... الخ

تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر ان پر ڈال دی اور پھر آپ نے چادر سے ہاتھ باہر نکال کر آسمان کی طرف پھیلائے اور دعا کی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَخَاصَتِيْ فَاذْهَبْ عَنْهُم الرِّجْس وَطَهِّرهم تَطْهِيْراً۔

ترجمہ: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے قریبی ہیں تو ان سے ہر آلائش دور کر کے انہیں خوب پاک کر دے یہ آپ نے تین مرتبہ دعا فرمائی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے بھی چادر میں سر داخل کیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وانا معکم میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ فرمایا:

اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ مَرَّتَين

ترجمہ: کہ تم دو مرتبہ بھلائی پر ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد 9 صفحہ 3133 حدیث 17679 مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

دو مرتبہ بھلائی پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو تم ازواج نبی میں داخل ہو دوسرا میں تمہیں اپنی دعا میں بھی داخل

کرتا ہوں اس طرح یہ آیت تمہارے لئے دو مرتبہ ہو جائے گی۔

3- حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ملتا جلتا دوسرا واقعہ بھی ہم آگے احادیث کی فصل میں لا رہے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بلا لاؤ۔ جب وہ آ گئے تو آپ نے ان پر چادر ڈال دی جو خیبر کے مال غنیمت میں آئی تھی اور میرا بچھونا تھی پھر آپ نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ آلِ مُحَمَّدٍ فَاجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَ بَرَکَاتَكَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَھَا عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

ترجمہ: اے اللہ یہ محمد (ﷺ) کی آل ہیں پس تو اپنی رحمتیں اور برکتیں آل محمد پر اسی طرح نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر اتاری تھیں بے شک تو حمد والا اور بزرگی والا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے چادر کا پلو اٹھا کر دیکھا تو نبی پاک ﷺ نے اسے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا تم تو پہلے ہی بھلائی پر ہو۔ (کنز العمال جلد 13 صفحہ 645 بروایت ابن عساکر مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ آیت تطہیر ازواج مطہرات کے لئے ہی اتری ہے البتہ نبی پاک ﷺ نے دعا فرما کر مولا علی شیر خدا، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں شامل کر لیا اکثر مفسرین قرآن نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے چنانچہ امام قرطبی ارشاد فرماتے ہیں:

فَھٰذِہٖ دَعْوَۃٌ مِنَ النَّبِیِّ لَھُمْ بَعْدَ نُزُوْلِ الْآیَۃِ اَحَبَّ اَنْ یُدْخِلَھُمْ فِی الْآیَۃِ الَّتِیْ خُوْطِبَ بِھَا الْاَزْوَاجُ فَذَھَبَ الْکَلْبِیُّ وَ مَنْ وَافَقَہٗ فَصَیَّرَھَا لَھُمْ خَاصَّۃً وَھِیَ دَعْوَۃٌ لَھُمْ خَارِجَۃٌ مِنَ التَّنْزِیْلِ۔

ترجمہ: یہ نبی پاک ﷺ کی طرف سے اس آیت تطہیر کے نزول کے بعد حضرت علی و فاطمہ، و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے لئے دعا ہے۔ آپ نے چاہا کہ انہیں بھی اس آیت میں داخل فرما لیں جس میں آپ کی ازواج کو مخاطب کیا گیا تھا تو کلبی اور اس کے ہم نوا لوگوں نے اسے انہی کے لئے خاص قرار دیا حالانکہ یہ دعا ان کے لئے نزول آیت سے الگ ہے۔

(تفسیر الجامع لاحکام القرآن جلد 14 صفحہ 183 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

وَعَدَمِ اِدْخَالِھَا فِیْ بَعْضِ الْمَرَّاتِ تَحْتَ الْکِسَاءِ لَیْسَ لِاَنَّھَا لَیْسَتْ مِنْ اَھْلِ الْبَیْتِ اَصْلًا بَلْ لِظُھُوْرِ اَنَّھَا مِنْھُمْ حَیْثُ کَانَتْ مِنَ الْاَزْوَاجِ اللَّاتِیْ یَقْتَضِیْ سِیَاقُ الْآیَۃِ وَ سِبَاقُھَا دُخُوْلَھُنَّ فِیْھِمْ بِخِلَافِ مَنْ اُدْخِلُوْا تَحْتَہٗ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ فَاِنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃ

و السلام لَوْ لَمْ يَدْ خلهم وَ يَقُلْ مَا قَالَ لِتَوَهّم عَدْمِ دُخُوْلِهِم فِي الآيَةِ لِعَدْمِ إِقْتِضَاء سَيَاقها۔

ترجمہ: نبی پاک ﷺ کا حضرت ام سلمہ کو چادر کے نیچے داخل نہ کرنا اس لئے نہیں تھا کہ وہ اہل بیت میں شامل ہونا ظاہر و باہر تھا جب کہ خود آیت کا سیاق وسباق واضح کر رہا ہے۔ بخلاف ان کے جنہیں آپ نے چادر میں لیا، اگر آپ ﷺ داخل نہ کرتے اور جو کچھ فرمایا نہ فرماتے تو آیت میں ان کا غیر داخل ہونا واضح نہ ہوتا کیونکہ آیت کا سیاق وسباق ان کے اہل بیت میں داخل ہونے کا متقاضی نہیں۔

(تفسیر روح المعانی جلد 22 صفحہ 15 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت علامہ آلوسی نے بڑا محققانہ اور بلیغ کلام فرمایا ہے: فللہ درہ۔

3۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وهذه كما ترى آية بينة و حجة نيرة على كون نساء النبی ﷺ من اهل بيته قاضيةٌ ببطلان مذهب الشيعة فی تخصيصهم اهل البيت بفاطمة وعلی وابنيه الحسنين رضی الله عنهم۔

ترجمہ: جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ آیت اس بات کی واضح دلیل اور روشن حجت ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہیں اور یہ آیت شیعہ مذہب کے بطلان پر فیصلہ دے رہی ہے کہ انہوں نے لفظ اہل بیت کو حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور ان کے صاحبزادگان حسن وحسین رضی اللہ عنہم سے خاص کر دیا ہے۔

آگے علامہ حقی فرماتے ہیں یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں لے کر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور یہ آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ...... الخ تلاوت کی تو یہ صرف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حضرات اہل بیت ہیں۔ لا ان من عداهم ليسو كذالك اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے سوا کوئی اہل بیت میں سے نہیں۔ (تفسیر روح البیان جلد 7 صفحہ 171 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

الغرض قریباً تمام مفسرین قرآن کی یہی رائے ہے کہ یہ آیت تطہیر ازواج رسول ﷺ کے حق میں اتری تو رسول کریم ﷺ نے دعا فرمائی اور مولا علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں داخل فرمایا یعنی اللہ نے ان کو بھی پاک کر دیا۔

تطہیر کا مطلب:

اللہ نے تو یہی فرمایا کہ اللہ اہل بیت رسول ﷺ کو ہر آلائش دنیا سے پاک کرنا چاہتا ہے انما یرید اللہ... اور

دوسری جگہ فرمایا: اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡن۔ جب اللہ کسی چیز کے لئے یہ کہنا چاہتا ہے کہ وہ ہو جائے تو ہو جاتی ہے اس لئے جب اللہ نے اہل بیت رسول کو پاک کرنے کا ارادہ فرمالیا تو پاک ہو گئے اور پاک کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے انہیں گناہوں سے محفوظ کر دیا اپنی حفاظت میں لے لیا۔ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ کا مفاد یہ ہے کہ پہلے اللہ نے ان کے دل گناہوں سے پھیر دیے اور وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا کا مفاد یہ ہے کہ پھر ان کے دل نیکیوں کی طرف راغب کر دیے، اب وہ نیکی کا ہی ارادہ کرتے ہیں یا یوں کہہ لیں۔ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ کہہ کر اللہ نے گناہوں کے اسباب اور راستے ان سے دور کر دیئے اور لِيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا میں بتایا کہ اعمال صالحہ کے اسباب ان کے لئے مہیا کر دیئے گئے۔

مذکورہ آیت اور مذکورہ احادیث کی روشنی میں معلوم ہو گیا کہ مولا علی، اور حسنین کریمین کو اللہ نے نیکیوں کی طرف راغب کیا تھا تو انہوں نے جس موقع پر جو بھی موقف اختیار کیا وہ مبنی بر نیت خیر تھا اور برحق تھا خواہ وہ واقعہ جمل ہو یا حادثہ صفین ہو یا سانحہ کربلا۔ کیونکہ آیہ تطہیر اور دعائے رسول کی برکت سے اللہ نے ہر طرح کا شر ان کی فطرت سے نکال دیا تھا۔ ان پر اعتراضات کرنا اور ان کو محل تنقید بنانا اپنے اعمال ضائع کرنے کے مترادف ہے اللہ اس سے ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین! ثم آمین!

آیتِ تطہیر اور موقف حضرت شبیر امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ:

میں نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:

- جب حضور ﷺ نے حضرات پنجتن پاک حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا، امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو چادر تطہیر میں لے کر ان کے حق میں دعاءِ تطہیر کر دی اور انہیں اس آیت کے تحت داخل کر لیا تو پھر امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو واقعہ کربلا کے حوالہ سے باغی کہنے اور آپ کی کردار کشی کرنے والے خوارج زمانہ کو خوفِ خدا سے کام لینا چاہیئے۔ ؎

انکی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیت تطہیر سے ظاہر ہے شان اہلبیت
اہل بیت پاک سے گستاخیاں، بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیکم دشمنان اہل بیت

دیکھیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی گود میں پرورش نصیب ہوئی۔ اُن کی پاکیزگی کا کیا کہنا، ان سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیوی اقتدار کے لیے حُبِ جاہ میں اس قدر مبتلا ہوں کہ امت میں تلوار چلا دیں اور اپنی کرسی کے لیے مسلمانوں کا

خون بہائیں؟ معاذ اللہ، ان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نوجوانانِ جنت کا سردار فرماتے ہیں، جب کہ باغی کے لیے اعلانِ جہنم ہے۔ باغیوں کے لیے صاف فرمایا گیا۔ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ یہ ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (سورہ مائدہ آیت 33)
تو کیا رسول اللہ ﷺ نے باغیوں کو نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا ہے؟

پھر کس قدر شقاوتِ قلبی ہے خوارج زمانہ کی کہ وہ یزید کو جنتی قرار دینے پر زور لگا رہے ہیں اور اس کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حالانکہ یزید کے سیاہ کارناموں کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ اس نے آل رسول ﷺ کو بیدردی سے دشتِ غربت میں ظالمانہ انداز میں قتل کیا اور جن ظالموں نے شہزادگان خاندان رسالت کے سروں کو نیزوں پر اٹھایا ان کی نوکریاں پکی کیں پھر اہل مدینہ پر ظلم کا بازار گرم کیا سینکڑوں صحابہ و تابعین کا قتل عام کیا۔ مدینہ پاک کی پاک بچیوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا، ایک ہزار کنواری پاک باز لڑکیوں کو زنا کا حمل ٹھہرا مسجد نبوی کے مقدس صحن کو گدھوں اور خچروں کے بول و براز سے آلودہ کیا گیا اور کعبہ شریف کو آگ لگائی گئی، جس وقت یزید عنید کی شام میں موت واقع ہوئی اس وقت کعبۃ اللہ کے پردے یزیدی فوج کے ہاتھوں آگ سے جل رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 228 مطبوعہ دارالریان مصر)

خوارج ایسے شخص کو جنتی قرار دینے پر زور لگا رہے ہیں اور نواسہ رسول ﷺ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی سمجھتے ہیں دیکھیے ایک طرف باغی کو قرآن جہنمی کہتا ہے دوسری طرف قرآن اہل بیت کی پاکیزگی کا اعلان کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی کملی شریف (چادر مبارک) میں لیکر انہیں آیت تطہیر میں شامل فرما رہے ہیں اور ان کو نوجوانان جنت کا سردار قرار دے رہے ہیں۔
(تفسیر برھان القرآن جلد 5، صفحہ 508، 509 مطبوعہ مکتبہ برھان القران داتا دربار مارکیٹ لاہور)

مختصر ترین لفظوں میں خلاصہ یہ ہے کہ جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ آیت تطہیر اور احادیث مذکورہ کی روشنی میں ہر رجس سے پاک ہیں تو جنہوں نے آپ پر کربلا میں ظلم کے پہاڑ توڑے وہ یزیدی لوگ پرلے درجے کے ناپاک ہیں۔ الحمد للہ یہ ہمارا نصیب کہ ہم پاک ترین لوگوں کے ساتھ ہیں اور خوارج کا اپنا نصیب کہ وہ ناپاک ترین لوگوں کے ساتھ ہیں۔

تیسری آیت:

نبی و آل نبی پر درود و سلام!

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجو اور خوب سلام کہو۔ (سورہ احزاب آیت 56 پارہ 22)

اب ایمان والے کیسے نبی پاک ﷺ پر درود وسلام بھیجیں؟ اس کا طریقہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ مجھے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ملے تو فرمایا کیا میں تجھے ایک تحفہ دوں؟ جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا میں نے کہا کیوں نہیں۔ مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت کیجئے، کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ یارسول اللہ! کیف الصلوۃ علیکم اھل البیت آپ اہل بیت پر ہم کس طرح صلوۃ یعنی درود پڑھیں۔ (کیونکہ حضور پرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ خود بھی اہل بیت میں شامل ہیں اور اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ...... الخ کے مخاطبین میں سے ہیں) ہمیں اللہ نے آپ کی زبان سے یہ تو بتا دیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کیسے پڑھیں (چنانچہ ہم نماز میں) السلام علیك ایھا النبی و رحمة الله وبر کاته پڑھتے ہیں مگر ہمیں درود پڑھنے کا پتہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو:

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید. اللّٰھم بارك علیٰ محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔

ترجمہ: اے اللہ! محمد وآل محمد پر درود بھیج جیسے تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود بھیجا ہے بے شک تو حمد والا بزرگی والا ہے اے اللہ! محمد وآل محمد پر برکت فرما جس طرح ابراہیم اور آل ابراہیم پر تو نے برکت کی بے شک تو حمد والا بزرگی والا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب 10 حدیث 3370، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب 17 حدیث 908، سنن نسائی کتاب السہو باب 49، سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب 25)

تو اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد وآل محمد ﷺ پر درود وسلام پڑھتے رہنا چاہیے۔

آل محمد کون ہیں؟

اب یہ سمجھنا باقی ہے کہ آل محمد ﷺ کون ہیں؟ جن پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا گیا ہے تو اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اول:

آل محمد ﷺ سے صرف وہی لوگ مراد ہیں جن کو نبی ﷺ نے اپنی چادر کے نیچے لے کر فرمایا تھا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں یعنی حضرت علی مرتضیٰ، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم، ان کی دلیل وہ ہے جو پیچھے دو مرتبہ گذر چکی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات کو چادر میں لے کر فرمایا:

اللھم ھؤلاء آل محمد فاجعل صلواتك و بر کاتك علی آل محمد کما جعلتھا علیٰ

ابراهيم انك حميد مجيد۔

ترجمہ: اے اللہ! یہ ہیں آل محمد ﷺ پس تو درود اور برکتیں آل محمد پر اسی طرح نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر نازل فرمائیں بے شک تو حمد والا بزرگی والا ہے۔

گویا حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم ہی اہل بیت ہیں اور یہی آل محمد ہیں انہی کے لئے تطہیر ہے اور انہی کے لئے درود اور چونکہ آل کا معنی عموماً اولاد ہی لیا جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔

ترجمہ: کہ ہم نے ابراہیم اور عمران کی اولاد کو عالمین پر فضلیت دی۔

اس لئے سیدہ فاطمہ اور ان کی اولاد ہی اولادِ محمد کہلانے کی حقدار ہیں اور حضرت علی اولادِ رسول میں حکماً داخل ہیں کہ داماد بھی بیٹا ہی ہوتا ہے۔

قولِ ثانی:

آل محمد میں ازواج رسول بھی داخل ہیں اور آپ کی ذریت بھی۔ کیونکہ آدمی کی آل میں اس کی بیوی اور بچے سبھی شامل ہوتے ہیں اور اسی کو فیملی کہتے ہیں یعنی آل بمعنیٰ افراد خانہ کیونکہ آل اصل میں اہل تھا ہاء کو ہمزہ کیا گیا تو دو ہمزے جمع ہو گئے اور ائل ہو گیا پھر دوسرے ہمزے کو پہلے کی حرکت کے موافق الف سے بدل دیا جیسا کہ لسان العرب القاموس اور مفردات القرآن وغیرہ میں لکھا ہے اس طرح اہل سے آل بن گیا اور عربی میں ہاء کو ہمزے سے بسا اوقات بدلا جاتا ہے جیسے مآء اصل میں ماہ تھا اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ آل کی تصغیر اھیل آتی ہے اور تصغیر سے لفظ کی اصلیت کا پتہ چل جاتا ہے نحو کا قاعدہ ہے:

التصغير يرجع الى اصل الاسماء۔

جب آل کا معنی اہل ہے تو نبی پاک ﷺ کے اہل میں ازواج بھی داخل ہیں اور ذریت بھی۔ قرآن کریم بھی جا بجا لفظ اہل کو بیوی کے لیے استعمال فرماتا ہے پیچھے متعدد مثالیں گذر چکی ہیں اور ذریت کا اہل میں ہونا بھی ظاہر و باہر ہے اس قول کی تائید ایک متفق علیہ حدیث صحیحہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ابو حمید ساعدی کہتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! كيف نصلي عليك ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں۔ آپ نے فرمایا:

اللّٰهم صل علىٰ محمد و ازواجه وذرياته كما صليت على آل ابراهيم و بارك علىٰ محمد وازواجه وذرياته كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد۔

ترجمہ: اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آپ کی ازواج اور اولاد پر اس طرح درود بھیج جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر درود

بھیجا اور محمد (ﷺ) اور آپ کی ازواج اور اولاد پر اسی طرح برکت فرما جس طرح تو نے آل ابرہیم پر برکت فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب 10 حدیث 3369)

یہ حدیث مسلم کتاب الصلوۃ میں بھی ہے اور اسے امام مالک نے موطا اور دیگر محدثین نے بھی اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں حضور پرنور نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج اور ذریت کو درود میں داخل کیا ہے اور انہیں آل ابراہیم کی تشبیہ دے کر اپنی آل قرار دیا ہے۔ آپ کی ذریت سے مراد آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور آپ کے تا قیامت اس سلسلے کے سارے افراد شامل ہیں بشرطیکہ وہ صاحب ایمان وعقیدہ صحیحہ پر ہوں وہ سب آل محمد کا مصداق ہیں اور جب درود شریف پڑھنے والے درود پڑھتے ہیں تو ان سب کو اس میں سے حصہ ملتا ہے۔

تیسرا قول:

آل محمد سے مراد وہ سب لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی جملہ بنو ہاشم، جن میں حضرات علی، عقیل، جعفر طیار، عباس اور حارث رضی اللہ عنہم کی اولاد داخل ہیں کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو حدیث ثقلین کا مصداق ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے ہمیشہ وابستہ محبت رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و اھل بیتی لن تضلوا ما تمسکتم بھما بعدی۔

اور صحابی رسول ﷺ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں اہل بیت وہ ہیں جن جن پر صدقہ حرام ہے اور ان سب کے آل محمد کے مصداق ہونے کی دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے اپنے بیٹے عبد المطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ آپ انہیں اموال زکوٰۃ پر مقرر فرما دیں تو آپ ﷺ نے ان کا سوال رد کرتے ہوئے فرمایا:

ان الصدقة لا تنبغی لآل محمد انما ھی اوساخ الناس۔

ترجمہ: یعنی آل محمد کے لائق صدقہ نہیں کہ یہ لوگوں کی میل ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب 51 حدیث 2481، سنن ابو داؤد کتاب الامارۃ باب 20، سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ باب 95)

ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے دونوں چچاؤں حارث اور عباس کی اولاد کو بھی آل محمد ﷺ کہہ کر پکارا۔ لہٰذا جب ہم اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد الخ کہتے ہیں تو درود پاک کی برکت ان سب کو حاصل ہو جاتی ہے ان میں فاطمی، علوی اور عباسی بلکہ جملہ ہاشمی سادات داخل ہیں۔

چوتھا قول:

آل محمد ﷺ سے حضور پرنور نبی اکرم ﷺ کی ساری امت مسلمہ مراد ہے کیونکہ آل کا معنی قرآن مجید میں متعدد جگہ پر

متبعین یعنی ماننے والوں کے لئے آیا ہے لہٰذا بہتر ہے کہ اس دعا کو جو اہل اسلام درود شریف کی صورت میں حضرت محمد وآل محمد ﷺ کے لئے مانگتے ہیں آپ کی امت کے تمام صالحین و متبعین سنت کے لئے عام رکھا جائے تاکہ رحمت کا بادل سب پر برسے۔ درود شریف کا معنی ہی یہ ہے کہ رحمت کی دعا کی جائے تو جس نے نبی پاک ﷺ کے صدقے میں آپ کا دین اختیار کیا اور آپ کی سنت کے پیروکاروں میں داخل ہوا وہ آپ کی آل ہے۔ قرآن بار بار کسی کے پیروکاروں کو اس کی آل کہہ کر پکارتا ہے چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ

اور ہم نے فرعون کی آل کو (متبعین) کو غرق کیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ (سورہ بقرہ آیت 50 پارہ 1)

جو لوگ فرعون کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں غرق ہوئے وہ نہ اس کی اولاد تھے اور نہ اس کے قریبی رشتہ دار۔ فرعون کی اپنی کوئی اولاد ہی نہ تھی وہ سب اس کے ماننے والے تھے ان سب کو آل فرعون کہا گیا۔

2۔ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ۔

ترجمہ: بے شک طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہوگی اور اس میں آل موسیٰ اور آل ہارون (علیہما السلام) کی چھوڑی ہوئی چیزیں یعنی ان کے تبرکات ہوں گے۔ (سورہ بقرہ آیت 248 پارہ 2)

اس تابوت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے استعمال کی چیزیں اور بنی اسرائیل پر اترنے والے من سلویٰ کے کچھ ٹکڑے تھے۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو آل موسیٰ کہہ کر یاد کیا گیا کیونکہ وہ آپ کے متبعین تھے۔ ثابت ہوا متبعین کو آل کہا جاتا ہے۔ تو جو کسی کا متبع ہے وہ اس کی آل ہے خواہ وہ اس کا قریبی یا نسبی رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ فرعون کے سارے ساتھی اس کی آل قرار پائے اور نوح علیہ السلام کے سگے بیٹے کے لئے کہا گیا۔

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (سورہ ھود آیت 46 پارہ 12)

یعنی اے نوح (علیہ السلام)! وہ آپ کی اہل (آل) میں سے نہیں کیونکہ اس کا عمل اچھا نہیں یعنی عقیدہ درست نہیں۔ اللہ نے پسر نوح کو ان کی اہل سے نکال دیا چونکہ لفظ آل اصل میں اہل ہے تو آل ہونے کا مدار اتباع پر ہے نسبت و قرابت پر نہیں یہ دلائل قرآن کریم میں سے ہیں۔ اب حدیث کی طرف آیئے!

1- طبرانی نے معجم صغیر میں اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا آل محمد ﷺ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کل تقی ہر پرہیزگار آدمی۔

(معجم صغیر باب الجیم من اسمہ جعفر صفحہ 252 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی حضرت انس ؓ سے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے دیکھیں سنن بیہقی ج 2 ص 152 کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت۔ یونہی امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی ایک اور سند بیان کی ہے اور حضرت انس ؓ سے ہی روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد اول صفحہ 249 مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

جب کہ امام سیوطی نے اس کے حوالہ جات میں ابن مردویہ کا اضافہ کیا ہے۔

اس حدیث کے بعض راویوں پر تنقید کی گئی ہے مگر اتنی مختلف اسناد اور طرق کی موجودگی میں یہ قابل التفات اور حجت ہے۔

2۔ حضرت واثلہ بن اسقع ؓ فرماتے ہیں میں حضرت علی ؓ کو ملنے آیا وہ نہ ملے سیدہ فاطمہ ؓ نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے ہیں تو تم بیٹھو، اتنے میں رسول خدا ﷺ بھی حضرت علی کے ساتھ آ گئے وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ داخل ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے جناب امامین کریمین حسن و حسین ؓ کو بلایا اور دونوں کو اپنے رانوں پر بٹھا لیا پھر حضرت فاطمہ ؓ اور حضرت علی ؓ کو اپنی جھولی کے قریب کر لیا اور ان پر اپنی چادر ڈال دی جب کہ میں ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے تب فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ... الخ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ. اَللّٰهُمَّ اَهْلِيْ اَحَقُّ

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے اہل بیت رسول! کہ تم سے ہر آلائش دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔ اے اللہ! میرے اہل زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت واثلہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: وَ اَنَا مِنْ اَهْلِكَ يَا رَسُوْلَ الله؟ یارسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی آپ کے اہل (آل) میں سے ہوں فرمایا وَ اَنْتَ مِنْ اَهْلِيْ ہاں تم بھی میری اہل (آل) میں سے ہو حضرت واثلہ فرماتے ہیں انہا لمن رجی ما ارجو بے شک یہ ہر اس آدمی کے لئے ہے جو وہی کچھ تمنا کرے جو میں کرتا ہوں۔

(سنن بیہقی جلد 2 صفحہ 152 کتاب الصلوٰۃ باب من زعم ان آل النبی ﷺ اہل دینہ عامۃً مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

اس حدیث میں حضرت واثلہ بن اسقع ؓ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی آل قرار دیا ہے اور انہوں نے فرمادیا کہ یہ ارشاد یعنی آل رسول ہونا ہر اس آدمی کے لئے ہے جو میرے جیسی تمنا رکھے۔ امام بیہقی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا ھذا صحیح

3۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کے متعلق روایت کیا کہ وہ فرماتے تھے آل محمد ﷺ امتہ۔ (سنن بیہقی جلد 2 صفحہ 152 کتاب الصلوٰۃ)

حضرت جابر بن عبداللہ صحابی ابن صحابی ہیں اور رسول کریم ﷺ سے بڑا قرب رکھتے ہیں آپ ﷺ حضرت جابر سے

بہت محبت رکھتے تھے انہی کا قرضہ اتارنے پر یہ معجزہ ہوا کہ کھجوروں کے ایک ڈھیر ہی سے سارے قرض خواہوں کو مال مل گیا اور ڈھیر بھی اسی طرح نظر آرہا تھا۔ بہر حال یہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ کی ساری امت آپ کی آل ہے الغرض قرآن وحدیث کی یہ متعدد نصوص اس چوتھے قول کی تائید کر رہی ہیں۔ ائمہ دین کی اکثریت بھی اسی قول سے متفق نظر آتی ہے چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں۔

1۔ اختلف العلماء فی آل النبی ﷺ علیٰ اقوال، اظهرها وهو اختيار الازهری وغيره من المحققين انهم جميع الامة

ترجمہ: علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ آل محمد ﷺ کون ہیں؟ ان کے مختلف اقوال ہیں۔ سب سے واضح اور پختہ قول جو امام ازہری اور دیگر محققین کا پسندیدہ ہے یہی ہے کہ آپ کی ساری امت آپ کی آل ہے۔

(حاشیہ نووی علی صحیح مسلم جلد اول صفحہ 175 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

2۔ امام بیہقی روایت فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق نے فرمایا میں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے پوچھا من آل محمد؟ آل محمد کون ہیں انہوں نے فرمایا اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض آپ کے اہل بیت کو آل محمد کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک آپ کی اطاعت اور آپ کی سنتوں پر عمل کرنے والا ہر آدمی آپ کی آل ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں امام عبدالرزاق کا بھی یہی خیال ہے۔ شیخ نے کہا اور یہ قول قرآن کی اس نص کے مطابق ہے کہ فرمایا: اے نوح! تیرا بیٹا تیری اہل میں سے نہیں۔ (سنن بیہقی جلد 2 صفحہ 151 کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

3۔ امام شہیر، مفسر قرآن، امام محمد بن احمد قرطبی اپنی تفسیر میں واذ نجينكم من آل فرعون کے تحت لفظ آل فرعون کی تشریح میں فرماتے ہیں:

آل فرعون قومه واتباعه واهل دينه و كذالك آل رسول الله ﷺ من هو على دينه وملته فی عصره وسائر الاعصار سواء كان نسيباله اولم يكن ومن لم يكن على دينه وملته فليس من آله ولا اهله وان كان نسيباله وقريبه

ترجمہ: آل فرعون سے مراد اس کی قوم، اسکے پیروکار اور اس کے ہم مذہب ہیں اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی آل بھی وہ لوگ ہیں جو آپ کے دین وملت پر ہیں چاہے وہ آپ کے زمانہ میں ہوں یا بعد کے سارے زمانوں میں چاہے وہ آپ ﷺ سے کوئی نسبی تعلق رکھتے ہوں یا نہ، اور جو آپ کے دین وملت پر نہیں وہ نہ آپ ﷺ کی آل ہے اور نہ اہل۔ چاہے وہ آپ سے نسبی تعلق رکھتا ہو اور قریبی ہو۔

(تفسیر قرطبی ج 1 ص 381 سورۂ بقرہ آیت 49)

امام قرطبی نے اس جگہ آگے چل کر یہ دلیل بھی دی ہے کہ اسی لیے ابولہب کو آل رسول میں سے نہیں کہا جاتا حالانکہ وہ آپ کا قریبی تھا۔

راقم الحروف محمد طیب عرض کرتا ہے کہ حقیقت میں ان چاروں اقوال کے دلائل باہم متصادم نہیں کہ ان کے درمیان محاکمہ نہ کیا جا سکے پہلے قول کی دلیل وہ حدیث تھی کہ حضرت علی و فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کے لئے فرمایا گیا اللّٰھم ھٰؤلاء ال محمد اے اللہ! یہ آل محمد ہیں۔ آپ دیکھ لیں اس ارشاد میں نبی پاک ﷺ نے ان چاروں کو اپنی آل فرمایا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ ان کے سوا کوئی شخص آل نہیں یہ نہیں فرمایا انما ھٰؤلاء آل محمد یا یہ نہیں فرمایا لیس من آلی الا ھولاء اسی طرح دوسرے قول کی دلیل جو حدیث تھی اس میں بھی ازواج و ذریت رسول کو آل ابراہیم کی طرح آل بتایا گیا ہے مگر ان کے سوا کسی دوسرے کے آل ہونے کا انکار نہیں کیا گیا۔ تیسرے قول کی دلیل کا بھی یہی حال ہے۔ جب کہ چوتھے قول میں نصوص قرآن و حدیث سے سارا معاملہ واضح ہو گیا کہ آل محمد کا مصداق آپ کے تمام متبعین ہیں۔

آل محمد کا بہترین مصداق:

تاہم یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہئے۔ کہ اگرچہ ساری امت آل محمد میں داخل ہے مگر سادات کرام خصوصاً حسنی حسینی سادات کرام آل محمد ﷺ کا بہترین اور افضل مصداق ہیں چونکہ جتنا کسی کا سیدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ سے تعلق ہو گا وہ اسی قدر آل محمد کہلانے کا زیادہ حقدار ہو گا باقی ساری امت کا تعلق صرف ایمانی اور اعتقادی ہے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا تعلق ایمانی بھی ہے اور نسبی بھی پھر ان سے سیدہ فاطمۃ الزہرا کا تعلق سب سے زیادہ ہے اس لئے کہ لفظ آل مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی شخص کے گھر والوں کو اس کی آل کہتے ہیں اور اولاد کو بھی آل کہا جاتا ہے خاندان والے بھی آل کہلاتے ہیں اور کسی شخص کے پیروکاروں کو بھی آل کہا جاتا ہے تو مولا علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم ہر معنی میں آل رسول ہیں وہ آپ کے اہل بیت بھی ہیں اور اولاد بھی ہیں اور خاندان کے اہم ترین افراد بھی ہیں اور پیروکار بھی۔ جب آل محمد ﷺ پر درود پڑھا جاتا ہے تو اہل بیت رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے بھی وہ اس درود کے حقدار ٹھہرتے ہیں اور اولاد ہونے کے اعتبار سے بھی۔ خاندان ہونے کے ناطے بھی اور پیروکار ہونے کے حوالے سے بھی۔

یہ بات پہلے بھی واضح ہو چکی ہے کہ حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رسول کریم ﷺ کے لئے مثل اولاد ہیں ایک تو وہ داماد ہیں اور داماد بیٹا ہی کہلاتا ہے اسی لئے انگریزی میں داماد کو Son in law یعنی قانونی بیٹا کہا جاتا ہے دوسرا اس لئے کہ ان کو نبی کریم ﷺ نے بیٹے کی طرح پالا تھا اس لئے آل نبی کا معنی اولاد نبی کہا جائے تو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ داخل اور شمار کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کو امت کے درود و سلام میں سے دوسروں کی نسبت بہت زیادہ حصہ ملتا ہے اور ان پر صلوٰۃ و برکات کی برسات دوسروں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ جس طرح حرم کعبہ

میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے اسی طرح وہاں کا ایک گناہ ایک لاکھ گناہ کے برابر ہے۔ یہی حال یہاں ہے۔ ازواجِ رسول ﷺ کو اللہ نے اہل بیت رسول کہہ کر پکارا اور فرمایا اگر تم میں سے کسی نے گناہ کیا تو اس کا عذاب دوسری عورتوں سے دگنا ہوگا۔ (سورہ احزاب آیت 30 پارہ 21)

چوتھی آیت، مودۃ فی القربیٰ کا حکم:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

ترجمہ: فرمادیں اے رسول! میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت ومودت مانگتا ہوں۔ (سورہ شوریٰ آیت 23 پارہ 25)

شانِ نزول

صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور انصار نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ مصارف بہت زیادہ ہیں اور مال بھی (ظاہری طور پر) کچھ نہیں ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ آقا کے حقوق کی بدولت ہمیں ہدایت ہوئی ہے اور ہم نے گمراہی سے نجات پائی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کے مصارف بہت زیادہ ہیں اس لئے یہ مال ہم خدامِ آستانہ کی خدمت میں نذر کے لئے لائے ہیں۔ قبول فرما کر ہماری عزت افزائی کی جائے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آپ نے وہ اموال واپس کر دیئے۔

حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی مزید لکھتے ہیں:

اے محبوب! تم فرماؤ! میں اس تبلیغ وارشادِ ہدایت پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا مگر میرے قرابت کی محبت تم پر لازم ہے۔ جب مسلمانوں میں باہم ایک دوسرے سے محبت واجب ہے تو سید عالمین کے ساتھ کس قدر محبت فرض ہوگی۔ معنی یہ ہے کہ میں ہدایت وارشاد پر کچھ اجر نہیں چاہتا لیکن قرابت کے حقوق تو تم پر واجب ہیں۔ ان کا لحاظ کرو اور میرے قرابت والے تمہارے بھی قرابتی ہیں انہیں ایذا نہ دو۔ حضرت سعید بن جبیر سے مروی کہ قرابت والوں سے مراد حضور ﷺ کی آل پاک ہے (بخاری) اہل قرابت سے کون کون مراد ہیں؟ اس میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ مراد اس سے علی وفاطمہ وحسنین کریمین رضی اللہ عنہم ہیں ایک قول یہ ہے کہ مراد اس سے آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس رضی اللہ عنہم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وہ تمام اقارب مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ مخلصین بنی ہاشم وعبد المطلب ہیں۔ حضور ﷺ کی

ازواج مطہرات حضور ﷺ کے اہل بیت میں داخل ہیں۔

مسئلہ:

حضور سید عالم ﷺ کی محبت اور حضور سید العالمین ﷺ کے اقارب کی محبت دین کے فرائض میں سے ہے۔
(تفسیر خزائن العرفان بحوالہ جمل وخازن وغیرہ صفحہ 299)

قریباً تمام مفسرین نے اس آیت کے تحت وہ احادیث درج کی ہیں جن میں رسول خدا ﷺ نے اپنی اہل بیت کی محبت کا درس دیا ہے۔

تفسیر قرطبی میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو شخص آل محمد کی محبت میں مراوہ شہید ہوا (مرتبہ شہادت پایا) اور جو آل محمد ﷺ کی محبت میں مرا اللہ فرشتوں کو اس کی قبر کا زائر بنا دیتا ہے اور جو شخص آل محمد کے بغض میں مرا روز قیامت اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ یہ رحمت رب سے محروم ہے اور جو شخص بغض آلِ محمد میں مراوہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور جو میرے اہل بیت کے بغض میں مرا اس کے لئے میری شفاعت میں سے کوئی حصہ نہیں۔

اس حدیث کے بعض کلمات امام قرطبی نے آگے لکھے ہیں کہ فرمایا: جو شخص آل محمد کی محبت میں مرا اسے ملک الموت مرتے ہوئے جنت کی بشارت دیتا ہے پھر منکر نکیر بھی یہ بشارت دیتے ہیں اور جو شخص آل محمد کی محبت میں مرا اس کی قبر میں جنت کی طرف دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جو آدمی حب آل رسول میں مراوہ مسلک اہل سنت و جماعت پر مرا اور جو شخص آلِ محمد ﷺ کے بغض پر مراوہ کافر مرا۔
(تفسیر الجامع لاحکام القرآن جلد 16 صفحہ 23 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام سیوطی نے اس آیت کے تحت کثیر احادیث ذکر کی ہیں چند ایک یہ ہیں:

1۔ ابن عدی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ من ابغضنا اهل البیت فهو منافق جس شخص نے ہم اہل بیت سے بغض کیا ہو منافق ہے۔

2۔ امام بخاری نے سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رویت کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے ارقبو محمد فی اهل بیته یعنی نبی پاک ﷺ کی اہل کے بارے میں آپ ﷺ کی نسبت کا خیال رکھا کرو۔

3۔ احمد ابن حبان اور حاکم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا والذی نفسی بیدہ لا یبغضنا اهل ابیت رجل الا ادخله الله النار مجھے اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہم اہل بیت سے جو شخص بھی بغض رکھے گا اللہ اسے دوزخ میں ڈالے گا۔
(تفسیر در منثور جلد 5 صفحہ 702 سورۃ الشوریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابو دیلم نے روایت کیا ہے کہ جب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو قیدی بنا کر دمشق لایا گیا تو ایک شخص نے کہا اللہ نے تمہیں قتل کیا اور تمہاری جڑ کاٹ دی، آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا الا المودة فی القربیٰ۔

اس نے کہا کیا وہ قُربیٰ تم ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہم ہی تو ہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد 11 صفحہ 144 حدیث 30677)

حضرت عمر بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: الا المودة فی القربیٰ سے نبی اکرم ﷺ کے قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد 11 صفحہ 145 حدیث 30680)

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا الا المودة فی القربیٰ۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! مَنْ قَرَابَتُكَ الذین وجبت مودّتھم آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن سے محبت لازم ہے؟ قال علیؑ و فاطمةُ وَوَلَدَاھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے حسنین کریمین رضی اللہ عنہم

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد 10 صفحہ 3276 حدیث 18473 مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مولیٰ علی، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم ان ذوی القربیٰ میں سے افضل ترین ہیں جن سے محبت رکھنے کا سوال کیا گیا ہے، ورنہ ذوی القربیٰ کا مفہوم اس سے وسیع ہے اور حدیث بخاری کے مطابق اس آیت کے تحت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قُربیٰ سے آل محمد ﷺ مراد ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا تم نے جلدی کی ہے۔ قریش کے ہر قبیلہ سے نبی اکرم ﷺ کی قرابت تھی۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کا لحاظ رکھو۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشوریٰ حدیث 4818)

مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق جس جس صحابی کو رسول اکرم کے ساتھ کسی بھی حوالہ سے رشتہ داری و قرابت حاصل ہے۔ اس سے محبت رکھنی چاہیے۔ چونکہ تمام مہاجرین قریش میں سے تھے اور قریش کے ہر قبیلہ سے حضور ﷺ کی قرابت ہے، اس لیے ان سب سے محبت کا سوال کیا جا رہا ہے۔ اس بنیاد پر، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور دیگر عشرہ مبشرہ سب سے محبت لازم ہے۔ پھر مولیٰ علی المرتضیٰ سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین کی قرابت سب سے زیادہ ہے اس لیے ان سے محبت سب سے زیادہ لازم ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں اور جو تفسیر ہم نے ابھی لکھی ہے۔ اس پر سوالات بھی ہیں اور ان کے جوابات بھی، یہ ساری تفصیل میں نے اپنی تفسیر برہان القرآن میں لکھی ہے۔

پانچویں آیت: آلِ یٰسین پر سلام:

سلام علی ال یاسین

ترجمہ: الیاسین پر سلام ہو۔ (سورۃ صافات آیت 130 پارہ 23)

الیا سین سے کیا مراد ہے؟ ایک قول میں یہ الیاس کی دوسری لغت ہے جیسے سینا کو سینین بھی پڑھا جاتا ہے قرآن مجید میں ایک جگہ طور سینا آیا ہے دو جگہ طور سینین آیا ہے (الطین) اسی طرح الیاس اور الیاسین گویا الیاس علیہ السلام ہی کا نام ہے۔ دوسرے قول میں الیاسین آل یاسین سے مخفف ہے یعنی یاسین کی آل۔ اس کے چند دلائل ہیں:۔

1۔ قرات سبعہ متواترہ میں سے امام نافع مدنی اور امام ابن عامر شامی کی قرات میں یہ لفظ آل یاسین پڑھا گیا ہے لفظ آل کی یاسین کی طرف اضافت کیساتھ۔ (النشر فی القراءاتِ العشر امام ابن جزری جلد 2 سورۃ الصافات)

راقم الحروف احقر محمد طیب نے علم قراءات سبعہ کو باقاعدہ پڑھا اور پڑھایا ہے اس لئے علیٰ وجہ البصیرت لکھ رہا ہوں۔ افسوس کہ آج اس انتہائی ضروری علم کے شناسا بہت کم رہ گئے ہیں۔

2- قرآن کریم میں یہ لفظ ایسے لکھا گیا ہے:

اِلْ یَاسِیْن یعنی اِلْ اور یَاسِیْن الگ الگ لکھے گئے ہیں یہ اس لئے ہے تاکہ اس سے آل یاسین بھی پڑھا جاسکے۔ دراصل قرآن کریم کی کتابت دورِ عثمان رضی اللہ عنہ میں اس طرح کی گئی تھی کہ کسی لفظ کی تمام قراءات کو اس سے نکالا جاسکے، اگر یہاں آل یاسین لکھا جاتا تو اس کی الیاسین والی قراءت خارج ہو جاتی۔ تو واضح ہو گیا کہ الیاسین اور آل یاسین ایک ہی چیز ہے تو آیت کا معنیٰ بن گیا کہ آل یاسین پر سلام ہو۔ اب آل یاسین کون ہیں؟ اس بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پڑھیں امام سیوطی لکھتے ہیں۔

اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویه عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله سلام علیٰ ال یاسین قال نحن آل محمد آل یاسین

ترجمہ: ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سلام علیٰ آل یاسین سے ہم آل محمد ﷺ مراد ہیں۔ (تفسیر درمنثور جلد 5 صفحہ 539 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں:

وقیل یاسین فیها اسم لمحمد ﷺ قال یاسین آله علیه الصلوة والسلام

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یاسین حضور نبی کریم ﷺ کا لقب مبارک ہے تو آل یاسین سے آپ کی آل مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی جلد 23 صفحہ 142 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یاسین نبی کریم ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے ہے۔ آپ کے اسمائے گرامی پر اہل سیرت نے ضخیم مواد لکھا ہے۔ مدارج النبوت، مواہب الدنیہ، زرقانی وغیرہ کتب میں جہاں اسماء النبی کو حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے وہاں حرف یاء میں آپ کے ناموں میں یسین ضرور لکھا جاتا ہے اس لئے آپ کی آل کو اکثر آل یاسین بھی لکھا جاتا ہے صاحب روح البیان علامہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ویویده انه یقال لاهل البیت آل یاسین کما قیل سلام علیٰ آل طٰهٰ و یسین سلام علی آل خیر النبیین

ترجمہ: یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ میں یٰسین سے نبی ﷺ مراد ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اہل بیت کو عموماً آل یاسین بھی کہا جاتا ہے جیسے یہ کہا جاتا ہے آل طٰہٰ و یٰسین پر سلام ہو اور آل خیر الانبیاء پر سلام ہو۔

(تفسیر روح البیان جلد 7 صفحہ 364 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم متعدد معانی میں اتارا گیا ہے ایک آیت کی کئی کئی تفاسیر اور کئی کئی معانی ہوتے ہیں اور سب درست ہوتے ہیں اگر زیر بحث آیت میں ال یاسین سے حضرت الیاس علیہ السلام مراد ہوں تو بھی درست ہے اور اگر نبی پاک ﷺ کی آل مراد ہو تو بھی درست ہے اس میں آل رسول کی بہت بڑی عظمت ہے کہ خدا ان کو سلام فرما رہا ہے۔ قرآن مجید انہیں سلام کہہ رہا ہے اور ساری امت ان کی بارگاہ میں سلام پیش کر رہی ہے۔ جس شخص کو کسی گورنر کا سلام آجائے وہ ناز کرتا ہے جسے کسی بادشاہ کا سلام آجائے وہ پھولا نہیں سماتا تو قربان جائیے آل نبی کے یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جنہیں عرش سے رب العالمین کا سلام آرہا ہے۔

چھٹی آیت: حبِ آلِ رسول کا صلہ:

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

ترجمہ: اور جو شخص نیکی کمائے تو ہم اس کے لئے اچھائی بڑھا دیتے ہیں بے شک اللہ بخشنے والا جزا عطا فرمانے والا ہے۔ (سورۃ شوریٰ آیت 23 پارہ 25)

اس جگہ حسنۃً سے یوں تو کوئی بھی نیکی مراد ہو سکتی ہے کہ ہر نیکی ہی کی اللہ جزا دیتا ہے مگر حبر امت، مفسر قرآن مجید، عم زاد رسول ﷺ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اہم نیکی کا بیان بھی آیا ہے چنانچہ امام سیوطی فرماتے ہیں۔

واخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس ومن یقترف حسنة قال المودة لال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ من یقترف حسنۃ سے آل محمد ﷺ کی

محبت مراد ہے۔ (تفسیر در منثور جلد 5 صفحہ 701 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ اس سے پہلی آیت یہی ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی تو چونکہ پیچھے سے حب آل رسول کا تذکرہ آرہا ہے یہاں بھی نیکی سے مراد حب آل رسول ہی ہے۔

ساتویں آیت: مسکین و یتیم اور اسیر کو کھانا دینا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝8 اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝9 اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝10 فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝11 وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝12 مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝13

ترجمہ: اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا میں کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ ہم اپنے رب سے اس دن کے متعلق ڈرتے ہیں جو ترش روئی اور سختی والا ہے تو اللہ نے انہیں اس دن کی سختی سے بچالیا اور انہیں تازگی اور سرور سے ہمکنار کیا اور ان کے صبر کے سبب انہیں جنت اور ریشم کی جزا عطا کی وہ وہاں تکیوں پر مسند نشین ہوگے نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے نہ سردی۔ (سورۃ الدھر آیت 8۔13 پارہ 29)

یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے ہر اس آدمی کو شامل ہے جو اللہ کی محبت میں یتیموں مسکینوں کو کھانا کھلائے تاہم اپنے شان نزول کے اعتبار سے اہل بیت رسول ﷺ کی عظیم فضیلت بیان کرتی ہے چنانچہ چند روایات ملاحظہ ہوں

1۔ اخرج ابن مردویہ عن ابن عباس فی قولہ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ قال نزلت ھذہ الایۃ فی علی بن ابی طالب وفاطمہ بنت رسول اللہ

ترجمہ: ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ یہ آیت وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول کے حق میں نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور جلد 6 سورۃ الدھر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

2۔ تفسیر بغوی میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شان نزول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

مجاہد اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری۔ اس لئے کہ انہوں نے ایک یہودی کے لئے کچھ مزدوری کی اور اس سے کچھ جو حاصل کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر والوں (سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا) نے ان جوؤں کا تیسرا حصہ پیس لیا اور اس سے کھانا تیار کیا جب کھانا پک گیا تو ایک مسکین نے آکر اللہ کے

لیے کھانا مانگا۔ ان لوگوں نے وہ کھانا اسے دیدیا۔ دوسرے دن انہی جوؤں کا ایک اور حصہ پکایا گیا جب وہ تیار ہوا تو ایک یتیم نے آ کر کھانا مانگا۔ انہوں نے وہ اسے کھلا دیا۔ یہی عمل باقی جوؤں سے تیسرے روز ہوا تو مشرکین میں سے ایک قیدی (غلام) نے آ کر کھانا طلب کیا اہل بیت رسول نے وہ کھانا اسے دیدیا اور خود بھوکے رہ گئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

جس قدر شان نزول ہم نے مذکورہ روایات سے بیان کیا ہے قابل قبول ہے اور اسے کثیر مفسرین نے نقل بھی کیا ہے اور اسے کسی نے ضعیف تک نہیں کہا۔ البتہ اسکے شان نزول میں ایک من گھڑت روایت لکھی جاتی ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نذر مانی اگر اللہ انہیں شفایاب کرے تو آپ رضی اللہ عنہ تین روزے رکھیں گے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے بھی یہی نذر مان لی۔ اللہ نے حسنین رضی اللہ عنہما کو صحت دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے قرض لے کر جو خریدے پھر روزہ رکھا افطاری کے وقت کھانا تیار تھا کہ کسی مسکین نے کھانا مانگا، انہوں نے وہ کھانا اسے دے دیا۔ اگلے روز بھی کھانا برائے افطاری تیار تھا کہ کیسی یتیم نے صدا لگائی تو سارا کھانا اسے دے دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا خود کھایا نہ بچوں کو کھانے دیا سب مسکین و یتیم کو دیدیا تیسرے روز کسی اسیر نے کھانا مانگا تو انہوں نے سارا کھانا اسے دے دیا اور بچوں کو بھی کھانے نہ دیا۔ چوتھے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھی ساتھ لے لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ حسنین رضی اللہ عنہما بھوک کی وجہ سے کسی چڑیا کے نوزائیدہ بچوں کی طرح پھڑ پھڑا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر آپ نے پوچھا علی رضی اللہ عنہ! انکا کیا حال ہو گیا ہے چلو بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلیں وہاں آئے تو کیا دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے انکی آنکھیں اندر دھنس چکی ہیں اور پیٹ کمر سے لگ گیا ہے۔ تب جبریل علیہ السلام آئے اور سورہ دھر کی آیتیں شان اہل بیت میں لائے۔

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور علامہ قرطبی نے تفسیر جامع البیان میں اس واقعہ کو قطعی جھوٹا، من گھڑت اور دل آزار خرافات پر مشتمل قرار دیا ہے۔ صحیح واقعہ صرف اس قدر ہے جو علامہ سیوطی، امام بغوی اور علامہ خازن وغیرہ ہم نے لکھا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں حسن رضی اللہ عنہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرک قیدی کو بھی کھانا کھلانا جائز ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد 4 صفحہ 91 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

3۔ تفسیر خازن میں بھی اس مقام پر یہی شان نزول اور یہی واقعہ لکھا گیا ہے۔

4۔ ابن خلیفہ علیوی نے جامع النقول فی اسباب النزول میں پورے قرآن کی آیات کے شان ہائے نزول جمع کیے ہیں چنانچہ سورۃ الانسان (سورہ الدھر) کے تحت وہ لکھتے ہیں۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ علی حبہ کے تحت عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی شخص کے باغ کو پانی لگانے کا کام کیا اور کچھ جو حاصل کیے۔ اگلے دن ان کا تیسرا حصہ پسوایا اور گھر والوں نے اس سے خزیرہ (ایک طرح کا کھانا) تیار کیا جب وہ کھانا تیار ہوا تو ایک مسکین نے آ کر صدا لگائی اور کھانے کو

کچھ مانگا۔ ان لوگوں نے وہ کھانا اسے دے دیا دوسرے دن مزید تیسرا حصہ جو پکائے گئے تو ایک یتیم آ گیا اور کھانا مانگا انہوں نے وہ کھانا اس یتیم کو دے دیا۔ اگلے دن باقی ماندہ جو تیار کیے گئے تو مشرکوں میں سے ایک قیدی (غلام) نے آ کر کھانا مانگا ان لوگوں نے وہ اسے کھلا دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول جلد 2 صفحہ 326 مطبوعہ مصر)

سورہ دہر کی یہ قریباً تیرہ آیات ہیں جن میں اللہ نے مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلانے پر اہل بیت رسول ﷺ کی بے پناہ تعریف فرمائی ہے اور درج ذیل اوصاف وانعامات ان لوگوں کے لئے گنوائے ہیں۔

1۔ یہ لوگ صرف خوشنودی خدا کے لئے مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا دیتے ہیں۔
2۔ اس کے بدلے میں وہ کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ شکریہ کا لفظ بھی نہیں سننا چاہتے۔
3۔ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں کہ قیامت کے ہولناک دن میں کہیں پکڑ نہ ہو جائے کہ تم نے کھانا کھلا کر اس کا بدلہ مانگا تھا۔
4۔ اللہ نے انہیں روز قیامت کی ہر سختی سے بچا لیا۔
5۔ ان کے چہرے پر قیامت کے دن تروتازگی اور مسرت ٹمٹماتی ہوگی۔
6۔ انہیں جنتی ریشم پہنایا جائیگا۔
7۔ جنت میں وہ گاؤ تکیوں پر مسند آرا ہوں گے نہ وہاں گرمی ہوگی نہ سردی۔
8۔ پھل دار جنتی درختوں کے خوشے جھک جھک کر انہیں سلام عرض کرتے ہوں گے۔
9۔ غلامان جنت چاندی کے برتن اٹھائے ہوئے ان کے دائیں بائیں پھرتے ہونگے
10۔ ان برتنوں میں انہیں ایسی شراب طہور پلائی جائے گی جسکا مزہ بہت ہی روح پرور ہوگا۔
11۔ انہیں سبز سندس واستبرق کے حلے پہنائے جائیں گے اور چاندی کے کنگن بھی۔ یہ ہے وہ جنتی مقام جو مولائے کائنات مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرہ، حسن مجتبیٰ اور امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہم کو جنت میں عطا فرمایا جائیگا۔

قرآن کریم میں مزید آیات بھی اشارتاً اور تلمیحاً اہل بیت رسول ﷺ کا مقام بیان کرتی ہیں۔ تاہم اس جگہ انہی سات آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کہ سات کا عدد بہت مبارک ہے۔

اللہ رب العزت جہاں قرآن پڑھنے کی توفیق دے وہاں صاحب قرآن، رسول رحمان، سید الانس والجان علیہ صلوات الرحمان اور انکی آل پاک کی سچی عقیدت ومحبت بھی عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ آیات کے بعد شان اہل بیت میں احادیث نبویہ پیش کی جاتی ہیں اس حدیث کو پڑھیں اور سوچیں کہ جو لوگ امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیتے ہیں جیسا کہ محمود عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں آپ کو باغی اور یزید کی متفق علیہ خلافت کے مقابلے

میں کھڑے ہو کر امت میں تفرقہ ڈالنے والا قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کا دین میں کیا مقام ہے؟ باغی کی سزا جہنم ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے امیر کے خلاف خروج کرے اور مارا جائے وہ جاہلیت کی موت مرا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ وہ جنت میں میرے ساتھ ایک ہی جگہ پر رہوں گے۔ تو کیا آپ ﷺ ایک باغی اور تفرقہ باز آدمی کو جنت میں اپنے ساتھ رکھ رہے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ اس حدیث اور آگے والی دیگر احادیث نے یزیدی حکومت کی حیثیت بھی متعین کر دی ہے اور امام عالی مقام کا درجہ بھی۔ جس حکومت سے ٹکر لینے والا جنت میں امام الانبیاء کے ساتھ مقام پاتا ہے کیا وہ حکومت اسلامی کہلائے گی؟

فصل دوم

احادیث اور فضیلتِ پنج تن پاک رضی اللہ عنہم

میں علی و فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم جنت میں ایک جگہ ہوں گے

حدیث اول:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمارے ہاں رات آرام فرمایا۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سوئے ہوئے تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے رات کو پینے کو مانگا، رسول کریم ﷺ اٹھے اور ہمارے گھر ایک بکری تھی اس کا دودھ ایک پیالے میں دوھنے لگے اور دودھ لا کر ان کو پلانے لگے۔ اتنے میں حسین رضی اللہ عنہ نے بھی تقاضہ کیا اور دودھ والا پیالہ پکڑنے کی کوشش کی مگر آپ ﷺ نے انہیں روک دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لگتا ہے حسن آپ ﷺ کو دونوں میں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں صرف یہ بات ہے کہ حسن نے پہلے پینے کو مانگا تھا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا وَاِيَّاكِ وَهٰذَيْنِ وَهٰذَا الرَّاقِدُ يَعْنِىْ عَلِيًّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِىْ مَكَانٍ وَّاحِدٍ۔

ترجمہ: میں اور تم اور یہ دونوں (حسن و حسین) اور یہ سونے والا یعنی حضرت علی، ہم سب روز قیامت ایک ہی جگہ میں ہوں گے۔ (کنز العمال بروایت، مسند احمد بن حنبل، ابن ابی عاصم فی السنۃ، طبرانی فی المتفق والمفترق، ابن نجار، خطیب جلد 13 صفحہ 639 حدیث 37612 مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

حدیث دوم، فاطمہ خواتین جنت کی اور حسنین نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں مجھ سے میری والدہ نے پوچھا رسول کریم ﷺ کے ساتھ تم کب سے وابستہ ہو؟ میں نے کہا فلاں فلاں وقت سے پھر میں نے کہا امی جان اب آپ مجھے جانے دیں میں آپ کے ساتھ نماز مغرب پڑھوں گا پھر آپ کے ساتھ ہی رہوں گا تا آنکہ آپ میرے اور امی جان آپ کے لیے استغفار فرمائیں۔ چنانچہ میں نے جا کر مغرب کی نمازِ آپ کے ساتھ پڑھی اور وہیں بیٹھا رہا پھر آپ نے نماز عشاء پڑھائی اور سب لوگ نماز کے بعد چلے گئے اور رسول کریم ﷺ کو کوئی معاملہ پیش آ گیا اور آپ اللہ سے مناجات کرنے لگے دعا کے بعد آپ نے میری آواز پہچان کر فرمایا او حذیفہ تم؟ میں نے عرض کیا ہاں، فرمایا! تم کیسے آئے ہو اللہ تمہاری اور تمہاری ماں کی بخشش فرمائے پھر فرمایا او حذیفہ! یہ فرشتہ ابھی نازل ہوا ہے جو اس سے قبل کبھی زمین پر نہیں اترا تھا اس نے اللہ سے اجازت لی کہ مجھے آ کر سلام کہے۔ اللہ نے اجازت دی اور یہ بشارت بھی عطا فرمائی کہ

فاطمة سيدة نساء اهل الجنة والحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة

ترجمہ: فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب 30 حدیث 3781)

حدیث سوم، پنجتن پاک مقام وسیلہ میں ہوں گے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک درجہ ہے جسے وسیلہ کہتے ہیں جب تم اللہ سے دعا کرو تو میرے لیے وسیلہ مانگا کرو (یہ درجہ مانگا کرو) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس درجے میں آپ کے ساتھ بھی کوئی اور ہوگا؟ فرمایا:

علی و فاطمة والحسن والحسين۔

ترجمہ: علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم۔

(کنز العمال بروایت ابن مردویہ جلد 13 صفحہ 640 حدیث 37616، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

حدیث چہارم:

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت سے فرمایا:

نبينا خير الانبياء وهو ابوك۔

ہم اہل بیت میں سے جو نبی ہے وہ سب انبیاء سے افضل ہے۔ اور وہ تمہارا باپ ہے۔

وشهيدنا خير الشهدآء وهو عم ابيك حمزة۔

ترجمہ: اور ہمارا شہید سب شہداء سے افضل ہے اور وہ تمہارے والد کا چچا ہے۔

یعنی امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، آگے فرمایا: "ہم اہل بیت میں وہ بھی ہے جو اپنے دو پروں کے ساتھ جنت میں جہاں چاہتا ہے اڑتا پھرتا ہے اور وہ تمہارے والد کے چچا (ابو طالب) کا بیٹا ہے یعنی جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ہم اہل بیت ہی میں سے اس امت کے دو سبط ہیں اور وہ تمہارے بیٹے حسن و حسین ہیں (رضی اللہ عنہما) اور ہم ہی میں سے مہدی بھی آنے والا ہے۔ (المعجم الصغیر باب الالف صفحہ 86 حدیث 94 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 169 مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

حدیث پنجم، اے علی و فاطمہ و حسنین! تمہارا دشمن میرا دشمن ہے اور تمہارا دوست میرا دوست

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

انا حرب بمن حاربكم وسلم بمن سالمكم۔

ترجمہ: جس کی تم سے جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے اور جس کی تم سے صلح ہے اس سے میری صلح ہے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب فضل فاطمۃ رضی اللہ عنہا حدیث 3870)

ایک شبہ کا ازالہ:

اس حدیث کے تحت کوئی یہ نہ کہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ہے تو ہمیں بھی ان سے جنگ رکھنی چاہیے، کیونکہ جو ان سے جنگ کرے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اس سے جنگ ہے۔ اس لیے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے وہ صرف قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پکڑنے اور ان سے قصاص لینے کا مطالبہ کر رہے تھے ورنہ انہیں ذاتی طور پر مولیٰ علی المرتضیٰ سے کوئی اختلاف نہ تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب امیر معاویہ و مولیٰ علی المرتضیٰ کے مابین جنگ جاری تھی روم کے عیسائی بادشاہ نے بعض اسلامی علاقوں پر بڑی فوج اکٹھی کرنا شروع کر دی، جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے اسے خط لکھا جو ایسا خوفناک تھا کہ شاہِ روم کے چھکے چھوٹ گئے، آپ نے اسے لکھا: اے لعین! اگر تم اپنی افواج لیکر واپس نہ گئے تو میں علی (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر لوں گا اور ہم دونوں تیرے نیچے سے روم بھی کھینچ لیں گے، یہ خط پا کر شاہ روم کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور وہ اپنی افواج لیکر واپس ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 122 مطبوعہ دار الریان للتراث العربی قاہرہ مصر)

بلکہ ہم مکمل شیعہ اور نیم شیعہ سب لوگوں سے کہتے ہیں کہ اس حدیث سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ آقا ﷺ فرمارہے ہیں۔ وَسَلَمٌ لِمَنۡ سَالَمَكُمۡ۔ اے میرے اہل بیت جو تم سے صلح کرے اس سے میری صلح ہے۔ اب حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں نے امیر معاویہ سے صلح کی ہے اور دونوں بیس برس تک اس صلح پر قائم رہے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں شہزادوں کی خدمت میں خطیر وظائف بھیجا کرتے اور وہ وصول فرمایا کرتے تھے۔ جب ان سے اہل بیت کی صلح ہے تو قول نبی ﷺ کے مطابق آپ کی بھی ان سے صلح ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو بھی ان سے صلح رکھنا ضروری ہے، جبکہ یزید عنید کے ساتھ اہل بیت نے جنگ کی ہے اس لیے ہر مسلمان کی اس سے جنگ ہے اور تا قیامت رہے گی۔

حدیث ششم:

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

ائتنی بزوجك وابنيك۔

ترجمہ: میرے پاس اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو لے کر آؤ۔

تو وہ جا کر انہیں لے آئیں۔ رسول کریم ﷺ نے ان پر وہ چادر ڈال دی جو میرا بچھونا تھی اور خیبر سے آئی تھی۔ خیبر کے مال غنیمت میں سے تھی پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ آلُ مُحَمَّدٍ فَاجۡعَلۡ صَلٰوتَكَ وَبَرَكَاتَكَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلۡتَهَا عَلٰى آلِ اِبۡرَاهِيۡمَ اِنَّكَ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ۔

ترجمہ: اے اللہ یہ آل محمد ﷺ ہیں تو آل محمد پر رحمتیں اور برکتیں اسی طرح نازل فرما جیسے تو نے آل ابراہیم پر نازل فرمائیں۔ بے شک تو حمد والا بزرگی والا ہے۔

سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے چادر کا ایک پلو اٹھایا تا کہ میں بھی داخل ہو جاؤں رسول کریم ﷺ نے اسے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا:

اِنَّكِ عَلٰى خَيۡرٍ۔

ترجمہ: تم پہلے ہی بڑی بھلائی والی ہو۔

(مسند ابی یعلی، مسند ام سلمہ، رضی اللہ عنہا حدیث 9606 صفحہ 1242 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ابن ابی شیبہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہی حدیث اس طرح ہے کہ میں نے پکار کر عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی؟

فرمایاہاں تم بھی۔

حدیث ہفتم:

زینب بنت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے آپ نے حسن رضی اللہ عنہ کو ایک طرف، حسین رضی اللہ عنہ کو دوسری طرف اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سامنے بٹھا کر فرمایا:

رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّه حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

ترجمہ: اے میرے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں اور وہ بڑی حمد اور بزرگی والا ہے۔

زینب فرماتی ہیں میں اور ام سلمہ سوئی ہوئی تھیں ام سلمہ رونے لگیں رسول کریم ﷺ نے انکی طرف دیکھ کر فرمایا:

مَا يُبْكِيْكِ؟

ترجمہ: تم کیوں رو رہی ہو؟

عرض کیا: آپ نے ان کو لے لیا اور مجھے اور میری بیٹی (زینب) کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا:

انت و ابنتك من اهل بيت۔

ترجمہ: تم اور تمہاری بیٹی تو اہل بیت میں سے ہیں۔

(کنز العمال بروایت ابن عساکر جلد 13 صفحہ 642 حدیث 37625 مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

یہ اور اس سے پہلے والی حدیث دونوں بتا رہی ہیں کہ اہل بیت رسول ﷺ میں آپ کی بیویاں بھی شامل ہیں بلکہ لفظ اہل بیت یعنی گھر والے قرآنی نصوص کے مطابق بیویوں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا۔

حدیث ہشتم، پنجتن سے محبت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ہوگا

نصر بن جہنی کہتے ہیں مجھے حضرت علی بن جعفر نے بتایا، ان کو ان کے بھائی حضرت موسیٰ (کاظم) بن جعفر صادق نے بتایا انہیں ان کے والد امام جعفر صادق نے بتایا انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کیا انھوں نے اپنے والد علی بن حسین (زین العابدین) سے روایت کیا اور انہوں نے اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

مَنْ اَحَبَّنِيْ وَاَحَبَّ هٰذَيْنِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا كَانَ مَعِيَ فِيْ دَرَجَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: جس نے مجھ سے محبت رکھی اور دونوں (حسنین رضی اللہ عنہما) اور ان کے والد اور والدہ سے محبت رکھی وہ روز قیامت میرے ساتھ ہوگا۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی المرتضیٰ حدیث 3733)

حدیث نہم: اے اللہ میں ان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے چادر بچھائی اور اس پر آپ خود بیٹھ گئے اور علی اور فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی بیٹھ گئے نبی کریم ﷺ نے اس چادر کے کونے آپس میں ملا دیئے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ارْضِ عَنْھُمْ کَمَا اَنَا عَنْھُمْ رَاضٍ۔

ترجمہ: اے اللہ ان سے یونہی راضی ہو جا جیسے میں ان سے راضی ہوں۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 176 باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

امام ہیثمی فرماتے ہیں اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے:

ورجالہ رجال الصحیح غیر عبید بن طفیل وھو ثقۃ۔

ترجمہ: اس کے سارے راوی بخاری کے رواۃ ہیں عبید بن طفیل کے سوا اور وہ بھی ثقہ ہے۔

اب جن کے لئے رسول کریم ﷺ دعا فرما رہے ہیں اے اللہ ان سے راضی ہو جا جیسے میں ان سے راضی ہوں ان کی عظمت کا کیا کہنا ہے۔

رسول خدا ﷺ کی دعا مقبول ہے اللہ ان سے راضی ہے اور اس رضا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انہیں زندگی بھر اپنی رضا والے کاموں کی توفیق دی۔ کوئی کام ان سے ایسا نہ ہوا جو مرضی مولا کے خلاف ہو۔ اس لئے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ انہوں نے اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔ البتہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا اجتہادی تھی۔ وہ قابل معافی ہے اور عفو شدہ ہے بلکہ اجتہاد کا ایک درجہ ثواب بھی لئے ہوئے ہے۔

اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف قدم اٹھایا تو وہ بھی اس حدیث کی روشنی میں مرضی مولا کے عین مطابق تھا۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیتے ہیں وہ اس حدیث سے عبرت پکڑلیں۔

حدیث دہم:

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف فرما تھے، اتنے میں لونڈی آئی، کہنے لگی علی اور فاطمہ دروازے پر ہیں۔ آپ نے مجھے فرمایا: میرے اہل بیت آئے ہیں تم تھوڑی دیر الگ ہو جاؤ۔ میں گھر کے ایک کونہ میں بیٹھ گئی، حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم داخل ہوئے، آپ نے حسن و حسین کو اپنی جھولی میں رکھ لیا، حضرت علی المرتضیٰ کو ایک بازو کے ساتھ اپنے ساتھ چمٹا لیا اور دوسرے بازو کے ساتھ سیدہ فاطمہ کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور اپنی چادر کو ان دونوں پہ اوڑھا دیا۔ پھر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ لَا اِلَى النَّارِ اَنَا وَاَهْلُ بَيْتِي

اے اللہ! میں اور میرے اہل بیت تیرے حوالے ہیں، دوزخ کے نہیں۔

میں نے پکار کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں بھی؟ فرمایا ہاں تو بھی! اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(کنز العمال کتاب الفضائل باب فضائل اہل بیت النبی ﷺ جلد 13 صفحہ 644 حدیث 37628)

اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں کہ ام المؤمنین ام سلمہ اہل بیت نبی ﷺ میں سے نہیں تھیں اس لیے انہیں الگ ہونے کے لیے کہا گیا۔ بلکہ اس موقع پر آقائے کریم ﷺ ان نفوس قدسیہ کو ایک عظمت خاص سے نوازنا چاہ رہے تھے۔ جبکہ قرآن نے ازواج کو اپنی جگہ اہل البیت قرار دیا ہے جیسا کہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی آخر میں فرمایا: وَاَنْتِ یعنی اے ام سلمہ! تم بھی ہمارے ساتھ ہو۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں اہل بیت مودّت کا ذکر ہے جبکہ ازواج رسول ﷺ اہل بیت زوجیت ہیں، یعنی دونوں اہل بیت ہیں مگر الگ الگ جہت سے۔

قارئین! حضرات پنجتن پاک کی عظمت و فضیلت پر احادیث کا سلسلہ طویل ہے ہم صرف انہی دس احادیث پر اکتفا کرتے ہیں کہ دس کا عدد اللہ کو پسند ہے۔

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔

اللہ رب العزت ہم گناہگاروں کو ہمیشہ پنجتن پاک کا غلام رکھے انکی محبت میں جیئیں اور ان کی محبت میں مریں اور ان کی محبت میں روز حشر غلامی آلِ رسول ﷺ کا پٹہ گلے میں ڈالے ہوئے اٹھیں۔

جاں ہماری اور قلب و روح و تن — ہو فدا بر نقشِ پائے پنجتن
مصطفیٰ و مرتضیٰ و فاطمہ — مجتبیٰ اور پھر شہید کربلا
جاں فدا میری بر اہل بیتِ مصطفیٰ — فاطمہ حسن و حسین و مجتبیٰ

(از مصنف کتاب ہذا)

فصلِ سوم

اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور شانِ اہلِ بیت کی تصدیق

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ظاہر دورِ نبوی ﷺ میں بھی اہلِ بیت رسول ﷺ سے شفقت ومحبت کے بے پناہ جذبات رکھتے تھے اور اپنی خلافت میں بھی آپ کی الفت ومحبت اہل بیت پاک سے مثالی تھی۔ چند دلائل ملاحظہ ہوں

1۔ شیعہ سنی دونوں کی کتبِ سیرت میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے ابھی تک اپنی پیاری لختِ جگر کا رشتہ طے نہیں فرمایا لگتا ہے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہ وہ آ کر رشتہ مانگیں تو انہیں رشتہ دیا جائے اور ممکن ہے کہ حضرت علی کو اس خیال نے رشتہ مانگنے سے روک رکھا ہو کہ شادی کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ (یعنی حق مہر، وسکنیٰ وغیرہ) اگر ایسی بات ہے تو ہم چل کر ان سے بات کرتے ہیں اور اگر انہیں کوئی مشکل درپیش ہو تو ان کی مدد کریں چنانچہ جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے رشتہ مانگیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے مجھے ایک ایسے کام کی طرف متوجہ کیا ہے جس سے میں بے خبر تھا۔ میں سویا ہوا تھا تم نے مجھے جگا دیا ہے۔ مجھے یہ رشتہ مانگنے سے میری تنگ دستی روکتی ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے بھائی علی! پیسے کے متعلق فکر کی ضرورت نہیں جتنی ضرورت ہو مجھ سے لے لو چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے پاس گئے رشتہ مانگا جو آپ نے فوراً قبول فرمایا اور فرمایا کہ میرے پاس ابوبکر، عمر، عثمان، بلال، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور فلاں فلاں دیگر صحابی کو بلا لاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوشی خوشی باہر نکلے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر مسجد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت علی نے باہر آ کر انہیں قبولیتِ رشتہ کی مبارکباد دی اور نبی پاک ﷺ کا پیغام دیا۔ پھر تمام لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت علی اپنی زرہ بیچ کر آئے اور رقم آپ کو پیش کی۔ آپ نے وہ رقم ابوبکر صدیق اور بلال رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا! بازار سے میری بیٹی فاطمہ کے لیے ضرورت کی چیزیں خرید لاؤ۔ اور حضرت بلال سے فرمایا جو چیز بھی خریدو وہ ابوبکر کے مشورے سے خریدو۔ جب چیزیں آ گئیں تو آپ نے اپنی لختِ جگر کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح پڑھا

اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو اس کا گواہ بنالیا۔ یہ سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ اہل تشیع کی معتبر کتاب کشف الغمہ فی معرفتہ الائمہ جلد اول میں سید ہاشم اربلی نے لکھا ہے جب کہ کتب اہل سنت میں سے کنزالعمال جلد 13 کتاب فضائل فاطمہ بنت رسول ﷺ الاصابہ اور استیعاب وغیرہ میں بھی اس کی تفاصیل ملتی ہیں۔ معلوم ہوا صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی اور انہی کی کوشش سے آپ کا رشتہ طے ہوا اور خاندانِ اہل بیت تشکیل پایا یوں کہہ لیں کہ نخلستانِ اہل بیت کو معرضِ وجود میں لانے اور راستہ ہموار کرنے والے ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔

2۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خاندانِ اہل بیت پاک سے کیا عقیدت تھی۔ اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں بیٹھتے ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دور سے دیکھا کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ انہوں نے انہیں دیکھتے ہی ان کے لئے جگہ بنا دی اور خود ایک طرف ہٹ گئے نبی پاک ﷺ نے انہیں نہیں دیکھا تھا اس لئے فرمایا: اے ابو بکر تجھے کس چیز سے مجھ سے دور کیا؟ عرض کیا:

هٰذا عمك يارسول الله۔

یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ کے چچا جان آرہے ہیں۔

فَسَرَّ بِذَالِكَ النبيُّ ﷺ حتى رُؤِيَ ذَالِكَ فِي وَجهِهٖ

نبی پاک ﷺ اس عمل سے بہت خوش ہوئے تا آنکہ یہ خوشی آپ کے چہرہ مبارک میں دیکھی جا سکتی تھی۔

(کنزالعمال بروایت ابن عساکر جلد 13 کتاب الفضائل فضائل عباس عم النبی ﷺ صفحہ 510 حدیث 37308)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک طرف ہو گئے۔ نبی پاک ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ

اِنَّمَا يَعْرِفُ الْفَضْلَ لِاَهْلِ الْفَضْلِ اَهْلُ الْفَضْلِ۔

یعنی اہل فضیلت کی فضیلت کو اہل فضیلت ہی پہچانتے ہیں۔

(کنزالعمال جلد 13 بروایت ابن عساکر صفحہ 514 حدیث 37321 مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

سبحان اللہ! سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آلِ رسول ﷺ کا احترام کیا حالانکہ ان کا اسلام میں مقام و مرتبہ انبیاء کے بعد سب سے بلند تر ہے۔ مگر وہ اپنے آقا و مولا ﷺ کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ تو آقا نے خوش ہو کر کتنا بڑا انعام عطا فرمایا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص بھی اپنے بلند تر علمی اور معاشی مقام کے باوجود اپنے سے کم تر مرتبہ والے کسی سید آلِ

رسول ﷺ کی عزت کرتا ہے تو اسے اس عمل کا عند اللہ ضرور عظیم اجر نصیب ہوگا۔ اسی طرح جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تمام امتِ مسلمہ کے اتفاق سے خود نبی کریم ﷺ کی خواہش کے مطابق منصبِ خلافت سنبھالا تو بھی آلِ رسول ﷺ کی عزت و حرمت کا ہمیشہ لحاظ رکھا چنانچہ۔

3۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے باغِ فدک اور اموالِ خیبر میں سے اپنا حصہ مانگا تو آپ نے اس کے جواب میں جو کہا وہ بخاری شریف میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ہم انبیاء کی میراث نہیں ہوتی ہم جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے آلِ محمد ﷺ اس مال سے اپنے کھانے پینے کی ضرورت کے مطابق لیتے رہیں گے جیسے نبی پاک ﷺ کے زمانے میں لیتے تھے اس سے زیادہ نہیں، بخدا میں اس مال میں اسی طرح عمل کروں گا جس طرح رسول کریم ﷺ عمل کرتے تھے:

فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر گواہی دی اور فرمایا:

اِنَّا عَرَفْنَا يَا اَبَابَكْرٍ فَضِيلَتَكَ۔

اے ابو بکر ہم آپ کی فضیلت جانتے ہیں پھر انہوں نے رسول کریم ﷺ سے اپنی قرابت اور حق بیان کیا تو ابو بکر صدیق فرمانے لگے:

وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَصِلَ قَرَابَتِيْ۔

ترجمہ: خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ رسول خدا ﷺ کے قریبی رشتہ دار مجھے اس سے زیادہ عزیز ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں سے اچھائی کروں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب قرابۃ الرسول ﷺ حدیث 3712)

4۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِيْ اَهْلِ بَيْتِهٖ۔

ترجمہ: اے لوگو! رسول کریم ﷺ کے اہل بیت سے معاملہ کرنے میں آپ ﷺ کی نسبت کا خیال رکھا کرو۔

(حوالہ مذکورہ)

5۔ عقبہ بن حارث کہتے ہیں میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازِ عصر پڑھ کر نکلا یہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے چند دن بعد کی بات ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ سامنے سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نظر آئے جو بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیا اور یہ کہنے لگے:

بِاَبِیْ شَبِیْہٌ بِالنَّبِیِّ لَیْسَ شَبِیْہًا بِعَلِیٍّ.

قسم بخدا تمہاری شکل حیدر سے نہیں ملتی
تمہیں تو دیکھ کے یاد آرہی ہے شکل مصطفوی

(منظوم ترجمہ از مصنف)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار یہ کلمات دہرا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب 23 صفۃ النبی ﷺ حدیث 3542، مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ 8)

یہ روایت من وعن انہی الفاظ کے ساتھ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد دوم میں شیعہ مجتہد سید ہاشم نے بھی لکھی ہے۔ گویا فریقین کی کتب کی یہ متفق علیہ روایت بن گئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں آل رسول ﷺ کے ساتھ کس قدر پیار تھا کہ ان کی محبت کے بول خود بخود شعری سانچہ میں ڈھل جاتے تھے۔ یہ محبت کی معراج ہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور حبِ آلِ رسولِ معظم ﷺ

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اہل بیت رسول ﷺ سے بہت محبت رکھتے تھے ابھی گزرا کہ وہ حضرت علی المرتضی اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نکاحِ مبارک کے انعقاد میں پیش پیش تھے اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی اجتماعی کوششوں سے ہی یہ نکاح انعقاد پذیر ہوا۔ اسی لئے دونوں کو نبی پاک ﷺ نے اپنی لختِ جگر کے نکاح میں بطور گواہ سرِ فہرست رکھا۔ آپ کی محبتِ اہل بیت سے چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

1۔ ایک بار آپ منبر رسول ﷺ پر خطبہ دے رہے تھے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:

انزل عن منبر ابی۔

ترجمہ: میرے باپ (نبی ﷺ) کے منبر سے اتر جائیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت قریباً سات برس تھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مِنْبَرُ اَبِیْكَ لَا مِنْبَرُ اَبِیْ.

ترجمہ: یہ واقعی آپ کے باپ کا منبر ہے میرے باپ کا نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا اس بچے کو یہ بات کسی نے سکھلائی نہیں ہے پھر کہا اے حسین! میں تجھے اس کی سزا دوں گا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے میرے بھتیجے کو مت سزا دینا واقعی یہ ان کے باپ کا منبر ہے۔

(کنز العمال بروایت ابن عساکر جلد 13 صفحہ 654 حدیث 37661)

اس روایت پر یہ سوال ہے کہ اس سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ برا اثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ بزرگ ترین صحابی اور رسول اکرم ﷺ کے معتمد ترین ساتھی کی بزرگی کا لحاظ بھی نہیں رکھتے تھے، گویا انہیں کسی نے معاذ اللہ بزرگوں کا ادب نہیں سکھایا تھا۔ مگر ہم کہتے ہیں ان کی زبان پر اللہ کی طرف سے یہ الفاظ اس لیے جاری ہوئے۔ تاکہ ایک یہ معلوم ہو کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دل میں کس قدر احترام اہل بیت ہے کہ انہوں نے بچے کے ان الفاظ کا کچھ برا نہ منایا بلکہ ادب سے کہا کہ ہاں یہ آپ ہی کے نانا جان کا منبر ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے کس قدر احترام تھا کہ انہوں نے فوراً واضح کیا کہ یہ الفاظ بچے نے اپنی طرف سے کہے ہیں، انہیں کسی نے سکھائے نہیں دوسرے لفظوں میں وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ اے عمر فاروق! آپ واقعۃً منبر رسول ﷺ پر بیٹھنے کے حقدار ہیں۔

اس جگہ کنز العمال میں ابن سعد، ابن راھویہ اور خطیب بغدادی کے حوالہ سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ خود حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وعظ کہہ رہے تھے، میں ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گیا میں نے کہا میرے باپ (نانا جان) کے منبر سے اتریں اور اپنے باپ کے منبر پر بیٹھیں۔ انہوں نے فرمایا: میرے باپ کا تو کوئی منبر نہ تھا، پھر انہوں نے مجھے اپنے ساتھ منبر پر بٹھا لیا، جب وہ خطبہ سے فارغ ہوئے تو مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے، کہنے لگے اے میرے بیٹے! یہ تمہیں کس نے سکھایا؟ میں نے کہا مجھے کسی نے نہیں سکھایا، پھر فرمانے لگے: اے میرے بیٹے! تم میرے پاس آیا کرو اور مجھ سے باتیں کیا کرو، ایک دن میں آیا، آپ امیر معاویہ کے ساتھ علیحدگی میں باتیں کر رہے تھے اور دروازہ پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے انہیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ میں واپس ہو گیا۔ بعد میں آپ مجھے ملے کہنے لگے اے میرے بیٹے! تم ہمارے پاس آئے نہیں؟ میں نے کہا میں آیا تھا آپ اس وقت امیر معاویہ کے ساتھ علیحدگی میں باتیں کر رہے تھے اور میں نے دیکھا کہ ابن عمر واپس ہو رہے تھے، میں واپس ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ابن عمر کو اجازت مانگنے کی ضرورت ہے مگر تمہیں ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا ہمارے سروں پر جو بال ہیں وہ اللہ نے اگائے ہیں اور آپ اہل بیت نے اگائے ہیں۔

(کنز العمال جلد 13 صفحہ 654، 655 حدیث 37662 باب فضائل حسین رضی اللہ عنہ)

الغرض اس واقعہ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے کوئی غلط اثر نہیں ہے۔ اور اتنے کثیر طرق سے اس واقعہ کا مذکور ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

2۔ ایک بار عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے حسن و حسین کو اپنے کندھوں پر بٹھا رکھا ہے کہتے ہیں میں نے کہا نعم الفرس بچو! تمہاری سواری کتنی پیاری ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَ الْفَارِسَانِ هُمَا۔

ترجمہ: دونوں سوار بھی تو کتنے عمدہ ہیں۔ (کنزالعمال بروایت ابویعلیٰ و ابن شاہین جلد 13 صفحہ 658 حدیث 37670)

ان دونوں واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اہل بیت رسول ﷺ سے کیسی دل بستگی تھی۔ اور کس طرح ان کا دل خوش کرنے کے لئے کوشش کرتے تھے آج اگر کسی کو وہ کچھ کہا جائے جو عمر فاروق کو کہا گیا تو مرنے مارنے پر آجائے مگر آپ رضی اللہ عنہ کو اہل بیت رسول ﷺ سے جو محبت تھی اس نے آپ کے دل میں غصے کی بجائے مزید الفت اور پیار پیدا کر دیا۔

3۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بھی قحط ہوا تو انہوں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے واسطے سے دعا کی اور کہا:

اَللّٰهُمَّ اَنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بنبينا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نبينا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ۔

ترجمہ: اے اللہ پہلے ہم اپنے نبی کے وسیلے سے دعا کیا کرتے تھے اور تو بارش برساتا تھا اب ہم تیری جناب میں تیرے نبی کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں یا اللہ! ہم کو سیراب فرما۔ حضرت عمر جب بھی یہ دعا کرتے تو اسی وقت بارش ہو جاتی تھی۔

(صحیح بخاری کتاب الاستسقاء باب 3 حدیث 1010 کتاب فضائل اصحاب النبی باب 11 حدیث 3715)

توسل کے بارہ میں ایک شبہ کا ازالہ:

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ کے ساتھ دعا طریقۂ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہے۔ فرقہ اہل حدیث کے لوگ اس حدیث کے تحت کہتے ہیں معلوم ہوا زندہ کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔ فوت شدہ کا نہیں خواہ وہ فوت شدہ خود رسول اللہ ﷺ ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عباس کا وسیلہ لیا ہے مگر حضور ﷺ کا نہیں۔ مگر یہ غلط استدلال ہے۔ حضرت عمر نے کہا: وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا۔ اے اللہ! ہم تیرے حضور میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ گویا وہ حقیقت میں نبی اکرم ﷺ ہی کا وسیلہ پیش کر رہے تھے۔ یعنی حضرت عباس کا وسیلہ اس لیے ہے کہ وہ عم نبی ہیں۔ دراصل حضرت عمر چاہتے تھے کہ جس کا وسیلہ پکڑیں وہ سامنے نظر آ رہا ہو، بس، ورنہ صحابہ کرام وصال نبوی کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کے توسل سے دعا کرتے تھے، عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ایک شخص کو وہ دعا سکھائی جو حضور ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو سکھائی، جس میں یہ الفاظ تھے۔

اللهم انی اسئلك و اتوجه اليك بنبينا محمد ﷺ نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه

بك الی ربك عزوجل فتقضی لی حاجتی۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کا وسیلہ لیکر تیرے حضور التجا کرتا ہو۔ یا محمد (ﷺ)! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کے حضور التجا کرتا ہوں کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔

جب اس شخص نے یہ دعا کی تو اس کی حاجت پوری ہوگئی۔

(المعجم الصغیر للطبرانی باب الطاء صفحہ 366 حدیث 508 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 168 ذکر مناقب فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ حدیث 4736 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

4۔ اسلم نے روایت کیا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو کہا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو نبی پاک ﷺ کا محبوب نہیں پایا۔

وَاللهِ مَا كَانَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ بِعْدَ اَبِيْكِ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْكِ۔

ترجمہ: خدا کی قسم! آپ کے والدِ گرامی کے بعد لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے آپ سے بڑھ کر معزز و محبوب نہیں۔

(المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 168 ذکر مناقب فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ حدیث 4736 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

5۔ اسلم نے روایت کیا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ آپ مسجد نبوی میں اضافہ فرمانا چاہتے تھے اور آپ کا گھر مسجد کے قریب ہے۔ آپ یہ گھر ہمیں دیدیں تاکہ ہم (منشاءِ نبوی کے مطابق) مسجد میں اضافہ کرسکیں اور میں اس کے بدلے میں آپ کو کسی اور جگہ اس سے بڑا گھر دے دیتا ہوں انہوں نے کہاں نہیں۔ میں ایسا نہ کروں گا آپنے فرمایا تو میں بہرحال اسے آپ سے لے لوں گا انہوں نے کہا ایسا ممکن نہیں۔ آپ میرے اور اپنے درمیان کوئی ثالث مقرر کردیں جو صحیح فیصلہ کرے۔ پوچھا کون؟ کہا حذیفہ بن یمان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا انہیں واقعہ سنایا گیا انہوں نے کہا اس بارے میں میرے پاس ایک خبر ہے وہ یہ کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس میں اضافہ کرنا چاہا۔ مسجد کے ساتھ ایک یتیم کا گھر تھا آپ نے اس سے وہ گھر مانگا اس نے انکار کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے وہ بہرصورت لینے کا ارادہ کیا تو اللہ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میرا گھر ظلم سے پاک ہونا چاہیے۔ آپ نے اسے اپنی حالت میں چھوڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فیصلہ ہوگیا۔ حضرت عمر نے کہا ہاں! اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عباس کے گھر سے ایک پرنالہ مسجد کی طرف بنا ہوا ہے۔ اور اس میں سے بارش کا پانی مسجد میں گرتا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے وہ پرنالہ وہاں سے اتروا دیا اور فرمایا کہ مسجد رسول ﷺ میں یہ پرنالہ نہیں رہنا چاہیے۔ (تاکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ پرنالہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے خود لگایا تھا جہاں سے اے عمر! آپ نے اتروا دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے کہا کہ اے عباس! میرے کندھوں پہ کھڑے ہو جائیں اور اس کو واپس اپنی جگہ لگا دیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے کندھوں پہ چڑھ کر اسے واپس لگا دیا اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں یہ گھر مسجد میں اضافے کے لئے آپ کو دے رہا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ گھر مسجد میں ڈال کر اس کے بدلے میں حضرت عباس کو مقام زوراء میں ایک بڑا گھر دے دیا۔

(المستدرک للحاکم جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ ذکر عباس بن عبدالمطلب صفحہ 374 حدیث 5428)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ اور آل رسول کا کس قدر احترام کرتے تھے کہ فرمایا عباس میں نیچے بیٹھتا ہوں اور آپ میرے کندھوں پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہو جائیں اور یہ پرنالہ وہیں لگا دیں جہاں اسے میرے آقا و مولا ﷺ نے لگایا تھا۔

6۔ محمد بن علی سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس یمن سے جبے آئے۔ آپ نے مہاجرین وانصار میں تقسیم کئے جن میں کوئی بھی سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ناپ کا نہ تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً حاکمِ یمن کو خط لکھا کہ شہزادوں کے ناپ کے دو جبے سلوا کر فوراً بھیج دیجئے۔ انہوں نے بھیج دیے آپ رضی اللہ عنہ نے حسنین رضی اللہ عنہما کو پہنائے اور فرمایا جب تک ان دونوں نے جبے نہیں پہن لئے مجھے دوسروں کے جبے پہننے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔

(الریاض النضرۃ باب مناقب عمر بن الخطاب جلد اول صفحہ 300)

اور امام علی متقی ہندی نے کنز العمال ہیں یہ واقعہ ابن سعد کے حوالہ سے لکھا ہے۔

7۔ امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظائف مقرر کئے تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا وظیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر مقرر کیا (جو کہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا)۔

(کنز العمال بروایت ابوعبید فی الاموال وابن سعد جلد 13 صفحہ 658 حدیث 37671)

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے گھر میں تین پورے وظائف پہنچیں، یوں ان کے لیے مالی وسائل میں وسعت آئے، ورنہ حسنین کریمین کا وظیفہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برابر رکھنے کی کوئی اور توجیہ نہیں ہے۔

8۔ امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بار میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ علیحدگی میں بات کر رہے تھے۔ اور دروازے پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے انہیں اجازت نہ ملی تھی میں یہ دیکھ کر واپس چلا گیا (کہ جب انہیں اندر آنے کی اجازت نہیں ملی تو مجھے کیسے آنے دیں گے) اس کے بعد آپ مجھے ملے تو فرمایا پیارے بیٹے آپ ہمارے پاس آئے نہیں۔ میں نے کہا میں آیا تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

ساتھ محو ملاقات تھے میں نے دروازے پر عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ واپس پلٹ رہے ہیں تو میں بھی واپس پلٹ آیا آپ نے فرمایا:

اَنْتَ اَحَقُّ بِالْاِذْنِ مِنْ ابْنِ عُمَر۔

آپ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے بڑھ کر اندر آنے کے حق دار ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

اَنَّمَا اَنْبَتَ فِیْ رُءُوْسِنَا مَا تَرَی اللّٰہُ ثُمَّ اَنْتُم۔

ترجمہ: ہمارے سروں میں یہ بال اللہ نے اگائے ہیں اور پھر آپ نے اگائے ہیں۔

(یعنی ہمیں یہ عزت اللہ نے دی ہے اور اس کے بعد آپ اہلِ بیت پاک کی نسبت کی وجہ سے آپ کے صدقے میں ملی ہے۔ کہ آپ کے نانا جان کی غلامی سے ہمیں یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے۔)

(کنز العمال بروایت ابن سعد وخطیب جلد 13 صفحہ 655)

9۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی کرتے دیکھا تو فرمایا تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے ان صاحبِ قبر کو ایذا پہنچائی ہے اور آپ نے قبر رسول ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔

(شرح علامہ زرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد 7 صفحہ 14 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہاں ہم اہل تشیع کی ایک معتبر کتاب سے بھی حوالہ دے دینا مناسب سمجھتے ہیں شاید کسی کو ہدایت حاصل ہو جائے چنانچہ علامہ ابن شہر آشوب نے اپنی مشہور کتاب مناقب آل ابی طالب میں لکھا ہے کہ جب عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے وظائف مقرر کئے اور دیوان تیار کیا گیا تو سب سے پہلے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا وظیفہ دیا۔ وَمَلَأَ حُجْرَ هُمَا مِنَ الْمَالِ اور ان کی جھولیاں مال سے بھر دیں۔ آپ کے بیٹے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے ان دونوں کو مجھ سے زیادہ مقام دے دیا ہے حالانکہ مجھے نبی پاک ﷺ کی طویل صحبت اور ہجرت کا شرف حاصل ہے جو انہیں حاصل نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر کہا:

اُسْکُتْ لَا اُمَّ لَکَ اَبُوْهُمَا خَیْرٌ مِّنْ اَبِیْكَ وَاُمُّهُمَا خَیْرٌ مِّنْ اُمِّكَ

ترجمہ: خاموش رہو تیری ماں نہ رہے ان دونوں کا باپ تیرے باپ سے بہتر ہے اور ان کی ماں تیری ماں سے بہتر ہے۔ (عمدۃ المطالب فی مناقب آل ابی طالب جلد 13 صفحہ 71 مطبوعہ قم)

امام حسین رضی اللہ عنہ سے سیدہ شہر بانو کا نکاح کس نے کیا تھا؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اہل بیت کرام سے محبت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا شاہِ ایران یزدجرد کی بیٹی شہر بانو گرفتار ہو کر مسجد نبوی میں لائی گئی۔ حضرت عمر فاروق نے اسے اختیار دیا کہ مسلمانوں

میں سے جس شخص کو چاہے شادی کے لئے پسند کرلے، اس نے ساری مجلس پر نظر دوڑائی، اور آخر امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے سر پر آکر ہاتھ رکھ دیا۔ اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب اصول کافی یہی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، آپ نے شہزادی سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا جہاں شاہ، آپ نے فرمایا: نہیں تمہارا نام آج سے شہر بانو ہے۔ پھر آپ نے اپنے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لَتَلِدَنَّ لَکَ خیر اھلِ الارض اس بیوی سے تمہارے لئے وہ لڑکا پیدا ہوگا جو تمام اہل زمین سے بہتر ہوگا فَوَلَّتْ علیَّ بن الحسین تو اس سے امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

(اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ 282 روایت 1270 باب مولا علی بن الحسین علیہ السلام مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

اس جگہ سوال یہ ہے کہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ اور امام حسین رضی اللہ عنہما نے سیدہ شہر بانو رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیوں قبول کیا۔ دیکھو اہل تشیع کے نزدیک غاصب وظالم حاکم کے ساتھ مل کر جہاد کرنا مردار خون اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ فروع کافی میں ہے ان القتال مع غیر الامام المعروض طاعتہٗ حرام مثل المیتۃ والدم ولحم الخنزیر۔ جس امام کی اطاعت فرض نہیں اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح حرام ہے۔ (فروع کافی کتاب الجہاد باب 690 روایت 4403 مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف قم)

اہل تشیع کے لئے دعوت فکر ہے جب غاصب حاکم کے ساتھ کر جہاد کرنا خنزیر کھانے کی طرح حرام ہے تو غاصب حاکم کے جہاد سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں سے حصہ قبول کرنا کیسے جائز ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ اور امام حسین رضی اللہ عنہما نے شہر بانو رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر فاروق سے قبول کرکے بتا دیا کہ ان کی خلافت برحق اور ان کا جہاد برحق ہے۔ پھر حضرت شہر بانو سے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور آگے امام حسن عسکری تک تمام ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے، دوسرے لفظوں میں امام زین العابدین سے لے کر امام حسن عسکری تک تمام ائمہ کا وجود مبارک بذات خود خلافتِ عمر فاروق کی صداقت پر دلیل بین ہے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر کے پاس دو اعرابی آئے ان میں جھگڑا تھا، حضرت عمر نے کہا اے ابوالحسن (حضرت علی المرتضیٰ کی کنیت ہے) ان میں فیصلہ کردیں۔ انہوں نے فیصلہ کردیا جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے حضرت علی کی گستاخی کی، عمر فاروق نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور کہا تم پر افسوس، جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ ہر مومن کے مولا ہیں اور یہ جس کے مولیٰ نہ ہو وہ مومن نہیں۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ 229 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

الغرض سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اہل بیت رسول ﷺ سے جو پیار تھا اسے کماحقہ بیان کرنا ممکن نہیں صرف چند جھلکیاں آپ کو دکھائی ہیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور محبتِ آلِ نبی ﷺ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی آل رسول ﷺ سے سچا پیار رکھتے تھے اس سلسلہ میں کتب اہل سنت ایسے واقعات سے بھری ہیں۔ زمانہ عسرت میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے اہل بیت کو جب بھی مالی مشکل پیش آئی یا گھر میں چولہانہ جلا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں اور اپنے مال کا نذرانہ پیش کیا اس سلسلے کی ایک حدیث ہے۔

1۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

مَکَثَ آلُ مُحَمَّدٍ اَرْبَعَةَ اَيَّامٍ مَاطَعِمُوْا شَيْئًاله۔

آل محمد ﷺ پر چار دن ایسے آئے کہ ان کے بچے بھوک سے بلکنے لگے نبی پاک ﷺ تشریف لائے تو فرمایا: اے عائشہ کیا میرے بعد تجھے کچھ ملا میں نے عرض کیا کہاں سے ملتا۔ آپ کے ہاتھوں ہی سے اللہ نے کچھ چاہا تو بھیجے گا آپ نے وضو کیا اور بڑے افسردہ سے مسجد میں چلے گئے کبھی مسجد کے اس کونے میں نماز پڑھ رہے ہیں کبھی دوسرے کونے میں دعا فرمارہے ہیں دن کے آخری پہر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت مانگی پہلے میں نے چاہا کہ انہیں کچھ نہ بتاؤں پھر دل نے کہا یہ مسلمانوں میں سے مال دار ہیں شاید انہیں اللہ ہمارے پاس اسی لئے لایا ہے تا کہ ان کے ذریعے ہمیں کوئی بھلائی پہنچائے تو میں نے اجازت دی وہ اندر آئے تو پوچھا رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ میں نے کہا:

مَاطَعِمَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَرْبَعَةَ اَيَّامٍ شَيْئًا۔

آل محمد ﷺ نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا۔ نبی کریم ﷺ آئے تھے۔ بھوک سے آپ کا چہرہ انور زرد تھا۔ خالی پیٹ تھے میری باتیں سن کر واپس چلے گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سن کر رو پڑے اور کہا اس دنیا کی خرابی ہو اے ام المومنین! اگر آپ لوگوں پر ایسا وقت ہو تو آپ کو یہ بات مجھ سے، عبدالرحمٰن بن عوف، ثابت بن قیس اور ایسے ہی دوسرے اہل ثروت سے نہیں چھپانی چاہئے۔ پھر وہ واپس گئے اور آٹے، گندم، کھجور اور گوشت کی کثیر مقدار جو کئی جانوروں کا بوجھ تھی بھیج دی پھر کہا اسے پکانے میں تو وقت لگے گا جب آپ لوگوں کو شدید بھوک لگی ہوئی ہے تو فوری طور پر پکی روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت لے آئے اور تین سو درہم کی تھیلی بھی دے گئے اور کہا خود بھی کھاؤ اور رسول کریم ﷺ کے لئے بھی رکھو پھر مجھ سے قسم لی کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو تو میں انہیں ضرور بتاؤں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو فرمایا اے عائشہ کیا میرے بعد تمہیں کچھ ملا میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہی یقین تھا جب آپ گئے تھے کہ آپ ضرور اللہ سے دعا کریں گے اور میرا ایمان ہے کہ اللہ آپ کی دعا ہرگز رد نہیں فرماتا فرمایا تمہیں کیا ملا؟ میں نے بتایا کہ اتنا بوجھ، آٹا، گندم اور کھجور تین سو درہم کی تھیلی اور آٹا اور کافی سارا بھنا ہوا گوشت آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مِمَّنْ؟ کس نے دیا میں نے کہا عثمان غنی بن عفان رضی اللہ عنہ نے۔ وہ ہمارے پاس آئے تھے میں نے ان کو صورت حال بتائی تو وہ رو پڑے اور دنیا کی خرابی

بیان کی اور مجھے سے قسم لی کہ جب بھی ایسی بات ہو تو انہیں ضرور بتایا جائے نبی پاک ﷺ تھوڑی ہی دیر گھر میں ٹھہر کر مسجد کو چلے گئے اور ہاتھ اٹھ کر دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ عَنْ عُثْمَانَ فَارْضَ عَنْہُ۔

اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو جا یہ تین بار فرمایا۔

(کنز العمال جلد 13 فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صفحہ 47۔49 حدیث 36217 بروایت ابونعیم، ابن عساکر، ابن قدامہ)

اس حدیث میں آلِ محمد ﷺ سے ازواج مطہرات بھی مراد ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچے بھی مراد ہیں۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حجرہ بھی ازواج مطہرات کے حجروں میں ہی تھا اور اس حجرے کے مکینوں کے فقر و ناداری کا عالم بھی ازواج رسول ﷺ جیسا ہی تھا کیونکہ اپنی ازواج کے ساتھ اپنی لختِ جگر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی کفالت بھی نبی اکرم ﷺ خود ہی فرماتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چونکہ اپنی زندگی وقفِ دین کر رکھی تھی اس لئے ان کی کوئی مستقل مالی آمدن نبی کریم ﷺ سے علیحدہ نہ تھی بلکہ وہ تو بچپن ہی سے آپ کے زیرِ کفالت آرہے تھے۔ نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے انہیں کبھی بھی اپنے سے جدا نہ کیا اس لئے جب آلِ محمد یا اہل بیت رسول ﷺ کا لفظ بولا جاتا تھا تو وہ عموماً ازواجِ رسول ﷺ اور سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فیملی پر یکساں بولا جاتا کیونکہ یہ سب لوگ نبی کریم ﷺ کے ہی زیرِ کفالت تھے یہاں سے لفظ اہل بیت رسول کی معنویت اور کلمۂ آلِ محمد ﷺ کے مصداق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ زیرِ بحث حدیث میں آلِ محمد ﷺ کے چار دن تک بھوکا رہنے کی جو بات ہے وہ جہاں ازواجِ رسول ﷺ کو شامل ہے وہاں سیدہ فاطمہ زہرا اور ان کے بچوں پر بھی صادق ہے بلکہ حدیث کے یہ الفاظ کہ آلِ محمد کے بچے چار دن کی بھوک سے بلکنے لگے واضح بتا رہے ہیں کہ ان سے حسنین کریمین ہی مراد ہونے چاہییں کیونکہ ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی چھوٹے بچوں والی نہ تھیں اگر نبی اکرم ﷺ کے حجروں میں سے کسی چھوٹے بچوں کی ننھی آوازیں ابھرتی تھیں تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی ہی ہوتی تھیں۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہر مشکل وقت میں آلِ رسول ﷺ کی خدمت کی اور اکثر دستِ رسول ﷺ دعا کے لئے ان کے حق میں اٹھتا رہتا تھا اور جنت میں ان کا مقام بلند کرتا رہتا تھا۔

2۔ خود شیعہ محققین کو اعتراف ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز یعنی ضروریات خانہ کے لئے ساری رقم حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے مہیا کی۔ چنانچہ سید اربلی لکھتا ہے کہ نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ علی! جاؤ اپنی زرہ بیچ کر قیمت میرے پاس لاؤ تاکہ میں اپنی پیاری لختِ جگر کے لیے ضروری سامان خریدوں جو تم دونوں کو کام آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور عثمان بن عفان سے چار سو درہموں کے بدلے میں اسے فروخت کیا۔ میں نے ان سے درہم لے لئے اور انہوں نے مجھ سے زرہ لے لی پھر انہوں نے مجھ سے کہا اے علی آپ کو درہموں کی مجھ

سے زیادہ ضرورت ہے اور مجھے آپ سے زیادہ زرہ کی ضرورت نہیں۔ میں کہا ہاں۔ انہوں نے کہا پھر زرہ بھی لے جائیں اور درہم بھی۔ هدية منی اليك، یہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے۔ میں نے زرہ اور درہم دونوں لے جا کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے ڈال دیے۔ اور بتایا کہ یہ سب کچھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیئے ہیں: فدعا له بخیر۔ نبی کریم ﷺ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ نے ان درہموں میں سے مٹھی بھر کر اٹھائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

یاابو بکر اشتر بهذه الدراهم لابنتی ما یصلح فی بیتها۔

ترجمہ: اے ابوبکر جاؤ ان دراہم سے میری لختِ جگر کے لئے ضروریات خانہ لے کر آؤ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اوّل صفحہ 275 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

یہ واقعہ کتنی واضح شہادت ہے کہ سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے جملہ ضروریات خانہ اسی مال سے خریدی گئیں جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان غنی کا دیا ہوا مال کافی زیادہ تھا نبی کریم رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس میں سے مٹھی بھر نکال کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ضروریاتِ خانہ کی خریداری کے لئے دیا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور محبتِ آلِ فاطمہ رضی اللہ عنہا

مومنوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ پراپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ آل رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتی تھیں مگر یہ سب گمراہ کن قصے ہیں امتِ مسلمہ میں فساد ڈالنے کی کوشش ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت سے جو محبت تھی وہ ان احادیث سے ظاہر ہوتی ہے جو آپ نے شانِ اہل بیت میں روایت کی ہیں چند احادیث اختصاراً پیش خدمت ہیں۔

1۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں آپ روایت فرماتی ہیں کہ نبی پاک نے اپنی لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرضِ وصال میں بلایا اور ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں پھر دوبارہ کان میں کچھ فرمایا وہ مسکرا پڑیں بعد میں میں نے اس بارے میں پوچھا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتایا کہ پہلی مرتبہ نبی پاک ﷺ نے مجھے کان میں یہ فرمایا تھا۔ کہ میں اس مرض میں وصال پانے والا ہوں تو میں رو پڑی پھر آپ نے مجھے یہ بتایا کہ آپ کے اہل بیت میں سے میں ہی سب سے پہلے آپ کے پاس جاؤں گی اور وصال پاؤں گی تو میں خوشی سے مسکرا پڑی۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب باب 25 حدیث 3626، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث 99، سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب 64، مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 240)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خاتونِ جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دنیا سے کچھ رغبت نہ تھی اسی لیے جب

انہوں نے زبان رسالت مآب ﷺ سے یہ سنا کہ وہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے والی ہیں تو وہ خوشی سے مسکرا پڑیں۔ آپ کی یہ فضیلت ہمیں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کی زبان سے معلوم ہوئی ہے۔

2۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک بار صبح کو یوں تشریف لائے کہ آپ نے ایک منقش چادر اوڑھ رکھی تھی۔ سیاہ بالوں سے اس پر نقوش بنے ہوئے تھے اتنے میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آگئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر میں داخل کرلیا پھر حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما آگئے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی داخل کرلیا پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آگئیں آپ نے انھیں بھی داخل کرلیا پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی آگئے آپ ﷺ نے انہیں بھی داخل کرلیا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل فضائل اہل بیت النبی ﷺ حدیث 6260)

3۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں:

مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَشْبَہَ سَمْتاً وَدَلاًّ وَھدیا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ فِیْ قِیَامِھَا وَقُعُوْدِھا مِنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رسول اللّٰہ ﷺ۔

ترجمہ: میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا کہ جس کا اٹھنا، بیٹھنا رسول اللہ ﷺ سے اس قدر ملتا جلتا ہو جتنا فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا تھا۔

آگے فرمایا اور جب وہ نبی اکرم کے پاس آتیں تو آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے ان کا ماتھا چومتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے اور جب بھی نبی پاک ﷺ ان کے پاس جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور سرکار ﷺ کی پیشانی چومتیں اور جہاں خود بیٹھی ہوتیں وہاں آپ کو بٹھاتی تھیں۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل فاطمۃ رضی اللہ عنہا حدیث 6313 جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3872)

4۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا:

اَیُّ النَّاسِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔

ترجمہ: رسول پاک ﷺ کو کون سا شخص زیادہ محبوب تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا فاطمہ بنت رسول ﷺ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ پوچھا گیا مردوں میں کون آپ ﷺ کو محبوب تر تھا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر علی رضی اللہ عنہ! میں جانتی ہوں کہ وہ کثرت سے روزہ رکھنے والے اور کثرت سے شب بیداری کرنے والے تھے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب فاطمۃ رضی اللہ عنہا حدیث 3874)

فضائل اہل بیت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کی کثیر تعداد کتب میں موجود ہے، ہم نمونے کے طور پر انہی چار پر اکتفا کرتے ہیں

صرف یہ شبہ بعض ذہنوں میں خلجان (Confusion) پیدا کرتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اگر اہل بیت سے واقعی محبت تھی تو وہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کیوں نکلی تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں نہیں بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی انتہائی مظلومانہ شہادت کے رد عمل میں اٹھنے والی تحریک میں شامل ہوئیں اور اس لشکر کا ساتھ دیا جس نے بصرہ جا کر ان قاتلوں سے جنگ کی ابھی اس جنگ سے فراغت ہوئی تھی کہ حضرت علی بھی اپنا لشکر لے کر پہنچ گئے تاکہ حالات پر کنٹرول کیا جاسکے۔ چنانچہ باہمی گفت وشنید سے تصفیہ ہوگیا مگر انہی قاتلانِ عثمان کے ایک گروہ نے رات کے سناٹے میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما والے لشکر پر کہ جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں ایسے اچانک حملہ کیا کہ وہ یہ سمجھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے حملہ کیا کر دیا ہے یوں جنگ چھڑ گئی ناگہانی جنگ میں نہ تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مولا علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ مقصود تھا نہ ہی وہ حضرت علی سے لڑنے نکلے تھے بہر حال دشمنان اسلام کی سازش سے ہونے والی اس جنگ میں موجودگی پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساری زندگی شدید افسوس رہا اور آپ کو جب واقعہ جمل یاد آتا تو رو رو کر اپنی چادر تر کر لیتی تھیں۔

اور فرماتی تھیں:

يَالَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔

اے کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری چیز ہوگئی ہوتی۔

(تفسیر درمنثور جلد 5 صفحہ 374) زیر آیت وقرن فی بیوتکن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آپ یہ بھی فرماتی تھیں اے کاش میرے دس جوان بیٹے فوت ہو جاتے مگر میں جنگ جمل میں شرکت نہ کرتی۔

(المستدرک جلد 3 صفحہ 129 حدیث 4609)

اس کی مزید تفصیل اس گناہگار کی تصنیف سیرت خلفائے راشدین میں دیکھیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور عقیدت اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشترکہ فضائل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے انفرادی فضائل میں کثیر احادیث روایت کی ہیں جو آج مدارس میں پڑھائی جاتی اور منبروں پر سنائی جاتی ہیں یعنی اہل بیت کا مقام امت کو اگر کسی نے بتایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، زید بن ارقم، حذیفہ بن یمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا اس لئے جو یہ کہتا ہے کہ صحابہ اور اہل بیت میں باہم محبت نہ تھی وہ

پرلے درجے کا احمق انسان ہے۔ بہر حال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو اہل بیت سے عقیدت تھی اس کی چند جھلکیاں دیکھیں۔

1۔ سعید کہتے ہیں ہم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتے تھے جب بھی حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ تشریف لاتے۔ اور سلام فرماتے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کا یوں جواب دیتے:

وعليك السلام يا سيدي۔

ترجمہ: اے میرے سردار آپ پر بھی سلام ہو۔

پھر فرماتے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

اِنَّه سَيِّدٌ۔

ترجمہ: بے شک حسن سردار ہے۔ (کنز العمال بروایت ابو یعلیٰ و ابن عساکر جلد 13 صفحہ 650 حدیث 37646 المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 185 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

2۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین کو ملے تو کہا:

ارفع ثوبك حتى اقبل حيث رايت النبي ﷺ يقبل۔

ترجمہ: اپنی قمیض اٹھائیں تاکہ میں وہاں بوسہ دوں جہاں میں نے نبی کریم سید عالم ﷺ کو بوسہ دیتے دیکھا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے قمیص اٹھائی تو انہوں نے آپ کی ناف پر بوسہ دیا۔ (کنز العمال بروایت ابن نجار جلد 13 صفحہ 650 حدیث 37647 المستدرک للحاکم جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ فضائل الحسن بن علی صفحہ 184)

3۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں جب بھی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھیں برس پڑتی ہیں۔ (میں رو پڑتا ہوں)۔ (البدایہ والنہایہ، المستدرک للحاکم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شان اہل بیت میں جو احادیث روایت کی ہیں وہ بھی اس امر کا اعلیٰ ثبوت ہیں کہ وہ اہل بیت رسول ﷺ کے حقیقی قدر دان اور سچے عقیدت مند تھے مثلاً:

1۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا کرتے تھے۔ (اپنے بازوؤں میں لے کر محبت سے دبایا کرتے تھے)۔ (بخاری شریف جلد اول مناقب حسن وحسین ص 530)

2۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی امارت پسند نہیں کی البتہ یوم خیبر میں پسند کی میں نے فخر سے سر اٹھایا اس امید کے ساتھ کہ مجھے اس کام کے لئے بلایا جائے لیکن رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب کو بلایا اور جھنڈا ان کے ہاتھوں

میں دے کر فرمایا چلو اور دائیں بائیں نہ دیکھو۔ تا آنکہ اللہ تمہیں فتح عطا فرما دے۔
(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث 6222)

3۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی دو عالم ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

اللّٰھم انی احبہ فاحبہ واحب من یحبہ۔

ترجمہ: اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے محبت رکھے تو اس سے بھی محبت رکھ۔

4۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ نکلا دن کا کوئی پہر تھا نہ آپ مجھ سے بات کر رہے تھے اور نہ میں آپ سے بات کر رہا تھا تا آنکہ بازارِ بنی قینقاع آگیا پھر آپ واپس لوٹے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے۔ اور فرمایا:

اثم لکع اثم لکع۔

کیا یہاں چھوٹا بالکا ہے؟ کیا یہاں چھوٹا بالکا (بچہ) ہے؟

آپ ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرما رہے تھے۔ ہم سمجھے ان کو ان کی والدہ نے روک رکھا ہوگا انہیں نہلا کر اچھا لباس پہنا رہی ہوں گی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دوڑتے ہوئے آئے اور آتے ہی پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ سے لپٹ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خود سے چمٹا لیا پھر آپ نے فرمایا:

اللھم انی احبہ فاحبہ واحب من یحبہ۔

ترجمہ: اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے محبت رکھے تو اس سے بھی محبت رکھ۔ (صحیح بخاری کتاب البیوع باب 49 حدیث 2122، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث 57)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا کردار در عظمت اہل بیت ابرار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ کثیر احادیث کے راوی ہیں انہوں نے محبت اہل بیت کا ورثہ اپنے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پایا تھا چنانچہ:

1۔ ابن ابی نعیم کہتے ہیں میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عراقی شخص نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ جس نے احرام باندھا ہوا گر وہ مکھی مار دے تو کیا جرمانہ ہے؟ آپ نے فرمایا اہل عراق مجھ سے مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھ رہے ہیں:

وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ ﷺ جب کہ انہی لوگوں نے رسول خدا ﷺ کے نواسہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو

شہید کر دیا جب کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا:

هما ريحانتي من الدنيا۔

یہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب مناقب الحسن والحسین حدیث 3753، جامع الترمذی کتاب المناقب باب 30)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اتنا افسوس تھا کہ جب اس کوفی نے احرام میں مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ کا پارہ چڑھ گیا اور دکھ سے فرمایا: او کوفیو! نواسۂ مصطفی ﷺ کو شہید کرتے ہوئے تمہیں خیال نہ آیا کہ تم کتنا عظیم جرم کر رہے ہو اور تم نے قلب مصطفی ﷺ کو کتنا دکھ پہنچایا اور مکھی مارنے کا تمہیں زیادہ خیال ہے؟ ہوسکتا ہے اس کوفی سائل کا قتل حسین رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی تعلق نہ ہو مگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اتنا دکھ تھا کہ کسی بھی کوفی کی زبان سے ایسی بات سن کر آپ کا دل دکھ سے بھر گیا اور قتل حسین کا زخم پھر تازہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عظمت اہل بیت رسول ﷺ میں متعدد احادیث بھی مروی ہیں۔ جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پہ نکلتے تو سب سے آخر میں اپنی بیٹی فاطمہ، رضی اللہ عنہا سے مل کر نکلتے اور جب آپ سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لے جاتے۔

(المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 169 حدیث 4740)

گویا جس سے حضور اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ پیار تھا وہ سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا تھیں اور یہ بات ہمیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتا رہے ہیں جو اس بات پہ دلالت ہے کہ ان کا سینہ احترام وعقیدتِ اہل بیت سے لبریز تھا۔

اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الحسنُ والحسینُ سَیّدا شبابِ اهلِ الجنةِ وابوهما خیر منهما۔ حسن وحسین نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں اور انکے والد (مولیٰ علی المرتضیٰ) ان سے بھی افضل ہیں۔ (المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 182 باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اعلام درشان اہل بیت عظام:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ستم ظریفوں نے دشمن اہل بیت کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے جب کہ حقیقت یہ نہیں ہے، دراصل ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صرف اس بات پر اختلاف ہوا کہ قاتلان عثمان غنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقاضا تھا کہ ان ظالموں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود سزا دیں یا انہیں ہمارے حوالے کریں تاکہ ہم انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں۔ وہ کہتے تھے کہ اگر وہ ایسا کریں تو ملک شام میں سے پہلا شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والا میں معاویہ ہوں گا جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ مجبوری تھی کہ کسی ٹھوس شرعی گواہی کے بغیر آپ ان قاتلوں پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتے

تھے اور ایسی گواہی موجود نہیں تھی اور صورت حال یہ تھی کہ ان قاتلوں کے پاس بے پناہ سیاسی قوت بھی تھی۔ اگر ان کو چھیڑا جاتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ساری اسلامی مملکت میں شہر شہر خانہ جنگی چھڑ جاتی۔ آپ انہیں پکڑنا چاہتے تھے مگر بہتر وقت کا انتظار کر رہے تھے اس طرح اس تنازع نے طول پکڑ لیا اور جنگ جمل و صفین کے خونیں حادثات پیش آئے اہل سنت کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا اجتہادی تھی اگر قاتلانِ عثمان غنی کے پکڑے جانے میں تاخیر نہ ہوتی اور فوراً کیفر کردار تک پہنچ جاتے تو کسی کو بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اختلاف نہ ہوتا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح دورِ صدیقی سے تمام خلفائے راشدین کی بیعت اور اتباع کرتے چلے آرہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتباع میں بھی کوئی باک نہ رکھتے۔ مگر وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اس تنازع سے ہٹ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد سے کچھ اختلاف نہ تھا بلکہ وہ ان کی تعریف اور بے پناہ قدر کرتے رہے۔

1۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم سید ہاشم حسین اپنی کتاب حلیۃ الابرار میں لکھتا ہے کہ ضرار بن حمزہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے کہا صِفْ لِیْ عَلِیًّا میرے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو، ضرار نے کہنا شروع کیا اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے وہ خلیفہ ہو کر بھی عام آدمی کی طرح رہتے تھے ہم جو سوال کرتے وہ بلا تکلف جواب دیتے انہوں نے کبھی ہم پر دروازہ بند نہ کیا اور نہ کبھی کوئی دربان کھڑا کیا اس کے باوجود ان کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ہم بات کرنے میں ان سے پہل نہیں کر سکتے تھے جب وہ مسکراتے تو لگتا کہ موتی چمک رہے ہیں امیر معاویہ فرمانے لگے زدنی من صفاتہ مجھ سے ان کے مزید اوصاف بیان کرو، ضرار کہنے لگے۔ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے وہ شب زندہ دار تھے۔ بہت کم سوتے تھے۔ صبح و شام قرآن پڑھا کرتے ہر پسندیدہ چیز کو راہ خدا میں دے ڈالتے، خوف خدا سے ان کے آنسو نہ تھمتے۔ انہوں نے کبھی پردے لٹکائے نہ دستر خوان سجائے۔ کبھی گاؤ تکیے کی نرمی محسوس کی نہ کھردرے کپڑے کی سختی۔ جب رات اپنے سیاہ پردے ڈال دیتی اور ستارے نکل آتے تو وہ مسجد کے محراب میں آکر عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اس وقت وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے پہلو بدلتے جیسے سانپ کا ڈسا تڑپتا ہے اور غم و اندوہ میں ڈوب کر کہتے اے دنیا! تو میرے پیچھے پڑی ہے، دور ہو جا دور ہو جا مجھے تیری کچھ ضرورت نہیں۔ میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اور کبھی رجوع نہیں کروں گا۔ پھر فرماتے ہائے ہائے سفر لمبا ہے توشہ کم اور راستہ کٹھن ہے: فبکیٰ معاویہ امیر معاویہ یہ سن کر رونے لگے اور کہا ضرار بس کرو کذالك كان والله علی، خدا کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے ہی تھے۔

(حلیۃ الابرار جلد اول صفحہ 338 باب 25 مطبوعہ قم)

اسی طرح حلیۃ الابرار میں چند صفحے آگے چل کر لکھا ہے کہ ضرار جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف حمیدہ بیان کر

رہا تھا تو امیر معاویہ کی عجیب حالت تھی۔ فزرفت دموع معاویة علیٰ لحیته و هو ینشفها بکمه امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنسو چھم چھم برس پڑے اور وہ اپنی آستینوں سے آنسو پونچھنے لگے۔ جب کہ سننے والوں کے گلے رو رو کر بند ہو گئے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

رحم الله ابا الحسن کان والله کذلك

ترجمہ: اللہ ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ (حلیۃ الابرار جلد اول صفحہ 345 حوالہ مذکورہ)

2۔ مشہور مورخ مرزا محمد تقی لکھتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو جواب میں لکھا کہ مجھے آپ کا خط ملا ہے اور حالات سے آگاہی ہوئی ہے آپ کے والد گرامی ابن قیس کے ان اشعار کے مستحق تھے۔

اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

تم سخی جوان ہو جنگوں میں تمہارے نیزے کا یہ حال ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے سینے کوٹنے لگتی ہیں پورے جزیرہ عرب میں کوئی ایسا جوان جو اپنی بہادری سے بلند چوٹیاں فتح کر لے۔ تم سے زیادہ سخی نہیں ہزاروں درہم دینا اور عمدہ کھانے کھلانا تمہارا کام ہے۔ (ناسخ التواریخ حالات امام حسن جلد اول صفحہ 188 مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی زبان میں لکنت ہے۔ (صاف تلفظ نہیں کر سکتے) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسے مت کہو۔

فَاِنَّ رَسُولَ الله صلی الله علیه وسلم قَدْ تَفُلَ فِي فِيْهِ وَمَنْ تَفُلَ رسولُ الله فِي فِيهِ فَلَيْسَ بِعَيِيٍ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے منہ میں اپنا لعاب دھن ڈالا تھا اور جس کے منہ میں رسول اکرم ﷺ اپنا لعاب مبارک ڈالیں اس کی زبان میں لکنت ہرگز نہیں ہو سکتی۔

(کنز العمال بروایت ابن عساکر جلد 13 صفحہ 648 حدیث 37638)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ خون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے تنازع سے ہٹ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف حمیدہ اور کمالات رفیعہ کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معترف تھے اور سن کر زار زار رویا کرتے تھے اسی لئے مولا علی شیر خدا کے وصال کے بعد حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس تنازعہ کا خاتمہ کر دیا۔ ساری زندگی اس بیعت پر قائم رہے کئی لوگوں نے کوشش کی کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ بیعت توڑ دیں مگر آپ نے وفاداری بشرطِ استواری کا اصول قائم فرمایا اور اپنے سب ساتھیوں کو بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر قائم رہنے کا حکم فرمایا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اہل بیت اطہار کے بے پناہ قدردان تھے اور ان کی عزت افزائی میں کوئی فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ اور ان کی مالی معاونت میں بھی پوری قوت صرف کرتے تھے۔ شیعہ مورخین بھی اپنے تعصب وعناد کے باوجود اس کا اعتراف

کرتے ہیں چنانچہ شیعوں کا رئیس العلماء ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ قطب راوندی نے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ

3۔ ایک دن امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہمارا وظیفہ اگلے مہینے کی پہلی تاریخ کو پہنچ جائے گا جب پہلی تاریخ آئی تو واقعی وظیفہ پہنچ گیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کافی مقروض تھے آپ نے اپنے وظیفے میں سے سارا قرض اتارا اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے وظیفے سے پہلے قرض تارا باقی مال اپنے اہل وعیال اور دوستوں میں تقسیم فرمایا۔ عبداللہ بن جعفر نے بھی اپنی ضروریات پوری کر کے باقی مال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایلچی کو بطور انعام دے دیا۔ چوں این خبر بمعاویہ رسید برائے او مال بسیار فرستاد جب یہ خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے آپ کے لئے (امام حسن رضی اللہ عنہ کے لئے) مزید مال بھیج دیا۔

(جلاء العیون جلد اوّل صفحہ 376 مطبوعہ تہران)

یہی پورا واقعہ حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 38 مطبوعہ مصر میں بھی ہے وہاں یہ اضافہ بھی ہے جو رقم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجی تھی وہ چار لاکھ درہم تھی جب کہ ہر سال کا مقرر وظیفہ ایک لاکھ درہم اس کے علاوہ تھا۔

کیا امیر معاویہ کے خطباء حضرت علی پر لعنت کرتے تھے؟

یہاں سے ایک غلط پراپیگنڈہ کا بھی رد ہو گیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبروں پر خطبات جمعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے کا (معاذ اللہ) حکم دے رکھا تھا۔ اور یہ سلسلہ، خلافت حضرت عمر بن عبدالعزیز تک جاری رہا انہوں نے آکر یہ سلسلہ ختم کیا یہ پراپیگنڈہ غلط ہے اولاً تو ایسی روایات شیعہ راویوں کی کارستانیاں ہیں جو سنی مورخین کے تسامح اور چشم پوشی کے سبب کتب اہل سنت میں داخل ہو گئی ہیں تفصیل کے لئے میرے والد گرامی محقق اسلام علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1996ء کی تصنیف تحفہ جعفریہ جلد دوم دیکھیں۔ اس موضوع پر بہت کام کرنے کی ضرورت ہے کچھ لوگوں نے کیا بھی ہے لیکن وہ بہت کم ہے۔ اور یہ روایات اگر قبول بھی کر لی جائیں تو بھی اس میں لعنت کا لفظ کہیں نہیں صرف اتنا ہے کہ امیر معاویہ کے خطباء حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سَب کرتے تھے اور سَبَّ یَسُبُّ کا معنی لعنت کرنا نہیں ہے۔ احادیث میں اس کا معنی کسی کے موقف کو غلط قرار دینا بھی آتا ہے چنانچہ بخاری شریف، کتاب المغازی باب 14 میں ہے۔ فَاسْتَبَّ عَلِیٌّ وَّعَبَّاس حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے پر سب کیا یعنی ایک دوسرے کا موقف غلط قرار دیا یہ مطلب نہیں کہ دونوں نے (معاذ اللہ) لعنت کی یا گالی گلوچ کیا کیونکہ یہ مطلب صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے شایان شان ہرگز نہیں اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی حکومت میں صرف اتنا حکم دے رکھا تھا کہ خطباء اپنے خطبوں میں حضرت علی کے موقف کو غلط کہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ہزاروں صحابہ کرام کی موجودگی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی پر معاذ اللہ گالی یا لعنت کا حکم دیں (اور وہ بھی معاذ اللہ مساجد میں) جیسے مذکورہ حدیث بخاری میں حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کے لئے لفظِ سب کا معنی موقف

کارد کرنا ہے۔اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب کرنے کا مطلب بھی ان کے موقف کو غلط قرار دینا ہے پھر آپ خود شیعہ علماء کی تحریرات سے پڑھ چکے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور تعریف سن کر روتے تھے البدایہ النہایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن کہنے کے بعد رونے لگے کسی نے کہا کہ آپ کی تو ان سے جنگ ہے۔آپ نے فرمایا:

وَيْحَكَ اِنَّمَا اَبْكِیْ لَمَا فَقَدَ النَّاس مِنْ حِلْمِهٖ وَعِلْمِهٖ وَفَضْلِهٖ وَسَوَابِقِهٖ وَخَيْرِهٖ

ترجمہ: تم پر افسوس ہے میں اس لئے رو رہا ہوں کہ آج لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حلم، علم، فضل، اچھائیوں اور خوبیوں سے محروم ہوئے ہیں۔(البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 15 مطبوعہ دارالریان للتراث بیروت)

یہاں ہم اہل تشیع اور تفضیلی فرقہ سے پوچھتے ہیں اگر کوئی شخص ہمارے باپ کو گالی دے تو کیا ہم برداشت کرتے ہیں؟ کیا ہم ایسے شخص سے ہدیہ تحفہ وغیرہ قبول کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔یہ بے غیرتی اور بزدلی کی انتہاء ہے کہ کوئی کسی کے باپ کو گالیاں دے اور وہ گالیاں دینے والے سے تحائف وہدایا قبول کرے۔اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بالفرض حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو منبروں پہ گالیاں دلواتے ہوتے تو حسنین کریمین ان سے سالانہ وظائف اور تحائف کیوں قبول کرتے؟ ان سے بڑھ کر بہادر کون ہوسکتا ہے؟ یقیناً یہ گالیاں دلوانے کا قصہ من گھڑت ہے۔ ہاں یہ مانا جاسکتا ہے کہ خطباء امیر معاویہ منبروں پہ اپنے موقف کو صحیح اور حضرت علی المرتضیٰ کے موقف کو غلط کہتے تھے اور اس وقت حضرت علی المرتضیٰ کے خطباء بھی فریق مخالف کے مؤقف کا غلط ہونا بتاتے تھے کیونکہ جب دونوں فریق ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوئے تو ایک دوسرے کے موقف کو غلط کہنا فطری بات ہے۔اسی کو بعض مورخین نے سبّ وشتم سے تعبیر کر دیا۔

اس فصل کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اہل تشیع جو اہل بیت کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ قطعی غلط ہے اہل بیت اور صحابہ کرام میں بے پناہ محبت تھی وہ ایک دوسرے کے سچے خیر خواہ تھے اگر ان میں کسی وجہ سے اختلاف رائے ہوا بھی تو وہ ذاتی دشمنی پر مبنی نہ تھا اختلافی مسئلے سے ہٹ کر وہ ایک دوسرے کا پورا احترام کرتے تھے جیسا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے مابین ہوا۔تاریخ بتاتی ہے کہ جنگ صفین کے دوران قیصر روم نے مکہ شریف پر حملہ کرنے کا سوچا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اسے بایں الفاظ خط لکھا کہ او رومی کتے! اگر تو نے ایسا کیا تو میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا اور ان کی قیادت میں تجھ پر حملہ کروں گا اور تیری سلطنت کے ہم دونوں مل کر ٹکڑے کر کے رکھ دیں گے۔

اس بصیرت افروز تاریخی خط نے قیصر روم کا ہوش ٹھکانے لگا دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 122 مطبوعہ دارالریان قاہرہ مصر)

فصل چہارم

اہل بیت رسول ﷺ بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان سے گہری محبت رکھتے تھے

آج ایک گروہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو جی بھر کر معاذ اللہ گالیاں دیتا ہے کہ انہوں نے اہل بیت پر ظلم کیا۔ نبی پاک ﷺ کے بعد آپ کی جانشینی اور خلافت کا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا ان سے وہ چھین کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھال لی اور دنیا سے جاتے ہوئے عمر کو خلافت دے گئے۔ اور عمر نے دنیا سے جاتے ہوئے چھ رکنی کمیٹی بنائی اور اس کمیٹی نے حضرت علی کو خلافت سے دور رکھا پھر ابوبکر نے خلافت سنبھالتے ہی سیدہ فاطمہ زہرا سے باغ فدک چھین لیا وغیرہ ذالک من خرافات اس لئے یہ لوگ جنہیں اہل تشیع کہا جاتا ہے اہل بیت کی تعریف کرتے ہوئے جب تک صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر معاذ اللہ غلیظ گالی گلوچ نہ کرلیں تب تک ان کے نزدیک حب اہل بیت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا مگر یہ لوگ شیطانی بہکاوے میں آ کر گمراہی کے دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دے کر اہل بیت کی محبت کا دم بھرنا پرلے درجے کی ضلالت ہے۔ یہ اہل بیت سے محبت نہیں بلکہ ان سے دشمنی ہے۔ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین اس سے خوش نہیں ہوتے بلکہ غیظ و غضب سے بھر جاتے ہیں اس لئے میں نے یہ فصل اس باب میں ڈالی ہے تاکہ قارئین جان لیں کہ اہل بیت رسول ﷺ اور اولاد بتول خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے کیسی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور اس فصل میں میں کتب اہل سنت سے کوئی حوالہ یا عبارت پیش نہیں کروں گا بلکہ کتب شیعہ کی روشنی میں وہ سچائی پیش کرنے کی کوشش کروں گا جو اللہ نے مخالفین کی زبانوں سے اگلوائی ہے۔

کلامِ حضرت علی رضی اللہ عنہ درشانِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

1۔ اہل تشیع کا معتبر مورخ نصر بن مزاحم بیان کرتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کو خط لکھتے ہوئے حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی فضیلت بیان کی اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

لعمری ان مکانہما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بہما لجرح فی الاسلام شدید رحمہما اللہ وجزاہما باحسن الجزآء۔

ترجمہ: مجھے اپنی زندگی کی قسم بے شک اسلام میں ان دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کا مرتبہ بے شک بہت بلند ہے اور ان کا دنیا سے جانا اسلام کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے ور انہیں سب سے

اچھی جزا عطا فرمائے۔ (وقعۃ صفین صفحہ 63 مطبوعہ کتب خانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی قم)

2۔ ایسے ہی ایک اور خط میں آپ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو بھیجا انہوں نے امت کو گمراہی سے نکالا جب آپ تشریف لے گئے تو لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ چنا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر کو خلیفہ بنایا: واحسنا سیرۃ وعدلا فی الامۃ جب کہ ان دونوں نے بطور خلیفہ بہت عمدہ سیرت اپنائی اور امت میں عدل و انصاف قائم کر دکھایا آگے حضرت علی فرماتے ہیں ہمارے دل میں یہ بات آئی کہ ہم آل رسول میں سے ہیں اور خلافت کے زیادہ حق دار ہیں لیکن جب ان دونوں نے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کر دیے اور یہی بڑا مقصد تھا تو ہم نے اپنا حق معاف کر دیا۔ (وقعۃ صفین صفحہ 149 حوالہ مذکورہ)

3۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نے شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

هُمَا اَمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَيْهِ فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللهِ اِلٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: وہ دونوں عدل و انصاف کرنے والے امام ہیں وہ حق پر کار بند تھے اور حق پر ہی قائم رہ کر دنیا سے رخصت ہوئے تو ان دونوں پر روز حشر تک اللہ کی رحمت ہو۔ (احقاق الحق مصنفہ نور اللہ شوستری صفحہ 14)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزید متعدد اقوال بھی خلفائے راشدین کے متعلق موجود ہیں ہم صرف ان تین پر اکتفا کرتے ہیں دیکھیے! حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ عدل و انصاف کے علمبردار تھے۔ حضرت علی انہیں امام کہہ کر پکارتے تھے۔ شیعو! تم اپنی طرف سے بارہ اماموں کی امامت تو مانتے ہو مگر جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ امام قرار دے رہے ہیں انہیں تم حب اہل بیت کی آڑ میں گالیاں دیتے ہو، بتاؤ پھر تمہارا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق ہے؟ یہ فیصلہ میں تمہی پر چھوڑتا ہوں؟ خلفائے راشدین سے حضرت علی کی محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے۔

4۔ چنانچہ کشف الغمہ میں آپ کی اولاد کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی اولاد کی تعداد ستائیس تھی بعض کے نام یہ ہیں۔ حسن، حسین، زینب کبریٰ، زینب صغریٰ ان چاروں کی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ محمد بن حنفیہ ان کی والدہ خولہ بنت جعفر حنفیہ ہیں۔ عمر اور رقیہ ان کی والدہ ام حبیبہ بنت رابعہ ہیں۔ عباس، جعفر، عثمان اور عبداللہ یہ چاروں اپنے بھائی امام حسین کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے ان کی والدہ ام البنین بنت حزام ہیں۔ محمد اصغر جنہیں ابوبکر کہا جاتا ہے اور عبیدہ یہ دونوں بھی کربلا میں شہید ہوئے۔ ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ہیں۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد دوم صفحہ 52 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائیوں میں سے بعض کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان بھی ہیں۔ ان میں سے عمر اور عثمان تو

آپ کے ساتھ کربلا میں شہید بھی ہوئے بتایئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کے نام خلفائے راشدین کے ناموں پر کیوں رکھے؟ جس شخص سے نفرت ہو کیا اس آدمی کے نام پر کوئی اپنے بیٹے کا نام رکھتا ہے کیا آج کوئی اپنے بیٹے کا نام یزید، فرعون اور شداد رکھتا ہے؟ بلکہ بچوں کے نام محبوب ہستیوں کے ناموں پر رکھے جاتے ہیں۔ مولا علی شیر خدا نے اپنے بچوں کے نام ابوبکر عمر اور عثمان رکھ کر بتا دیا کہ آپ کو ان سے سچا پیار تھا۔ اہل سنت جماعت تو نام رکھنے کی اس سنت علی پر عمل کرتے ہیں شیعوں کو بھی اپنے بچوں کے نام ابوبکر و عمر رکھنے چاہیں۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی عقیدت خلفائے راشدین سے

جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت سپرد کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو کچھ شرائط مقرر کیں ان میں سے بڑی یہ تھیں عَلٰی اَنْ یَعْمَلَ فِیْهِمْ بِکِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَسُنَّتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَسِیْرَةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ

ترجمہ: اس شرط پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے صلح کر رہے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کی سیرت پر عمل کریں گے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد دوم صفحہ 141 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک معاشرے میں حق وصداقت اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے کسی بھی حکمران کو تین اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنے چاہییں۔ 1۔قرآن 2۔سنت۔3۔سیرت خلفائے راشدین۔یعنی امام حسن کے نزدیک قرآن وسنت کے عملی نفاذ کے لیے سیرت خلفائے راشدین میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ جو امام حسن رضی اللہ عنہ سے محبت کا دم بھر کر دوسرے ہی سانس میں سیدنا صدیق اکبر اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم یعنی خلفائے راشدین کو برا بھی کہے اس کا امام حسن رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق ہے؟ اس لئے حب اہل بیت کا حق صرف وہی ادا کر سکتا ہے جو خلفائے راشدین سے صحیح عقیدت رکھتا ہو اور ان کی سیرت کو نمونہ عمل بنائے اور یہ شرف صرف اور صرف اہل سنت و جماعت کو ہی حاصل ہے۔ ؎

بے ادب گستاخ فرقوں کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستان اہل بیت

امام حسین رضی اللہ عنہ جنت میں خلفائے راشدین کو پانی پلا رہے تھے

شیعوں کی بہت ٹھوس کتاب حلیۃ الابرار میں مشہور شیعہ عالم سید ہاشم بحرانی نے ایک نوجوان کا واقعہ لکھا ہے کہ اس

نے خواب دیکھا کہ گویا وہ جنت میں ہے اور حضرت علی ایک خوبصورت کرسی پر بیٹھے ہیں اور ایک جگہ ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اکٹھے بیٹھے پیار و محبت کی گفتگو کر رہے ہیں اتنے میں نبی پاک ﷺ تشریف لے آتے ہیں آپ کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی ہاتھ میں چاندی کا پیالہ تھامے تشریف لے آئے نبی پاک ﷺ نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسقنی مجھے پلاؤ انہوں نے آپ کو چاندی کے پیالے سے جنتی شربت پلایا پھر آپ نے فرمایا یا حسین اسق الجماعة اے حسین! اس جماعت کو بھی پانی پلاؤ۔

فسقیٰ ابابکر و عمر و عثمان و سقا علیاً علیہ السلام

ترجمہ: امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو بھی وہ جنتی شربت پلایا۔

(حلیۃ الابرار باب 12 صفحہ 302 مطبوعہ قم)

یہ خواب حلیۃ الابرار میں کافی طویل لکھا ہے ہم نے صرف اپنے موضوع سے متعلق حصہ نقل کیا ہے جب ایک شیعہ عالم یہ خواب لکھ رہا ہے اور آگے اس کی تردید بھی نہیں کرتا بلکہ اس خواب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ خواب دیکھنے والا نوجوان ایک مسجد میں موذن تھا اور اذان و نماز کے دوران حضرت علی پر ایک ہزار بار (معاذ اللہ) لعنت کرتا تھا جب اس نے یہ خواب دیکھا تو نبی ﷺ نے خواب میں امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس نوجوان کو بھی پلاؤ انہوں نے عرض کیا یہ تو میرے باپ علی مرتضیٰ کو اتنی مرتبہ لعنت کرتا ہے آپ نے فرمایا تم علی پر لعنت کرتے ہو؟ حالانکہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں خدا تجھ پر لعنت کرے یہ تین بار آپ نے فرمایا جب وہ خواب سے اٹھا تو اس کا چہرہ اور سر خنزیر جیسا بن گیا تھا۔ اگر اس کے خواب کا شان علی سے متعلق حصہ سچا ہے اور یقیناً سچا ہے اور اسی حصے کی ہی خاطر مذکور شیعہ علامہ نے اسے لکھا ہے تو اسی خواب کا وہ حصہ جو شان خلفائے راشدین سے متعلق ہے وہ بھی یقیناً سچا ہے اور واقعتاً امام حسین کربلا کی پیاس اٹھانے کی جزا میں جنت کے اندر ساقی بنے ہوئے ہیں اور نبی پاک ﷺ اور آپ کے پیارے دوستوں ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم کو نقرئی پیالوں میں بھر بھر کر شراب طہور پلا رہے ہیں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خلفاء راشدین کے گستاخوں پر پھٹکار

اس فصل میں پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی خلفاء راشدین سے محبت بیان کی گئی ہے اور شیعوں کے نزدیک وہ تینوں لگاتار پہلا دوسرا اور تیسرا امام کہلاتے ہیں اب چوتھے امام حضرت امام زین العابدین ہیں ان کی خلفائے راشدین سے عقیدت بھی ملاحظہ کریں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ شریف میں عراق (کوفہ) سے کچھ لوگ آئے وتکلموا فی ابی بکر و عمر و عثمان اور انہوں نے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے متعلق کلام کیا (ان کی عیب جوئی کی

معاذ اللہ) جب وہ اپنے کلام سے فارغ ہوئے تو امام زین العابدین نے فرمایا کیا تم ان پہلے مہاجرین میں سے ہو جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا اور وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے تھے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے تھے۔ اور وہ سچے لوگ تھے (یہ سورہ حشر کی آیات اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ... الخ) کی طرف اشارہ ہے وہ لوگ کہنے لگے نہیں ہم ان مہاجرین میں سے نہیں ہیں،

امام زین العابدین نے فرمایا: تو کیا تم ان انصار میں سے ہو جنہوں نے مہاجرین کی آمد سے قبل ان کے لئے گھر اور ایمان کی محبت تیار کر رکھی تھی وہ مہاجرین سے محبت رکھتے تھے اور اپنی عزیز متاع کو ان سے عزیز تر نہیں سمجھتے تھے اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے تھے (یہ بھی سورۃ حشر کی آیات وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ الخ کی طرف اشارہ ہے) ان کوفیوں نے کہا نہیں! ہم ان انصار میں سے نہیں ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو تم نے مان لیا کہ تم مہاجرین وانصار سے نہیں ہو اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ تم واقعتاً ان لوگوں میں سے نہیں ہو جن کی اللہ کریم نے یہ تعریف فرمائی ہے تو کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی تعریف اللہ کریم نے یوں فرمائی: اور جو ان کے (مہاجرین وانصار کے) بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے قبل ایمان کے ساتھ چلے گئے (سورہ حشر، آیت 10)۔ کوفی کہنے لگے نہیں ہم ان میں سے بھی نہیں ہیں (یعنی تابعین میں سے نہیں ہیں) امام زین العابدین نے فرمایا اُخْرُجُوْا فَعَلَ اللّٰہُ بِکُمْ نکل جاؤ یہاں سے خدا تمہیں اس بدکلامی کی سزا دے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد دوم صفحہ 213 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

قارئین! اندازہ کریں۔ جو لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو برا کہتے ہیں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ان سے کتنی سخت نفرت ہے آپ نے پہلے تو بڑے حکیمانہ انداز میں جو اہل بیت رسول ﷺ کے شایان شان ہے مہاجرین وانصار کے حق میں اترنے والی آیات پڑھیں اور پوچھا کہ اے خلفائے راشدین جیسے صحابہ کبار کو برا کہنے والو! کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جنکی عظمت میں اللہ نے قرآن اتارا اگر نہیں تو کیا کم از کم تم ان تابعین میں سے ہو جن کی اللہ نے یہ تعریف فرمائی ہے اگر تم نہیں ہو تو ظالمو! پھر ان کی شان میں گستاخی کر رہے ہو جن کی تعریفیں اللہ فرماتا ہے نکل جاؤ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ میں تمہاری منحوس شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ اے صحابہ کے گستاخو! ہم اہل بیت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں دراصل کوفہ میں عبداللہ سبا یہودی نے لبادۂ اسلام پہن کر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ نظریہ رائج کیا کہ نبی پاک ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حقدار خلافت تھے۔ ابوبکر وعمر اور عثمان نے ان کا حق چھین لیا یہ دور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بات ہے کہ اس نے کوفہ کے علاوہ مصر اور بصرہ میں اس نظریے کی اشاعت کی۔ چنانچہ انہی تینوں شہروں سے منافقین اور سرکش باغیوں کے تین گروہ اٹھے اور مدینہ شریف پر چڑھائی کر کے حضرت عثمان غنی کو شہید کیا

اور وہیں سے شیعہ مذہب کی بنیاد پڑی پھر انہی فتنہ پرداز لوگوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں بظاہر حضرت علی کا ساتھ دیا اور بباطن مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور جب بھی صحابہ کرام میں صلح کا موقع قریب آیا انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکا دی تو اہل کوفہ شروع ہی سے خلفائے راشدین کے متعلق مسموم ذہن کے مالک تھے اور اسی گستاخی کا انہوں نے امام زین العابدین کے سامنے اظہار کیا اور آپ سے پھٹکار لی اور آج تک اسی سرکش گروہ کی باقیات چلی آرہی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن، امام حسین اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کے اقوال آپ نے پڑھ لیے۔ یہ اہل بیت کرام میں سے چار پہلی بڑی دینی شخصیات ہیں۔ شیعہ ان کو آئمہ معصومین مانتے ہیں۔ ان کے بعد پانچویں بڑی دینی شخصیت اہل بیت میں امام محمد باقر ہیں جو امام زین العابدین کے بیٹے ہیں۔ آپ کا ارشاد بھی سنیئے۔

امام محمد باقر کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گہری عقیدت:

شیعہ مؤرخ شیخ ابوالحسن علی بن عیسی اربلی متوفی 693ھ لکھتا ہے کہ عروہ بن عبداللہ نے کہا: میں نے ابوجعفر محمد بن علی (امام باقر رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ تلواروں پہ زیور لگانا (یعنی تلوار کے دستے پر سونا یا چاندی کا چڑھانا) کیسا ہے؟

فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهٖ قَدْ حَلّٰى اَبُوبَكْرِ ؓ الصدیقُ سَيْفَه۔ امام باقر نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار پہ زیور لگا رکھا تھا۔

میں نے عرض کیا: فَتَقُولُ الصِّدِّيق۔ آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں؟ حضرت امام غصے سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور قبلہ کو رخ کر لیا۔ پھر فرمایا:

نَعَمِ الصِّدِّيقُ، نَعَمِ الصِّدِّيقُ نَعَمِ الصِّدِّيقُ فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَه الصديقَ فَلَا صَدَّقَ اللهُ لَه قَولاً فِي الدُّنيا وَلَا فِي الآخِرةِ۔

ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں اور جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ دنیا و آخرت میں اس کا کوئی قول سچا نہ کرے (اس کی کوئی دعا مقبول نہ کرے، اسے دنیا و آخرت میں رسوا کرے)

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 2 صفحہ 262 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص حضرت ابوبکر صدیق کو صدیق نہ کہے اس پر دنیا و آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے۔ اب شیعہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟ اگر وہ امام محمد باقر کو واقعۃً امام جانتے ہیں تو ان کی تعلیم پر عمل پیرا بھی ہوں اور یہ بھی مان لیں کہ آئمہ اہل بیت کی تعلیمات کے سچے پیروکار اہل سنت و جماعت ہیں۔

امام محمد باقر کا خلافت فاروقی کو قرآنی پیش گوئی کا مصداق بتانا:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (سورہ روم آیت 1۔4) کی تفسیر امام محمد باقر نے یوں فرمائی کہ رومی قریب کے علاقہ میں مغلوب ہوئے اوران کے غلبہ کے بعد چند برسوں میں اہل ایمان اہل فارس پر غالب آئیں گے اللہ ہی کے لیے فیصلہ ہے پہلے بھی اور بعد بھی۔
چنانچہ مسلمانوں نے فارس پر حملہ کیا اور فتح پائی تو اہل اسلام کی فرحت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔
راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا۔ اللہ نے تو بِضْعِ سِنِيْنَ چند برسوں کی بات کی تھی جبکہ مسلمانوں نے کئی برس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارے پھر دو برس امارت ابوبکر میں گزرے پھر مسلمانوں نے فارس پر امارت عمر (رضی اللہ عنہ) میں فتح حاصل کی؟ امام محمد باقر فرمانے لگے اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ کہ اللہ جس چیز کو چاہے مقدم اور جس کو چاہے موخر کر دیتا ہے، (فروع کافی کتاب الروضہ حدیث نوح یوم القیامۃ صفحہ 726 روایت 12360 مطبوعہ دارالمجتبیٰ قم) یعنی امام باقر نے خلافت فاروق اعظم کو قرآنی بشارت کا مصداق ٹھہرایا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق سے عقیدت:

اہل بیت کرام میں سے چھٹی بڑی علمی دینی اور روحانی شخصیت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیعہ مورخ ابوالحسن علی بن عیسیٰ اربلی لکھتا ہے کہ حافظ عبدالعزیز جنابذی نے کہا امام جعفر صادق کی والدہ ام فروہ ہیں اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمان بن ابوبکر صدیق ہے۔ اسی لیے امام جعفر صادق علیہ السلام کہتے تھے۔ لَقَدْ وَلَدَنِي اَبُوبَكْرٍ مَرَّتَيْنِ ابوبکر نے مجھے دوبار جنم دیا ہے۔ (کشف الغمہ جلد 2 صفحہ 272 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)
یعنی حضرت امام جعفر صادق کو فخر ہے کہ ان کی والدہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں وہ نسبت صدیقی کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں۔

امام جعفر صادق سے امام حسن عسکری تک سب کی رگوں میں خون صدیق اکبر ہے:

یہ آئمہ کرام آئمہ اہل بیت اس لیے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں کہ ان کی رگوں میں خونِ صدیق اکبر ہے۔ چنانچہ اہل تشیع کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں ہے:
امام ابوعبداللہ جعفر صادق سن ہجری 83 میں پیدا ہوئے اور 148 میں فوت ہوئے۔ جنت البقیع میں جہاں ان کے باپ دادا کی قبریں ہیں وہیں مدفون ہوئے۔ آگے لکھا ہے:

اور وہیں سے شیعہ مذہب کی بنیاد پڑی پھر انہی فتنہ پرداز لوگوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں بظاہر حضرت علی کا ساتھ دیا اور بباطن مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور جب بھی صحابہ کرام میں صلح کا موقع قریب آیا انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکا دی تو اہل کوفہ شروع ہی سے خلفائے راشدین کے متعلق مسموم ذہن کے مالک تھے اور اسی گستاخی کا انہوں نے امام زین العابدین کے سامنے اظہار کیا اور آپ سے پھٹکار لی اور آج تک اسی سرکش گروہ کی باقیات چلی آرہی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن، امام حسین اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کے اقوال آپ نے پڑھ لیے۔ یہ اہل بیت کرام میں سے چار پہلی بڑی دینی شخصیات ہیں۔ شیعہ ان کو آئمہ معصومین مانتے ہیں۔ ان کے بعد پانچویں بڑی دینی شخصیت اہل بیت میں امام محمد باقر ہیں جو امام زین العابدین کے بیٹے ہیں۔ آپ کا ارشاد بھی سنیئے۔

امام محمد باقر کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گہری عقیدت:

شیعہ مؤرخ شیخ ابوالحسن علی بن عیسیٰ اربلی متوفی 693ھ لکھتا ہے کہ عروہ بن عبداللہ نے کہا: میں نے ابوجعفر محمد بن علی (امام باقر رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ تلواروں پہ زیور لگانا (یعنی تلوار کے دستے پر سونا یا چاندی کا چڑھانا) کیسا ہے؟

فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهٖ قَدْ حَلّٰى اَبُوبَكرٍ الصديقُ سَيْفَه۔ امام باقر نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار پہ زیور لگا رکھا تھا۔

میں نے عرض کیا: فَتَقُوْلُ الصِّدِّيق۔ آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں؟ حضرت امام غصے سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور قبلہ کو رخ کر لیا۔ پھر فرمایا:

نَعَمِ الصِّدِّيقُ، نَعَمِ الصَّدِّيقُ نَعَمِ الصِّدِّيْقُ فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَه، الصديقُ فَلَا صَدَّقَ اللهُ لَه، قولاً فِي الدُّنيا وَلَا فِي الآخِرةِ۔

ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں اور جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ دنیا و آخرت میں اس کا کوئی قول سچا نہ کرے (اس کی کوئی دعا مقبول نہ کرے، اسے دنیا و آخرت میں رسوا کرے)

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 2 صفحہ 262 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص حضرت ابوبکر صدیق کو صدیق نہ کہے اس پر دنیا و آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے۔ اب شیعہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟ اگر وہ امام محمد باقر کو واقعۃً امام جانتے ہیں تو ان کی تعلیم پر عمل پیرا بھی ہوں اور یہ بھی مان لیں کہ آئمہ اہل بیت کی تعلیمات کے سچے پیروکار اہل سنت و جماعت ہیں۔

امام محمد باقر کا خلافت فاروقی کو قرآنی پیش گوئی کا مصداق بتانا:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (سورہ روم آیت 1-4) کی تفسیر امام محمد باقر نے یوں فرمائی کہ رومی قریب کے علاقہ میں مغلوب ہوئے اور ان کے غلبہ کے بعد چند برسوں میں اہل ایمان اہل فارس پر غالب آئیں گے اللہ ہی کے لیے فیصلہ ہے پہلے بھی اور بعد بھی۔

چنانچہ مسلمانوں نے فارس پر حملہ کیا اور فتح پائی تو اہل اسلام کی فرحت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا۔ اللہ نے تو بِضْعِ سِنِیْنَ چند برسوں کی بات کی تھی جبکہ مسلمانوں نے کئی برس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارے پھر دو برس امارت ابو بکر میں گزرے پھر مسلمانوں نے فارس پر امارت عمر (رضی اللہ عنہ) میں فتح حاصل کی؟ امام محمد باقر فرمانے لگے اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ کہ اللہ جس چیز کو چاہے مقدم اور جس کو چاہے موخر کر دیتا ہے، (فروع کافی کتاب الروضہ حدیث نوح یوم القیامۃ صفحہ 726 روایت 12360 مطبوعہ دار المجتبیٰ قم) یعنی امام باقر نے خلافت فاروق اعظم کو قرآنی بشارت کا مصداق ٹھہرایا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر صدیق سے عقیدت:

اہل بیت کرام میں سے چھٹی بڑی علمی دینی اور روحانی شخصیت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیعہ مورخ ابو الحسن علی بن عیسیٰ اربلی لکھتا ہے کہ حافظ عبد العزیز جنابذی نے کہا امام جعفر صادق کی والدہ ام فروہ ہیں اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبد الرحمان بن ابو بکر صدیق ہے۔ اسی لیے امام جعفر صادق علیہ السلام کہتے تھے۔ لَقَدْ وَلَدَنِیْ اَبُوْ بَکْرٍ مَرَّتَیْنِ ابو بکر نے مجھے دو بار جنم دیا ہے۔ (کشف الغمہ جلد 2 صفحہ 272 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

یعنی حضرت امام جعفر صادق کو فخر ہے کہ ان کی والدہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں وہ نسبت صدیقی کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں۔

امام جعفر صادق سے امام حسن عسکری تک سب کی رگوں میں خون صدیق اکبر ہے:

یہ آئمہ کرام آئمہ اہل بیت اس لیے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں کہ ان کی رگوں میں خونِ صدیق اکبر ہے۔ چنانچہ اہل تشیع کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں ہے:

امام ابو عبد اللہ جعفر صادق سن ہجری 83 میں پیدا ہوئے اور 148 میں فوت ہوئے۔ جنت البقیع میں جہاں ان کے باپ دادا کی قبریں ہیں وہیں مدفون ہوئے۔ آگے لکھا ہے:

اُمُّه، اُمُّ فَرْوَةَ بنتُ القاسِمِ بنِ محمدِ بنِ ابی بکرٍ وَاُمُّها اسماءُ بنتُ عبدِ الرحمانِ بنِ ابی بکرٍ،
امام جعفر کی والدہ ام فروہ ہیں۔ جو قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق کی بیٹی ہیں اور ام فروہ کی والدہ، اسماء بنتِ عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق ہیں۔ (اصول کافی کتاب الحجہ باب مولد ابی عبداللہ جعفر بن محمد علیہ السلام صفحہ 286 مطبوعہ دار المجتبیٰ قم)

یعنی امام جعفر صادق کی والدہ ام فروہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خون ہیں۔ یعنی اس کا نقشہ یوں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ← محمد ← قاسم

ابوبکر صدیق ← عبدالرحمان ← اسماء

↓

ام فروہ

↓

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

اس لیے امام جعفر صادق فرماتے تھے وَلَدَنِي ابو بكرٍ مَرَّتَيْنِ۔ مجھے ابوبکر صدیق نے دوبار جنم دیا ہے یعنی میں دو نسبتوں سے ان کا بیٹا ہوں، پتہ چلا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی ام فروہ امام جعفر صادق کی والدہ، امام محمد باقر کی بیوی اور امام زین العابدین کی بہو ہے، سبحان اللہ، اس لیے آج دنیا میں جتنے جعفری، موسوی، کاظمی، رضوی، تقوی اور نقوی سادات ہیں سب کی رگوں میں سیدنا صدیق اکبر کا خون دوڑ رہا ہے۔ اگر وہ شیعہ ہو گئے ہیں تو بھی خون سے انکار تو نہیں کر سکتے، مگر انہیں اپنے جدا علیٰ پہ تبرا کرتے ہوئے خوفِ خدا تو آنا چاہیے۔

نو آئمہ اہل بیت کی روایت کردہ حدیث خلفائے راشدین کی شان میں

یہاں ہم وہ حدیث رسول ﷺ لکھ رہے ہیں جو صدیق و فاروق و ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی شان میں ہے اور اس کے تمام راوی جو ہیں وہ ائمہ اہل بیت ہیں رضی اللہ عنہم۔ حدیث اسی طرح ہے۔

قال حدثنی علی بن محمد بن علی الرضا عن ابیه عن آبائه عن الحسن بن علی علیهم السلام قال قال رسول الله ﷺ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَاَنَّ عُمَرَ مِنِّي

بِمَنْزِلَةِ الْبَصَرِ وَاَنَّ عُثْمَانَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ الْفُوَادِ۔

ترجمہ: راوی کہتا ہے مجھے امام علی تقی نے یہ حدیث سنائی ان کو ان کے والد امام محمد تقی نے اپنے باپ دادا (حضرت امام موسیٰ کاظم، امام جعفر صادق، امام محمد باقر، امام زین العابدین اور امام حسین رضی اللہ عنہم) سے (نسل در نسل) روایت کی اور آگے یہ حدیث حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

ابو بکر میرے لئے ایسے ہیں جیسے میرے کان اور عمر میرے لئے ایسے ہیں جیسے میری آنکھیں اور عثمان میرے لئے ایسے ہیں جیسے مرا دل۔ (معانی الاخبار شیخ صدوق صفحہ 387 مطبوعہ بیروت)

حضور پُر نور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی لکھنے کے بعد شیخ صدوق نے اپنی بدعقیدگی عیاں کرنے کے لئے روایت کا رخ اس طرف موڑا ہے کہ قرآن میں ہے بے شک کان، آنکھ اور دل سے سوال کیا جائے گا لہذا ان تینوں سے یعنی ابو بکر اور عمر اور عثمان سے ولایت علی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم اسے مانتے تھے یا نہیں (یعنی چونکہ بقول شیعہ وہ اسے نہیں مانتے تھے اس لیے انہیں بالآخر جہنم بھیجا جائے گا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر، کفر نباشد) مگر شیخ صدوق کا عقل صندوق میں بند ہوگیا وہ یہ بدعقیدگی پھیلاتے ہوئے یہ بھول گیا کہ ہر کسی کے کان آنکھ اور دل سے قیامت میں سوال ہوگا اور جو کچھ کان آنکھ اور دل سے گناہ ہوئے ہوں گے ان کی انہیں سزا ملے گی مگر نبی پاک ﷺ کے کان آنکھ اور دل کا حساب نہیں ہوگا اور جنہیں آپ اپنا کان آنکھ اور دل قرار دے رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا حساب بھی نہیں ہوگا۔ بہر حال مذکورہ حدیث میں سیدنا صدیق اکبر سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی جو عظمت سید العالمین ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ بہت ہی ایمان افروز ہے اور اسے روایت کرنے والے تمام راوی وہ ہیں جن میں سے ہر ایک کی عظمت پر ہماری جانیں قربان، اس کے پہلے راوی حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما ہیں اور آخری راوی حضرت امام علی تقی اور درمیان والے بالترتیب ائمہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم ہیں یعنی نوں ائمہ اہل بیت عظام نے اسے روایت کیا ہے گویا ان تمام ائمہ اہل بیت کا یہی عقیدہ ہے کہ ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو سرکار مدینہ ﷺ سے وہ قرب حاصل ہے جو جسم کے لئے کان آنکھ اور دل کو حاصل ہوتا ہے۔

لہذا حب اہل بیت رسول کا اولین تقاضہ یہ ہے کہ صحابہ کرام بالخصوص خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے سچی اور گہری عقیدت و محبت رکھی جائے اور یہی اہلسنت جماعت کا سرمایہ حیات اور مایہ نجات ہے اہلسنت کے ایک ہاتھ میں دامن حب صحابہ ہے تو دوسرے ہاتھ میں دامن الفت اہل بیت ہے۔ (الحمد للہ! ہم نہ تو رافضی ہیں اور نہ خارجی ہم سچے محب اہل بیت ہیں اسی لیے آج تک تمام اولیاء کرام صرف اور صرف اہل سنت و جماعت میں سے ہوئے ہیں)۔

فصل پنجم

آئمہ اہل سنت کی اہل بیت رسول ﷺ سے والہانہ عقیدت

1۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور حبّ آلِ رسول رحمان ﷺ

تاریخ بتاتی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت ثابت بن زوطی کو جب وہ بچے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا تو آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ اسے اور اس کی اولاد کو برکت عطا فرما چنانچہ 80 ہجری میں کوفہ میں سیدنا امام اعظم پیدا ہوئے اور آپ نے دین میں جو فقید المثال فقاہت حاصل کی وہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کی دعا کا اثر ہے۔

پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں امام جعفر صادق سے ظاہری اور باطنی علوم کا استفادہ کیا۔ اس لیے آپ ساداتِ کرام اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا بے پناہ احترام کرتے تھے۔ آپ نے دو سال امام جعفر صادق کی صحبت میں گزارے اور علمی استفادہ و استفاضہ کیا۔ چنانچہ آپ ان دو سالوں کو اپنی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تصور کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ لولا السنتان لهلك النعمان اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔ (آپ کا اصل نام نعمان بن ثابت ہے)۔

کوفہ میں امام جعفر صادق کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور تلامذہ کی کثرت سے خلیفہ وقت منصور عباسی سخت خائف تھا اس نے چاہا کہ ان کے مقابلے میں کوئی فقیہ کھڑا کیا جائے جو ان کی شہرت کا خاتمہ کرے تاکہ یہ حکومت کے لئے دردِ سر نہ بن سکیں اس نے سیدنا امام اعظم میں جو ابھی عنوان شباب میں تھے وہ استعداد دیکھی جس کا وہ طالب تھا چنانچہ اس نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا اور انہیں تمام فقہاء سے افضل قرار دیا اور اپنا قریبی کرنا چاہا۔ آپ اس کی نیت بھانپ گئے، آپ نے سرعام اعلان فرمایا:

مَا اَرٰی اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَاِنَّه اَعْلَمُ الْاُمَّةِ

ترجمہ: میں امام جعفر صادق بن محمد باقر رضی اللہ عنہ سے کسی کو بڑا عالم نہیں سمجھتا اور وہ ساری امت میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ (الامام الصادق مصنفہ اسد حیدر صفحہ 282)

حضرت امام ابوحنیفہ نے حمایت اہل بیت میں حکومت کے خلاف فتویٰ دیا

جب خلیفہ وقت نے خانوادہ نبوت کے عظیم چشم و چراغ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ گرانے کے لئے

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بڑھانا چاہا تو آپ نے مذکورہ اعلان فرما کر آل رسول کا جھنڈا ساری دنیا میں بلند کر دیا اور خلیفہ کے ارادوں پر پانی پھر گیا۔ یہ ہے آل رسول سے سچی محبت۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دور وہ ہے جب اموی خلافت دم توڑ چکی تھی اور خلافت عباسیہ نے قدم جما لیے تھے۔ عباسیوں نے حب آل رسول کا نعرہ لگا کر لوگوں کو خلافت اموی سے برگشتہ کیا اور انہیں منشور دیا کہ ہم اہل بیت رسول ﷺ کو خلافت دلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن علی رضی اللہ عنہم المعروف بہ نفس زکیہ کے ہاتھ پر ابوجعفر منصور سمیت تمام عباسی امراء نے بیعت خلافت کی بلکہ تمام بنو ہاشم نے ان کی بیعت کر کے انہیں اپنا پیشوا بنایا۔ اس میٹنگ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بھی تھے روایات کے مطابق انہوں نے بھی حضرت نفس زکیہ کی بیعت کی۔ چنانچہ بنو عباس نے مہم چلائی جو کامیاب ہوئی اور بنو امیہ کا سورج غروب ہو گیا۔ مگر نفس زکیہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنے کے بجائے بنو عباس رضی اللہ عنہ نے خود خلافت سنبھال لی اور پہلے سفاح خلیفہ بنا پھر ابوجعفر منصور دوانقی، اور آل رسول پر بے پناہ مظالم کیے تاکہ وہ دب جائیں مگر وہ نہ دبے۔ چنانچہ حضرت نفس زکیہ نے مدینہ منورہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تمام سادات علویہ و فاطمیہ نے ان کا ساتھ دیا۔ ایسے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت وقت کو للکارتے ہوئے اسے ظالم و جابر قرار دیا اور حضرت نفس زکیہ رضی اللہ عنہ محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم بن عبداللہ کے حق میں فتویٰ جاری کر دیا کہ ان کی نصرت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ سنی اور شیعہ تمام مورخین کو اس پر اتفاق ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تادم آخر اپنے اس فتویٰ پر ڈٹے رہے۔ آپ پر سرکاری دباؤ پڑا کہ آپ فتویٰ واپس لے لیں مگر آپ نے بھی اسوہ حسینی پر عمل کر کے دکھا دیا اور آل رسول ﷺ کے دامن سے وابستہ رہے بالآخر آپ کو گرفتار کر کے قید بند میں ڈال دیا گیا کہ اس طرح آپ اہل بیت سے تعلق توڑ لیں۔

حضرت امام اعظم نے حبِ اہل بیت میں جام شہادت نوش کیا

مگر یہ حربہ بھی ناکام رہا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کسی طرح بھی حمایت اہل بیت سے باز نہ آئے تو آپ رضی اللہ عنہ کو جیل میں زہر دے دیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش کر گئے مگر آل رسول ﷺ کا دامن نہ چھوڑا۔ اس تفصیل کو ہم کتب اہل سنت سے نہیں اہل تشیع کی زبان سے پیش کرنا چاہتے ہیں چنانچہ شیعوں کی مشہور تاریخ مقاتل الطالبین میں ہے کہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت محمد اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ پسران عبداللہ محض کے ساتھ محبت رکھنے میں متہم تھے۔ اس لیے خلیفہ منصور نے آپ کو کوفہ سے بغداد بلوایا۔ فانہ قد اعلن الانضمام لجانب دعوۃ محمد او ابراهیم و افتیٰ بوجوب الخروج مع ابراهیم اس وقت انہوں نے (امام ابوحنیفہ نے) یہ اعلان کر رکھا تھا کہ حضرت محمد (نفس زکیہ) اور ابراہیم کی دعوت سے منسلک ہوا جائے اور یہ فتویٰ دے رکھا تھا کہ ابراہیم کے ساتھ خروج کرنا واجب ہے۔ آپ نے حضرت ابراہیم کو خط لکھا تھا کہ آپ کوفہ

آجائیں کیونکہ یہاں آپ کے چاہنے والے بہت ہیں۔ یہ خط کسی طرح خلیفہ منصور تک پہنچ گیا اور اس نے آپ کو گرفتار کرلیا وسقاہ شربۃ فمات منھا اور آپ کو زہریلا شربت پلایا جس سے آپ فوت ہو گئے۔

(مقاتل الطالبین ذکر من خرج مع ابراہیم صفحہ 265 مطبوعہ بیروت)

مرزا محمد تقی شیعہ جو مشہور متعصب اور غالی شیعہ مورخ ہے نے ناسخ التواریخ میں حالات امام حسن میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض نے 145 ہجری میں اپنی دعوت کا آغاز کیا جن مشہور لوگوں نے ان کی بیعت کی ان میں اعمش بن مہران، عباد بن منصور، مغفل بن محمد اور امام ابوحنیفہ وغیرھم شامل تھے۔ ان لوگوں کے فتوے پر بہت سے مسلمان حضرت ابراہیم کے ساتھ مل گئے۔ جب حضرت ابراہیم کو حکومت نے پکڑ کر قتل کر ڈالا تو ایک عورت امام ابوحنیفہ کے پاس آئی کہنے لگی ابوحنیفہ تم نے فتویٰ دیا تو میرا بیٹا حضرت ابراہیم کے ساتھ جنگ میں شامل ہوا اور قتل کر دیا گیا تو میرے بیٹے کے قتل کے تم ذمہ دار ہو۔ آپ نے فرمایا:

لیتنی کنت مکان ابنك۔

ترجمہ: اے کاش تیرے بیٹے کی جگہ میں ہوتا (اور اہل بیت کی محبت میں مجھے قتل کیا جاتا)۔

(ناسخ التواریخ حالات امام حسین جلد 2 صفحہ 349 مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

حضرت امام اعظم کی والدہ امام جعفر صادق کے عقد میں آئیں

شیعوں کا بہت معروف محقق اور مورخ علامہ ابن شہر آشوب لکھتا ہے۔

ان اباحنیفۃ من تلامذہ و ان امہٗ کانت فی حبالۃ الصادق علیہ السلام۔

ترجمہ: بے شک ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ آپ کے (امام جعفر کے) تلامذہ میں سے تھے اور ان کی والدہ حضرت امام جعفر صادق کے حبالہ نکاح میں آئیں۔ (عمدۃ المطالب فی مناقب آل ابی طالب جلد 4 صفحہ 248 مطبوعہ قم)

سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اہلِ بیتِ رسول سے عقیدت

سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ مالکی کے بانی اور حدیث کی سب سے پہلی کتاب الموطاء کے مصنف بھی ہیں اہل بیت اطہار کے وفادار اور حب دار تھے۔ سیدنا امام اعظم اور آپ نے مل کر محمد بن عبداللہ نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اعانت وحمایت کا فتویٰ جاری کیا۔ آپ مدینہ شریف میں رہنے کی وجہ سے حضرت نفس زکیہ کے زیادہ قریب تھے (دیکھئے البدایہ والنہایہ جلد 9 صفحہ 89) چنانچہ خلیفہ منصور کے حکم سے جعفر بن سلیمان گورنر مدینہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو سخت سزا دی اور آپ کے جسم مبارک پر سو کوڑے برسائے گئے۔ آپ کے کندھوں سے بازو اتر گئے اور ساری زندگی کے لئے ہاتھ بیکار ہو گئے اس کے بعد بھی آپ

نے اہل بیت رسول سے محبت کا رشتہ منقطع نہ کیا۔ تاہم لا یکلف الله نفسا الا وسعها کے تحت آپ نے اعلانیہ حمایت اہل بیت کے بجائے خفیہ حمایت کا راستہ اپنایا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ حکومت وقت کے ساتھی بن گئے تھے۔ یہ بات قطعی غلط اور دل آزار ہے اگر آپ کے دل میں حکومت کی حمایت کے لئے کوئی نرم گوشہ ہوتا تو وہ اس وقت کیوں اثر انداز نہ ہوا جب آپ کے جسم نازنین پر سو کوڑے برسائے گئے اور بازو اتار دیئے گئے۔ پھر سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طبع مبارک میں حب رسول کے لیے تحمل مصائب کا حوصلہ اس قدر فراواں تھا کہ درس حدیث میں بچھو کاٹ لے تو بھی حرکت نہیں کرتے تھے کہ مبادا احترام حدیث میں فرق نہ آئے۔ جس کی محبت کی جولانی اس قدر ہو وہ سو کوڑے کھانے کے بعد آل محمد رسول ﷺ سے کیسے دست کش ہو سکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ اور عقیدت اہل بیت رسول ﷺ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اہل بیت رسول ﷺ سے محبت کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتاب جسے مسند احمد بن حنبل کہتے ہیں، میں سب سے پہلے عشرہ مبشرہ صحابہ کرام سے احادیث روایت کی ہیں جن میں سب سے زیادہ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث ہیں جن کی تعداد نو سو سے متجاوز ہے اس کے بعد آپ نے "مسند اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم" کا عنوان قائم کیا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کے اہل بیت سے احادیث روایت کی ہیں۔ باقی تمام صحابہ کرام اور ازواج رسول ﷺ کو اہل بیت اطہار کے بعد رکھا ہے۔ مسند اہل بیت میں آپ نے سب سے پہلے سیدۃ النسآ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے احادیث نبویہ روایت فرمائی ہیں جن کی تعداد بارہ ہے، پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے 8 اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے دو احادیث روایت کی ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اور دوسرے بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے تیئس احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ اور آخر میں عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے 124 احادیث لائے ہیں کیونکہ وہ بھی صحابی رسول ﷺ ہیں۔ مسند اہل بیت کے بعد آپ نے مسند بنی ہاشم کا عنوان قائم کر کے حضرت عباس، تمام بن عباس، عبید اللہ بن عباس اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث لائے ہیں جن کی مجموعی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ اسکے بعد باقی صحابہ کرام کی مسانید کا سلسلہ شروع فرمایا ہے۔ یہ امام احمد بن حنبل کی اہل بیت رسول ﷺ سے محبت کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ یعنی آپ کے دل میں اہل بیت اطہار کا احترام دیگر صحابہ کرام سے زیادہ تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی آل رسول ﷺ سے عقیدت

آپ نے اہل بیت رسول ﷺ کی تعریف میں بہترین اشعار کہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

یَا اَھْلِ بَیْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّکُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللهِ فِی الْقُرْآنِ اَنْزَلَهٗ
کَفَا کُمْ مِنْ عَظِیْمِ الْقَدْرِ اِنَّکُمْ
مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَهٗ

ترجمہ: اے اہل بیت رسول ﷺ تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے جو اللہ نے قرآن میں نازل فرمائی۔ تمہاری بلند مرتبہ عزت وتوقیر کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی کوئی نماز ہی نہیں۔(سیرت امام شافعی)

یعنی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ فرما کر اہل بیت کی محبت ضروری قرار دی اور جو شخص نماز میں خواہ وہ نفل ہو سنت ہو واجب ہو یا فرض اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ محمد و علی آل محمد پڑھتے ہوئے آل رسول پر درود نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے۔حضرت امام شافعی ہی نے یہ بھی فرمایا ہے۔

قَالُوْ تَرَ فَّضْتَ قُلْتُ کَلاًّ
مَا الرِّفَضُ دِیْنِیْ وَلَا اِعْتَقَادِیْ

ترجمہ: لوگوں نے کہا اے شافعی تم رافضی ہو گئے ہو۔میں نے کہا ہرگز نہیں رافضیت نہ میرا دین ہے نہ اعتقاد مگر

اِنْ کَانَ رِفْضاً حُبُّ آلِ محمد
فَلْیَشْھَدِ الثقلانِ اَنِّیْ رَافِضٌ

ترجمہ: اگر آل محمد سے محبت کا نام رافضیت ہے تو تمام جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ 33 مطبوعہ قاہرہ)

حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ اور حب آلِ نبی ﷺ

فلا تعدل باهل البیت خلقاً فاهل البیت هم اهل السیادة

ترجمہ: اہل بیت کے ساتھ کسی مخلوق کو ہمسر نہ کرو۔کہ اہل بیت ہی اہل سیادت ہیں (سرداری والے ہیں)۔

فبغضهم من الانسان خسیس حقیقی و حبهم عبادة

ترجمہ: تو ان کا بغض انسان کے لئے واقعی بہت بری خصلت ہے جب کہ ان کی محبت عبادت ہے۔

(درالاصداف للامام عبدالوہاب الشعرانی)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور آل رسول ﷺ کی تعظیم

آپ فرماتے ہیں:

چگونہ عدم محبت اہل بیت برحق اہل سنت گمان بردہ شود کہ محبت ایں بزرگواں جزو ایمان است و سلامتی خاتمہ رابرآں محبت مربوط ساختہ اند.

ترجمہ: اہل سنت پر محبت اہل بیت نہ رکھنے کا گمان کیسے درست ہوسکتا ہے، کہ اہل سنت کے نزدیک تو یہ محبت جزو ایمان ہے اور وہ سلامتی خاتمہ کو اس محبت سے مشروط سمجھتے ہیں۔

آگے آپ فرماتے ہیں۔

محبت اہل بیت سرمایہ اہل سنت است.. ندانستہ اند کہ درمیان افراط و تفریط حدے است اوسط کہ مرکز حق است و مامن صدق کہ نصیب اہل سنت گشتہ است

ترجمہ: یعنی محبت اہل بیت تو اہل سنت کا سرمایہ حیات ہے لوگ یہ نہیں جانتے کہ افراط وتفریط کے درمیان ایک حد اوسط ہے جو حق وصداقت کا معیار ہے اور وہ اہل سنت کے حصے میں آیا ہے۔

(مکتوبات شریف جلد 2 صفحہ 36)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی عقیدت

آپ نے بوستان سعدی میں، یہ شہرہ آفاق اشعار کہے جو آج مسلمانوں میں زبان زد خاص وعام ہیں فرمایا:

الٰہی بحق بنی فاطمہ   کہ برقول ایمان کنی خاتمہ
اگردعوتم رد کنی ورقبول   من و دست ودامانِ آل رسول

ترجمہ: اے خدا تجھے اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔اے خدا اب تو میری دعا قبول فرمایئے یا نہ۔ بہر حال میرے ہاتھ میں آل رسول ﷺ کا دامن ہے۔(بوستانِ سعدی مقدمہ صفحہ 3)

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت اہل بیت

آپ نے شواھد النبوۃ کتاب لکھی ہی اس موضوع پر ہے کہ اہل بیت اطہار کا کیا مقام ہے۔آپ نے اس میں بارہ آئمہ اہل بیت عظام میں سے ہر ایک کی عظمت وفضیلت پر علیحدہ باب قائم کیا ہے اور کرامات وفضائل بیان کیے ہیں اگر

چہ اس کے اندر بارھویں امام مہدی کے متعلق لکھی گئی باتیں مولانا جامی پر اتہام ہیں۔آپ کی کتب میں شیعوں نے یہ اضافہ کر ڈالا ہے اور اب شیعہ ہی اپنے کتب خانوں سے یہ کتاب خصوصا امام مہدی سے متعلقہ یہ حصہ بکثرت چھاپ رہے ہیں۔جس سے مسلک حق اہل سنت پر بڑا حرف آرہا ہے۔میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے اس پر اپنی کتاب ''میزان الکتب'' میں گرفت فرمائی ہے حتی کہ بعض شیعہ مورخین نے ملا جامی کو شیعہ علماء میں شمار کرلیا۔چنانچہ شیخ عباس قمی کی کتاب الاسماء والکنیٰ میں آپ کا شمار اس نے شیعہ علماء میں کرڈالا ہے،اور کہا ہے کہ وہ تقیہ سے کام لیتے تھے اس لیے اہل سنت نے انہیں سنی شمار کرلیا۔مگر یہ شیخ قمی کا اتہام ہے۔آپ کی کتاب شواہد النبوت کے ابتدائی ابواب جن میں سیدنا صدیق اکبر عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے مناقب وفضائل تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں،اس بات کی اعلی واقویٰ دلیل ہے کہ آپ اہل سنت و جماعت میں سے ہیں اور آپ کے متعلق عادلانہ رائے یہی ہے کہ آپ کی کتاب میں شیعوں نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔اور والد گرامی علیہ الرحمہ نے بھی میزان الکتب میں آخری رائے یہی قائم فرمائی ہے کہ شواہد النبوۃ کا مسلک اہل سنت سے متصادم حصہ الحاقی ہے بہر حال یہ بات شک وشبہ سے بالا تر ہے کہ آپ کو اہل بیت رسول ﷺ سے بے پناہ عقیدت تھی۔آپ فرماتے ہیں۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقا ہے کہ دروے بود قیل و قال محمد
بصدق وصفا ئے تو اں گشت جامی
غلام غلامانِ آل محمد
(دیوانِ جامی)

باب دوم

مناقب امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ

اہل بیتِ رسول ﷺ کے اجتماعی فضائل پر قرآن وحدیث کی نصوص کے بعد مناسب نظر آیا کہ ان اہل بیت کے انفرادی فضائل پر روشنی ڈالی جائے۔تو یہ سلسلہ دامادِ رسول،شوہر بتول،فاتح خیبر،کعبہ کے گوھر،فاطمہ کے شوہر،علی حیدر،شیر خدا،تاجدارِ ہل اتی،مولائے کائنات سید السادات اسد اللہ الغالب،غالب علی کل غالب،امیر المومنین،خلیفۃ المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ذکر خیر سے شروع کیا جارہا ہے رب العزت اسے راقم الحروف کے لئے ذریعہ نجات اور توشۂ آخرت بنائے آمین۔

فصل اول

حیات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چند نمایاں نقوش

آپ کی سیرت طیبہ اور مکمل سوانح حیات کے لئے راقم الحروف کی کتاب سیرت خلفاء راشدین کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں اس کا خلاصہ عرض کیا جارہا ہے۔

ولادت:

واقعہ فیل سے تیس برس بعد اور ظہور اسلام سے دس برس قبل بقول امام حاکم کعبہ شریف کے اندر 13 رجب بروز جمعۃ المبارک آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے جنہوں نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد رسول کریم ﷺ کی تربیت فرمائی تھی۔والد کا نام ابو طالب ہے جو نبی کریم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کے ماں اور باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی ہیں۔اور نبی اکرم ﷺ کی کفالت بھی انہیں کے سپرد رہی اور قریباً چوالیس برس انہوں نے رسول پاک ﷺ کی مدد اور حمایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

تربیت:

ابو طالب کثیر العیال تھے ظہور نبوت سے قبل مکہ میں قحط پڑا۔ ابو طالب کی سفید پوشی اور کثرت عیال کو دیکھ کر ان کے بیٹے جعفر کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اور علی المرتضیٰ کو رسول کریم ﷺ نے اپنی کفالت میں لے لیا چنانچہ وہ آپ کی زیر کفالت و تربیت ہی رہے تا آنکہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر قرآن اتارا اور بطور نبی مبعوث فرمایا۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ انہیں محبوب خدا سید الانبیاء ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے پروان چڑھایا۔ سبحان اللہ کسی کی تربیت اس کے باپ نے کی، کسی کی تربیت اس کی ماں نے کی یا کسی دوسرے بزرگ نے کی، مگر مولا علی المرتضیٰ وہ ہیں جن کی تربیت خود رسول خدا ﷺ نے کی۔

قبول اسلام:

کثیر روایات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اگرچہ بعض دیگر روایات کے مطابق ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ بعض کے مطابق ابو بکر صدیق اور بعض کے مطابق حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم) سب سے پہلے مسلمان ہیں تاہم امام الائمہ، سراج الامہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تطبیق دیتے ہوئے عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو، مردوں میں ابو بکر صدیق کو، بچوں میں حضرت علی المرتضیٰ کو اور غلاموں میں حضرت زید (رضی اللہ عنہم) کو پہلا مسلمان قرار دیا ہے۔ اعلان نبوت کے بعد کچھ عرصہ تک سلسلہ وحی منقطع رہا پھر یہ آیت نازل ہوئی: وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام دیں۔ تو رسول کریم ﷺ نے تمام بنو ہاشم کی دعوت طعام کی پھر انہیں دین کی دعوت دی تو سب نے انکار کیا مگر اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر آپ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

دعوت ذوی العشیرہ:

سیرت النبی ﷺ میں اس دعوت کو دعوتِ ذوی العشیرہ کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنی کتاب سیرتِ طیبہ میں اس پہ کافی لکھا ہے۔ یہ دعوت دو دن اور ایک روایت میں تین دن جاری رہی، حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو حکم فرمایا کہ دعوت کا اہتمام کرو، چنانچہ گوشت تیار کیا گیا اور دودھ رکھا گیا۔

بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ وہ کھانا ایک آدمی ہی کھا سکتا تھا مگر حضور ﷺ نے چالیس سے زائد افراد بلائے۔ وہ کھانا سب کے لئے کافی ہوگیا، مگر جب حضور ﷺ نے بات کہنا چاہی تو ابولہب نے شور کر دیا کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (یعنی اتنا قلیل کھانا اتنی بڑی جماعت کے لیے کیسے کافی ہوگیا۔ یقیناً یہ جادو ہے) حضور ﷺ نے مجھے دوسرے دن پھر دعوت کے تیار کرنے کا حکم فرمایا۔ پہلے دن کی طرح میں نے ویسے ہی گوشت اور دودھ کا اہتمام کیا۔ سارا

خاندان بنو ہاشم جمع ہوا اور خوب جی بھر کر گوشت کھایا اور دودھ پیا حالانکہ وہ گوشت ایک آدمی کھا سکتا اور وہ دودھ ایک آدمی پی سکتا تھا۔ کھانا مکمل ہوتے ہی نبی اکرم ﷺ نے اٹھ کر بیان فرمایا کہ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اسے قبول کر لو۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 2 صفحہ 179 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس سلسلہ میں میرا بوجھ بانٹے؟ (میرا مددگار بنے) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں ان میں سب سے کم سن تھا۔ میں نے اٹھ کر عرض کیا میں حاضر ہوں، لوگ یہ سن کر ہنستے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ (تفسیر در منثور جلد 6 صفحہ 328 سورۃ الشعراء)

گویا سیرت النبی اور تاریخ اسلام میں یہ پہلی دعوت تھی جو پیغام حق کے پہنچانے کیلئے بلائی گئی۔ اس میں بلانے والے محمد مصطفیٰ تھے (ﷺ) اور دعوت کے سجانے والے علی المرتضیٰ تھے (رضی اللہ عنہ)

ایک موضوع روایت کی تردید:

معالم التنزیل میں امام بغوی نے اس جگہ یہ روایت لکھی ہے کہ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کے بارہ میں فرمایا: هٰذا اَخِي وَوَصِيِّي وَوَزِيرِي فيكم فَاسْمَعُوا له وَاَطِيعُوا یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا وزیر ہے اس کا حکم مانو اور اس کی طاعت کرو۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد 5 صفحہ 127)

اہل تشیع اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس ارشاد میں اپنی رسالت کے ساتھ حضرت علی کی خلافت و امامت کا آغازِ اسلام ہی میں اعلان کر دیا تھا۔ مگر یہ روایت عقلاً نقلاً باطل ہے۔ میں نے اپنی تفسیر برہان القرآن میں سورۃ شعراء کی آیت مذکورہ کے تحت اور سیرت طیبہ میں اس پہ مفصل کلام کیا ہے۔ حضور ﷺ کا اپنے بزرگ چچاؤں کو حکم دینا کہ دس سالہ بچے کی اطاعت کرو، ناقابل فہم اور طریقۂ دعوتِ حق کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے ابو طالب! تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے بیٹے کی اطاعت کرو، اس کے علاوہ اس کا ایک راوی عبد الغفار بن قاسم ہے امام ذہبی فرماتے ہیں امام علی مدائنی نے کہا وہ سردارانِ شیعہ میں سے تھا اور حدیثیں وضع کرتا تھا، امام ابو داؤد نے کہا یہ شخص کذاب ہے۔ (میزان الاعتدال جلد 2 صفحہ 640 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہجرت:

نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کی تو حضرت علی سے فرمایا میرے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں انہیں ادا کر کے تم بھی میرے پیچھے چلے آنا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ سلا کر رات کو اپنے گھر سے خفیہ طور پر نکل گئے اور مدینہ طیبہ کا راستہ لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ امانتیں ادا کر کے چند خواتین اسلام کو

ساتھ لے کر چند دن بعد رسول خدا ﷺ کے پیچھے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

شب ہجرت بستر رسول ﷺ پر سونا:

شب ہجرت حضور ﷺ کے قتل کا منصوبہ بن چکا تھا۔ اور اس رات کفار مکہ کا شانہ مصطفی ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے ایسی پُرخطر حالت میں نبی اکرم ﷺ کے حکم پر مولا علی المرتضیٰ کا بستر رسول ﷺ پہ سونا بہت بڑی بہادری، بڑی وفاداری اور عظیم جذبہ اطاعت ہے۔ امام نورالدین حلبی کے متوفی 1044ھ نے سیرت حلبیہ میں یہ روایت لکھی ہے کہ اس رات جب حضرت علی المرتضیٰ سو رہے تھے تو جبریل علیہ السلام اُن کے سر کے پاس اور میکائیل علیہ السلام ان کے پاؤں کے پاس کھڑے تھے۔ حضرت جبریل فرما رہے تھے اے علی بخ بخ مَنْ مِثْلُكَ باهى الله بِكَ الملائكة واہ واہ (آج) تمہاری مثل کون ہے۔ اللہ تم پر فرشتوں کے سامنے فخر فرما رہا ہے۔

(سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ 27 مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ بیروت)

عقد مواخات:

مدینہ طیبہ پہنچ کر رسول خدا ﷺ نے امیر اور غریب صحابہ کرام اور مہاجرین اور انصار کے درمیان عقد مواخات قائم کیا۔ آپس میں دو دو آدمیوں کو بھائی بھائی بنایا۔ مثلاً امیر حمزہ اور زید بن حارث کو بھائی بنایا وہ دونوں مہاجر تھے مگر امیر و غریب کا فرق تھا۔ اور عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ربیع کو بھائی بنایا۔ عبدالرحمان مہاجر تھے اور سعد انصار میں سے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ وہ غم سے آبدیدہ ہو گئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا علی میں نے تجھے اپنے لیے ہی چھوڑا تھا تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب حدیث 3720)

شادی:

ہجرت کے دوسرے برس جنگ بدر کے بعد آپ نے اپنی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمہ الزاہراء رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح قائم فرمایا۔ چنانچہ جنگ احد سے ایک ماہ بعد نصف رمضان 3ھ میں آپ کے ہاں پہلے بیٹے امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی اور 3 شعبان 4ھ کو دوسرے بیٹے امام حسین رضی اللہ عنہ نے تولد فرمایا۔ چمنستان رسالت میں ان نواسوں کی صورت میں ایسے پھول مہکے کہ سید المرسلین ﷺ کو اپنی ساری نرینہ اولاد کے فوت ہونے کا غم بھول گیا۔

بدر و احد میں آپ رضی اللہ عنہ کا کردار:

2ھ میں جنگ بدر ہوئی مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آغاز جنگ میں ولید بن عتبہ آپ کے مقابل آیا آپ نے پلک جھپکنے میں اسے جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد عام حملے میں حضرت علی کی تلوار بجلی بن کر لشکر کفار پر

گرتی رہی اور خرمن کفر کو خاکستر کرتی رہی کفار کے 70 اہم لوگ مجموعی طور پر فنافی النار ہوئے جن کی ایک معقول تعداد ایک تحقیق کے مطابق نصف تعداد حضرت علی ـ کے ہاتھ سے جہنم پہنچی ۔ 3 ہجری میں احد میں معرکہ کفر و اسلام برپا ہوا۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ آغاز میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا پھر ان کی اپنی غلطی سے معاملہ بدل گیا کفار کا پلہ بھاری ہوگیا اس المیے میں رسول کریم ﷺ کا دفاع کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا نے بے مثال جواں مردی دکھائی اور نبی اکرم ﷺ کا خوب دفاع کیا ایک روایت میں ہے جبرائیل علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہا انها لَمُوَاسَاةٌ یہ واقعی بڑی وفا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انه منی و انا منه یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں ۔ مطلب یہ کہ وہ میرا مددگار ہے اور میں اس کا مددگار ہوں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا و انا منکما اور میں آپ دونوں سے ہوں یعنی دونوں کا مددگار ہوں۔
(تاریخ طبری سن ہجری 3 جلد 2 صفحہ 65 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

جنگ خندق:

5ھ غزوہ خندق ہوا جس میں لڑائی نہ ہوئی صرف ایک جگہ سے کفار نے خندق عبور کرنے کی کوشش کی، وہاں مسلمانوں کا ایک حفاظتی دستہ کھڑا تھا اس جگہ عرب کے مشہور شہزور اور شہسوار عمرو بن عبدود سے آپکا مقابلہ ہوا پہلے اس نے وار کیا جو آپ کی ڈھال پر پڑا اور وہ پھٹ گئی اور آپ کے سر پر کچھ زخم آیا پھر آپ نے موقع دیئے بغیر اس کے سر اور کندھے کے عین درمیان وار کیا اور تلوار اس کے سینے تک اتر گئی اور اس کا لاشہ تڑپنے لگا اس کے قتل سے تمام مسلمانوں کے چہرے تمتما اٹھے دوبارہ کفار کو خندق عبور کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

غزوہ خیبر:

7ھ میں وقوع پذیر ہوا خیبر میں یہود کے پانچ قلعے تھے چار فتح ہو گئے آخری قلعہ عموس جو سب سے مضبوط تھا بچ گیا کئی دن لڑائی چلی مگر وہ فتح نہ ہوا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل میں اس کے ہاتھ جھنڈا دے کر لشکر بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں اگلے دن ہر صحابی کی تمنا تھی کہ جھنڈا اسے ملے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا علی کہاں ہیں عرض کیا گیا وہ بیمار ہیں ان کی آنکھیں دکھتی ہیں فرمایا علی کو لاؤ تو انہیں لایا گیا آپ ﷺ نے انکی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا تو وہ فوراً ٹھیک ہوگئیں پھر وہ جھنڈا لے کر نکلے خیبر کے سب سے طاقتور اور جنگجو جواں مرد مرحب نے آپ کو للکارا اور کہا میں مرحب ہوں بہادر اور تجربہ کار، حضرت علی نے فرمایا: سنو میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے میں جنگل کے خوفناک شیر کی طرح ہوں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ دشمن کو پہل کرنے دیتے تھے تاکہ اس کے دل میں حسرت نہ رہے کہ اس نے وار ہی نہیں کیا، پھر اسے کوئی لمحہ دیئے بغیر اس کا کام تمام کر دیتے تھے مرحب نے وار کیا جو خطا

گیا پھر آپ نے وار کیا جو عین سر میں لگا اس کا خود پھٹ گیا اور تلوار ذوالفقار اس کے سر کو چیرتی ہوئی داڑھوں میں جا پیوست ہوئی اللہ نے اس وقت دعا رسول ﷺ کے صدقے سے آپ کے ہاتھوں میں وہ روحانی قوت اور طاقت بھری کہ آپ نے قلعے کے دروازے کو پکڑ کر جھنجھوڑا تو وہ کھل گیا اور اسلامی فوج اس میں فاتحانہ داخل ہوگئی۔ اور یوں پورے خیبر پہ علم اسلام لہرانے لگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے غزوہ خیبر میں فرمایا:

لَأُعْطِيَنَّ الرأيةَ رَجُلاً يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَه، وَيُحِبُّهُ اللهُ رسولُهُ۔

کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں، ہم سب نے اپنی گردنیں لمبی کرلیں۔ (کہ شائد یہ اعزاز ہمیں ملے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی مگر حضور ﷺ کے اس ارشاد پر میں بھی سینہ آگے آگے کر رہا تھا کہ شائد آپ کی نظر مجھ پر پڑے۔)

تب حضور ﷺ نے فرمایا: اُدْعُوا لِی علیاً علی کو میرے پاس لاؤ۔ انہیں لایا گیا دراں حالیکہ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں (اور بخار تھا) رسول اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں تھتکارا (لعاب دھن ڈالا اور دم کیا) پھر جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا تو اللہ نے ان کے ہاتھ پر خیبر کو فتح کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث 6220)

مروی ہے کہ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے سردی لگ رہی ہے کیونکہ اس وقت آنکھوں کے دکھنے کی وجہ سے انہیں بخار تھا۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عنهُ الحَرَّ وَالْبَرَدَ۔ اے اللہ! اس سے ہر گرمی سردی دور کر دے، اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ سخت سردیوں میں بہت باریک اور شدید گرمیوں میں موٹے کپڑے پہن لیتے مگر انہیں تکلیف محسوس نہ ہوتی۔ (مدارج النبوۃ جلد 3 صفحہ 34 مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور)

خیبر میں آپ کے لئے سورج کا لوٹایا جانا:

خیبر سے واپسی پر مقام صہباء میں رسول خدا ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی نماز عصر نہیں پڑھی تھی رسول کریم ﷺ پڑھ چکے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نہ اٹھے تا آنکہ نماز عصر فوت ہوگئی۔ بیدار ہونے پر پوچھا اے علی رضی اللہ عنہ تم نے نماز عصر پڑھ لی۔ عرض کیا نہیں۔ آپ نے دعا فرمائی اے اللہ علی تیری اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت میں تھا اس پر سورج کو لوٹا دے تا کہ وہ نماز پڑھ سکے۔ سیدہ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں میں نے سورج کو ڈوبتے ہوئے خود دیکھا پھر دیکھا کہ اس کی روشنی نکل آئی اور پہاڑوں اور زمین پر پھیل گئی۔ امام طحاوی نے اسے مشکل

الحدیث میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حدیث یاد رکھنی چاہیے کہ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔

علی رضی اللہ عنہ دوشِ نبی ﷺ پر:

8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے گرد لگے بت توڑے گئے کچھ بت دیوار کعبہ میں بہت بلند نصب کئے گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہوں اور انکو گرائیں۔ فرمایا: علی تم بار نبوت نہیں اٹھا سکتے۔ تم میرے کندھوں پر چڑھو اور انہیں گراؤ۔ تو وہ دوشِ رسالت مآب پر چڑھے اور بت گرائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اے علی رضی اللہ عنہ تم اس وقت خود کو کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری آنکھوں سے سارے حجابات اٹھ گئے ہیں اور میرا سر ساق عرش سے جا لگا ہے۔

بتوں کے گرانے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کے کندھوں سے اچھل کر گرے اور مسکرانے لگے۔ آپ نے ان سے مسکرانے کی وجہ پوچھی، انہوں نے عرض کیا میں نے خود کو اتنی بلندی سے گرایا ہے اور مجھے کوئی چوٹ نہیں آئی، حضور ﷺ نے فرمایا: چوٹ کیسے آئی جبکہ تمہیں محمد (ﷺ) اٹھانے والا ہو اور جبریل (علیہ السلام) اتارنے والا۔

(مدارج النبوۃ جلد 3 ذکر سن آٹھ ہجری صفحہ 112 مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور)

حضرت علی المرتضیٰ کے ذریعے اعلان براءت:

سن ہجری 9 میں حج کے موقع پر اعلان کیا گیا کہ آئندہ سے کوئی مشرک حج میں شامل نہیں ہو سکے گا اور مشرکین کو چار ماہ تک جزیرہ عرب میں رہنے کی اجازت ہے اس کے بعد جو یہاں پایا گیا وہ اسلام لائے گا یا قتل کیا جائیگا۔ اس حج میں امیر الحجاج تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے مگر یہ اعلان برأت کرنے کیلئے مولیٰ علی المرتضیٰ کو خصوصاً بھیجا گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا یہ اعلان میں خود کر سکتا ہوں یا میرے اہل بیت میں سے کوئی آدمی کر سکتا ہے۔

(تفسیر در منثور جلد 3 صفحہ 378 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

غزوۂ تبوک اور مولا علی رضی اللہ عنہ:

نبی اکرم ﷺ 9ھ میں تبوک کو تشریف لے گئے منافقین حیلوں بہانوں سے ساتھ نہ گئے اور مدینہ شریف ہی میں رہ گئے آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ شہر مدینہ طیبہ میں ٹھہرایا تا کہ منافقین پر نظر رکھیں۔ یہ پہلی بار تھی کہ وہ کسی غزوہ سے رہ رہے تھے تو رو پڑے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے علی آج میرے ساتھ تمہارا مقام ایسا ہے جیسے حضرت ہارون کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ صرف یہ کہ حضرت ہارون نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (یہ حدیث تقریباً تمام کتب صحاح ستہ میں ملتی ہے) یعنی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے طور پر جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ ٹھہرایا تھا میں تمہیں اپنی

جگہ پر ٹھہرا رہا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں:

حجۃ الوداع سے چند ماہ قبل خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا گیا تا کہ لوگوں کو دعوت اسلام دیں وہ گئے مگر لوگ نہ مانے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ آپ نے ایسے موثر انداز میں دعوت اسلام دی کہ سارا یمن اسلام لے آیا۔ قیام یمن کے دوران بعض صحابہ کرام کو جو یمن گئے ہوئے تھے بعض امور پر حضرت علی سے اختلاف رائے ہوا انہوں نے آ کر بارگاہِ رسالت میں ان امور کی شکایت کی آپ نے فرمایا۔ علی رضی اللہ عنہ سے نفرت مت رکھو البتہ اگر محبت رکھتے ہو تو مزید محبت کرو جس نے علی کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔

اعلانِ غدیر خم:

حجۃ الوداع کے اختتام پر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ ایک جگہ آپ ﷺ نے پڑاؤ فرمایا جسے غدیر خم کہتے ہیں۔ وہاں وہ سارے لوگ جو یمن گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے چاہا کہ ان تمام لوگوں کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے جا شکائتیں رکھتے تھے۔ خواہ وہ یمن سے تھے یا مدینہ طیبہ سے یمن گئے ہوئے تھے، سمجھایا جائے۔ آپ نے کجاوے ایک دوسرے پر کھڑے کر کے بلند جگہ بنوائی پھر اس پہ کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا :من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ جس شخص کا میں محبوب ہوں اس کے لیے علی بھی محبوب ہے اے اللہ جو رضی اللہ عنہ علی کو محبوب رکھے (دوست رکھے) تو بھی اسے محبوب رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب حدیث 3713، سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ باب فضل علی بن ابی طالب حدیث 116، مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 118، 119، 152، جلد 4 صفحہ 281، 268، 370، 372، 373، جلد 5 صفحہ 370)

حضرت علی اور تغسیل نبی ﷺ:

حجۃ الوداع سے واپس ہو کر نبی اکرم ﷺ اڑھائی ماہ کے قریب دنیا میں رہے پھر 11 ربیع الاول 11ھ بروز پیر بارہ بجے دن کے قریب آپ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ چونکہ آپ کو غسل دینا گھر والوں کا کام تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، فضل بن عباس، مختثم بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آپ پر حکمت کا دروازہ کیسے کھلا تو فرمایا وقت غسل نبی ﷺ میں نے آپ کی آنکھوں اور ناخنوں پہ لگا پانی چوس لیا تھا۔

خلافتِ صدیق اور بیعت علی:

جب رسول خدا ﷺ کے وصال پر ساری ملت اسلامیہ نے متفقہ طور پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ملت کا ساتھ دیا اور بیعت کی، نہ صرف بیعت کی بلکہ دل و جان سے ان کا تعاون کیا۔خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال پر جو طویل گفتگو فرمائی اس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ فرمایا:

فتولیٰ ابوبکر تلك الا مور فیسر و سدد وقارب واقتصد فصحبت مناصحاً واطعته فیها اطاع الله۔

ترجمہ: تو وصال نبوی کے بعد ابو بکر ان امور مملکت کے متولی بنے (زمام خلافت سنبھالی) تو امت کے لئے آسانی پیدا کی۔سیدھی راہ اختیار کی۔حق کے قریب رہے اور میانہ روی کا طرز اپنایا۔تو میں ان کا ایک خیر خواہ ساتھی بن گیا اور جن امور میں وہ اللہ کی اطاعت کرتے تھے میں انکی اطاعت کرتا تھا۔

(ناسخ التواریخ حالاتِ حضرت علی المرتضیٰ جلد اوّل صفحہ 39، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران)

اب ناسخ التواریخ کا مصنف مرزا محمد تقی کٹر شیعہ ہے، وہ حضرت علی المرتضیٰ کا یہ قول نقل کر رہا ہے کہ میں ابو بکر صدیق کا خیر خواہ ساتھی بن گیا اور ان کی اطاعت کرتا رہا، اب تو شیعوں کو حق بات قبول کرنی چاہیے

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ امت کے ساتھ ساتھ چلے چونکہ تمام صحابہ کرام پر واضح تھا کہ رسول کریم ﷺ نے ہر معاملہ میں صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو ساری امت پہ مقدم رکھا لہذا امت نے بھی انہیں مقدم رکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ دل و جان سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھی و مددگار رہے۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عراقی محاذِ جنگ پر خود جانا چاہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منع کیا اور فرمایا اگر خلیفۃ المسلمین کو خدانخواستہ جنگ میں کچھ ہو گیا تو ساری ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا۔(نہج البلاغہ) اسی دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزاہرہ رضی اللہ عنہا کی سگی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

پھر خلافت عثمانی قائم ہوئی۔عمر فاروق نے وقتِ شہادت چھ رکنی کمیٹی بنائی۔جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔تاکہ وہ ان کے بعد آپس میں کسی کو خلیفہ بنا لیں ان چھ افراد نے جو سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے متفقہ طور پر حضرت عثمان غنی کو زمام خلافت سپرد کی اور مولائے مسلمین شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافتِ عثمانی میں بھی مشیر و معاون رہے اور جب بلوائیوں نے خلیفہ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمان غنی کو نہ صرف پانی پہنچایا بلکہ حتی المقدور حفاظت کی۔اپنے بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو حفاظت پر مامور کیا اس کے باوجود جب انکی شہادت واقع ہو گئی تو آپ نے اپنے بیٹوں کی سخت سرزنش کی اور ہاتھ بھی اٹھایا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت مظلومانہ کے بعد مہاجرین وانصار کی غالب ترین اکثریت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے مسندِ خلافت پر بٹھایا۔ جب کہ آپ فرماتے رہے کہ مجھے مجبور نہ کرو تم جس کو خلیفہ بناؤ گے میں تم سب سے بڑھ کر اس کی اطاعت کروں گا۔ اس بارہ میں نہج البلاغہ میں آپ کے مفصل خطبے تحریر شدہ ہیں۔

(نہج البلاغہ صفحہ 132 خطبہ 92 مطبوعہ دارالبلاغہ بیروت)

قیامِ خلافت کے بعد حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ کرام نے آپ سے گزارش کی کہ قاتلانِ عثمانِ غنی سے قصاص لینا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے۔ آپ نے فرمایا میں بھی یہی چاہتا ہوں مگر ابھی ان لوگوں کو بہت قوت حاصل ہے۔ چند دن انتظار کرلیں بدقسمتی سے قاتلانِ عثمان کو دن بدن قوت حاصل ہوتی گئی۔ جوں جوں ان سے قصاص لینے میں تاخیر ہوئی اس سے عالم سلام میں بے چینی بڑھتی گئی چنانچہ مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام کی بڑی تعداد جمع ہوئی سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بھی حج کے لیے موجود تھیں۔ طے پایا کہ بصرہ کا رخ کیا جائے اور وہاں موجود قاتلانِ عثمان کے گروہ کو پکڑا جائے اور تہہ تیغ کیا جائے اور وہاں سے قوت حاصل کر کے مدینہ طیبہ کا رخ کیا جائے اور وہاں موجود قاتلانِ عثمان غنی کا قلع قمع کیا جائے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کیسے ہوئی:

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اس حال میں خلیفہ مقرر ہوئے کہ پانچ دن قبل مدینہ طیبہ میں دامادِ مصطفی ذوالنورین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بیدردی سے شہید کیا گیا تھا، مدینہ طیبہ پر قاتلان عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا عملاً قبضہ تھا۔ ان کے تین گروہ تھے ایک مصر سے آیا تھا، ایک کوفہ سے اور ایک بصرہ سے کیونکہ انہی تین شہروں میں عبداللہ بن سبا یہودی نے حضرت عثمان غنی کے خلاف آگ بھڑکائی تھی، سیف بن عمر نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ مصری گروہ حضرت علی المرتضیٰ کو خلافت کے قبول کرنے پر اصرار کر رہا تھا۔ اور آپ ان سے جان چھڑا رہے تھے، کوفی گروہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈ رہا تھا اور وہ مل نہیں رہے تھے، جبکہ بصری گروہ حضرت طلحہ کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا اور وہ ان کی بات نہیں مان رہے تھے۔ تب وہ سارے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ کہنے لگے آپ اہل شوریٰ میں سے ہیں۔ آپ خلافت قبول کریں انہوں نے بھی انکار کیا، پھر وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے وہ بھی نہ مانے تب وہ سارے مل کر حضرت علی کے پاس دوبارہ گئے اور شدید اصرار کیا پھر ان میں سے اشتر نخعی نے بڑھ کر آپ کے ہاتھ پہ بیعت کر لی اس کے پیچھے دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ یہ جمعرات تھی، ذی الحجہ کی ۲۴ تاریخ تھی۔

اگلے دن جمعہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے تو سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی ان کا ہاتھ اُحد میں تلواروں کی زد سے شل ہوگیا تھا۔ انہوں نے شل ہاتھ کے ساتھ سب سے پہلے بیعت کی تو بعض لوگوں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن یہ کام مکمل نہیں ہونے والا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 237 مطبوعہ دارالریان مصر، تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 700 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو میں اپنے والد کے پاس تھا آپ اٹھ کر اپنے گھر داخل ہو گئے، اصحاب رسول اللہ ﷺ آئے کہنے لگے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔ اب لوگوں کے لیے امام (حاکم) کا ہونا ضروری ہے اور آج ہم آپ سے بڑھ کر کسی کو اس کا حقدار نہیں دیکھتے، سابقیت فی الاسلام میں نہ قرب رسول اللہ ﷺ میں، آپ نے فرمایا مجھے رہنے دو، میرا وزیر بن جانا تمہارے حق میں میرے امیر بننے سے بہتر ہے۔ صحابہ نے کہا نہیں واللہ! ہم آپ کی بیعت کر کے رہیں گے، آپ نے فرمایا تو پھر یہ مسجد میں ہوگا۔ ابن عباس کہتے ہیں مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مسجد میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ مگر آپ مُصر تھے کہ آپ کی بیعت خفیہ نہیں علانیہ ہوگی۔ چنانچہ آپ مسجد گئے اور مہاجرین و انصار سب نے آپ کی بیعت کی پھر دوسرے لوگوں نے بیعت کی۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابو بشیر عابدی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ مدینہ میں شہید ہو گئے میں وہیں تھا۔ مہاجرین و انصار جمع ہو کر مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان میں طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے کہنے لگے اے ابوالحسن! آئیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں، تم کسی اور کو چن لو میں تمہارے ساتھ ہونگا۔ مگر انہوں نے کہا واللہ! ہم کسی اور کو نہیں چنیں گے، جب وہ آپ کے پاس بار بار آئے تو آخر آپ نے انکی بات مان لی اور لوگوں سے بیعت لی۔ (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 697 ذکر سن 35 ہجری)

مظلوم خلیفہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خون آلودہ قمیص کا شام پہنچنا:

صحابی رسول نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ سے نکلے ان کے پاس حضرت عثمان کی قمیص تھی جو ان کے خون سے تر تھی اور حضرت عثمان کی بیوی نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ تھا، انہوں نے بچاؤ کے لیے ہاتھ آگے کیا تو قاتلوں نے ان کا ہاتھ کاٹ دیا۔ (نعمان بن بشیر انصاری صحابی ہیں۔ ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے ان کے والدین بھی صحابی ہیں۔ اسد الغابہ)

حضرت نعمان یہ چیزیں لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام پہنچے، انہوں نے ان کو مسجد دمشق کے منبر پر رکھ دیا۔ اور لوگوں کو بلایا کہ آؤ دیکھو، یوں لوگوں کو خون عثمان غنی کا بدلہ لینے کے لیے ابھارا۔ لوگ ایک سال تک اس قمیص کو

دیکھتے اور روتے رہے۔ امیر معاویہ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی تھی جو خون عثمان غنی کا قصاص مانگ رہی تھی۔ ان میں عبادہ بن صامت، ابودرداء، ابو امامہ باہلی اور عمرو بن عتبہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے اور بڑے تابعین جیسے شریک بن حباشہ، ابومسلم خولانی اور عبدالرحمان بن غنم وغیرہ بھی تھے۔

جب حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت مکمل اور خلافت قائم ہوگئی تو حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر بڑے صحابہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے اقامت حدود اور قصاص عثمان کا مطالبہ کیا، آپ نے معذرت بیعت کی، فرمایا قاتلان عثمان غنی کے مددگار اور ساتھی بہت ہیں، اس لیے ابھی قصاص عثمان نہیں لیا جاسکتا۔ حضرت زبیر نے آپ سے کہا آپ مجھے حاکم کوفہ بنائیں میں وہاں سے لشکر لیکر آؤں گا اور حضرت طلحہ نے کہا آپ مجھے حاکم بصرہ بنائیں میں وہاں سے لشکر لے کر آسکتا ہوں تاکہ ان باغیوں کو پکڑا جاسکے جو قتل عثمان غنی میں شریک تھے، حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا: ابھی ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔ (البدایہ جلد 7 صفحہ 239 مطبوعہ دارالریان بیروت)

امام ابن جریر طبری اور امام ابن اثیر جزری رحمہما اللہ دونوں نے لکھا ہے کہ بیعت ہو جانے کے بعد حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر چند صحابہ کرام حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے، اور کہنے لگے یا علی! ہم نے اس شرط پہ بیعت کی تھی کہ حدود اللہ کو قائم کیا جائیگا۔ اور یہ (بلوائی) لوگ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون بہانے میں شریک تھے ان سے بدلہ لیا جائے آپ نے فرمایا اے میرے دونوں بھائیو! جو تم کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں۔ ولکن کیف اصنعُ بقومٍ یَملکُونَنا ولا نَملِکُھُم مگر میں ایسی قوم کو (ابھی) کیسے پکڑسکتا ہوں جو ہم پر فیصلہ چلا رہے ہیں ہم ان پر فیصلہ نہیں چلا رہے، تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں، تمہارے دیہاتی بھی ان کے حق میں کھڑے ہو گئے ہیں وہ تمہارے اندر رہ کر تمہیں جو چاہیں تکلیفیں پہنچاتے ہیں، کیا تم دیکھتے ہو کہ انہیں پکڑنے کا کوئی طریقہ ہے؟ کہنے لگے: نہیں۔ آپ نے فرمایا: میرا بھی وہی ارادہ ہے جو تمہارا ہے ان شآء اللہ! لہٰذا ذرا صبر کرو اور دیکھو کیا کیا بنتا ہے۔ (تاریخ طبری صفحہ 2 صفحہ 702 ذکر سن 35 ہجری مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت۔ الکامل فی التاریخ جلد 3 ذکر سن 35ھ صفحہ 85، 86 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس قدر منہ زور تھے کہ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن جانے کے باوجود ابھی ان کے سامنے بے بس تھے۔ نہج البلاغہ میں ایک خطبہ ہے اس میں بھی حضرت علی المرتضیٰ نے یہی الفاظ کہے ہیں جو اس روایت میں ہیں۔ (نہج البلاغہ صفحہ 369 خطبہ 168 مطبوعہ دارالبلاغہ بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ کا عاملین حضرت عثمان غنی کو معزول کر دینا:

حضرت علی المرتضیٰ کے دورِ خلافت کا آغاز ہی ایک فتنے کے بعد ہوا تھا یعنی قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اس کے ساتھ

ایک اور واقعہ بھی ہوا جس نے حالات کو مولا علی المرتضیٰ کے خلاف کیا، وہ یہ کہ آپ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ تمام عاملین یعنی مختلف علاقوں کے گورنروں کو معزول کر دیا، نئے عاملین مقرر کر دیئے۔ حصرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مولیٰ علی المرتضیٰ کو مشورہ دیا کہ عاملین عثمان غنی کو برقرار رہنے دیا جائے انہیں چھیڑا نہ جائے تا آنکہ آپ کی حکومت مضبوط ہو جائے، خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر رہنے دیا جائے۔ اگر آپ نے انہیں معزول کیا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ سے خون عثمان غنی کا مطالبہ کرنے لگیں گے۔ اور مجھے لگتا ہے کہ طلحہ و زبیر بھی انکا ساتھ دیں گے۔ حضرت علی نے فرمایا میرا یہ خیال نہیں ہے۔ بلکہ میں تمہیں شام کا امیر بناتا ہوں تم وہاں پہنچ جاؤ، ابن عباس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ حضرت معاویہ مجھے عثمان غنی کے بدلہ میں قتل کر دیں گے یا مجھے آپ کی قرابت کی وجہ سے قید میں ڈال دیں گے۔ بہتر ہے کہ آپ مجھے خط دے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں، اور ان پہ احسان کریں (انہیں امیر شام رہنے دیں) حضرت علی المرتضیٰ نے کہا واللہ! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

ابن عباس کہنے لگے یا امیر المومنین! جنگ ایک دھوکہ ہے جیسا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے۔ واللہ! اگر آپ میری بات مانیں تو میں ان لوگوں کو دوبارہ آپ کی طرف لا سکتا ہوں، حضرت ابن عباس نے مولیٰ علی المرتضیٰ کو عراق جانے سے بھی منع کیا اور مدینہ پاک میں رہنے پہ زور دیا۔ مگر آپ نے ان کی بات ماننے کی بجائے ان خوارج کی بات مانی جو مختلف شہروں سے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے مختلف شہروں کے لیے ان لوگوں کو عاملین مقرر کر دیا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یمن کے لیے، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو (صحیح یہ ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو) بصرہ کے لیے، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کے لیے، قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مصر کے لیے اور امیر معاویہ کی جگہ پر شام میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جب تبوک تک پہنچے تو آگے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار ملے، کہنے لگے تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں امیر ہوں، پوچھا کس علاقہ کے امیر ہو؟ کہا: شام کا، کہنے لگے اگر تمہیں عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے تو صد مرحبا، اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو یہیں سے لوٹ جاؤ۔ حضرت سہل نے کہا کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ کیا حالات ہیں؟ (یعنی عثمان غنی تو شہید کر دیئے گئے ہیں) انہوں نے کہا: ہمیں سب معلوم ہے، تو سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔

جبکہ قیس بن سعد کے بارہ میں اختلاف ہوا۔ اہل مصر کی اکثریت نے ان کو امیر مان لیا مگر ایک گروہ نے کہا ہم بیعت نہیں کریں گے تا آنکہ قاتلین عثمان غنی کو قتل کیا جائے۔ ایسے ہی اہل بصرہ نے کیا۔ عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ طلحہ بن خویلد نے جانے سے روک دیا، حضرت عثمان کا بدلہ لینے کے لیے وہ واپس آ گیا اور حضرت علی المرتضیٰ

کو آگاہ کیا۔ یوں فتنہ پھیلا اور اختلاف گہرا ہوگیا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کوفہ میں امیر تھے انہوں نے پیغام بھیجا کہ وہاں کے اکثر لوگوں نے بیعت کرلی ہے سوا چند کے، حضرت علی المرتضیٰ نے امیر معاویہ کو متعدد خطوط لکھے مگر انہوں نے کسی کا جواب نہ دیا۔ یہ سلسلہ تین ماہ تک یعنی ذی الحجہ سے صفر تک جاری رہا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک طویل خط بھیجا۔ جب خط رساں آدمی آیا تو حضرت علی المرتضیٰ نے اس سے پوچھا۔ تم جہاں سے آئے ہو وہاں کے حالات کیا ہیں؟ اس نے کہا میں ایسے لوگوں کے پاس سے آیا ہوں جو بدلہ لینے کے سوا کچھ نہیں چاہتے سب قصاص قصاص پکار رہے ہیں۔ میں ستر ہزار بوڑھے قمیص عثمان کے نیچے روتے چھوڑ کر آیا ہوں اور قمیص منبر دمشق کے اوپر لٹک رہی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ

اے اللہ! میں تیرے حضور خونِ عثمان سے براءت کرتا ہوں۔ پھر قاصد امیر معاویہ واپس جانے لگا تو قاتلانِ عثمان غنی نے اسے قتل کرنا چاہا اس نے بہت مشکل سے جان بچائی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 239، 240 ذکر سن 36ھ مطبوعہ دارالریان بیروت، تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 4 ذکر سن 36ھ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 93، 94 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)

جنگ جمل:

تاریخ میں اس جنگ کی اہمیت کے باعث ہم اسے تفصیل سے لکھتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان حالات میں اہل شام سے جنگ کا ارادہ بنایا آپ نے مصر، کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو بھی مدد کے لیے خطوط لکھ دیئے۔ آپ نے لشکر ترتیب دیا علمِ لشکر محمد بن حنفیہ کے سپرد کیا، حضرت ابن عباس کو میمنہ پر اور عمرو بن ابی سلمہ کو میسرہ پر مقرر کیا۔

اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ کے بڑے بیٹے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے عرض کیا تھا ابا جان جنگ کا ارادہ نہ بنائیں اس میں مسلمانوں ہی کا خون بہے گا اور ان میں اختلاف بڑھے گا، مگر حضرت علی المرتضیٰ نے ان کا مشورہ قبول نہ فرمایا، اس موقع پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت علی المرتضیٰ کو یہی مشورہ دیا کہ آپ امیر معاویہ کو امیر شام رہنے دیں میں انہیں آپ کا مطیع بناؤں گا مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں میری طرف سے معاویہ کے لیے صرف اعلان جنگ ہے۔ ابن عباس نے عرض کیا۔ اگر آپ یہ نہیں مانتے تو آپ ینبع (ایک علاقہ ہے) میں اپنی زمین پر چند دن کے لیے چلے جائیں۔ اور دروازہ بند کرلیں اہل عرب مجبور ہوکر آپ کے پاس ہی آئیں گے، اگر آپ ان لوگوں (قاتلان عثمان) کے ساتھ مل کر جنگ کے لیے اٹھیں گے تو کل آپ کو خون عثمان میں ملوث کہا جائیگا۔ مگر حضرت علی المرتضیٰ نے انکار کیا۔ (الکامل فی التاریخ للامام ابن اثیر جزری متوفی 630ھ جلد 3 صفحہ 87، 88 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

قصاص عثمان غنی کے لیے مکہ میں صحابہ کا جمع ہونا:

الغرض سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عازم شام ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ بلکہ بقول ابن خلدون آپ کا لشکر مدینہ سے نکل گیا تھا کہ اچانک مکہ مکرمہ سے وہ خبر آئی جس نے حالات کا رخ موڑ دیا۔

ہوا یہ کہ انہی دنوں طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ گئے تھے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواج رسول اللہ ﷺ بھی مکہ میں حج کے ارادہ سے لے آئی تھیں دراصل جب مدینہ طیبہ میں بلوائیوں نے ہنگامہ کھڑا کیا تو ازواج رسول ﷺ فتنہ سے بچنے کیلئے حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ آ گئی تھیں۔ جب حضرت طلحہ و زبیر یہاں آئے اور بتایا کہ مدینہ منورہ میں کس طرح عثمان غنی کو ظلماً قتل کیا گیا ہے اور وہاں قاتلان عثمان کا زور ہے اور حضرت علی المرتضیٰ کو خلیفہ چنا گیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اس سے شدید رنج ہوا اور آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ خون عثمان غنی کا بدلہ لیا جائے۔ اہل مکہ نے آپ کی آواز پہ لبیک کہا۔ مکہ میں اکابر صحابہ جمع ہو گئے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں پہلے ہی یہاں آئے ہوئے تھے۔ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ یمن سے آ گئے وہ وہاں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر تھے وہ اپنے ساتھ چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم بھی لائے، بصرہ میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ امیر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ پھر مشورہ ہوا کہ کیا کیا جائے ایک رائے یہ تھی مدینہ طیبہ جا کر حضرت علی المرتضیٰ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ قاتلانِ عثمان کو ہمارے سپرد کریں تا کہ انہیں قتل کیا جائے۔ (اگر ایسا کیا جاتا تو بہتر اچھا تھا اگر ان اکابر صحابہ کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو جاتی تو بہتر راستہ نکل سکتا تھا۔) کچھ لوگوں نے کہا ہم بصرہ چلتے ہیں وہاں سے مزید لشکر ملے گا، اور بصریٰ میں جو قاتلان عثمان ہیں پہلے ہم ان سے دو ہاتھ کرتے ہیں، اس رائے پر اتفاق کیا گیا۔ جب یہ صورت حال بنی تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی امہات المومنین نے کہا ہم اپنے مسکن مدینہ ہی واپس جائیں گی تو وہ مدینہ طیبہ چلی گئیں۔

چنانچہ ایک ہزار افراد پہ مشتمل لشکر تیار ہوا اور مکہ مکرمہ سے نکل پڑا۔ (علامہ ابن خلدون نے فرمایا کہ بعد میں مزید لوگ بھی شامل ہوئے اور لشکر کی تعداد تین ہزار ہو گئی۔) جب ایک دن رات کا سفر طے ہو چکا تو یہ لشکر ایک گاؤں کے پاس اترا جسے حوأب کہا جاتا تھا۔ اور اس بارے میں حدیث میں خبر آئی تھی۔

حوأب کے کتوں کا بھونکنا:

چنانچہ قیس کہتا ہے: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی عامر کے چشمہ پر رات کے وقت پہنچیں تو وہاں کے کتے بہت بھونکنے لگے، حضرت عائشہ نے پوچھا یہ چشمہ کونسا ہے؟ کہنے لگے یہ چشمۂ حوأب ہے۔ (دراصل جہاں چشمہ ہوتا وہاں

آبادی ہوتی تھی اور آبادی کا نام بھی چشمہ والا ہوتا تھا) آپ فرمانے لگیں میں تو واپس جا رہی ہوں، جو لوگ آپ کے ساتھ تھے ان میں سے بعض نے کہا : نہیں آپ آگے چلیں۔ جب اہل اسلام آپ کو دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ان میں صلح پیدا کر دے گا۔ آپ فرمانے لگیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا:

كَيْفَ بِاِحْدَاكُنَّ تُنْبَحُ عَلَيْهَا كِلَابُ الْحَوْأَبِ۔ تم میں سے (ازواج رسول ﷺ میں سے) کسی ایک کی کیا حالت ہوگی جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 52، 97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد میں یہ حدیث احمد بن حنبل، ابو یعلیٰ اور بزار کی روایت سے لکھی ہے اور فرمایا رجال احمد رجال الصحیح مسند احمد بن حنبل کے سارے رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ ہیں۔
(مجمع الزوائد جلد 7 صفحہ 237)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا:

لَيْتَ شِعْرِى اِيَّتُكُنَّ صَاحِبَةُ الْجَمَلِ الْاَدْبَبِ تَخْرُجُ فَتَنْبَحُهَا كِلَابُ الْحَوْأَبِ يُقْتَلُ عن يمينها و يسارها قتلى كثيرٌ ثم تَنْجُو بعد ما كادت رواه البزار و رجاله ثقات

کاش مجھے معلوم ہو کہ تم میں سے بڑے بالوں والے اونٹ پہ بیٹھنے والی کون ہے، جو (سفر یہ) نکلے گی تو (راستہ میں) اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے، اس کے دائیں بائیں کثیر لوگ قتل ہونگے پھر وہ نجات پائے گی بعد ازاں کہ مسئلہ ہوگا، اور اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔
(مجمع الزوائد جلد 7 کتاب الفتن باب فیما کان فی الجمل و صفین صفحہ 237 مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

گویا حضور ﷺ کو بتایا گیا تھا کہ آپ کی ازواج مطہرات میں سے ایک وہ ہے۔ جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے وہ ادبب اونٹ پہ سوار ہوگی یعنی ایسا اونٹ جس کے چہرے پہ کثیر بال ہوں، پھر اس کے دائیں بائیں کثیر لوگ قتل ہونگے۔ بالآخر وہ نجات پائیگی۔ یعنی جنت میں جائیگی۔ البتہ رسول اکرم ﷺ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ زوجہ مطہرہ کونسی ہے۔ تاکہ آپ کے قلب مبارک میں اس زوجہ کے لیے حزن و ملال نہ آئے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب حوأب گاؤں کے کتوں کو بہت زیادہ بھونکتے سنا تو آپ کو بے حد پریشانی ہوئی آپ نے واپس جانا چاہا مگر جب آپ سے اتحاد امت اور دفع فساد کے نام پر آگے چلنے کیلئے اصرار کیا گیا تو آپ بادل نخواستہ چل پڑیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ وہاں پورا ایک دن اور رات بیٹھی رہیں۔ (تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 940) بالآخر آپ آگے چل پڑیں۔ چونکہ حدیث میں صرف خبر دی گئی ہے کہ ایسا ہوگا۔ صاف لفظوں میں واپس جانے کا حکم اور آگے قدم بڑھانے سے ممانعت نہیں ہے۔ اس لئے آپ اتحاد امت کی خاطر آگے بڑھ گئیں۔ یہ بھی

مروی ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ یہ جگہ حواَب نہیں ہے۔

جس نے اسے حواَب کہا ہے اس نے جھوٹ کہا ہے۔ اس لیے بھی آپ شک میں پڑ گئیں اور آگے چل پڑیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 242)

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کا بصریٰ پر کنٹرول:

بہر حال حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی کمان میں مکہ سے آیا ہوا مکی لشکر آگے بڑھا، بصریٰ پہنچا، بصریٰ پر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر تھے چنانچہ اہل بصریٰ کو جب معلوم ہوا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ زوجہ مصطفی ﷺ اور عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما لشکر لیکر ان قاتلانِ عثمان غنی سے لڑنے آئے ہیں جو بصریٰ میں ہیں تو باشندگانِ بصریٰ کی ایک بڑی تعداد مکی لشکر کے ساتھ آکر شامل ہوگئی اور قاتلانِ عثمان غنی اور ان کے حامی لوگ مقابلہ میں آکھڑے ہوئے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بصری لشکر کا سالار حکیم بن جبلہ تھا یہ شخص قتل عثمان غنی میں باقاعدہ شریک تھا۔ چنانچہ بصری لشکر کی بڑی تعداد قتل ہوئی جن میں ستر افراد وہ بھی تھے جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرنے والے بلوائیوں میں سے تھے، حکیم بن جبلہ بھی مارا گیا یوں بصریٰ پر حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو قبضہ مل گیا۔ یہ قبضہ ربیع الثانی سن ہجری 36 کو ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 244 مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر)

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ سے بصریٰ جانا:

ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا لشکر تیار کیا تھا جس کا میمنہ، میسرہ اور مقدمہ ترتیب دیدیا تھا۔ آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام سے لڑنے کیلئے نکلنے والے تھے کیونکہ انہوں نے آپ سے صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک آپ خونِ عثمان غنی کا بدلہ نہیں لیتے اور ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچاتے ہم آپ کی بیعت نہیں کریں گے۔ مگر اچانک مکہ سے وہ خبر آئی جس نے حالات کا رخ بدل دیا۔ وہ یہ خبر تھی کہ حضرت طلحہ و زبیر اور سیدہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہم مکہ سے بصریٰ کی طرف روانہ ہوگئے ہیں تاکہ وہاں موجود قاتلانِ عثمان غنی سے بدلہ لے سکیں۔

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور شام کی بجائے لوگوں کو بصریٰ کی طرف چلنے کی دعوت دی۔ حضرت شعبی کہتے ہیں اکثر اہل مدینہ نے چلنے پر آمادگی کی۔ بعض لوگ تیار نہ ہوئے، بدری صحابہ میں سے صرف چھ تیار ہوئے دوسری روایت کے مطابق صرف چار بدری صحابہ تیار ہوئے امام ابن جریر کہتے ہیں کبار صحابہ میں سے جو لوگ تیار ہوئے یہ تھے ابو الھیثم بن تیھان، ابو قتادہ انصاری، زیاد بن حنظلہ اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم، مگر یہ وہ خزیمہ نہیں جو دو شہادتوں والے ہیں

کیونکہ وہ تو دورِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت مدینہ میں تھے حضرت علی المرتضیٰ نے کُمیل نخعی کو ان کے پاس بھیجا، وہ انہیں آپ کے پاس لے آیا، آپ نے ان سے فرمایا میرے ساتھ نکلو، انہوں نے عرض کیا میں اہل مدینہ میں سے ہوں جو وہ کریں گے میں کروں گا، آپ نے ان سے کہا پھر یہ عہد کرو کہ تم مدینہ سے نکل کر کہیں نہیں جاؤ گے، انہوں نے کہا میں یہ عہد نہیں دے سکتا۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ثانی صفحہ 939 بیعۃ علی رضی اللہ عنہ، مطبوعہ دارابن حزم بیروت ، البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 245 مطبوعہ دارالریان قاہرہ مصر)

صحابہ کرام اور اہل مدینہ کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلنے میں پس و پیش کرنا اور زیادہ کا نہ نکلنا اس لیے نہ تھا کہ وہ آپ کی اجازت وخلافت کو پسند نہیں رکھتے تھے معاذ اللہ، بلکہ وہ مسلمانوں کے باہمی کشت وخون سے گھبراتے تھے، آج تک ان کی تلواریں کفار کے خلاف اُٹھی تھیں۔ پہلی بار مسلمانوں کے خلاف اٹھنے جا رہی تھیں۔

اس موقع پر مشہور صحابی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہود کے بڑے عالم اور کتب سماویہ کے جاننے والے تھے۔ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے انہوں نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی، اور عرض گزار ہوئے۔

يَا اَمِيْرَ الْمؤمنينَ لَا تَخْرُجُ مِنْهَا فَوَ اللهِ لَئِنْ خَرَجْتَ مِنهَا لا يَعُوْدُ اِلَيها سلطانُ المسلمينَ ابداً۔ اے امیر المؤمنین! آپ مدینہ طیبہ سے باہر نہ نکلیں، اللہ کی قسم! اگر آپ یہاں سے باہر نکلے تو مسلمانوں کا اقتدار واپس مدینہ میں کبھی لوٹ کر نہ آئے گا۔ (تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 943 امر الجمل ، البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 245 علی بن ابی طالب الی البقرۃ الکامل فی التاریخ لابن اثیر الجزری جلد 3 صفحہ 114 مطبوعہ دارلکتب العلمیہ بیروت)

یاد رہے اس سے قبل خلفاء راشدین میں سے کوئی خلیفہ لشکر لیکر مدینہ سے نہیں نکلا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت سے ایک بار صرف ایک ساتھی کے ساتھ بیت المقدس گئے تھے کیونکہ علماء اہل کتاب نے بیت المقدس کی چابیاں خلیفہ کے ہاتھ میں دینے پر اصرار کیا تھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی یہ بات ایسی سچی نکلی کہ واقعی آج تک مسلمانوں کا دار الخلافہ مدینہ طیبہ میں واپس نہیں گیا اور شائد کبھی نہ جائے۔

اس موقع پر سیدنا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ (پہلے بھی انہوں نے یہی بات عرض کی تھی) عرض کرنے لگے اے ابا جان! میں نے آپ کو پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اس سفر پہ نہ نکلیں مجھے اس میں آپ کی جان خطرے میں نظر آتی ہے۔ آپ نے پہلے میری بات نہیں مانی تھی اب مان لیں۔ حضرت علی المرتضیٰ نے (باپ ہونے کے ناطے) فرمایا تم ہمیشہ لڑکیوں کی طرح روتے رہتے ہو۔ تم نے

مجھے کیا کہا تھا جو میں نے نہ مانا۔ انہوں نے چند باتیں گنوائیں جن کا آپ نے جواب دیا۔
(الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 115، البدایۃ جلد 7 صفحہ 245)

بہر حال مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے، آپ نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کو کوفہ روانہ کیا وہاں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امیر تھے۔ آپ نے انہیں پیغام بھیجا کہ کوفہ سے لوگوں کو ہماری مدد کے لیے بصریٰ بھیجیں ہم بصرہ آ رہے ہیں۔ آپ نے خطبہ دیا۔ لوگوں سے فرمایا: اللہ نے ہمیں اسلام کے ساتھ عزت دی۔ دین غالب ہوا، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوئے جنہیں شیطان نے بھڑکایا تھا۔ اس امت میں افتراق ہونا تھا جو فیصلہ اللہ نے کر دیا ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ لوگو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی رہو اور قرآن کو اپنا فیصل اور پیشوا مانو۔ یہ خطبہ آپ نے مقام رندہ پہ دیا۔ پھر آپ آگے بڑھے اور مقام ذی قار تک آئے۔ وہاں انتظار کرنے لگے کہ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کوفہ سے کیا جواب لیکر آتے ہیں۔ وہ دونوں کوفہ گئے، انہوں نے آپ کا پیغام ان تک پہنچایا مگر حاکم کوفہ ابوموسیٰ اشعری سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا باہمی قتال نہیں ہونا چاہیے اور اگر یہ کرنا بھی ہے تو پہلے قاتلانِ عثمان غنی سے کرنا چاہیے۔ اس لیے کوفہ سے کوئی جماعت حضرت علی المرتضیٰ کی مدد کے لیے اس وقت تیار نہ ہوئی۔ دونوں واپس آئے اور حضرت علی کو آگاہ کیا۔ آپ نے اشتر نخعی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے جا کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بات کی۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا۔ وہ دونوں بھی ناکام لوٹ آئے۔

مولیٰ علی المرتضیٰ کا امام حسن اور عمار بن یاسر کو کمک حاصل کرنے کیلئے کوفہ بھیجنا:

تب مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرتِ حسن اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شہر سے باہر نکل کر امام حسن کا استقبال کیا۔ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! آپ لوگوں کو ہماری مدد کیلئے نکلنے سے کیوں روک رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: عنقریب وہ فتنہ ہوگا جس میں بیٹھ رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا۔ کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا سوار ہونے والے سے بہتر ہوگا۔ اللہ نے ہمیں آپس میں بھائی بنایا ہے اور ہمارے خون اور اموال ایک دوسرے پر حرام قرار دیئے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 247)

یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے تھی اور اپنی جگہ درست اور حدیث نبوی سے مؤید تھی، تاہم مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کا مقصد بھی خون خرابہ نہ تھا آپ معاملہ کو بات چیت کے ساتھ ہی حل کرنے آئے تھے اِلّا یہ کہ بامرِ مجبوری طاقت کا استعمال کرنا پڑے وہ بھی اس لیے تاکہ امت میں اصلاح ہو پھر ضروری نہیں کہ ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ نے جس فتنہ کے بارے میں حدیث سنائی وہ اس موقع پر ہو اور ضرور ہو۔

بہرحال اس کے بعد اہل کوفہ میں سے دو افراد نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا حکم ماننا چاہیے وہ امیر المؤمنین اور سید المسلمین ہیں۔ تب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے، حضرت امام حسن اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے منبر کوفہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المؤمنین کی حمایت میں نکلنے کی دعوت دی اس موقع پر ایک شخص نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بُرا کہا، حضرت عمار نے اسے سخت ڈانٹا۔ چنانچہ جامع الترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمار کے سامنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدکلامی کی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا اے قبیح و رسوا انسان! دفع ہو جاؤ۔ اتؤذی حبیبۃ رسول اللہ ﷺ کیا تم محبوبہ رسول رب العالمین کو ایذاء دے رہے ہو؟ (جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث 3888)

صحیح بخاری میں ابووائل سے مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار اور اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ عنہما کو کوفہ بھیجا تاکہ لوگوں کو مدد کے لیے بلائیں۔ حضرت عمار نے خطبہ دیا اور کہا: میں جانتا ہوں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں مگر اللہ نے تمہارا امتحان لیا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہو یا حضرت عائشہ کی؟ (صحیح بخاری کتاب الفضائل باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث 3772)

الغرض کوفہ سے امام حسن کے ساتھ بہت بڑی تعداد نکلی، ابن کثیر کے نزدیک نو ہزار افراد نکلے۔ دوسری روایت بارہ ہزار ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کا صلح پر آمادہ ہونا:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ایک امیر قعقاع بن عمرو کو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کے لیے بصرہ بھیجا تاکہ صلح کی صورت پیدا کی جائے، قعقاع بصرہ پہنچا سب سے پہلے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملا، عرض کرنے لگا یا ام المؤمنین! آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟ فرمایا اے بیٹے! میں لوگوں میں اصلاح کے لیے آئی ہوں۔ کہنے لگا حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی یہیں بلا لیا جائے۔ وہ دونوں بھی تشریف لے آئے۔ گفتگو شروع ہوئی حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اصلاح کی یہی صورت ہے کہ قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ کیونکہ انہیں چھوڑ دینا قرآن پہ عمل کا چھوڑ دینا ہے۔ قیقاع نے کہا: آپ دونوں نے اہل بصرہ میں سے قاتلانِ عثمان کے ایک گروہ کو قتل کیا ہے۔ مگر تم لوگ کامیاب نہیں ہوئے تم نے چھ سو کو مارا جس کی وجہ سے چھ ہزار افراد تم سے باغی ہو کر الگ ہو گئے، تم انہیں پکڑ نہیں سکے۔ تم نے حرقوص بن زبیر کو پکڑنا چاہا۔ (کیونکہ وہ قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں براہ راست ملوث تھا۔) تو چھ ہزار افراد اس کے دفاع میں کھڑے ہو گئے۔ اگر تم نے انہیں نہ پکڑا تو تم

اپنے قول کے مطابق مجرم بنو گے۔ (تارکِ قرآن ٹھہرو گے) اور اگر تم ان کے پیچھے پڑے تو وہ فتنہ و فساد ہوگا جو تمہارے اختیار میں نہ رہے گا۔ قاتلان عثمان غنی کا پکڑنا یقینا اچھا عمل ہے مگر جو اس پر فساد لازم آ رہا ہے وہ اس سے کہیں بڑا ہے، اور جیسے تم حرقوص بن زبیر کو نہیں پکڑ سکے کیونکہ چھ ہزار افراد اس کے دفاع میں کھڑے تھے یونہی حضرت علی قاتلان عثمان غنی کے پکڑنے میں تم سے زیادہ معذور ہیں، انہوں نے ان قاتلوں کے پکڑنے کو کسی وقت تک مؤخر کیا ہے۔ کیونکہ ہر علاقہ میں اختلاف کی صورت ہے۔ (کچھ لوگ ان قاتلوں کے خلاف ہیں کچھ ان کے حمایتی ہیں) قعقاع نے انہیں مزید بتایا کہ مضر و ربیع قبائل بھی اس سلسلہ میں حصہ لینے کو تیار کھڑے ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرمانے لگیں: پھر تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: اس معاملہ کی صورت یہی ہے کہ حالات کو پرسکون ہونے دو، اس کے بعد اپنا کام کرو، اگر آپ لوگ حضرت علی کی بیعت کر لیں تو یہ خیر و رحمت کی علامت ہوگی ورنہ وہ شر و فساد ہوگا جو اس ملک کو لے ڈوبے گا۔ اگر آپ ہمیں مصیبت میں ڈالیں گے تو خود بھی اس میں پڑیں گے۔ سب نے کہا تم نے بہت اچھی باتیں کہی ہیں۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ یہاں آتے ہیں اور یہی رائے رکھتے ہیں جو تمہاری ہے تو سمجھو معاملہ حل ہوگیا۔ اس نے جا کر حضرت علی المرتضیٰ کو خبر دی۔ آپ نہایت مسرور ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو بتایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ صلح چاہتی ہیں۔ لوگ بہت خوش ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 249 میسر علی بن ابی طالب الیٰ البصرۃ، تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 945 امر الجمل، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 124 سن 36)

امام جزری نے الکامل میں فرمایا ہے کہ یہ قعقاع بن عمرو صحابہ میں سے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات طلحہ و زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کا مقصد قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پکڑنے اور انہیں سزا دینے کے سوا کچھ نہ تھا اور ان کے دل میں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مکمل اخلاص اور پیار تھا۔ دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مکمل بیزار تھے مگر آپ اچھے حالات کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ ان کے ساتھ ان کے بڑے بڑے قبائل تھے جو ان کے دفاع میں کھڑے تھے اگر اسوقت انہیں پکڑنے کی کوشش کی جاتی تو خانہ جنگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا، حضرات طلحہ و زبیر نے بصریٰ میں انہیں پکڑنے کی کوشش کی چند کو مارا مگر اس سے فتنہ مزید پھیلا، الغرض تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے اخلاص تھا کیوں نہ ہو وہ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران آیت 164) کا مصداق تھے، انہی کے بارے میں اللہ نے فرمایا وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ (سورہ حجرات آیت 7)

قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خوفناک خفیہ میٹنگ:

اس کے بعد مولیٰ علی المرتضیٰ نے اپنے لشکر میں اعلان فرمایا:

اَلَا اِنِّی مُرْتَحِلٌ غَداً (اِلَی البصرۃ) وَلَا یَرْتَحِلُ مَعِیَ اَحَدٌ اَعَانَ عَلٰی قتلِ عثمانَ بِشَییءٍ مِنْ اُمُورِ النَّاسِ۔ سنو میں کل بصرہ کی طرف کوچ کر رہا ہوں میرے ساتھ کوئی ایسا شخص کوچ نہ کرے جس نے قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں کسی بھی طریقہ کے ساتھ کچھ مدد کی ہے۔

جب آپ نے یہ کہا تو قاتلانِ عثمان غنی کے بڑے سردار اکٹھے ہوئے (وہ لشکر حضرت علی المرتضیٰ میں گھسے ہوئے تھے) ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ اشتر نخعی، شُریح بن اوفیٰ، عبداللہ بن سبا المعروف بہ ابن سوداء۔ (یہی وہ خفیہ یہودی ہے جو دورِ عثمان غنی میں لبادہ اسلام اوڑھ کر مسلمانوں میں داخل ہوا۔ تاکہ مسلمانوں میں تفرقہ کا بیج بوئے اس نے مدینہ طیبہ میں یہ زہر پھیلانا شروع کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے قریبی تھے انہیں چھوڑ کر ابوبکر وعمر وعثمان کو کیوں خلیفہ چنا گیا؟ یقیناً ظلم ہوا یوں اسلام میں پہلی تفرقہ بازی شروع ہوئی۔ حضرت عثمان غنی نے اسے مدینہ طیبہ سے نکال دیا بہتر تھا اس کا سر اڑایا جاتا، وہ مدینہ سے نکل کر پہلے مصر گیا وہاں یہ زہر پھیلایا، پھر کوفہ و بصریٰ میں پھیلایا پھر انہی تین علاقوں سے فسادی بلوائی لوگ آئے جنہوں نے محاصرہ کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یہ عبداللہ بن سبا یہودی خود بھی محاصرہ کرنے والوں میں شامل بلکہ ان کا سرغنہ تھا، اسی نے وہ قبیح افکار پیش کیں جن پر بعد میں شیعہ مذہب کی عمارت کھڑی ہوئی) سالم بن ثعلبہ، غلاب بن ھیثم و دیگر۔

لشکر حضرت علی میں ان لوگوں کی تعداد دو ہزار پانچ سو تھی، ان میں کوئی صحابی نہ تھا۔ الحمد للہ۔ (معلوم ہوا قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں کسی صحابی رسول ﷺ کا کوئی کردار نہ تھا، جو لوگ آج بلوائیوں میں بعض صحابہ کو شامل کرتے ہیں وہ گمراہ و بددین ہیں۔)

قاتلان عثمان غنی کہنے لگے علی (المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) نے یہ کیا کہہ دیا ہے؟ یہ کل لوگوں کو تمہارے خلاف جمع کرے گا۔ اور سب لوگ تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں تمہاری تعداد بھی کچھ نہیں۔ اشتر نخعی کہنے لگا ہمارے بارے میں طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) کی جو رائے ہے وہ ہم جانتے ہیں مگر ہمارے بارے میں علی (المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کی رائے کیا ہے یہ ہمیں معلوم نہ تھی۔ اگر یہ طلحہ و زبیر سے صلح کر لیتا ہے تو یہ صلح ہمارے قتل پر ہوگی، اگر ایسا ہوا تو ہم علی کا بھی وہی حشر کریں گے جو ہم نے عثمان کا کیا تھا۔ (معاذاللہ)

ابن السوداء (عبداللہ بن سبا خفیہ یہودی) کہنے لگا تمہاری رائے بہت بری ہے۔ اگر ہم نے علی (المرتضیٰ) سے قتال کیا تو وہ ہم سے قتال کرے گا۔ اے گروہِ قاتلانِ عثمان! اس وقت ہم ڈیڑھ ہزار ہیں، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھی پانچ ہزار ہیں، ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ غلاب بن ھیثم نے کہا انہیں چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے جانا چاہیے تاکہ ہم وہاں ان کی شر سے بچ جائیں۔

ابن سبا نے کہا تم نے بھی بری بات کہی ہے وہاں لوگ تمہیں اچک لیں گے، پھر ابن سبا نے کہا اللہ اس کا برا کرے۔ اے قوم! تمہارا قافلہ لوگوں میں گھلا ملا ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے درمیان میں لڑائی چھیڑ دو۔ طلحہ وزبیر اور علی کے درمیان لڑائی چھیڑ دو، (رضی اللہ عنہم)

اور انہیں باہم اکٹھا نہ ہونے دو۔ تم جس کے ساتھ جا رہے ہو۔ (یعنی حضرت علی المرتضیٰ) وہ تو تم پر ہاتھ نہیں ڈالنے والا، جبکہ طلحہ وزبیر کو اللہ ان کے مقصد سے غافل کر دے گا۔ (یعنی وہ ہمیں پکڑنے کی بجائے حضرت علی سے لڑتے رہیں گے۔) تو اس رائے پر پکے ہو جاؤ۔ (تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 33 ذکر سن ہجری 36، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 247، 248 مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 125)

جنگ جمل قاتلان عثمان غنی کی شرارت سے چھڑی، حضرت علی روکتے رہ گئے:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مقام ذی قار سے کوچ کیا اور بصرہ کے قریب مقام ناحیہ پر جا پڑاؤ کیا۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ سے نکلے اور ناحیہ پہنچ گئے۔ حضرت علی نے حضرت طلحہ وزبیر کو پیغام بھیجا، فرمایا اگر تم اسی رائے پر قائم ہو جو تم نے قعقاع بن عمرو سے کہی تھی تو اسی پر رکے رہو تا آنکہ ہم مل کر بیٹھیں اور تصفیہ کریں، ان دونوں نے جواب میں یہ پیغام بھیجا: ہم اسی پیغام صلح پر قائم ہیں جو ہم نے قعقاع بن عمرو کے ہاتھ بھیجا تھا۔ یہ سن کر لوگوں کو قرار آ گیا اور دل مطمئن ہو گئے۔ (مگر قاتلانِ عثمان غنی کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔)

جب رات پڑی تو حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو حضرت طلحہ وزبیر کی طرف بھیجا (رضی اللہ عنہم) اور انہوں نے محمد بن طلحہ سجاد کو آپ کی طرف بھیجا۔ (یعنی خیر سگالی کے پیغامات ایک دوسرے تک بھیجے گئے۔) ادھر قاتلانِ عثمان غنی نے وہ رات بہت بری گزاری (وہ رات ختم ہونے سے قبل جنگ چھیڑنا چاہتے تھے۔ افسوس صد افسوس، مقام ذی قار پہ مولیٰ علی المرتضیٰ نے اعلان کیا تھا کہ قاتلان عثمان غنی میں سے کوئی شخص ہمارے ساتھ بصرہ نہیں جائے گا، مگر اس کے باوجود ان میں سے کوئی واپس نہیں گیا نہ حضرت علی المرتضیٰ انہیں خود سے الگ کر سکے، کیونکہ وہ بہت منہ زور و بے لگام تھے) چنانچہ فجر سے قبل اُن میں سے دو ہزار افراد نے تلواریں لہراتے ہوئے دوسرے لشکر پر حملہ کر دیا وہ بڑبڑا کر اٹھے کہ کیا ہوا؟ (جب ہوش آیا) تو کہنے لگے ہم پر رات کی تاریکی میں کوفی لشکر نے حملہ کر دیا ہے اور اپنے عہد سے بے وفائی کی ہے۔ وہ سمجھے کہ ان پر اصحاب علی المرتضیٰ نے جان بوجھ کر حملہ کیا ہے۔ جب جنگ چھڑنے کی خبر حضرت علی المرتضیٰ کو ملی تو پوچھا کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ رات کی تاریکی میں ہم پر اہل بصرہ نے حملہ کر دیا ہے۔ (یعنی ہر گروہ نے سمجھا کہ دوسرے فریق نے بے وفائی و بدعہدی کر کے حملہ کر دیا ہے۔) اور کسی کو حقیقتِ حال کا علم نہیں تھا (کہ یہ شرارت قاتلان عثمان غنی کی طرف سے کی گئی ہے) بس اللہ کا فیصلہ جاری ہو کر رہنا تھا، جنگ کے شعلے بھڑک

اٹھے، حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ بیس ہزار افراد تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ وطلحہ وزبیر کے ساتھ تیس ہزار، ابن سبا (خفیہ یہودی) کے ساتھی بڑھ بڑھ کر لوگوں کو قتل کر رہے تھے ایک پل نہیں رکتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کا منادی پکار پکار کر کہہ رہا تھا: اَلا کُفُّوا الا کُفّوا سنو رک جاؤ سنو رک جاؤ، مگر کوئی نہیں سن رہا تھا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 251 میسر علی رضی اللہ عنہ الی البصرۃ، تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 947 امر الجمل، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 130 سن 36)

یاد رکھنا چاہیے کہ قاتلانِ عثمان غنی کا سازش کے ساتھ جنگ کا چھیڑنا کتب اہل تشیع میں بھی ملتا ہے۔ (دیکھئے تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ 485،482 ذکر خلافت امیر المؤمنین مطبوعہ نول کشور دہلی طبع قدیم)

یہاں سے بھی صاف صاف معلوم ہوا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، حضرات طلحہ وزبیر اور مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی جنگ کیلئے نہ نکلا تھا، نہ جنگ کا خواہش مند تھا، دونوں صلح کے لیے مقام ناحیہ پہ جمع ہوئے مگر رات کے اندھیرے میں قاتلان عثمان غنی نے امتِ مسلمہ کی وحدت پہ وہ چنگیزی تلوار چلائی کہ الامان انہیں خوب معلوم تھا اگر ان صحابہ کبار کی باہم ملاقات ہوگئی تو ان کے درمیان پائیدار صلح قائم ہو جائیگی اور فیصلہ یہ ہوگا کہ قاتلانِ عثمان غنی کے خلاف مل کر کاروائی کی جائے اس لیے انہوں نے طلوعِ سحر سے قبل جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے۔ لہٰذا جنگ جمل کے حوالے سے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ جو کرے گا وہ اپنا ایمان برباد کرے گا۔

جنگ جمل میں کسی صحابی نے کسی شخص پہ تلوار نہیں اُٹھائی:

چونکہ یہ جنگ فتنہ گر قاتلانِ عثمان غنی کی شرارت سے بھڑکی تھی، صحابہ میں سے کوئی بھی آمادۂ جنگ نہ تھا بلکہ وہ جویانِ صلح تھے اس لیے انہوں نے کسی پر تلوار نہیں اُٹھائی۔

امام ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

قاضی بصرہ کعب بن سوار سیدہ عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہوئے جبکہ جنگ بھڑک اٹھی تھی، کہنے لگے یا ام المؤمنین! لوگوں کو سنبھالیے۔ شائد آپ کی وجہ سے اللہ بہتری کر دے۔ (اور جنگ رک جائے۔) آپ کجاوہ میں بیٹھیں۔ کجاوہ اونٹ پہ رکھا گیا۔ (یہیں سے اس جنگ کا نام جنگ جمل پڑا، یعنی اونٹ والی جنگ) کجاوے کے گرد ڈھالیں لگا دی گئیں (تا کہ کوئی تیر یا نیزہ اثر انداز نہ ہو) آپ آئیں اور وہاں ٹھہر گئیں جہاں سے آپ کو جنگ کا منظر دکھائی دے سکے۔ لوگ ایک دوسرے پہ حملہ آور ہو رہے تھے۔ حضرت زبیر بن عوام اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ایک دوسرے کے سامنے آ گئے، حضرت عمار نے نیزے کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا، حضرت زبیر دائیں بائیں ہونے لگے اور ان سے کہنے لگے اے عمار! کیا آپ مجھے ماریں گے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں اے ابو عبداللہ! حضرت زبیر جناب عمار سے کہیں طاقت ور تھے اس کے باوجود وہ ان کے سامنے نہیں آ رہے تھے کہ انہیں تقتلك الفئة الباغية والی حدیث روک رہی تھی اور اس دن صحابہ

کرام کا یہی طریقہ تھا کہ وہ کسی زخمی پر حملہ نہیں کرتے تھے، نہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا کرتے تھے۔ اس کے باوجود خلق کثیر قتل ہوگئی۔ (جو اکثر قاتلانِ عثمان غنی کے ہاتھوں ماری گئی یا وہ خود مارے گئے۔) (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 251)

جنگ کے چھڑنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گہر رنج وغم اور شدید افسوس:

جب میدان جنگ میں کثیر افراد قتل ہونے لگے تو مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے:

يَا بُنَيَّ لَيْتَ اَبَاكَ مَاتَ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ بِعِشْرِيْنَ عَامًا

اے میرے بیٹے! کاش تیرا باپ آج کے دن سے بیس برس پہلے مرگیا ہوتا، حضرت امام حسن نے عرض کیا:

يَا اَبَتِ قَدْ كُنْتُ اَنْهَاكَ عَنْ هٰذَا۔

اے ابا جان! میں آپ کو اس سے روکتا تھا (کہ مدینہ طیبہ سے لڑائی کے لیے نہ نکلیں۔)

سعید بن ابی عجرہ نے قتادہ سے انہوں نے حسن (بصری) سے انہوں نے قیس بن عبادہ سے روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں فرمایا:

يَا حَسَنُ لَيْتَ اَبَاكَ مَاتَ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً

اے حسن! کاش تمہارا باپ آج سے بیس برس قبل مرگیا ہوتا۔ انہوں نے کہا ابا جان میں آپ کو اس سے روکتا تھا۔ حضرت علی نے فرمایا اے بیٹے! میں نہیں سمجھتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا۔

مبارک بن فضالہ نے حسن بن ابی بکرہ سے روایت کیا ہے کہ جب روزِ جمل شدید قتال ہوا اور حضرت علی المرتضیٰ نے دیکھا کہ گردنوں سے سر کٹ رہے ہیں تو انہوں نے اپنے بیٹے حسن کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ پھر کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ اے حسن! اس کے بعد کس خیر کی امید کی جائے (گویا آپ پہ اس وقت رقت طاری تھی۔)

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 251)

میدان جنگِ جمل میں علی المرتضیٰ اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی اہم ملاقات:

جنگ میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار تھے ایسے میں مولیٰ علی المرتضیٰ نے حضرت طلحہ وزبیر کو بلایا، وہ آگئے، حتیٰ کہ حضرت علی اور ان کے گھوڑوں کی گردنیں ایک دوسرے سے مل گئیں، حضرت علی نے ان سے فرمایا: میں دیکھتا ہوں تم دونوں نے بہت سا لشکر اور اسباب حرب جمع کر لیے ہیں، کیا تم نے قیامت میں سرخرو ہونے کیلئے ایسا کیا ہے؟ اللہ سے ڈرو، اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو دھاگہ کاتتی پھر اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ (سورہ نحل آیت

92) کیا میں یہ فیصلہ نہیں کرنے والا کہ تمہارا خون مجھ پر حرام ہے اور میرا خون تم پر حرام؟ اب کیا تمہارے پاس کوئی نئی دلیل آئی ہے کہ میرا خون تم پر حلال ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا آپ نے حضرت عثمان غنی کا معاملہ بگاڑا، حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيهِمُ اللهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ اس دن اللہ تعالیٰ سب کو ان کے پورے پورے بدلے دے گا۔ (سورہ نور آیت 25) پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قاتلان عثمان پر لعنت کرے، پھر فرمایا اے طلحہ! تم رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ کو لڑائی میں لے آئے ہو اور اپنی بیوی کو تم نے گھر میں بٹھایا ہے؟ کیا تم نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ حضرت طلحہ نے کہا جب میں نے آپ کی بیعت کی تھی تو میری گردن پہ تلوار تھی پھر آپ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کہا آپ لائے ہیں۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس کام کے لیے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنی غنم میں سے گزرا تو آپ نے مجھے دیکھا اور مسکرائے میں آپ کو دیکھ کر مسکرایا آپ نے فرمایا ابو طالب کا بیٹا اپنی مسکراہٹ کو نہیں چھوڑ سکتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے تم سے فرمایا:

انہ لیس بِمُتَمَرِّدٍ لتقاتِلَنّہ و انت ظالمٌ۔ علی تکبر نہیں کرتا، اے زبیر! تم اس سے ضرور قتال کرو گے اور تم زیادتی کرنے والے ہو گے؟ حضرت زبیر نے کہا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ وَلَوْ ذَكَرْتُ مَا سِرْتُ مَسِيْرِي هٰذا اللہ شاہد ہے آپ نے ایسے ہی فرمایا تھا اور اگر میں اسے یاد رکھتا تو میں اس سفر پہ نہ آتا۔ وَاللهِ لَا أُقَاتِلُكَ اللہ کی قسم! میں آپ سے لڑائی نہیں کروں گا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 252، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 251، تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 41 سن 36)

یہ حدیث کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ ملتی ہے، چنانچہ امام ابو یعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ ابو جرو مازنی سے روایت کیا وہ کہتے ہیں میں اس وقت حاضر تھا جب علی المرتضیٰ اور زبیر رضی اللہ عنہما (جنگ جمل میں) ایک دوسرے سے ملے، حضرت علی المرتضیٰ نے ان سے کہا اے زبیر! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ نے تم سے فرمایا کہ تم علی سے لڑائی کرو گے اور تم ظالم ہو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں سنا تھا اور مجھے یاد نہ رہا اب یاد آتا ہے۔ چنانچہ وہ وہیں سے مڑ گئے (جنگ چھوڑ دی) (مسند ابی یعلیٰ، مسند زبیر بن عوام حدیث 666 صفحہ 161 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حاکم نے قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جب میں اور تم بیٹھے تھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے فرمایا اَتُحِبُّهٗ کیا تم علی سے محبت رکھتے ہو؟ تم نے کہا میں کیوں اس سے محبت نہ رکھوں، آپ نے فرمایا اَمَا اِنَّكَ سَتَخْرُجُ عَلَيهِ وَ تُقَاتِلُهٗ وَ اَنْتَ ظالمٌ۔ تم اس کے خلاف خروج کرو گے اور اس سے قتال کرو گے اور تم ظالم ہو گے، کہتے ہیں حضرت زبیر وہیں سے واپس لوٹ پڑے۔

حاکم نے صحت کے ساتھ اور بیہقی نے ابو الاسود سے روایت کیا کہتے ہیں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نکلے۔ حضرت علی نے ان سے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا تھا کہ آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم علی سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے؟ کہا ہاں میں نے سنا تھا۔ مگر میں بھول گیا۔ (الخصائص الکبریٰ للسیوطی جلد 2 باب اخبارہ بوقعۃ الجمل مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

آپ کی شہادت جنگ جمل کے دوران ہوئی، جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ میں انکی ملاقات ہوئی اور ان پہ حق واضح ہو گیا تو وہ جنگ کا میدان چھوڑ کر پیچھے جا بیٹھے۔ اچانک ان کو تیر آ لگا جو انکے گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ امام ابن کثیر کہتے ہیں مشہور یہ ہے کہ وہ تیر مروان بن حکم نے مارا تھا البتہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ کسی اور نے مارا تھا۔ اس تیر کے لگنے سے ان کا اتنا خون بہا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے اور شہید ہو گئے۔ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ شہادت سے قبل ان کے پاس سے ایک آدمی گزرا انہوں نے کہا: کیا تم حضرت علی المرتضیٰ کے لشکر میں سے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا ہاتھ بڑھاؤ، آپ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا میں علی المرتضیٰ کے لیے بیعت کر رہا ہوں۔ پھر انکی جان نکل گئی۔
(الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 131)

امام ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں لکھا ہے:
شعبی نے روایت کیا ہے: جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت علی المرتضیٰ نے انہیں جنگ میں مقتول دیکھا تو آپ ان کے چہرے سے مٹی صاف کرنے لگے اور کہا اے ابو محمد تیری موت مجھ پر بہت گراں گزری ہے۔ آسمان کے نیچے میں تجھے مقتول دیکھ کر بہت دکھیا ہوں پھر کہا: میں اپنے دکھ؛ اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔ کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ حضرت علی المرتضیٰ اور آپ کے ساتھی حضرت طلحہ پر روتے رہے۔ آپ نے ان کی شہادت پر چند درد بھرے اشعار بھی کہے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 3 صفحہ 87 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ وہی طلحہ ہیں جنکے شہید ہونے کی خود رسول اکرم ﷺ نے گواہی دی۔ چنانچہ جابر بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 3 صفحہ 17 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

من اراد ان ینظر الی شہید یمشی علی رجلیہ فلینظر الی طلحۃ بن عبید اللہ۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے قدموں پہ چلتے پھرتے شہید کو دیکھے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔
(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب طلحۃ بن عبید اللہ حدیث 3739)

حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے کانوں نے خود سنا رسول اللہ نے فرمایا:

طلحۃُ والزبیر جارای فی الجنۃ۔ طلحہ و زبیر دونوں جنت میں میرے دو پڑوسی ہیں۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب طلحہ بن عبیداللہ حدیث 3740)

معلوم ہوا حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے دل مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے محبت و مودت سے لبریز تھے اور آپ انکے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔ بس فسادیوں کی شرارت سے ان کے مابین جنگ چھڑ گئی۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی شہادت:

آپ نے بھی جنگ جمل میں شہادت پائی، جب مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد دلائی کہ اے زبیر! وقت آئے گا جب تم علی المرتضیٰ سے جنگ کروگے اور تم ظالم ہوگے، یہ حدیث سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدان چھوڑ کر چلے گئے، آپ نے مدینہ طیبہ واپسی کا رخ کرلیا، آپ ایک گاؤں پہنچے، وہاں ایک شخص عمرو بن جرموز ملا، اس نے سمجھا کہ یہ آدمی حضرت علی سے بچ کر بھاگا ہے۔ آپ نماز پڑھنے لگے۔ اس بدبخت نے آپ کو نماز میں شہید کر دیا۔ پھر آپ کا سر کاٹ لیا تاکہ حضرت علی کے پاس لیجائے اور آپ سے انعام پائے، جب وہ آپ کے پاس پہنچا آپ کو بتایا گیا کہ دروازے پہ حضرت زبیر کا قاتل کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے جہنم کی بشارت دیدو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: صفیہ کے بیٹے (حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیدو۔ عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر کی تلوار آپ کے سامنے رکھی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تلوار بہت عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتی رہی۔ کہتے ہیں جب عمرو بن جرموز نے یہ باتیں سنیں تو خود کشی کرکے مرگیا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 260۔261، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 132)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ نبیٍّ حوارِیًّا وحَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ بْنُ العوَّامِ۔

بے شک ہر نبی کے لیے ایک حواری تھا اور میرا حواری زبیر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب فضائل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حدیث 3717)

حضرت جابر سے مسلم نے یوں روایت کیا ہے کہ غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کسی کاروائی کے لیے رغبت دی۔ حضرت زبیر تیار ہوگئے، آپ نے پھر رغبت دلائی پھر حضرت زبیر کھڑے ہوئے، تیسری بار بھی ایسے ہی ہوا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بیشک ہر نبی کا حواری تھا اور میرا حواری زبیر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حدیث 6243)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کوہِ حراء پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق، عمر

طلحۃُ والزبیر جارای فی الجنۃ۔طلحہ وزبیر دونوں جنت میں میرے دو پڑوسی ہیں۔(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب طلحہ بن عبیداللہ حدیث 3740)

معلوم ہوا حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے دل مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے محبت ومودت سے لبریز تھے اور آپ انکے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔بس فسادیوں کی شرارت سے ان کے مابین جنگ چھڑ گئی۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی شہادت:

آپ نے بھی جنگ جمل میں شہادت پائی، جب مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد دلائی کہ اے زبیر! وقت آئے گا جب تم علی المرتضیٰ سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہوگے، یہ حدیث سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدان چھوڑ کر چلے گئے، آپ نے مدینہ طیبہ واپسی کا رخ کرلیا، آپ ایک گاؤں پہنچے، وہاں ایک شخص عمرو بن جرموز ملا، اس نے سمجھا کہ یہ آدمی حضرت علی سے بچ کر بھاگا ہے۔آپ نماز پڑھنے لگے۔اس بدبخت نے آپ کو نماز میں شہید کر دیا۔پھر آپ کا سر کاٹ لیا تاکہ حضرت علی کے پاس لیجائے اور آپ سے انعام پائے، جب وہ آپ کے پاس پہنچا آپ کو بتایا گیا کہ دروازے پہ حضرت زبیر کا قاتل کھڑا ہے۔آپ نے فرمایا اسے جہنم کی بشارت دیدو۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: صفیہ کے بیٹے (حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیدو۔عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر کی تلوار آپ کے سامنے رکھی۔آپ نے فرمایا۔یہ تلوار بہت عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتی رہی۔کہتے ہیں جب عمرو بن جرموز نے یہ باتیں سنیں تو خودکشی کر کے مرگیا۔(البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 260۔261، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 132)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ نبیٍّ حوارِیًّا وحَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ بنُ العوّامِ۔

بے شک ہر نبی کے لیے ایک حواری تھا اور میرا حواری زبیر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب فضائل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حدیث 3717)

حضرت جابر سے مسلم نے یوں روایت کیا ہے کہ غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کسی کاروائی کے لیے رغبت دی۔حضرت زبیر تیار ہوگئے، آپ نے پھر رغبت دلائی پھر حضرت زبیر کھڑے ہوئے، تیسری بار بھی ایسے ہی ہوا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بیشک ہر نبی کا حواری تھا اور میرا حواری زبیر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حدیث 6243)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کوہِ حراء پر تشریف لے گئے۔آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق، عمر

فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم تھے۔ (دوسری روایت میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے) پہاڑ میں زلزلہ آیا (گویا وہ خوشی سے جھوما) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِهْدَأْ فما عَلَيْكَ اِلاَّ نبيٌّ و صديقٌ وشهيدٌ، اے پہاڑ ٹھہر جا! تجھ پر کوئی نبی، کوئی صدیق اور کوئی شہید ہی تو ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما حدیث 6247)

نبی تو رسول اللہ ﷺ ہیں، صدیق سے حضرت ابوبکر مراد ہیں اور باقی صحابہ حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم میں سے ہر کوئی شہید ہے۔ اس سے آقائے دو جہاں نبی غیب داں ﷺ کے علم غیب پر بھی دلالت ہوتی ہے۔

جب حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جنت میں رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی ہیں اور آپ ان کے شہید ہونے کی گواہی دے رہے ہیں تو پھر ان کے خلاف لب کشائی کرنا اور ان پہ انگلیاں اٹھانا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ ان سے جو خطا ہوئی کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان سے اجازت لیے بغیر قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے نکل پڑے، اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی کیونکہ انہیں اپنی خطا کا احساس ہوگیا وہ میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے مگر انہیں شہادت مل کر رہی کیونکہ انہیں جنت میں جوارِ مصطفی ﷺ ملنے والا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے گرد قتالِ شدید:

جنگ جمل صرف ایک دن ہوئی صبح سے شروع ہو کر پچھلے پہر ختم ہوگئی، ام المومنین عائشہ صدیقہ جمل (اونٹ) پہ بیٹھ کر اس لیے میدان جنگ میں آئیں تا کہ لوگوں سے کہیں کہ کیوں لڑتے ہو، ہم لڑنے کیلئے نہیں آئے۔ پیچھے گزرا ہے کہ بصرہ کے قاضی کعب بن سوار نے آپ سے عرض کیا کہ لڑائی چھڑ گئی ہے آپ آئیں اور اصلاح کی کوشش کریں۔ آپ اونٹ پہ بیٹھ کر آئیں، آپ نے کعب بن سوار کو قرآن کریم کا نسخہ پکڑایا کہ اسے بلند کرو اور لوگوں سے کہو کہ قرآن کے مطابق فیصلہ کرو، اس وقت عبداللہ بن سبا (خفیہ یہودی) اور اس کے ساتھی اہل بصرہ کو (حضرت عائشہ صدیقہ کے لشکر والوں کو) بڑھ بڑھ کر مار رہے تھے کسی کو نہیں چھوڑ رہے تھے، انہوں نے جب کعب بن سوار کو قران اٹھائے دیکھا تو نیزہ مار کر اس کا کام بھی تمام کر دیا، (وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی صورت جنگ رکے) بلکہ وہ درندے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کجاوے پر بھی تیر برسانے لگے، وجہ یہ تھی کہ آپ نے کجاوے میں بلند آواز سے دعا کی۔ اللّٰھُمَ العن قتلة عثمان، اے اللہ! قاتلانِ عثمان پر لعنت فرما۔ آپ کے تمام ساتھیوں نے بلند آواز سے آمین کہا، حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ نے سنا تو آپ نے بھی کہا اللّٰھم العن قتلة عثمان۔ اس سے قاتلانِ عثمان مشتعل ہوئے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کجاوے پر تیر اندازی شروع کر دی وہ جھاڑی کی طرح بن گیا مگر اس کے گرد ڈھالیں نصب کی گئی تھیں اس لیے کوئی تیر اندر داخل نہ ہو سکا۔ قاتلان عثمان غنی اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین ہی کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ اور آپ کے اونٹ کے دفاع میں شدید جنگ ہوئی۔سینکڑوں لوگ اونٹ کے گرد قتل ہو گئے، آخر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں تا کہ یہ گر پڑے جب تک یہ کھڑا رہے گا لوگ اس کے گرد لڑتے رہیں گے۔ جونہی اونٹ گرا، اس کے گرد لڑنے والے بھی شکست خوردہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔حضرت علی المرتضیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی محمد بن ابی بکر سے اور حضرت عمار نے فرمایا کہ کجاوے کو حفاظت کے ساتھ اونٹ سے اتارو اور اس پر ایک خیمہ نصب کر دو۔محمد بن ابوبکر (جو حضرت صدیق اکبر کے سگے اور مولیٰ علی المرتضیٰ کے سوتیلے بیٹے تھے۔(جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ تھے۔) ان کی ماں اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا پہلے زوجہ صدیق اکبر تھیں ان کے وصال کے بعد حضرت اسماء سے پھر مولیٰ علی المرتضیٰ نے نکاح کر لیا اس وقت محمد بن ابی بکر کی عمر صرف اڑھائی برس تھی۔) نے آگے بڑھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا بہن کیا آپ کو کوئی زخم تو نہیں آیا؟ فرمایا: نہیں، اور اے بھائی! تم خیر سے ہو نا؟ کہا: میں خیر سے ہوں۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے کسی زخمی پہ تلوار نہ اٹھائی جائے اور کسی کے گھر میں داخل نہ ہوا جائے۔پھر آپ آئے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے کہا السلامُ علیكِ یا اُمَّ المؤمنین كَیْفَ اَنْتِ یا اُمَّاہ اے ام المؤمنین! آپ کو سلام ہو، اے اماں جان! آپ کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا میں خیر سے ہوں، آپ نے کہا اللہ آپ کو معاف فرمائے، پھر لشکرِ حضرت علی المرتضیٰ کے امراء اور ذمہ داران حاضر ہو ہو کر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو سلام عرض کرتے رہے۔

جب رات ہوئی تو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ بصرہ شہر میں داخل ہوئیں اور عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر ٹھہریں۔(حضرت علی المرتضیٰ بصرہ کے باہر تین دن ٹھہرے رہے)

فصلی علی القتلیٰ من الفریقین مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دونوں لشکروں کے مقتولین کا جنازہ پڑھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے لشکر والوں کی کوئی چیز اٹھائی نہ گئی اعلان ہوا کہ جس کی جو چیز ہے پہچان کر اٹھا لے۔البتہ سرکاری مہر والا اسلحہ سرکاری خزانہ میں ڈالا گیا۔مجموعی طور پر مقتولین کی تعداد دس ہزار تھی پانچ ہزار ادھر سے اور پانچ ہزار ادھر سے ، جنگ جمل کا واقعہ نصف جمادی الثانی سن ہجری 26 میں ہوا۔

حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھیوں میں سے کسی نے آپ سے کہا کہ اصحابِ طلحہ و زبیر کے اموال ہم میں تقسیم کیے جائیں۔آپ نے سختی سے منع فرمایا، سبائیہ (عبداللہ بن سبا کے ساتھی جو قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے) کہنے لگے یہ کیا ہوا کہ ان کے خون تو ہمارے لیے حلال ہوں اور اموال حلال نہ ہوں؟ (یعنی ہم نے ان پر تلوار چلائی ہے تو ہم ان کے اموال کیوں نہیں لے سکتے؟) ان کی یہ بات حضرت علی المرتضیٰ تک پہنچی، آپ نے فرمایا:

اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنْ تَصِیْرَ اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ سَھْمِہٖ، تم میں کون پسند رکھتا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اُس کے حصہ میں آجائیں؟ تب وہ خاموش ہوگئے۔(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 255۔256)

معلوم ہوا کہ واقعہ جمل میں جتنا خون بہا اس کے ذمہ دار وہ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں جو لشکر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں زبردستی گھسے ہوئے تھے۔ انہی نے جنگ چھیڑی، پھر یہی تھے جو اہل بصرہ کے قتل کرنے میں کوئی کمی نہیں لا رہے تھے۔ پھر انہی ظالموں خونخوار درندوں اور دہشت گردوں نے حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ کرام کو شہید کیا جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ بلکہ ان لعینوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شہید کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہی تمام واقعات جو میں نے البدایہ والنہایہ سے نقل کیے ہیں۔ کامل فی التاریخ میں امام ابن اثیر جزری نے اور تاریخ الامم و الملوک میں امام طبری نے تفصیل سے لکھے ہیں۔

(دیکھیے الکامل جلد 3 صفحہ 141۔ 142 ذکر سن 36 تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 57 ذکر سن 36)

مولا علی رضی اللہ عنہ کا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بصد احترام واپس بھیجنا:

مقتولین کی نماز جنازہ سے فارغ ہو کر مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی بصرہ میں داخل ہوئے۔ سب اہل بصرہ نے فوج در فوج آپ کی بیعت کی۔ پھر آپ اس گھر میں تشریف لائے جہاں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ٹھہری ہوئی تھیں۔ آپ نے اجازت چاہی پھر اندر آکر سلام پیش کیا انہوں نے مرحبا کہا، آپ وہاں کچھ دیر بیٹھے، جب باہر نکلے تو دروازہ پر ایک شخص نے آپ سے کہا یہاں دو آدمی ہیں جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو برا کہا ہے۔ آپ نے اُس وقت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں اور لباس اتار کر لگائے جائیں۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چند دن بصرہ میں مقیم رہیں۔ آپ کے پاس جس بھی مسلمان مقتول کا ذکر کیا جاتا آپ اس کے لیے دُعائے مغفرت فرماتیں خواہ وہ آپ کے لشکر سے تھا یا حضرت علی المرتضیٰ کے لشکر سے۔ پھر جب آپ نے کوچ کا ارادہ کیا تو حضرت علی المرتضیٰ نے آپ کے لیے مرکب، زادِ سفر اور دیگر ضروریات کا انتظام فرمایا، آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو ساتھ بھیجا، جب آپ کے چلنے کا وقت آیا تو حضرت علی المرتضیٰ خود رخصت کرنے آئے۔ سیدہ ام المؤمنین کجاوہ میں بیٹھ کر باہر نکلیں۔ حضرت علی المرتضیٰ دروازہ پہ کھڑے تھے، سیدہ نے فرمایا اے میرے بیٹو! ایک دوسرے پہ عتاب نہ کرو اللہ کی قسم میرے اور علی المرتضیٰ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ ایسا ہی تھا جیسے کسی عورت اور اس کے سسرالیوں کے درمیان ہوجاتا ہے۔ (واقعۃً حضرت علی المرتضیٰ سیدہ عائشہ صدیقہ کے سسرالیوں میں سے تھے) بیشک حضرت علی المرتضیٰ نے جو مجھ پہ عتاب کیا (جنگ میں سامنے آئے) وہ اس میں اخیار میں سے تھے۔ (یعنی حق وخیر پر تھے) حضرت علی المرتضیٰ نے سن کر فرمایا:

صَدَقَتْ وَاللّٰہِ مَا کَانَ بَیْنِی وَ بینَھَا اِلاَّ ذَاكَ وَ اِنَّھَا لزوجۃُ نَبِیّکُمْ ﷺ فی الدُّنیا والآخِرۃ۔

آپ سچ فرما رہی ہیں اللہ کی قسم! میرے اور ان کے درمیان بس ایسا ہی اختلاف تھا۔ اور بے شک آپ دنیا و آخرت میں تمہارے نبی ﷺ کی بیوی ہیں۔

پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب سیدہ کو الوادع کہنے کیلئے کئی میل تک ساتھ چلے اور اپنے شہزادوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ مزید دور تک ساتھ جاؤ، تو وہ دن بھر تک ساتھ رہے پھر واپس آئے سیدہ ام المؤمنین مکہ مکرمہ آئیں یہ یکم رجب سن 36 ہجری تھا۔ آپ مکہ میں رہیں اور حج کر کے مدینہ طیبہ واپس ہوئیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 257،256 مطبوعہ دار الریان بیروت)

معلوم ہوا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہما کے مابین گہرا اخلاص و احترام تھا۔ دونوں کے دل ایک دوسرے کے لیے نورِ ایمان سے معمور تھے۔ اسی طرح حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما و مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مابین بھی رحمت ورأفت کے سوا کچھ نہ تھا۔

اہل تشیع کے بعض اعتراضات:

سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم نے خلیفۂ برحق کے خلاف خروج کیوں کیا

شیعہ لوگ حضرت طلحہ وزبیر پہ بڑی شد ومد کے ساتھ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی پھر وہ اس کو توڑ کر آپ کے مقابلہ میں آ کھڑے ہوئے یوں وہ بدعہدی و بغاوت کے مرتکب ہوئے وغیرہ۔ ایسی ہی باتیں وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔ مگر یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ یہ نفوس قدسیہ طہارت وتزکیہ کے اعلیٰ درجہ پہ فائز تھے، ان کا نکلنا قصاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے تھا وہ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پکڑنے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے نکلے تھے۔ اگر انہوں نے مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف نکلنا ہوتا تو وہ مکہ سے بصرہ جانے کی بجائے مدینہ کا رخ کرتے اور حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ کرتے انہیں اس طرح معزول کرنے کی کوشش کرتے جیسے اس سے قبل بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی کو معزول کرنے کی کوشش کی تھی، ایک مثال قائم ہو چکی تھی، اس کو اپناتے، مگر ان کے دل میں مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے خلاف (معاذ اللہ) ذرہ برابر بغض وعناد نہ تھا، ان نفوسِ قدسیہ سے صرف یہ خطاء اجتہادی ہوئی کہ انہوں قاتلان عثمان غنی کے خلاف کاروائی کرنے سے قبل حضرت علی المرتضیٰ سے اجازت یا رائے نہیں لی۔ پھر جب مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا بصرہ آئے ہیں اور حضرات

طلحہ وزبیر کو پیغام صلح بھیجا ہے تو انہوں نے اس کے قبول کرنے میں ذرہ برابر دیر نہیں لگائی جیسا کہ ہم تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔مگر حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں چھپے ہوئے خونخوار قاتلانِ عثمان غنی نے رات کے سناٹے میں ایک خفیہ سازش کے ساتھ جنگ چھیڑ دی اگر وہ یہ جنگ نہ چھیڑتے تو حضرات طلحہ وزبیر اور مولا علی المرتضیٰ مل کر ان کے خلاف کاروائی کرنے والے تھے، بس ایک رات کا فرق پڑا ہے۔اگلے دن ان صحابہ کبار کی باہم ملاقات ہونے والی تھی اگر یہ ملاقات ہو جاتی تو پھر جنگ جمل نہ ہوتی بلکہ جنگ قصاص عثمان ہوتی۔ایک طرف یہ سب صحابہ کبار ہوتے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔دوسری طرف قاتلان عثمان غنی ہوتے۔مگر ان دہشت گردوں نے رات ختم ہونے سے قبل جنگ چھیڑ دی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ میں ان صحابہ کرام نے کسی شخص پہ تلوار نہیں اٹھائی۔نہ حضرات طلحہ وزبیر نے نہ مولیٰ علی المرتضیٰ نے وہ تو حیران تھے کہ جنگ چھڑی کیسے ہے؟ اور سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اونٹ پر بیٹھ کر اس لیے میدان جنگ میں آئیں کہ اس اچانک چھڑنے والی ناقابل فہم جنگ کو بند کرائیں مگر قاتلان عثمان غنی پورے زور سے تلوار چلا رہے تھے تاکہ جنگ کسی صورت بند نہ ہو۔

پھر آپ نے ابھی پڑھ لیا کہ جب حضرات طلحہ وزبیر پر حق واضح ہوا تو وہ جنگ چھوڑ کر دوڑ پڑے مگر تقدیر آڑے آئی اور وہ درجہ شہادت پہ فائز ہو گئے۔

شیعہ کتب سے گواہیاں:

مشہور شیعہ مورخ شیخ ابوالحسن اربلی متوفی 693ھ نے لکھا ہے کہ آغاز جنگ جمل سے قبل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک چادر اور عمامہ پہنے کسی اسلحہ کے بغیر دونوں لشکروں کے درمیان آ کر کھڑے ہو گئے اور آواز دی اَیْنَ الزُّبیرُ بنُ العوامِ فَلْیَخْرُجْ اِلَیَّ۔ زبیر بن عوام کہاں ہے میری طرف آئے۔لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ نہتے ہیں جبکہ زبیر مکمل اسلحہ میں ہے۔آپ نے فرمایا: لَیْسَ عَلَیَّ مِنْهُ بَأْسٌ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ آپ کی پکار پر حضرت زبیر سامنے آ گئے۔جب قریب ہوئے تو آپ نے فرمایا اے زبیر! کیا تمہیں وہ زمانہ یاد نہیں جب رسول اللہ نے تم سے کہا تھا۔یازُبیرُ اَتُحِبُّ علیاً۔اے زبیر! کیا تم علی سے محبت رکھتے ہو؟ تم نے کہا وَمَا یَمْنَعُنِیْ مِنْ حُبِّه وَهُوَ ابنُ عمتی مجھے اس کی محبت سے کیا مانع ہے جبکہ وہ میرا پھوپھی زاد ہے۔(حضرت زبیر کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضیٰ کی سگی پھوپھی اور ابو طالب کی سگی بہن ہیں) آپ نے فرمایا: اَمَا اَنَّكَ سَتَخْرُجُ عَلَیْهِ وَاَنْتَ لَه ظالمٌ۔ سنو تم عنقریب علی کے خلاف نکلو گے اور تم زیادتی پر ہو گے۔حضرت زبیر نے کہا۔

اَللّٰهُمَّ بَلٰی وَلٰكِنْ اُنْسِیْتُ فَاَمَّا اِذَا ذَكَّرْتَنِیْ ذٰلك فَلَا نُصِرِ فَنَّ عَنْكَ ولو ذَكَرْتُ ذٰلكَ لَمَا خَرَجْتُ علیكَ ثم رجع،

اللہ کی قسم! ضرور آپ نے یہ فرمایا تھا۔ مگر مجھے یہ بات بھلا دی گئی، اب جب آپ نے مجھے یاد دلا دی ہے تو میں ضرور بضرور آپ کے مقابلہ سے رخ پھیر کر جا رہا ہوں۔ اگر یہ بات مجھے یاد رہتی تو میں کبھی آپ کے سامنے نہ آتا، پھر وہ واپس لوٹ گئے۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول وقعۃ الجمل صفحہ 185 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت سن طباعت 2009م/ 1430ھ)

یہ واقعہ اور رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث مزید کتب شیعہ میں بھی موجود ہے۔ (دیکھیے مُروجُ الذهب جلد 2 صفحہ 401 ذکرالاخبار عن یوم الجمل مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ 182، شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید جلد اول صفحہ 78)

اسی طرح شیعہ مورخ ابوالحسن مسعودی متوفی 346ھ نے لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے بعد مولا علی المرتضیٰ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا انہیں بھی ایسے ہی سمجھایا کہ جب آپ لوگوں نے میری بیعت کی ہے تو اب میرے حکم پر چلو اپنی مرضی نہ چلاؤ۔ فَقَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ثُمَّ رَجَعَ۔ انہوں نے کہا میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں پھر وہ واپس ہو گئے۔ (یعنی جنگ سے الگ ہو گئے) مگر مروان بن حکم نے ان پر تیر چلا دیا جو ان کی رگ اکحل میں لگا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب انہیں مقتول دیکھا تو کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ واللہ لقد کنتُ کارِھًا لھٰذا۔ اللہ کی قسم! میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہو۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت طلحہ کی تعریف میں اشعار کہے جن کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ نوجوان ہے جو تونگری میں اپنے دوستوں کے قریب آتا ہے جبکہ دوست فقر میں اس سے دور تھے، گویا ثریا اس کے دائیں ہاتھ میں ہے اور بدر دوسرے ہاتھ میں اور پیشانی ستارے کی مانند چمکتی ہے۔
(مروج الذہب للمسعودی جلد 2 صفحہ 403 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اربلی لکھتا ہے کہ جمیع بن عمیر نے کہا میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کو سب لوگوں سے کون محبوب تر تھا؟ فرمانے لگیں حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا میں نے ان سے کہا میں آپ سے مردوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ فرمانے لگیں مردوں میں حضرت فاطمہ کے شوہر، کیوں نہیں وہ ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات بھر بیدار رہنے والے تھے۔ میں نے کہا پھر یہ جنگ جمل کا واقعہ کیوں ہوا؟ فَاَرْسَلَتْ خِمَارَھا علی وَجْهِھَا وبکت و قالت امرٌ مَقْضِیٌّ علیَّ انہوں نے اپنا چہرہ اپنی چادر میں لے لیا اور رونے لگیں، فرمایا: بس یہ مقدر تھا۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 2 صفحہ 187 وقعۃ الجمل مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

معلوم ہوا شیعہ کتب کے مطابق بھی ان نفوس قدسیہ کو جنگ جمل کے رونما ہونے کا شدید قلق تھا۔ حالانکہ وہ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چھیڑی تھی۔

حتیٰ کہ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے تو جنگ سے بھاگتے ہوئے جان دیدی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی زندگی بھر گریہ فرماتی رہیں۔ سُنی و شیعہ دونوں کی کتب میں لکھا ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی مجھے روضہ رسول ﷺ میں دفن

نہ کیا جائے پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا بس جو بعد میں ہوا سو ہوا۔

علامہ ابوالحسن مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے جب سیدہ عائشہ صدیقہ کو بصرہ سے بھیجا تو ان کے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق کو، تیس مردوں اور بیس عورتوں کو ساتھ روانہ کیا۔ وہ عورتیں مردوں والے لباس میں ملبوس تھیں۔ جب آپ واپس آئیں تو کہنے لگیں حضرت علی نے میرے ساتھ اجنبی مرد بھیج دیے ہیں۔ جب ان عورتوں نے اپنی حقیقت بتائی تو حضرت عائشہ صدیقہ حیران رہ گئیں سجدۂ شکر ادا کیا اور حضرت علی المرتضیٰ کے حق میں بہت دعائے خیر کی۔

(مُروجُ الذهب جلد 2 صفحہ 410 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

جب حوأب گاؤں کے کتے بھونکے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ واپس کیوں نہ چلی گئیں؟

آپ پر یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ آپ مکہ سے بصرہ جا رہی تھیں تو راستہ میں حوأب گاؤں کے کتے بہت بھونکے تھے جیسے کہ پیچھے گزرا ہے۔ اس وقت آپ کو یاد آ گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا تھا تم میں کسی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے آپ نے فرمایا میں واپس جاتی ہوں۔ میں آگے نہیں جاؤں گی، مگر پھر وہ حضرت زبیر کے اصرار پر آگے چل پڑیں۔ انہوں نے حدیث رسول ﷺ پر عمل کیوں نہ کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں صرف اتنا ہی فرمایا گیا تھا کہ تم میں کسی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے، آگے یہ نہیں فرمایا گیا تھا کہ اس وقت اس زوجہ مطہرہ کو کیا کرنا چاہیے، اگر یہ فرمایا گیا ہوتا کہ وہ واپس چلی جائے تو سیدہ عائشہ صدیقہ کسی صورت ایک قدم آگے نہ بڑھاتیں، بہرحال آپ پریشان ہو گئیں اور پورا دن اور اگلی رات وہیں بیٹھی رہیں لشکر بھی رکا رہا۔ آخر کسی نے کہا کہ آپ سے جھوٹ کہا گیا ہے یہ حوأب نہیں ہے اور آپ کا ساتھ جانا ضروری ہے تاکہ امت میں اصلاح کی صورت بنے، تو آپ متردد ہو کر چل پڑیں۔ اس میں آپ پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کی مخالفت کیوں کی؟

قرآن میں ہے وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور اے ازواج رسول ﷺ اپنے گھروں میں ٹھہرو۔ (سورہ احزاب آیت 33) مگر آپ گھر کو چھوڑ کر بصرہ پہنچ گئیں یوں آپ نے حکم قرآن کی مخالفت کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى، یعنی گھروں میں ٹھہرو اور سابقہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح بے پردہ باہر نہ نکلو۔ (سورہ احزاب آیت 33) معلوم ہوا قرآن کریم نے ازواج رسول ﷺ کے گھروں سے نکلنے پر مکمل پابندی نہیں لگائی، نہ ہی یہ قابل فہم بات ہے بلکہ انہیں بے پردہ باہر نکلنے سے روکا گیا تھا کہ جس طرح اسلام سے قبل دور جاہلیت میں عورتیں بن ٹھن کر گھروں سے نکلتی تھیں اس طرح مت نکلو۔ اور یہ حکم بظاہر ازواج رسول اللہ ﷺ کو ہے

حقیقت میں تاقیامت خواتین اسلام کو ہے۔ ازواج رسول اللہ ﷺ تو پہلے ہی مکمل پردہ کرنے والی تھیں دور جاہلیت کی طرح ان کے بے پردہ نکلنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ مقصد تو ساری امت کی خواتین کو سمجھانا ہے کہ عورتوں کو گھروں کی زینت بننا چاہیے بازاروں کی نہیں، اس کی مکمل وضاحت میری تفسیر برھان القرآن میں پڑھیں۔

ازواج رسول ﷺ دور نبوی میں اس آیت کے اترنے سے قبل اور بعد میں ہمیشہ اپنے ضروری کاموں کے لیے گھروں سے باہر جاتی تھیں، اپنے اعزہ و اقرباء سے ملتی تھیں۔ وصال نبوی کے بعد وہ کئی بار حج بیت اللہ میں حاضر ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں حج پر بھیجا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر تمام ازواج رسول ﷺ حج پر گئی ہوئی تھیں۔ ان دنوں شہر مدینہ منورہ میں جو فتنہ تھا وہ اس سے دور رہیں۔ اس لیے اگر سیدہ عائشہ صدیقہ اصلاح امت کی غرض سے بصرہ گئیں تو اس پر آیت قرآن کی کوئی زد نہیں آتی، پورے سفر میں آپ کو غیر مرد کی آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے جو آپ کے محرم تھے۔ یعنی آپ کے اس سفر پر کسی زاویہ سے کوئی شرعی سوال نہیں اُٹھایا جاسکتا۔

جنگ جمل کے حوالہ سے حضرت علی المرتضیٰ پر اعتراض کا جواب:

بلکہ میرے نزدیک جنگ جمل کے حوالہ سے حضرات طلحہ وزبیر اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے کہیں بڑھ کر مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض ذہن میں آتا ہے کہ آپ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے اس قدر بے بس کیوں تھے۔ آپ انہیں پسند نہیں رکھتے تھے۔ ان پر لعنت کرتے تھے۔ پھر بھی وہ آپ کے لشکر میں گھسے ہوئے تھے۔ اور پیچھے ہم لکھ آئے ہیں کہ خود حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا یوں لگتا ہے کہ ہم ان پر حکم نہیں چلاتے، یہ ہم پر حکم چلاتے ہیں، جب آپ بصرہ گئے تو یہ گروہِ قاتلانِ عثمان غنی ساتھ میں ہولیا، راستہ میں مقام ذی قار پر آپ کا حضراتِ طلحہ وزبیر سے رابطہ ہوا اور صلح پر اتفاق ہوگیا تب آپ نے اعلان فرمایا کہ کل ہمارے ساتھ کوئی شخص بصرہ کو نہیں جائے گا جس نے قتل عثمان غنی میں کوئی بھی حصہ لیا ہو، مگر اگلے دن وہ سب ساتھ تھے۔ انہوں نے راتوں رات خطرناک میٹنگ کی اور رات کی تاریکی میں لشکر طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما پر حملہ کر کے جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے اور حضرت علی المرتضیٰ کے تمام ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ آخر آپ ان کے سامنے اس قدر کیوں بے بس تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض حکومتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دہشت گرد گروہ اس قدر طاقتور ہو جاتے ہیں کہ ان کے سامنے تمام سرکاری ادارے بے بس نظر آتے ہیں پاکستان میں سن ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۵ء کے درمیان پاکستانی طالبان کا گروہ کھڑا ہوگیا تھا انہیں انڈیا اور دیگر اسلام دشمن اور پاکستان دشمن قوتوں کی پشت پناہی حاصل تھی وہ پاکستان بھر میں خود

کش حملے کروارہے تھے خونریزی کا بازار گرم تھا لگتا تھا پاکستان کی سالمیت خطرے میں پڑ گئی ہے۔آخر افواج پاکستان نے بہت سی جانی قربانیوں کے بعد طویل جدوجہد کر کے ان دہشت گردوں کا خاتمہ کیا اور وہ تب ممکن ہوا جب ساری قوم ان کے خلاف متحد ہوئی۔مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان خونخوار درندوں کو قابو کر سکتے تھے اگر امتِ مسلمہ متحد ہوتی، مگر ایسا نہ ہوسکا۔

جنگ جمل و جنگ صفین جیسے اوقات ہوتے رہے۔امت کی وہ قوت جو ان خونخوار درندوں کے پکڑنے پہ صرف ہونی چاہیے تھی وہ متحد نہ ہوسکی جن لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا اگر وہ آپ کا ساتھ دیتے تو یقیناً حالات بہتر ہوتے اور آپ اس قاتل گروہ کو پکڑنے میں کامیاب ہوجاتے، جس دن اس قاتل سبائی گروہ نے جنگ جمل چھیڑی تو اگر اس سے قبل مولا علی المرتضیٰ اور حضرت طلحہ وزبیر میں ملاقات ہوجاتی جو متوقع تھی تو جنگ جمل نہ ہوتی بلکہ اس خونخوار گروہ کے خلاف جنگِ قصاصِ عثمان ہوتی اور سب صحابہ مل کر ان کے خلاف لڑتے مگر صد افسوس ایسا نہ ہوسکا۔ حضراتِ طلحہ وزبیر نے اپنے طور پر اس گروہ کو بصریٰ میں پکڑنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔کیونکہ ان کی حمایت میں بڑے بڑے قبائل کھڑے ہوگئے تھے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے طاقتور تھے۔

پھر ان قاتلانِ عثمان غنی کے حمایتی ہر شہر میں تھے۔اگر سب کے خلاف کاروائی کی جاتی تو ہر شہر میں خانہ جنگی شروع ہوجاتی اس لیے سیدنا علی المرتضیٰ چاہتے تھے کہ پہلی اپنی قوت اکٹھی کی جائے پھر اس گروہ پہ ہاتھ ڈالا جائے مگر حالات نے آپ کو ایسا کرنے کا موقع نہ دیا۔

جنگ صفین:

سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب جنگ جمل سے فارغ ہوئے اور آپ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مکہ روانہ کردیا۔تو آپ نے کوفہ کا رخ کیا۔آپ پیر کے دن 12 رجب سن ہجری 36 کو کوفہ میں داخل ہوئے۔آپ سے کہا گیا کہ قصر ابیض میں ٹھہریں۔آپ نے فرمایا: نہیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قصر سے نفرت کرتے تھے میں بھی اس میں نہیں ٹھہروں گا، اس کے بعد آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں خط لکھا جس میں یہ فرمایا کہ مہاجرین و انصار آپ کی بیعت پر جمع ہوئے ہیں۔آپ نے انکو جنگ جمل کے بارے میں بتایا۔(کہ کیسے طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ نے غلط فہمی دور ہونے پر آپ کی امارت وخلافت کو تسلیم کیا۔) آپ نے حضرت امیر معاویہ کو آپ کی بیعت میں داخل ہونے کی دعوت دی۔یہ خط جریر بن عبداللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور دیگر سرداران اہل شام کو جمع کر کے ان سے مشاورت کی۔ان سب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا تا آنکہ وہ قاتلانِ عثمان غنی کو قتل کریں یا انہیں ان کے (اہل شام کے) حوالے کریں۔اگر وہ ایسا

نہیں کرتے تو ان سے بیعت نہیں کی جائیگی۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ سے کوچ کر کے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفہ میں آپ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا جو بدری انصاری صحابی تھے، اس وقت آپ کے ساتھیوں میں سے بعض کی رائے یہ تھی کہ آپ کوفہ ہی میں رہیں اور ایک لشکر شام کی طرف بھیجیں اور بعض کی رائے یہ تھی کہ آپ خود جائیں، جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کے روانہ ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے عمرو بن العاص اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کر کے لشکر تیار کیا اور مقام صفین کے قریب فرات کی طرف رخ کیا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 264۔265)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک راہب کی گواہی:

امام ابن کثیر نے ایک راہب کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ جب شام جا رہے تھے تو راستہ میں مقام رقہ پہ اترے، وہاں ایک راہب اپنے صومعہ سے اتر کر آپ کے پاس آیا۔ کہنے لگا ہمارے پاس اصحاب عیسیٰ علیہ السلام سے ایک تحریر متوارث آ رہی ہے، وہ میں آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں، اس نے تحریر پیش کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمی لوگوں میں ایک رسول بھیجے گا جو انہیں کتاب وحکمت سکھائے گا اور انہیں پاک کرے گا، وہ سخت زبان فحش گو نہ ہوگا نہ بازاروں میں شور کرے گا، وہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے اور معاف کرنے والا ہوگا۔ الخ۔ جب وہ فوت ہوگا تو اس کی امت میں اختلاف ہوگا پھر وہ جمع ہو جائیگی اور جب تک اللہ نے چاہا جمع رہے گی، پھر ان میں اختلاف ہوگا۔ پھر اس کی امت میں سے ایک شخص نہر فرات کے کنارے آئے گا۔ (یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) وہ نیکی کا حکم کرنے، برائی سے روکنے اور حق پہ فیصلہ کرنے والا ہوگا۔ دنیا اس کے نزدیک ریت سے بھی حقیر ہوگی، موت اس کے لیے پانی پینے سے بھی آسان ہوگی وہ خفیہ اللہ سے ڈرے گا اور علانیہ اللہ کی اطاعت بجا لائے گا۔ رب کی بات منوانے میں اسے کسی کی ملامت کی پرواہ نہ ہوگی، جو شخص اس نبی کا زمانہ پائے اور ان پہ ایمان لائے اس کا اجر میری رضا اور میری جنت ہے اور جو شخص اس بندۂ صالح (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو پائے وہ اس کی مدد کرے کیونکہ اس کی معیت میں مرنا شہادت ہے۔ پھر اُس راہب نے حضرت علی المرتضیٰ سے عرض کیا میں آپ کے ساتھ ہی رہونگا آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا تا آنکہ مجھے بھی وہی انجام ملے جو آپ کو ملے گا، مولیٰ علی المرتضیٰ اس کی باتیں سن کر رو پڑے، کہا : اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے یاد کیا ہے بھلایا نہیں۔ (یعنی چھوڑا نہیں) اور کتب ابرار میں میرا ذکر کیا ہے۔ وہ راہب آپ کے ساتھ ہولیا وہ آپ کے ساتھ رہا حتیٰ کہ صفین میں شہادت پائی۔ جب لوگ اپنے اپنے مقتولین کو تلاش کرنے لگے تو حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا اس راہب کو ڈھونڈو، وہ مقتول پایا گیا، آپ نے اس کا جنازہ پڑھا اسے دفنایا اور اس کے لیے استغفار کی۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 266)

جنگ صفین سے قبل مصالحت کی کوشش:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر دونوں مقام صفین پر جمع ہوئے۔ صفین ملک شام کے شہر رقہ کے قریب نہر فرات کے کنارہ پر ایک مقام ہے۔ یہ ذی الحجہ سن ہجری 36ھ کا آغاز تھا۔ یہاں دونوں لشکروں کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں ماہ ذی الحجہ یونہی گزرا۔ پھر سن ہجری 37 کا آغاز ہوا۔ محرم کے مہینہ میں قتال بند رہا۔ دونوں لشکروں کے درمیان مراسلت اور مکاتبت جاری ہوئی، وفود ایک طرف سے دوسری طرف جانے لگے اور مصالحت کی کوششیں ہوتی رہیں، حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے مطالبہ تھا کہ تم لوگ پہلے بیعت کرو، قاتلانِ عثمان غنی سے بدلہ بعد میں لیا جائے گا۔ حضرت امیر معاویہ کا جواب تھا کہ پہلے قاتلانِ عثمان غنی سے بدلہ لیا جائے بعد میں بیعت کی جائے گی۔

علماء عراق میں سے ایک بڑی جماعت مصالحت کرانے کو متحرک ہوئی ان میں عبیدہ سلمانی، علقمہ بن قیس، عامر بن عبد قیس، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود و دیگر شامل تھے وہ حضرت امیر معاویہ کے پاس آئے، پوچھا آپ کا مطالبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا خونِ عثمان کا، کہا: تم یہ مطالبہ کس سے کر رہے ہو؟ کہا: حضرت علی بن ابی طالب سے کیونکہ اگر انہوں نے حضرت عثمان کا قتل نہیں کیا تو قاتلوں کو پناہ ضرور دے رکھی ہے۔ وہ علماء حضرت علی المرتضیٰ کے پاس آئے ساری بات سامنے رکھی۔ آپ نے فرمایا تم جانتے ہو نہ میں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خود قتل کیا نہ کسی کو قتل کا حکم دیا نہ اس پر کسی کو مائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا اگر یہی بات ہے تو حضرت علی سے کہو قاتلان عثمان غنی سے ہمیں بدلہ لینے دو کیونکہ وہ ان کے لشکر میں موجود ہیں۔ وہ علماء پلٹ کر حضرت علی المرتضیٰ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا: لوگوں نے حضرت عثمان کے خلاف فتنہ کیا تھا اور ان کی خلافت میں انہیں قتل کیا، اس وقت میرا کیا اختیار تھا۔ وہ لوگ امیر معاویہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: اگر یہی معاملہ ہے تو پھر حضرت علی نے خلافت کیوں قبول کر لی اور ہم میں سے کسی سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا؟ حضرت علی المرتضیٰ نے اس کا جواب دیا لوگ مہاجرین و انصار کے تابع ہیں، وہ لوگوں کے گواہ ہیں کہ انکا امیر کون ہونا چاہیے، وہ حضرت امیر معاویہ کے پاس گئے، انہوں نے کہا مہاجرین و انصار تو میرے ساتھ بھی ہیں کیا وہ اس مشاورت میں شامل ہیں؟ حضرت علی المرتضیٰ نے جواب دیا مہاجرین و انصار میں سے اصل فیصلہ کرنے والے اہل بدر ہیں اور روئے زمین پر جو کوئی بدری صحابی ہے وہ میرے ساتھ ہے، میری بیعت میں ہے اور مجھ پر راضی ہے، لہٰذا دین کے معاملہ میں خود کو دھوکے میں نہ ڈالو۔ چنانچہ ماہ صفر سن ہجری 37 میں دونوں لشکروں میں پھر لڑائی شروع ہوگئی، دو ماہ تک جھڑپیں ہوتی رہیں۔ پھر جنگ بند ہوگئی اور باہمی مراسلت شروع ہوئی۔

مراسلت کا یہ سلسلہ ربیع الاوّل سے لیکر جمادی الاخریٰ تک جاری رہا اہل علم درمیان میں پڑے رہے اور معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان تین مہینوں میں پچاسی (85) مرتبہ وفود کا باہمی آنا جانا ہوا۔
(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 268_270)

حضرت ابو درداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی مصالحتی کوشش اور ناکامی:

اسی دوران دو جلیل القدر صحابی حضرت ابو درداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما جو راویانِ حدیث بھی ہیں مصالحت کے لیے متحرک ہوئے۔ وہ پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ان سے کہنے لگے اے امیر معاویہ! تمہارا حضرت علی المرتضیٰ سے کیا جھگڑا ہے۔ اللہ کی قسم! ان کا اسلام تم سے اور تمہارے باپ سے بہت پہلے ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے قریب تر اور تم سے کہیں بڑھ کر حقدار خلافت ہیں۔ انہوں نے کہا میرا جھگڑا صرف خونِ عثمان پر ہے اور حضرت علی المرتضیٰ نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم دونوں ان کے پاس جاؤ ان سے کہو وہ ان قاتلوں سے بدلہ لیں یا انہیں ہمارے حوالے کریں۔ ثُمَّ اَنَا اَوَّلُ مَنْ بَايَعَهٗ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ۔ تب اہل شام میں سے میں (امیر معاویہ) سب سے پہلے حضرت علی کی بیعت کروں گا۔

حضرت ابو درداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما دونوں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ کو ساری بات سنائی، آپ نے فرمایا:

هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ تَرَيَانِ
یہ سب قاتلان ہیں جو تم دیکھ رہے ہو،
فَخَرَجَ خَلْقٌ كَثِيْرٌ فَقَالُوْا: كُلُّنَا قَتَلَةُ عُثْمَانَ فَمَنْ شَآءَ فَلْيَرُمْنَا
تب بہت سے لوگ نکل کر سامنے آ گئے، کہنے لگے: ہم سب قاتلانِ عثمان ہیں۔ ہم سے جو لڑنا چاہتا ہے لڑے۔

جب حضرت ابو درداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما نے یہ حالت دیکھی تو وہ واپس چلے گئے پھر وہ کسی حرب میں شامل نہ ہوئے۔ (گھروں میں سکونت کرلی۔) (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 270 ذکر سن ہجری 37)

اس واقعہ سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ قاتلان عثمان غنی ہر بند سے آزاد تھے۔ بظاہر وہ حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ تھے مگر وہ کسی کے ساتھ نہ تھے، وہ اپنی مرضی کے ساتھ تھے۔ مولیٰ علی المرتضیٰ نے انہیں اپنی خواہش کے مطابق ساتھ نہیں رکھا ہوا تھا بلکہ وہ زبردستی ساتھ لگے ہوئے تھے وہ بدمعاشوں، شریروں اور خودسروں کا ٹولہ تھا۔ ان کے پیچھے ان کے لمبے چوڑے خاندان اور قبائل تھے۔ انہیں چھیڑنا ان کے تمام قبائل کو چھیڑنا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دور بیٹھے حقیقت کا صحیح علم نہ تھا وہ اپنے طور پر قتل عثمان غنی کے رائیگاں چلے جانے پر دکھیا تھے اور مولیٰ علی المرتضیٰ پر معترض تھے کہ

آپ نے قاتلان عثمان کو پناہ دے رکھی ہے۔ اور ظاہری صورت حال واقعۃً ایسی تھی کہ دیکھنے والے کو مشتعل کر دے۔ حالانکہ حقیقت ایسے نہ تھی۔ ایسے میں اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتے اور سیدنا علی المرتضیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کی بجائے آپ کی پشت پہ کھڑے ہوتے اور آپ کے ہاتھ مضبوط کرتے تو آپ کے لیے ان خونخوار درندوں کا پکڑنا آسان ہوتا۔ بہر حال اس جگہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ اگر مولیٰ علی المرتضیٰ قاتلان عثمان غنی کو پکڑتے ہیں تو انا اوّل من بایع علیًا من اھل الشام۔ میں اہل شام میں سے سب سے پہلے ان کی بیعت کروں گا، بتاتا ہے کہ ان کے دل میں مولیٰ علی المرتضیٰ سے معاذ اللہ کوئی ذاتی اختلاف نہ تھا۔ ظاہری صورت ہی ایسی تھی جو انہیں بیعت نہ کرنے پر ابھار رہی تھی۔ بس اس میں امت کے لیے اللہ کی طرف سے امتحان مقصود تھا کہ وہ کس طرح صحابہ کرام کی ان باہمی جنگوں اور اختلافات کے باوجود سب صحابہ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ یہ مقام مذلتِ اقدام ہے۔ یہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک پل صراط پر سے گزرتا ہے۔ ہر صحابی حکم قرآن سے جنتی ہے۔ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔ اللہ نے سب صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (سورہ حدید آیت 10) اور یہ تب ہی ممکن ہے جب جانا جائے کہ ان میں سے ہر کوئی اپنی جگہ بہتری کا طلبگار تھا۔ ہر کسی کی نیت امت کی خیر خواہی تھی کوئی کسی کا دشمن نہ تھا مولیٰ علی المرتضیٰ حق پر تھے اور امیر معاویہ خطا پر کیونکہ آپ مہاجرین وانصار صحابہ کی بھاری تعداد کی بیعت کے ساتھ خلیفہ منتخب ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر آپ کی اطاعت لازم تھی۔

دوران مراسلت زبان علی المرتضیٰ سے تعریفِ خلفاء ثلاثہ:

جب صفین میں دونوں طرف سے جنگ بندی اور باہمی مراسلت و مصالحت کا سلسلہ جاری تھا حضرت علی المرتضیٰ نے بعض مواقع پر حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم سے اپنی سچی عقیدت کا اظہار فرمایا اور اسے سنی وشیعہ تمام اہل تاریخ نے ہم تک پہنچایا ہے۔ امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند افراد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے اور یہ پیغام دیا کہ آپ قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پکڑیں انہیں سزا دیں یا انہیں ہمارے حوالے کریں۔ حضرت علی المرتضیٰ نے اس کے جواب میں یہ گفتگو فرمائی کہ دیکھو مجھے امارت کی کبھی خواہش نہیں رہی اللہ نے رسول اکرم ﷺ کو بھیجا آپ نے ہم تک دین حق پہنچایا۔ پھر آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، پھر وہ اپنی جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا گئے۔

فَاَحْسَنَا السِّیْرَۃَ وَعَدَلَا فِی الْاُمَّۃِ وَقَدْ وَجَدْنَا عَلَیْھِمَا اَنْ تَوَلَّیَا عَلَیْنَا وَنَحْنُ اٰلُ محمدٍ فَغَفَرْنَا ذٰلِكَ لھما۔

ان دونوں نے بہترین سیرت اپنائی اور امت میں عدل قائم کیا۔ ہمیں ان سے یہ گلہ تھا کہ ہم آلِ محمد ﷺ ہیں اور وہ

ہم پر خلیفہ بن گئے تو ہم نے ان سے درگزر کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے ان سے بعض کام ایسے ہوئے جن پر کچھ لوگ معترض تھے انہوں نے ان کا محاصرہ کر کے انہیں قتل کیا۔ تب لوگ میرے پاس آئے اور مجھے مجبور کیا کہ امارت قبول کروں میں نے انکار کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم نے امارت نہ قبول کی تو امت منتشر ہو جائیگی تب میں نے لوگوں سے بیعت لی، الخ

(تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 80 ذکر سن 37 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 173 ۔ 174 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بعینہ یہ واقعہ اور یہی الفاظ شیعہ مورخ علامہ نصر بن مزاحم متوفی 212ھ نے بھی وقعۃ صفین میں لکھے ہیں کہ مولیٰ علی المرتضیٰ نے فرمایا:

ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمر و احسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ وقدوجدنا علیھما ان تولیا الامر دوننا و نحن آل الرسول واحق بالامر فغفرنا ذلك لھما۔

پھر لوگوں نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا لیا پھر ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنا دیا اور دونوں نے بہترین سیرت کو اپنایا اور امت میں عدل کر دکھایا، ہمیں ان سے یہ گلہ تھا کہ انہوں نے خلافت سنبھال لی جبکہ ہم آل رسول خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔ تو ہم نے ان سے درگزر کیا، پھر عثمان نے کار حکومت سنبھالا اور اس سے بعض ایسے اعمال ہوئے جو کچھ لوگوں کو پسند نہ آئے اور انہوں نے اسے قتل کیا، پھر لوگ میرے پاس آئے مجھے خلافت کے قبول کرنے پر اصرار کیا، میں نے انکار کیا، انہوں نے کہا امت تمہارے سوا کسی پر راضی نہیں ہے اگر تم نے خلافت قبول نہ کی تو امت منتشر ہو جائیگی تب میں نے لوگوں سے بیعت لی۔ (وقعۃ صفین، خطبہ علی فی رسل معاویہ صفحہ 201 مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی المرعشی قم۔ ایران)

یعنی حضرت علی المرتضیٰ کو شیخین کریمین سے صرف یہ گلہ تھا کہ امر خلافت میں ان سے مشاورت نہیں ہوئی، ورنہ ان کی خلافت اور اس کے طریقہ کار سے آپ متفق تھے۔ حضرت علی نے یہ گلہ حضرت صدیق اکبر سے ان کے سامنے بھی کیا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ سقیفہ میں اچانک بیعت ہوئی ہم کسی سے بھی مشاورت نہ کر سکے حضرت علی نے کہا ہمیں اعتراف ہے کہ آپ ہی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ آپ کو مصلّی امامت پہ کھڑا کر کے گئے تھے۔

(المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 70 حدیث 4422 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا صفین میں قتل ہونا:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں سے ہیں وہ جنگ جمل و صفین میں مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جب جنگ صفین میں وہ شہید کیے گئے تو شور بپا ہوا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے

میں فرمایا تھا کہ اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ چنانچہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب ہم مسجد نبوی بنا رہے تھے تو ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں، نبی اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ ان کے سر پہ لگی مٹی کو اپنے دستِ مبارک سے جھاڑنے لگے، آپ فرما رہے تھے:

وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ۔

بیچارہ عمار! اسے باغی گروہ قتل کرے گا، وہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے دوزخ کی طرف بلائیں گے۔

حضرت عمار کہا کرتے تھے اے اللہ! میں فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التعاون فی بناء المسجد حدیث 447)

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ۔

عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن باب 18 حدیث 7320)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَبْشِرْ عَمَّارُ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ

اے عمار! تجھے مبارک ہو تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حدیث 3800)

کونسے باغی گروہ نے حضرت عمار بن یاسر کو شہید کیا؟

اس حدیث کو دلیل بنا کر بعض گمراہ لوگ حضرت امیر معاویہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ فاسق و فاجر اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں قتل کیے گئے، وہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے لشکر میں تھے۔ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ وہ لشکر امیر معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور آقا ﷺ نے فرمایا تھا کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ حضرت عمار انہیں جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ انہیں دوزخ کی طرف، اس سے کج فہم شیعیت زدہ احترامِ صحابہ سے عاری تفضیلی ٹولہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ حضرت امیر معاویہ اور انکے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیے۔ حالانکہ روایات کے مطابق قریباً پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جیسے عمرو بن العاص، ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر، مسلمہ بن مخلد، یعلیٰ بن امیہ، عبیداللہ بن عمر بن خطاب وغیرہ۔ تاہم صحابہ کرام کی غالب اکثریت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

کے ساتھ تھی اور اہل سنت کا یہی موقف ہمیشہ سے رہا ہے کہ جنگ جمل وصفین وغیرہ میں حق حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور آپ کے مقابلہ میں آنے والے صحابہ کرام خطاء پر تھے اور وہ خطائے اجتہادی ہے۔

وجہ اوّل:

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کثیرہ کی روشنی میں تمام صحابہ کرام مغفور ومعفور عنہم ہیں۔

اللہ نے ان کے قلوب و بواطن کو فسوق وعصیان سے پاک کر دیا تھا۔

ارشادِ ربانی وقول رحمانی ہے۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔

(اے صحابہ کرام) تم میں سے جس نے فتح مکہ سے قبل مال خرچ کیا اور جہاد کیا (وہ بعد والوں سے برابر پیش نہیں، بلکہ) ان کا درجہ بعد میں مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں سے بہت عظیم ہے۔ اور اللہ نے (پہلوں اور پچھلوں) سب سے حسنیٰ (جنت) کا وعدہ فرمالیا ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ (سورہ حدید آیت 10)

اس آیت میں تمام صحابہ کرام کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ خواہ ان میں سے کوئی فتح مکہ سے قبل ایمان لایا یا بعد میں۔ اس لیے کسی حدیث کا درست مفہوم سمجھے بغیر صحابہ کرام کی کسی جماعت کو معاذ اللہ فاسق و فاجر اور جہنمی قرار دینا بدترین گمراہی ہے۔

پھر ارشاد رب العالمین ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔

اور (اے صحابہ کرام! جان لو کہ تمہارے اندر رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں، اگر وہ اکثر تمہاری بات مان کر چلیں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنایا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور ہر کفر اور ہر نافرمانی اور سرکشی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا۔ تو یہ لوگ اللہ کے فضل اور اس کی نعمت کے صدقے ہدایت یافتہ ہیں اور اللہ سب علم وحکمت والا ہے۔ (سورہ حجرات آیت 7_8)

جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ شان ہے کہ اللہ نے ان سے فسوق وعصیان دور فرما دیا ہے تو پھر ان پر زبان

طعن دراز کرنے سے قبل حدیث کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے صحابہ کرام ایسے پاک لوگ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی سے خطائے منکر صادر ہوئی تو انہوں نے برملا توبہ کرلی اور خود کو پاک کرلیا لیکن اگر صحابہ کرام سے اجتہادی خطا ہو جائے تو اس پر وہ قائم رہ سکتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام کے باہمی مشاجرات ہیں۔ یہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی شان ہے کہ اگر ان سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو اللہ کی طرف سے انکو متنبہ کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ۔

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ (صحابہ کرام) آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پہ سخت گیر اور باہم مہربان ہیں تم انہیں دیکھو گے کہ رکوع وسجود کی کثرت کرتے ہیں۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کے نشانات ان کے چہروں میں ہیں یعنی سجدوں کے اثرات ان کی یہی تعریف تورات میں ہے اور یہی تعریف انجیل ہیں۔ (سورہ فتح آیت 29)

ایسی تمام آیات تمام صحابہ کرام کے لیے ہیں ان میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ پھر ان پر زبان درازی سے قبل سوچنا چاہیے کہ کہیں فہم حدیث میں ہم سے غلطی تو نہیں ہوئی! آخر صحابہ کرام پر یہ الفاظ کیسے صادق آسکتے ہیں کہ وہ دوزخ کی طرف بلائیں اور جنت سے ہٹائیں۔ حدیث کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

وجہ دوم:

سچ یہ ہے کہ وہ باغی گروہ جس کے ہاتھوں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اس سے گروہِ قاتلانِ عثمان غنی مراد ہے۔ وہ ایسا خونخوار باغی گروہ تھا جس نے پہلے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ وہ نار فتنہ بھڑکی جس کے شعلوں نے پوری امت کو لپیٹ میں لے لیا اسی قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سبب جنگ جمل ہوئی، پھر جنگ صفین ہوئی جنگوں میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ کرام شہید ہوئے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابی شہید ہوا جس کے بارے میں زبان رسالت مآب ﷺ نے فرمایا۔ عمار پورے کا پورا ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ ان جنگوں میں پچاس ہزار سے زائد مسلمان شہید ہو گئے ان سب کے خون کی ذمہ داری انہی قاتلانِ عثمان غنی کے سر جاتی ہے۔ واقعتہً یہ گروہ باغی بھی تھا اور جہنم کا داعی۔ علامہ محب الدین الخطیب شرح العواصم من القواصم میں اسی حدیث تقتله الفئةِ الباغية کے تحت فرماتے ہیں۔

وَ فِي اعْتِقَادِي الشَّخْصِي اَنَّ كُلَّ مَنْ قُتِل من المسلمين مُنْذُ قُتِلَ عُثمانُ فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى قَتَلَةِ عُثمانَ لِاَنَّهُمْ فَتَحُوا بَابَ الفِتْنَةِ وَلِاَنَّهُمْ و اَصَلوا تَسعِيْرَ نَارِهَا وَلِاَنَّهُمْ اَوْغَرُوْا صُدور الْمُسلِمِيْنَ بَعْضَهُمْ علٰى بَعضٍ فَلمَا كَانُوْا قَتَلَةُ عُثمانَ فَاِنَّهُمْ كَانُوْا الْقَاتِلِيْنَ لِكُلِّ مَنْ قُتِل بَعْدَه وَمِنْهم عَمَّارٌ وَمِنْ هُمْ اَفْضَلُ مِنْ عَمَّارٍ كَطَلحَةَ وَالزَّبير اِلٰى اَنِ اِنْتَهَتْ فِتْنَتُهُمْ بِقَتْلِهِمِ عَلِيًّا نَفْسَه وَقَدْ كَانُوْا مِنْ جُنْدِهٖ وَفِي الطَّائِفَةِ الَّتِيْ كَانَ قَائِماً عَلَيْهَا

میرے ذاتی اعتقاد میں قتل عثمان غنی سے لیکر جتنے مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ان سب کا بوجھ قاتلانِ عثمان غنی پر ہے، کیونکہ انہی نے بابِ فتنہ کھولا، انہی نے مسلسل نارِ فتنہ بھڑکائی، انہی نے اہل اسلام کے قلوب ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے تو جیسے وہ قاتلانِ عثمان ہیں یونہی وہ اس کے بعد قتل ہونے والے تمام مسلمانوں کے قاتل ہیں، انہی میں سے حضرت عمار ہیں اور وہ بھی جو ان سے افضل ہیں جیسے حضرت طلحہ وحضرت زبیر، تاآنکہ ان کا فتنہ خود مولیٰ علی المرتضیٰ کے قتل تک پہنچا، حالانکہ وہ آپ ہی کے لشکر میں تھے اور اسی گروہ میں داخل تھے جس کے سربراہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ تھے۔

(شرح العواصم من القواصم صفحہ 170 مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ بیروت)

وجہ سوم:

بعض روایات سے یہ اشارے بھی ملتے ہیں کہ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا گروہ چونکہ لشکرِ مولا علی المرتضیٰ میں گھسا ہوا تھا جیسا کہ اس پر تمام مؤرخین متفق ہیں مگر حضرت علی المرتضیٰ کے پاس انہیں پکڑنے کیلئے ٹھوس شواہد نہ تھے۔ اسی قاتل گروہ نے یہ کارروائی کی کہ حضرت عمار بن یاسر کو قتل کر کے ان کی لاش کو لشکرِ امیر معاویہ کی طرف اُچھال دیا لوگ یہی سمجھے کہ ان کا قتل امیر معاویہ کے ہاتھوں ہوا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا اور یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ جس خونخوار فتنہ پرداز گروہ کے ہاتھوں خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کبار کی شہادت واقع ہو ایسے خونریز گروہ سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قتل کیوں کر بعید ہے۔

عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ وہ (جنگ صفین میں) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بتایا کہ حضرت عمار قتل ہو گئے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تقتله الفئة الباغيه اسے باغی گروہ قتل کرے گا حضرت عمرو بن العاص خوفزدہ کھڑے ہوئے وہ کانپ رہے تھے۔ وہ سیدھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، امیر معاویہ نے کہا مَا شَأْنُكَ تمہارا کیا ماجریٰ ہے؟ (کیوں خائف و پریشان ہو؟) انہوں نے کہا: حضرت

عمار کو قتل کیا گیا ہے۔ امیر معاویہ نے کہا حضرت عمار کو قتل کیا گیا ہے۔ تو کیا مطلب ہے تمہارا؟ حضرت عمرو نے کہا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ آپ نے فرمایا اسے باغی گروہ قتل کرے گا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم اپنے پیشاب سے پھسلنے والے ہو۔ (یعنی خوفزدہ رہتے ہو۔) مزید کہا:

انحن قتلناہ انما قتلہ الذین جاء وا بہ حتی اَلْقَوْہُ بین رِمَاحِنَا

کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ اسے انہوں نے قتل کیا ہے جو اسے لیکر آئے اور انہوں نے اسکی لاش کو ہمارے نیزوں کے آگے اچھال دیا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 199، مجمع الزوائد جلد 7 صفحہ 242، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 2 صفحہ 551)

قاتلانِ عثمان غنی کا گروہ عبداللہ بن سبا یہودی کی قیادت میں لشکر مولیٰ علی المرتضیٰ میں چھپا ہوا تھا، جب جنگ جمل سے قبل حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے مابین صلح ہوگئی اور فیصلہ ہوا کہ صبح دونوں لشکر واپس ہو جائیں گے تو اسی قاتل گروہ نے رات کے سناٹے میں لشکر طلحہ و زبیر پر حملہ کر دیا آگے سے ان کے لشکر نے بھی جواب دیا یوں لڑائی چھڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے تفصیل کے لیے تاریخ ابن خلدون، تاریخ ابن جریر اور البدایہ والنہایہ وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ تو جن بدنہاد، فتنہ انگیز اور خونریز گروہ کی کاروائی سے علی المرتضیٰ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اساطین اسلام میں لڑائی چھڑ گئی اگر یہ لوگ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مولیٰ علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی بھڑکا دیں تو ان سے اور کیا متوقع ہے۔

وجہ چہارم:

اگر علیٰ سبیل التنزل تقتلہ فئۃ باغیۃ یدعوھم الی الجنۃ ویدعونا الی النار کے الفاظ کو امیر معاویہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر منطبق کیا جائے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو اطاعت امیر کی طرف بلاتے تھے جو کہ وجہ دخول جنت ہے۔ اور وہ حضرت عمار اور دیگر لشکر حضرت علی کو اپنے گمان اور اجتہاد کے مطابق تو جنت کی طرف ہی بلاتے تھے مگر ان کا گمان صحیح نہ تھا ان کا بلانا حقیقت میں معصیت امیر کی طرف تھا جو کہ وجہ دخول نار ہے، مگر وہ اس پر مطلع نہ تھے جیسے قرآن میں ہے برادران یوسف علیہ السلام نے کہا یَآ اَبَانَا مَا نَبْغِیْ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا۔ اے ہمارے ابا جان ہمیں اور کیا چاہیے ہمیں ہماری پونجی لوٹا دی گئی ہے۔ (سورہ یوسف آیت 65)

امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ اگر سوال کیا جائے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قتل جنگ صفین میں ہوا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور جن لوگوں نے انہیں قتل کیا وہ امیر معاویہ کے ساتھ تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ تو یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ وہ کسی کو

دوزخ کی طرف بلائیں۔

فالجواب انهم کانوا ظانين انهم يدعون الى الجنة وهم مجتهدون لا لوم عليهم في اتباع ظنونهم

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے گمان میں سمجھتے تھے کہ وہ جنت کی طرف بلا رہے ہیں وہ مجتہد تھے۔ ان پر اپنے اپنے گمان کی پیروی میں کوئی ملامت نہیں ہے۔

(فتح الباری شرح بخاری جلد اوّل باب التعاون فی بناء المسجد صفحہ 542 حدیث 447)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

ويدعونه الى (سبب) النار لكنهم معذورون للتأويل الذي ظهر لهم لانهم كانوا مجتهدين ظانين انهم يدعونه الى الجنة و ان كان في نفس الامر خلاف ذلك فلا لوم عليهم في اتباع ظنونهم فان المجتهد اذا اصاب فله اجران و اذا اخطأ فله اجر۔

وہ حضرت عمار کو دوزخ کے سبب کی طرف بلائیں گے۔ مگر وہ اس پر معذور تھے اس تاویل کے باعث جو ان پر ظاہر ہوئی۔ کیونکہ وہ مجتہد تھے وہ سمجھتے تھے کہ وہ حضرت عمار کو جنت کی طرف بلا رہے ہیں اگرچہ حقیقت میں ایسا نہ تھا، انہوں نے جو اپنے گمان کی پیروی کی اس میں ان پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ مجتہد جب درست کہتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(ارشاد الساری شرح بخاری باب التعاون فی بناء المسجد حدیث 447)

ایسی ہی گفتگو امام بدر الدین عینی علیہ الرحمہ نے عمدہ القاری شرح بخاری میں فرمائی ہے۔ الغرض تمام شارحین بخاری اس مفہوم پر متفق ہیں۔

وجہ پنجم:

رہا ہے یہ سوال کہ حدیث میں تقتله الفئة الباغية کہا گیا ہے کہ حضرت عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا تو اس کا معنی یہ ہے کہ امیر معاویہ ایک شبہ کے تحت امام حق کے خلاف خروج کرنے والے تھے وہ یہ کہ انہوں نے قاتلانِ عثمان غنی سے قصاص کیوں نہیں لیا؟ یعنی ان کا ایسا کرنا ایک اجتہاد کی بنیاد پر تھا۔

عظیم امام متکلم علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں۔

والمخالفون بغاةٌ لخروجهم على امام الحق بشبهة هي تركه القصاص من قتلةِ

عثمان رضی الله عنه ولقوله عليه السلام لعمار تقتلهٔ الفئة الباغية وقد قتل يوم صفين على يد اهل الشام و يقول علی رضی الله عنه اخواننا بغوا علينا و ليسوا كفارًا ولا فسقةً ولا ظلمةً لما لهم من التأويل

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین باغی تھے کیونکہ انہوں نے امام حق کے خلاف خروج کیا مگر وہ ایک تاویل پہ مبنی تھا کہ امام نے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا۔ اوراس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اسے باغی گروہ قتل کرے گا اور وہ جنگ صفین میں اہل شام کے ہاتھوں قتل ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں خود فرماتے تھے۔ وہ ہمارے بھائی ہے وہ ہمارے خلاف کھڑے ہو گئے حالانکہ وہ نہ کافر ہیں نہ فاسق ہیں نہ ظالم، کیونکہ ان کے پاس بھی ایک تاویل ہے۔ (شرح مقاصد جلد دوم صفحہ 305)

میں اس کی کچھ وضاحت کر دوں، مطلب یہ ہے کہ حضرت عمار کے قتل کرنے والے گروہ سے اگر لشکر حضرت امیر معاویہ مراد ہے کیونکہ بظاہر وہ انہی کے ہاتھوں قتل ہوئے تو انہیں حدیث میں باغی گروہ کہا جانا لغوی معنی میں ہے کیونکہ باب بغی یبغی کا لغوی معنیٰ کسی چیز کا طلب کرنا ہے۔ جیسے قرأت میں ہے۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اس جگہ کو تو ہم تلاش کر رہے تھے تو دونوں اپنے قدموں کے نشانات ڈھونڈھتے لوٹ پڑے۔ (سورہ کہف 64)

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام نے کہا اے ہمارے اباجان! ہمیں اور کیا چاہیے یہ ہماری پونجی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔ (سورہ یوسف آیت 65)

چونکہ امیر معاویہ اوران کے ساتھی صحابہ کرام بھی ایک مقصد یعنی قصاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حصول کے لیے کوشاں تھے اس لیے لغوی معنی میں انہیں باغی بمعنیٰ طالب مقصد کہا گیا جیسے من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر میں لفظ کفر لغوی معنی ناشکری کے لیے مستعمل ہے۔

وجہ ششم:

یہاں دیکھنا چاہے کہ خود مولیٰ علی المرتضیٰ جنگ جمل وصفین میں اپنے مخالفین کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ابوالبختری سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں۔

سُئِلَ عَلِیٌّ عَنْ اَھْلِ الْجَمَلِ قِیْلَ اَمُشْرِکُوْنَ ھُمْ؟ قَالَ مِنَ الشِّرْکِ فَرُّوا، قِیْلَ اَمُنَافِقُوْنَ ھُمْ؟ قَالَ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلاَّ قَلِیْلاً، قِیل فَمَاھُمْ؟ قَالَ اِخْوَانُنَا بَغَوا عَلَیْنَا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اہل جمل کے بارے میں پوچھ گیا کہ کیا وہ مشرکین ہیں؟ آپ نے فرمایا شرک ہی سے تو وہ لوگ بھاگے ہیں، کہا گیا۔کیا وہ منافقین ہیں؟ فرمایا منافقین تو اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔ پوچھا گیا پھر وہ کیا ہیں؟ فرمایا وہ ہمارے بھائی ہیں بس وہ ہمارے مقابلہ پہ آ گئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 15 صفحہ 256 کتاب الجمل حدیث 19609 مطبوعہ)

اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ یزید بن اصم سے روایت کیا، کہتے ہیں:

سُئِلَ عَلِیٌّ عَنْ قَتْلٰی یَوْمِ صِفِّیْنَ فَقَالَ قَتْلَانَا وَ قَتْلَاھُم فِی الْجَنَّۃِ وَ یصِیرُ الامرُ اِلَیَّ وَالٰی مُعَاوِیَۃ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے مقتولین کے بارے میں پوچھا گیا۔آپ نے فرمایا ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین سب جنت میں ہیں اور معاملہ میری طرف اور معاویہ کی طرف لوٹے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 15 صفحہ 303 دار الکتب العلمیہ)

مولیٰ علی المرتضیٰ کے اس قول کو مجمع الزوائد میں امام ابوبکر ھیثمی نے بھی ذکر کیا ہے۔

حد یہ ہے کہ شیعہ مصنفین نے بھی آئمہ اہل بیت کی روایت سے جناب علی المرتضیٰ کا یہ قول ذکر کیا ہے۔ چنانچہ قرب الاسناد میں امام جعفر صادق سے روایت کیا گیا انہوں نے امام باقر سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مخالف اہل حرب کے بارے میں فرماتے تھے۔

اِنَّا لَم نُقَاتِلْھُمْ علی التَّکْفِیْرِ لَھُمْ وَلم نُقَاتِلھُم علی التَّکْفِیْر لَنَا ولٰکِنَّا رَأَیْنَا اَنَّا علٰی حَقٍّ وَرَأَ وْا اَنَّھُمْ علٰی حَقٍّ۔

ہم نے ان سے اس لیے جنگ نہ کی کہ ہم انہیں کافر کہتے تھے اور نہ ہی وہ ہمیں کافر کہتے تھے۔بلکہ بات صرف یہ ہے کہ ہم نے کہا ہم حق پر ہیں انہوں نے کہا کہ وہ حق پر ہیں۔(قرب الاسناد جلد اول صفحہ 45)

اسی طرح قرب الاسناد ہی میں امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔

اِنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَکُنْ یَنْسِبُ اَحَدًا مِنْ اَھْلِ حَرْبِہٖ اِلَی الشِّرْکِ وَلا اِلَی النِّفَاقِ وَلکن یَقُوْلُ ھُم اِخْوَانُنَا بَغَوا علینا۔

بے شک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے اہل حرب میں سے کسی کو شرک کی طرف منسوب کرتے تھے نہ نفاق کی طرف، بلکہ کہتے تھے وہ ہمارے بھائی ہیں بس وہ ہمارے خلاف کھڑے ہو گئے۔

(قرب الاسناد جلد اول صفحہ 45 حوالہ مذکورہ)

لیلۃ الھریر کا حال:

اختصار کے ساتھ کہتا ہوں کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے سے لشکرِ مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں ایک ولولہ پیدا ہوا۔ انہوں نے گھمسان کی جنگ کی، بارہ ہزار افراد اس زور سے لڑے کہ انہوں نے لشکر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ مغرب کی نماز پہ جنگ ختم ہو جاتی تھی مگر اس دن لوگوں نے (دونوں لشکروں نے) دوران جنگ لڑتے ہوئے اشاروں سے مغرب پڑھی۔ پھر عشاء بھی ایسے ہی پڑھی گئی ساری رات لڑائی ہوتی رہی۔ امام ابن کثیر نے صحیح فرمایا:

وَهِيَ أَعْظَمُ اللَّيَالِي شَرًّا بينَ المسلمين.

مسلمانوں کے درمیان اس رات سے بڑھ کر کبھی کوئی شر پیدا نہیں ہوئی۔ لوگ پہلے نیزوں سے لڑتے رہے، جب وہ دوہرے ہو گئے تو تیروں سے لڑنے لگے جب وہ ختم ہو گئے تو تلواروں سے لڑائی شروع ہوئی جب وہ ٹوٹ گئیں تو ایک دوسرے پر پتھر برسانے لگے، حتیٰ کہ دانتوں سے ایک دوسرے کو کاٹنے لگے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی، اگلے دن جمعہ تھا۔ صبح کی نماز بھی اشاروں کے ساتھ پڑھی گئی حتیٰ کہ لڑتے لڑتے سورج بلند ہو گیا۔ اس وقت عراقی لشکر (لشکر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو واضح برتری حاصل ہو گئی تھی اور شامی لشکر پسپا ہونے لگا۔ اس خوفناک رات کو تاریخ میں ''لیلۃ الھریر'' کہا جاتا ہے، وجہ تسمیہ کسی جگہ کی مناسبت سے ہے۔

اہل شام کا مصاحف کو بلند کرنا:

جب اہل شام عراقیوں کی چڑھائی سے خوف زدہ ہوئے تو انہوں نے نیزوں پر قرآن کریم کے نسخے بلند کیے اور دہائی دی کہ اے مسلمانو! ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن ہے اس پر فیصلہ کرو، اگر اسی طرح مسلمان آپس میں لڑ لڑ کر مرتے رہے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور مشرکین و کفار سے لڑائی کرنے والا کون بچے گا؟ تب لشکر مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ کیا کیا جائے چونکہ وہ رات بھر کی لڑائی سے شدید تھک گئے تھے اس لیے آخر سب نے قرآن پہ بات چھوڑ دی اور جنگ ختم ہو گئی۔

اس خوفناک جنگ میں شامی لشکر کے پینتالیس (45) ہزار اور عراقی لشکر کے پینتیس (35) ہزار افراد قتل ہوئے یعنی کل اسی ہزار مسلمان قتل ہو گئے۔ ایک ایک قبر میں پچاس پچاس آدمی دفن کیے گئے یعنی انہیں اس طرح 1600

قبریں بنانا پڑیں جن میں سے ہر ایک میں پچاس آدمی ڈالے گئے تب جا کر اسی ہزار لاشیں دفنائی جا سکیں۔ پوری چودہ سوسالہ تاریخ اسلام کی کسی جنگ میں شائد ہی اتنے مسلمان کبھی قتل ہوئے ہوں۔

امام بیہقی نے جنگ صفین کو اس حدیث کا مصداق قرار دیا ہے جو بخاری و مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تقومُ الساعةُ حتّٰی یَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عظیمتانِ تَکونُ بینهما مقتلةٌ عظیمةٌ دَعْوَتُهما واحدةٌ۔

قیامت نہ آئے گی تا آنکہ دو عظیم مسلمان گروہ باہم لڑیں گے۔ دونوں کے درمیان عظیم خونریزی ہوگی حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔ (یعنی عمل بالقرآن)

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب 25 حدیث 7121، صحیح مسلم کتاب الفتن باب 4 حدیث 7256)

جنگ صفین کا اختتام:

الغرض اس کے بعد تحکیم کا فیصلہ ہوا کہ سیدنا علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی طرف سے ایک ایک حَکَم مقرر کیا جائے اور دونوں حَکَمین باہم مل کر فیصلہ کریں کہ اس جھگڑے کو کیسے ختم کیا جائے جس کے لیے اسی ہزار مسلمانوں کا خون بہہ چکا ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بطور حکمین مقرر کیا گیا۔ انہوں نے فیصلہ کرنے کیلئے کئی مہینے لگا دیے چنانچہ جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور دونوں لشکر واپس چلے گئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ روانہ ہو گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کا رخ کیا، پھر کئی ماہ بعد حکمین کا جو فیصلہ آیا وہ بھی نا تمام تھا لہٰذا کوئی تصفیہ نہ ہوا اور یوں مسلمانوں کی دو الگ الگ ریاستیں قائم ہو گئیں ایک کے سربراہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے یہ ریاست بڑی تھی جو حجاز، یمن، ایران، عراق، آذربیجان اور مصر وغیرہ پر مشتمل تھی۔ دوسری ریاست امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی جو شام، فلسطین اردن اور آس پاس کے علاقوں پہ پھیلی ہوئی تھی، یہ سلسلہ ایسے ہی رہا تا آنکہ سن 50 ہجری میں جب سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے کار خلافت انکے سپرد کر دیا تو دوبارہ مسلمانوں کی متحدہ ریاست معرضِ وجود میں آ گئی۔

جمل و صفین میں حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا:

اس بات پہ امت کا اجماع ہے کہ جمل و صفین کی جنگوں میں مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ کیونکہ آپ کی بیعت انہی مہاجرین و انصار صحابہ کرام نے کی تھی جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی

اللہ عنہم کی بیعت کر کے انہیں خلیفہ منتخب کیا تھا، آپ لوگوں پہ زبردستی مسلط نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب صحابہ کرام نے آپ سے تقاضا کیا کہ آپ مسند خلافت سنبھالیں تو آپ نے شدت سے انکار کیا۔ امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب صحابہ کرام شہادتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہکے پاس آئے تاکہ آپ کو خلیفہ بنائیں تو آپ بھاگ کر بستانِ بنی عمرو بن مبدول میں جا کر چھپ گئے اور دروازہ بند کر لیا انہوں نے بہت دیر تک دروازہ کھٹکھٹایا اور اصرار کرتے رہے تب آپ نے دروازہ کھولا۔ پھر ان کی طرف سے طویل اصرار ہوا کہ امیر کے بغیر امت کا بقا ممکن نہیں اور اسوقت آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔ آخر آپ نے ان کے اصرار پر ان کی بیعت قبول کر لی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 237 خلافۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آپ کی طرف منسوب ایک خط نہج البلاغہ میں مذکور ہے جو آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

اِنَّہ بَایَعَنِی الْقَوْمُ الَّذِیْنَ بَایَعُوا اَبَابکرٍ وَ عُمَرَ و عثمانَ عَلی ما بَایَعُوھُم عَلَیْہِ فَلَم یَکُنْ لِلشَّاھِدِ اَنْ یَّخْتَارَ وَ لا للغائبِ ان یَّرُدَّ وَ اِنَّمَا الشُّورٰی للمھاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمعُوا علی رَجُلٍ وَ سَمَّوْہُ اِمَامًا کان ذٰلِکَ لِلّٰہِ رضاً۔

بے شک میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر وعمر وعثمان کی بیعت کی تھی اور انہی شرائط پر بیعت کی ہے جن پر ان کی بیعت کی تھی لہٰذا اب کسی حاضر شخص کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی مرضی کرے نہ کسی غائب شخص کو میری بیعت کے رد کرنے کا حق ہے اور مشاورت سے امیر کا تقرر کرنا مہاجرین و انصار کی ذمہ داری ہے۔ (انکا منصب ہے) اگر وہ کسی شخص پر جمع ہو جائیں اور اسے امام مقرر کر دیں تو وہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ (نہج البلاغہ خط 6 صفحہ 526 مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

اہل تشیع نہج البلاغہ کو مثل صحیفۂ آسمانی سمجھتے ہیں۔ اس کے مطابق مولیٰ علی المرتضیٰ اپنی خلافت کی صحت وصداقت کو اس نظام پر مبنی قرار دیتے ہیں جس پر آپ سے پہلے خلفاء کرام کی خلافت قائم ہوئی، یعنی مشاورتِ مہاجرین و انصار، اس میں اہل تشیع کے لیے بہت بڑا درس عمل ہے اگر وہ سمجھنے کی کوششیں کریں۔

اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا آپ کی بیعت سے مشروط انکار کہ جب تک آپ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیتے۔ وہ آپ کی بیعت نہیں کریں گے ان کی سیاسی خطاء تھی۔ تاہم قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا لشکر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ہونا اور آپ کا انہیں بوجوہ پکڑ نہ سکنا امیر معاویہ کے لیے الجھن کا باعث تھا جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

پھر متعدد احادیث نبویہ ہیں کہ جہاں حضرت علی المرتضیٰ ہوں وہیں حق ہے۔

امام ترمذی نے خود مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (چار یارانِ مصطفی ﷺ کے ترتیب وار فضائل بتاتے ہوئے) فرمایا:

اللہ ابوبکر پر رحمت کرے اس نے مجھ سے اپنی بیٹی بیاہی۔ وہ مجھے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) اٹھا لایا، اور اس نے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اپنے مال سے آزاد کیا، اللہ عمر پر رحمت کرے وہ حق کہتا ہے خواہ کڑوا ہو، اس کی حق گوئی نے اسے تمام دوستوں سے جدا کر دیا ہے۔ اللہ عثمان پر رحمت کرے کہ فرشتے اس سے حیا کرتے ہیں۔ آخر میں فرمایا:

رَحِمَ اللهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَه حَيْثُ دَارَ۔

اللہ علی پر رحمت کرے۔ اے اللہ! حق کو اس کے ساتھ پھیر دے کہ جدھر وہ جائے (حق کو اس کے ساتھ چلا دے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب حدیث 3714)

بعض اہل تشیع واعظین چیلنج کرتے ہیں کہ پوری صحاح ستہ میں ایسی حدیث دکھاؤ جس سے چار خلفاء کو اسی ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہو جو ترتیب اہل سنت مانتے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ کو چوتھے نمبر پہ رکھتے ہیں۔ تو ہمیں ان کا چیلنج قبول ہے اور جامع ترمذی سے یہ حدیث حاضر ہے۔

بہرحال۔ اس حدیث کے مطابق مولیٰ علی المرتضیٰ جدھر گئے حق آپ کے ساتھ تھا آپ جنگ جمل میں تھے تو حق آپ کے ساتھ تھا اور آپ صفین میں تھے تو حق آپ کے ساتھ تھا۔

امام طبرانی متوفی 360ھ نے اپنی سند کے ساتھ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، آپ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالقرآنُ معَ عليٍّ لَا يَفْتَرِقَانِ حتّٰى يَرِدا عليَّ الْحَوْضَ۔

علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے تا آنکہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچ جائیں۔ (المعجم الاوسط للطبرانی جلد 3 صفحہ 376 حدیث 4880 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام طبرانی نے یہ حدیث المعجم الصغیر میں بھی دوسری سند کے ساتھ روایت کی ہے اس حدیث کی تائید دوسری صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو بھاری (عظیم) چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان سے چمٹے رہو گے۔ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکتی رسی ہے۔ اور دوسرا میری عترت میری اہل بیت ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس آ جائیں گی۔ اب تم دیکھو کہ میرے بعد تم ان سے کیا معاملہ کرتے ہو۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ حدیث 3788، مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 14، 17، 59)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی تھی:

(1) امام ابن کثیر متوفی 774ھ فرماتے ہیں:

هذا هُوَ مَذْهَبُ اهلِ السُّنةِ وَالجماعةِ انّا عليًا هُوَ المُصِيْبُ و انَّ مُعاوِيَة كان مُجْتَهِدًا وَهُوَ مأجُوْرٌ اِنْ شآء الله. ولكن عليٌّ هو الامامُ فله اَجْرَانِ

اہل سنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور ان شاء اللہ انہیں بھی ایک اجر ملے گا۔ جبکہ مولیٰ علی المرتضیٰ امام برحق ہیں ان کے لیے دو اجر ہیں۔

(البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 290 خروج الخوارج مطبوعہ دار الریان بیروت)

یہ اصل میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اجْتَهَدَ الحَاكِمُ فَاَصَابَ فَله اَجْرَانِ وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَاءَ فَله اَجْرٌ۔

جب حاکم اجتہاد کرے اور درست کہے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد کرے اور غلطی میں پڑے اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب 21، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ حدیث 15 سنن ابو داؤد کتاب الاقضیہ باب 2، سنن نسائی کتاب الاحکام باب 2، سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب 3)

(2) امام عبدالوہاب الشعرانی متوفی 973ھ عقائد اہل سنت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بحث 44 اس بارے میں ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ان میں زبان کا روکنا لازم ہے یہ اعتقاد واجب ہے کہ وہ سب ماٗجور ہیں۔ کیونکہ اجماع اہل سنت کے مطابق سب صحابہ عادل ہیں خواہ ان میں سے کوئی فتنوں میں پڑا یا نہ پڑا جیسے فتنۂ قتل عثمان و امر معاویہ اور واقعہ جمل، ہم پر واجب ہے کہ صحابہ کرام کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور ان کے معاملات کو اجتہاد پر محمول کریں۔ اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یا مُصیب ایک ہوتا ہے اور خطا کرنے والا معذور بلکہ ماٗجور ہوتا ہے کمال بن ابی شریف کہتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو تنازع تھا وہ طلب امارت کے لیے نہ تھا جیسا کہ بعض نے سمجھا، بلکہ وہ تنازع اس میں تھا کہ قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے ورثاء کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے قصاص لیں۔ جبکہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ابھی اس معاملہ کو مؤخر کرنا بہتر ہے اُن قاتلان عثمان کے پیچھے بڑے قبائل تھے اور وہ لشکر میں گھسے ہوئے تھے، انہیں فوری پکڑنا امر امامت عامہ کو مضطرب کرنے کے برابر تھا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سے جلد قصاص لینا بہتر ہے، تو دونوں مجتہد اور ماٗجور تھے۔ (الیواقیت والجواہر بحث 44 صفحہ 334 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(3) امام احمد بن حجر مکی ہیتمی متوفی 974ھ فرماتے ہیں۔

وَمِنْ اِعتقادِ اهلِ السُّنَةِ وَالجَمَاعَةِ اَلفيًا اَنَّ مُعاوِيَةَ رضى الله عنه لَمْ يَكُنْ فى اَيَّامِ علىٍّ خليفةً وَاِنَّمَا كان مِنَ المُلُوكِ وَغايَةُ اجْتِهادِهٖ اَنَّه كان له اجرٌ واحدٌ على اجتهادِهٖ واَمَّا علىٌّ فكان له اجرانِ اجرٌ على اجتهادِهٖ واجرٌ على اصابتِهٖ۔

یعنی اہل سنت و جماعت کے اعتقاد میں سے یہ بھی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایام خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں خلیفہ نہ تھے بلکہ ایک بادشاہ تھے اور ان کے مجتہد ہونے کی وجہ سے ان کے لیے اجتہاد پر ایک اجر ہے جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے دو اجر ہیں۔ ایک اجتہاد کا اجر دوسرا درست رائے اپنانے کا اجر۔ بلکہ ان کے لیے دس اجور ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ جب مجتہد اجتہاد میں درست فیصلہ کرے تو اسے دس اجور ملتے ہیں۔

(الصواعق المحرقہ خاتمہ فی عقائد اہل السنۃ صفحہ 307 مطبوعہ بمکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی)

(4) امام شہاب الدین حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ فرماتے ہیں؟

وكُلٌّ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ مجتهدٌ وكانَ مَن الصحابةِ فريقٌ لم يَدْخُلوا فى شيىءٍ مِنَ القتالِ و ظَهَرَ بقتلِ عمّارٍ اَنَّ الصواب كان مَعَ علىٍّ وَاتَّفَقَ على ذلك اهلُ السَّنةِ بعد اختلافٍ كان فى القديم ولله الحمد۔

دونوں فریق مجتہد تھے، اور صحابہ میں سے ایک گروہ وہ تھا جو کسی لڑائی میں شامل نہ ہوا (جیسے سعد بن ابی وقاص، سلمہ بن اکوع، عبداللہ بن عمر و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم) پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل سے واضح ہو گیا کہ حق مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ اس پر اہل سنت کا اجماع ہے اگرچہ شروع میں کچھ اختلاف تھا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد 2 صفحہ 508 حرف العین قسم اول مطبوعہ دار صادر بیروت)

(5) امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 790ھ عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفیہ میں فرماتے ہیں۔

وما وَقَعَ مِنَ الْمُخَالَفاتِ وَالمُحَارَبَاتِ فَلَمْ يكُنْ عن نزاعٍ فى خلافةٍ بل من خَطاءٍ وَقَعَ فى اجتهادِ معاويةَ

جو اختلافات اور لڑائیاں واقع ہوئیں وہ خلافت میں جھگڑے کے باعث نہ تھیں بلکہ وہ خطا تھی جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد میں واقع ہوئی۔ (شرح عقائد نسفیہ مع النبراس صفحہ 307 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان)

(۶) امام عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ حاشیہ نبراس میں فرماتے ہیں۔

وقال اهلُ السنةِ كان الحقُ مع علىٍّ وَاَنّ من حارَبه، مُخطئٌ فى الاجتهادِ فهو معذورٌ و ان كُلّاً من الفريقين عادلٌ صالحٌ ولا يجوز الطعنُ فى احدٍ منهم۔

اہل سنت کہتے ہیں حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور آپ سے جنگ کرنے والوں نے اجتہاد میں

خطا کی اور دونوں فریق عادل وصالح ہیں ان میں سے کسی پہ طعن جائز نہیں ہے۔

(النبراس حاشیہ شرح عقائد نسفیہ صفحہ 307 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

(7) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک عمل پر محمول کرنا چاہیے اور ھواء وتعصب سے دور سمجھنا چاہیئے، کیونکہ وہ مخالفتیں ، تاویل واجتہاد پہ مبنی تھیں نہ کہ ہواء وھوس پر، یہی اہل سنت کا مذہب ہے، لیکن جاننا چاہیے کہ حضرت امیر مولا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنیوالے خطاء پر تھے اور حق حضرت امیر کی طرف تھا لیکن چونکہ یہ خطا خطائے اجتہادی تھی اس لیے ملامت سے دور ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

چند سطور کے بعد حضرت مجدد الف ثانی مزید فرماتے ہیں۔

اور وہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں لفظ جور آیا ہے کہ وہ جور (ظلم) کرنے والے امام تھے تو مراد یہ ہے کہ حضرت امیر (علی المرتضیٰ) رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہ خلافت کے حقدار نہ تھے، نہ کہ وہ جور جو جس کا انجام فسق وفجور ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم مکتوب 251 صفحہ 57_60)

(8) امام یوسف نبہانی علیہ الرحمہ نے شواہد الحق میں محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

و اما قتاله رضی الله عنه لطلحة والزبير وعائشة ومعاوية فقد نص الامام احمد رحمه الله على الامساك عن ذلك و جميع ما شجر بينهم من منازعة مناخرة وخصومة لان الله تعالى يزيل ذلك من بينهم يوم القيامه كما قال الله عزوجل ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخواناً على سرر متقابلين ولان علياً كان على الحق فی قتالهم۔ ومن قاتله من معاوية وطلحة والزبير طلبوا ثأر عثمان خليفة الحق المقتول مظلوماً والذين قتلوه كانوا فی عسكر على رضی الله عنه فكلٌّ ذهب الى تأويل صحيح فاحسن احوالنا الامساك عن ذلك وردهم الى الله عزوجل وهو احكم الحاكمين۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرات طلحہ وزبیر، ام المومنین عائشہ اور امیر معاویہ سے جنگ تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر خاموش رہنے کا حکم فرمایا ہے اور ان کے درمیان جو نزاع و جھگڑا ہوا اس سے زبان بند رکھنے پر نص فرمائی ہے۔ کیونکہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان رنجشوں کو ان کے درمیان سے نکال دے گا جیسے کہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔
ان کے دلوں میں جو رنجش تھی وہ ہم کھینچ لیں گے وہ بھائی بھائی بن کر (جنت میں) عظیم مسندوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔ (سورہ حجر آیت 47)

اور اس لیے بھی کہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ ان کے ساتھ لڑائی میں حق پر تھے اور جنہوں نے آپ سے جنگ کی جیسے امیر معاویہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم وہ قصاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرتے تھے جو خلیفہ حق اور ظلماً قتل کیے گئے تھے۔ اور جنہوں نے ان کو قتل کیا وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے، لہٰذا سب صحابہ تاویل صحیح کی طرف گئے، اور ہمارے لیے سب سے بہتر حال یہی ہے کہ اس بارے میں خاموشی اختیار کریں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیں وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (شواہد الحق)

(9) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کا قول شفا شریف سے بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

قال القاضی عیاض فی الشفاء قال مالك رضی الله عنه :من شتم احداً من اصحاب النبی ﷺ ابابکر او عمر او عثمان او معاویة او عمرو بن العاص رضی الله عنهم فان قال کانوا علی ضلال و کفر قتل و ان شتم بغیر هذا من مشاتمة الناس نکل نکالاً شدیداً فلا یکون محاربوا علی کفرةً کما زعمت الغُلاة من الرافضة ولا فسقة کما زعم البعض۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء شریف میں فرمایا: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو گالی دے خواہ وہ ابوبکر صدیق ہوں، عمر فاروق ہوں، عثمان غنی ہوں، امیر معاویہ ہوں یا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اگر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کافر یا گمراہ تھے تو اسے قتل کیا جائیگا اگر اس سے کم تر کوئی گالی دی جیسے لوگ ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسے عبرت ناک سزا دی جائیگی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے صحابہ کرام نہ تو کافر تھے جیسے غالی رافضی لوگ کہتے ہیں نہ وہ فاسق تھے جیسا کہ بعض نے سمجھا۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم مکتوب 251 صفحہ 57۔60)

(10) امام نووی علیہ الرحمہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یوں ہے:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فضلاء عدول اور صحابہ کبار میں سے ہیں رضی اللہ عنہم۔

واما الحروب التی جرت فکانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصویب انفسها

بسببها و کلهم عدول رضی الله عنهم و متأولون فی حروبهم۔

البتہ صحابہ میں جو جنگیں ہوئیں ان میں ہر گروہ کے پاس ایک اشتباہ تھا جس کی وجہ سے وہ خود کو حق پر جانتا تھا۔ اور وہ سب عادل ہیں اپنی جنگوں میں وہ کسی تاویل پر تھے۔ آگے فرماتے ہیں:

صحابہ کرام کی جنگیں ان کے عادل ہونے کے خلاف نہیں ہیں، ان کے درمیان اجتہاد میں اختلاف ہوا جیسے بعد والے مجتہدین مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اور اس سے ان میں سے کسی پر نقص لازم نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں کا سبب مشتبہ تھا اس لیے صحابہ کرام کی تین جماعتیں ہوگئیں ایک نے سمجھا کہ حق اس طرف ہے ان پر واجب ہوا کہ حق کی مدد کریں اور جو اس کے خلاف ہے اس سے لڑیں اور جو امام برحق ہے (یعنی مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) اس کی مدد کریں۔ دوسری جماعت نے اپنے اجتہاد سے سمجھا کہ حق دوسری طرف ہے جیسے امیر معاویہ عمر بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم ان پہ واجب تھا کہ حق کی مدد کریں اور اس کے مقابل سے لڑیں۔ جبکہ تیسری جماعت کسی جانب کو ترجیح نہ دے سکے وہ متحیر ہوئے ان پر واجب تھا کہ جنگ سے الگ تھلگ رہیں۔ (جیسے سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، سلمہ بن اکوع وغیرہم رضی اللہ عنہم) کیونکہ ان کے لیے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں تھا، تو وہ سب معذور ہیں اور اہل حق کا اجماع ہے کہ وہ سب عادل ہیں اور ان کی روایات وشہادات مقبول ہیں۔ (شرح صحیح مسلم للنووی، جلد دوم صفحہ 272 مطبوعہ نور محمد کراچی)

میں نے دس آئمہ دین کے اقوال پیش کر دیے ہیں، یہی کافی ہے ورنہ اس بارے میں اقوال آئمہ کے انبار ہیں جو سب اس بات پہ متفق ہیں کہ جمل وصفین میں حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور جن صحابہ نے آپ سے جنگ کی وہ خطائے اجتہادی پر تھے۔ اس میں وہ معذور بلکہ ماجور تھے۔

حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ کا جنگ صفین پر افسوس کرنا:

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن مہران سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں مجھے اس شخص نے بتایا جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خود سنا، آپ جنگ صفین میں اپنے ہونٹوں کو (افسوس سے) دانتوں میں لے رہے تھے، آپ فرما رہے تھے۔

لَوْ عَلِمتُ اَنَّ الامرَ یکونُ هٰكذا مَا خَرَجتُ اِذْهَبْ یا ابی موسٰی فَاحْكُمْ وَلَوْ خَزَّ عُنُقِي

اگر مجھے علم ہوتا کہ معاملہ یہ ہوگا تو میں جنگ کے لیے نہ نکلتا، اے ابو موسیٰ (اشعری)! جاؤ فیصلہ کرو خواہ میری گردن جھک جائے۔ (یعنی خواہ میرے خلاف فیصلہ کرو میں قبول کروں گا)

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 7 باب ماذکر فی الصفین صفحہ 548 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن ابی شیبہ نے مزید روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے تو آپ

کو یقین ہو گیا کہ آپ اس چیز کے مالک نہیں ہو سکتے (یعنی لڑ کر اہل شام کو مغلوب نہیں کر سکتے) تو آپ ایسی باتیں کہنے لگے جو آپ پہلے نہیں کہتے تھے۔ آپ نے جو باتیں کہیں ان میں یہ بھی تھا کہ فرمایا:

یا ایھا الناس لا تکرھوا امارۃ معاویۃ واللہ لو فقدتموہ لقد رأیتم الرؤوس تندر من کواھلھا کالحنظل۔

اے لوگو! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی امارت کو ناپسند نہ رکھو۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے معاویہ کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ کندھوں سے سر کٹ کر اندرائن کی طرح گر رہے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد 7 صفحہ 548 حوالہ مذکورہ)

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلاشبہ حق پر تھے مگر جب آپ نے دیکھا کہ اتنی طویل جنگ اور ہزار ہا انسانوں کے قتل ہو جانے کے باوجود آپ اہل شام کو زیر نہیں کر سکے تو آپ کو اتنے مسلمانوں کے مارے جانے پر دکھ ہوا۔

اہل صفین کے بارے میں خود حضرت مولا علی المرتضیٰ کا فیصلہ:

امام ابو القاسم حافظ طبرانی متوفی 360ھ اپنی سند کے ساتھ یزید بن اصم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قتلای وقتلی معاویۃ فی الجنۃ

میرے مقتولین اور امیر معاویہ کے مقتولین سب جنت میں ہیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 19 صفحہ 307 حدیث 688 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ روایت امام نورالدین ھیثمی نے بھی نقل کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں البتہ ایک میں کچھ ضعف ہے۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 360 مطبوعہ موسستہ المعارف بیروت)

یزید بن اصم سے مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے مقتولین کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

قتلانا وقتلاھم فی الجنۃ ویصیر الامر الیّ والی معاویۃ

ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین سب جنت میں جائیں گے، اور حساب مجھ سے اور معاویہ سے لیا جائیگا۔ (یعنی میں اپنے ساتھیوں کو لیکر آیا اور معاویہ اپنے ساتھیوں کو لیکر آیا) اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(کنزالعمال جلد 11 صفحہ 345 روایت 31700 مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت)

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے روز صفین یہ بھی فرمایا:

من کان یرید وجہ اللہ منا ومنھم نجا

جو بھی اللہ کی رضا چاہتا ہے وہ نجات پائے گا خواہ وہ ہم میں سے ہے یا ان میں سے۔

(کنزالعمال جلد 11 صفحہ 348 روایت 31707)

میب بن مجبہ کہتے ہیں جنگ صفین میں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ آپ امیر معاویہ کے لشکر کے مقتولین کے پاس سے گزرے، آپ نے فرمایا: یَرْحَمُکُمُ اللہ۔ اللہ تم پر رحمت کرے، پھر آپ اپنے لشکر کے مقتولین کی طرف پلٹے، آپ نے ان کے لیے بھی دعاء رحمت کی جیسے مقتولین معاویہ کے لیے کی تھی، میں نے کہا یا امیر المؤمنین! آپ ان کا خون بھی بہاتے ہیں پھر ان کے لیے دعائے رحمت بھی فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہمارا انہیں قتل کرنا اللہ کے ہاں ان کے لیے کفارۂ ذنوب ہے۔ اسے خطیب نے تلخیص المتشابہ میں اور ابن عساکر اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ (کنزالعمال جلد 11 صفحہ 351 روایت 31719)

یعنی مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ لشکر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کے لیے بھی اپنے دل میں وہی رحمت و رقت پاتے تھے جو اپنے لشکر کے مقتولین کے لیے پاتے تھے۔ یہ تمام حوالہ جات کتب اہل سنت سے ہیں اور ان کی تائید نہج البلاغہ میں مذکور آپ کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے جنگ صفین کے بارہ میں تمام شہروں میں روانہ کیا تھا گویا یہ آپ کا سرکاری اعلان تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

وَکَانَ بَدْأُ اِمْرِنَا اَنَّا الْتَقَیْنَا والقومُ مِن اھلِ الشَّام وَالظاھِرُ اَنَّ رَبَّنَا واحدٌ و نَبِیُّنَا واحدٌ وَدَعْوَتُنا فی الاسلام واحدۃٌ لا نَسْتَزِیْدُ ھُمْ فی الایمانِ باللہ والتصدیقِ برسولہٖ ولا یَسْتَزِیْدُوننا، الامرُ واحدٌ اِلاَّ مَا اخْتَلَفْنَا فیہ من دمِ عثمان و نحنُ منہ بُرآءُ

ہمارا معاملہ یوں شروع ہوا کہ ہمارا اور اہل شام کا مقابلہ ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے، اسلام کے لیے ہماری دعوت ایک ہے نہ ہم اللہ پر ایمان اور اسکے رسول ﷺ کی تصدیق میں ان سے بڑھے ہیں نہ وہ ہم سے بڑھے ہیں۔ (ہم سب کا ایمان ایک جیسا ہے) معاملہ ایک ہی ہے۔ صرف یہ ہے کہ خونِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ہمارا اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔ (نہج البلاغہ خط 58، صفحہ 634 مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

فضائل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا رونا:

یہ بھی یاد رہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی دل سے مولیٰ علی المرتضیٰ کا احترام رکھتے تھے ان کی جنگ ایک غلط فہمی کی بنیاد پر تھی جیسا کہ بیان ہو چکا۔ مگر وہ آپ کے فضائل کے معترف تھے۔ اہل تشیع کا بڑا علامہ اور محدث ابن بابویہ قمی لکھتا ہے کہ مشہور عربی شاعر ضرار بن حمزہ نہشلی حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس آیا۔ انہوں نے اسے کہا: صِفْ لِی عَلِیّاً مجھے

حضرت علی کے اوصاف سناؤ، کہنے لگا مجھے اس سے معاف کریں۔ کہا: نہیں ضرور سناؤ، اسنے کہا: وہ ہمارے درمیان ہماری ہی طرح ہوتے تھے، ہمیں اپنے قریب رکھتے تھے، جب ہم سوال کرتے تو ہمیں جواب دیتے۔ جب ہم آپ کو ملنے جاتے تو آپ ہمیں قریب بٹھاتے، ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، کوئی دربان نہیں ہوتا تھا، اتنے قرب کے باوجود ہم آپ کی ہیبت کے سبب آپ سے بات نہیں کرتے تھے نہ کلام میں ابتداء کرسکتے تھے، آپ مسکراتے تو لگتا کہ موتی پرو رہے ہیں، حضرت امیر معاویہ نے کہازدنی من صفةِ علیؑ مجھے اوصاف علی مزید سناؤ۔ ضرار نے کہا اللہ حضرت علی پر رحمت فرمائے، وہ رات کا اکثر حصہ جاگتے اور تھوڑا سوتے تھے۔ ہر وقت قرآن کریم پڑھتے رہتے۔ ان کے رخساروں پہ آنسو گرتے رہتے، انہوں نے پردے نہیں لٹکائے تھے، نرم تکیہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ رات کو محراب میں کھڑے ہوجاتے، اپنی داڑھی پکڑ کر یوں پہلو بدلتے جیسے کوئی سانپ کا ڈسا ہو وہ روتے ہوئے کہتے اے دنیا! کیا تم میرے پیچھے پڑی ہے؟ دفع ہو جا دفع ہو جا مجھے تیری کوئی حاجت نہیں۔ میں نے تمہیں تین طلاقیں دیدی ہیں، کبھی رجوع نہیں کروں گا۔ پھر فرماتے: ہائے افسوس ہائے افسوس، سفر طویل ہے، زادِ راہ کم ہے اور راستہ کٹھن ہے۔

فبکٰی معاویۃ وقال حسبك یاضرار کان کذالك علی واللہ رحمہ اللہ ابا الحسن۔

یہ سن کر امیر معاویہ رو پڑے، کہنے لگے اے ضرار! بس کرو، واقعی اللہ کی قسم! ابوالحسن علی المرتضیٰ ایسے ہی تھے۔

(الامالی والمجالس مجلس 91 صفحہ 371 ملفوظات شیخ ابن بابویہ قمی متوفی 381)

قصہ تحکیم:

یہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ جب لشکر امیر معاویہ نے جنگ صفین میں نیزوں پر قرآنی نسخے بلند کیے کہ قرآن پر فیصلہ کیا جائے، تب جنگ بند ہوگئی، اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین طویل مراسلت و مکاتبت ہوئی، آخر یہ طے پایا کہ دونوں ایک ایک حَکَم مقرر کریں۔ پھر دونوں حکمین مل کر فیصلہ کریں کہ امت کے لیے کیا بہتر ہے اب آگے جانیے کہ کیا ہوا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا گیا۔ یہ بات 13 صفر سن ہجری 37 بروز بدھ طے ہوئی اور حکمین کو رمضان المبارک تک کا وقت دیا گیا اور یہ بھی طے ہوا کہ اگر حکمین رمضان کے بعد بھی وقت لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، نہیں تو رمضان میں مقام دومۃ الجندل پر حکمین جمع ہونگے۔ اور ہر ایک کے ساتھ چارسو افراد کی جماعت ہوگی۔

یہ طے کر کے مولیٰ علی المرتضیٰ کوفہ واپس چلے گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کا رخ کیا چنانچہ جب رمضان قریب آیا تو حضرت علی المرتضیٰ نے چارسو گھڑسوار ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ تھے۔ دوسری طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو چارسو افراد کے ساتھ روانہ کیا

ان کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی بطور گواہ ساتھ تھے۔ اس موقع پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے عمرو بن سعد نے مجبور کیا کہ آپ بھی تحکیم کے وقت موجود ہوں، ممکن ہے حکمین دونوں کا ذہن یہ ہے کہ علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ دونوں کو معزول کر کے آپ کو امیر المومنین بنا دیں مگر انہوں نے شدت سے انکار کیا۔ وہ جمل و صفین سے بھی الگ تھلگ رہے تھے اور وہ اب بھی امارت سے دور رہنا چاہتے تھے ان کا بیٹا عمرو بن سعد اقتدار کا طلبگار تھا۔ اسی آفت نے اسے کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے لا کھڑا کیا۔

بہر حال جب رمضان قریب آیا تو حکمین دومۃ الجندل (قریب تبوک) جمع ہوئے۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ حکمین متفقہ فیصلہ کے ساتھ علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مشاورت سے نیا امیر المومنین مقرر کیا جائے۔ چنانچہ ایک بڑے مجمع میں حکمین حاضر ہوئے۔ پہلے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے اللہ کی حمد وثنا اور درود نبی الانبیاء ﷺ کے بعد کہا: ہم نے امت کی بہتری کے لیے غور کیا ہے اور دونوں ایک نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ تو میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کرتا ہوں اور معاملہ شوریٰ پہ چھوڑتا ہوں، اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے اللہ کی حمد وثنا اور درود محمد مصطفی ﷺ کے بعد کہا تم نے ابوموسیٰ کی بات سن لی۔ انہوں نے اپنے ساتھی (مولیٰ علی المرتضیٰ) کو معزول کیا ہے۔ میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں اور میں اپنے ساتھی معاویہ کو ان کے عہدہ پر برقرار رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے قصاص کے طلبگار ہیں۔

امام ابن کثیر کہتے ہیں عمرو بن العاص نے فوراً یہ خیال کیا کہ اگر لوگوں کو کسی امیر کے بغیر چھوڑ دیا جائے تو اس سے امت کے لیے عظیم فساد پیدا ہوگا، ممکن ہے اس دوران مختلف علاقوں میں کئی دعویداران امارت کھڑے ہو جائیں۔ بہر حال[1] ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سخت ملامت کی، ابن جریر نے لکھا ہے کہ شریح بن ھانی نے اٹھ کر عمرو بن العاص کے سر پہ ڈنڈا مار دیا، حضرت عمرو کے بیٹے نے اس کے سر پر ڈنڈا رسید کر دیا، یوں جھگڑا ہو گیا اور لوگ اٹھ کر اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 293، 295 اجتماع الحکمین بدومۃ الجندل مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر)

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں ان پہ اعتراض جائز نہیں ہے:

میں کہتا ہوں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو کہا وہ اس فیصلہ کے خلاف تھا جس پر دونوں حکمین پہلے متفق ہوئے تھے مگر اس کی وہی توجیہ ہے جو امام ابن کثیر کی زبانی ابھی آپ نے پڑھ لی۔ اور واقعۃً اگر طویل عرصہ تک امت بغیر امیر کے رہتی تو نہ جانے کیا کیا فسادات ہوتے، بہتر یہ تھا کہ دونوں حکمین مل کر صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول

کرتے اور حضرت علی المرتضیٰ کو بحال رکھتے، تاہم دونوں کا تادیر معزول کیا جانا امت کے لیے مہلک تھا، اس لیے جو ہوا اس کی وجہ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔ وہ جلیل القدر صحابی رسول ہیں، ان کے بارے میں زبان رسالت نے عظیم فضائل بیان کیے ہیں۔ چنانچہ جامع الترمذی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول ﷺ سے خود سنا آپ نے فرمایا:

ان عمرو بن العاص من صالحی قریش ، بے شک عمرو بن العاص قریش کے صالح لوگوں میں سے ہے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حدیث 8845)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلم الناس و آمن عمرو بن العاص۔ لوگ اسلام لائے ہیں اور عمرو بن العاص ایمان لایا ہے۔ (جامع الترمذی مناقب عمرو بن العاص حدیث 3844)

جنگ نہروان:

امیر المؤمنین مولیٰ علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما جب تحکیم پہ راضی ہوئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو آپ کے لشکر میں سے ایک گروہ الگ ہوگیا۔ وہ بظاہر بہت عابد و زاہد تھے۔ شیطان نے انہیں یوں بہکایا کہ وہ کہنے لگے علی اور معاویہ اور ان کے ساتھی کافر ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے حکمین مقرر کیے ہیں حالانکہ حکم یعنی حکم کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو حکم جاننا شرک ہے۔ ان کو خوارج کہا گیا یعنی دین سے خارج ہونے والے۔ ان میں بہت سے لوگ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں سے بھی شامل ہوئے جیسے حرقوص بن زُہیر اور زرعہ بن برج طائی، حرقوص وہ شخص ہے جسے پکڑنے کیلئے حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے بصریٰ پر چڑھائی کی تھی مگر چھ ہزار کا لشکر مقابلہ میں کھڑا ہوگیا۔ ان میں سے چھ سو مارے گئے مگر حرقوص کو انہوں نے گرفتار نہ ہونے دیا، جب لشکر علی المرتضیٰ میں سے عابدین کی ایک جماعت الگ ہوئی جو خوارج کہلائے تو حرقوص بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ یہ لوگ صحابہ کرام پر شرک کے فتوے لگانے لگے۔ وہ یہ آیات پڑھتے تھے۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ (سورہ زمر آیت 65)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب پر فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔ (سورہ مائدہ آیت 44)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ

حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (سورہ انعام، آیت 57)

انہوں نے عبداللہ بن وھب راسبی کو اپنا امیر مقرر کیا۔ چونکہ مولیٰ علی المرتضیٰ کے لشکر کی اکثریت کوفہ سے تعلق رکھتی تھی تو اس لیے خوارج کی اکثریت بھی کوفہ سے تھی۔ کوفہ کے ساتھ ایک بستی "حروراء" تھی خوارج کی بڑی تعداد وہاں سے بھی تھی اس لیے انہیں حروری بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے بصرہ سے بھی لوگ ساتھ ملائے اور مقام نہروان پر جمع ہو گئے وہ زمین میں فساد کرنے لگے۔ جو شخص ان کے ہتھے چڑھتا اسے اپنی جماعت میں شمولیت کے لیے دعوت دیتے اگر وہ قبول نہ کرتا تو اسے کافر قرار دے کر قتل کر دیتے۔ حتیٰ کہ ایک صحابی رسول عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ کہیں جا رہے تھے خوارج نے انہیں پکڑ لیا۔ انہیں دعوت شمولیت دی، انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے صحابی رسول کو انکی بیوی سمیت قتل کر دیا وہ عورت حاملہ تھی انہوں نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 298 خروج الخوارج من الکوفہ)

یاد رہے جب خوارج حضرت علی المرتضیٰ کے لشکر سے الگ ہوئے تو ان کی تعداد بارہ ہزار اور بروایتے سولہ ہزار تھی۔ آپ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا۔ آپ نے انہیں قرآن کریم کی روشنی میں سمجھایا کہ کسی کو حکم مقرر کرنا کیسے شرک ہے یہ تو حکم قرآن ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ

اور اگر تم میاں بیوی میں جھگڑے (کے طول پکڑنے) سے ڈرو تو مرد کے گھر والوں میں سے ایک حکم اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک حکم مقرر کرو اگر وہ دونوں (حَکَمین) اصلاح چاہیں گے تو اللہ میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دے گا۔ (سورہ نساء آیت 35)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ ان میں سے چار ہزار افراد الگ ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے ان چار ہزار کو بلا کر ان کی توبہ قبول کی اور انہیں کہا کہ اپنے ساتھیوں کو بھی سمجھاؤ۔ چنانچہ خوارج میں سے مزید افراد جدا ہوئے آخر میں ان کی تعداد چار ہزار رہ گئی۔

الغرض امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خوارج کی سرکوبی کے لیے کوفہ سے نکلے، مقام نہروان پہ آپ کا خوارج سے آمنا سامنا ہوا۔ نہروان کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ دونوں لشکروں نے صف آرائی کی۔ میمنہ و میسرہ و مقدمہ مقرر کیا۔ لشکر مولیٰ علی المرتضیٰ کے گھڑ سواروں کے امیر ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور پا پیادوں کے امیر ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ، آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جھنڈا دیا اور انہیں حکم فرمایا کہ خوارج کو یہ اعلان سنا دیں: مَنْ جَاءَ اِلٰی هٰذِهِ الرَّایَةِ فَهُوَ آمِنٌ جو شخص اس جھنڈے کی طرف آ جائے اسے امن حاصل ہے۔ وہ چار ہزار تھے، ان میں سے تین ہزار اٹھ کر جھنڈے کی طرف آ گئے، ایک ہزار باقی رہ گئے، اور ایک روایت میں

ہزار سے بھی کم رہ گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے حکم فرمایا جب تک خوارج خود حملہ نہ کریں ان پہ حملہ نہ کیا جائے تب وہ یہ نعرہ لگاتے ہوئے نکلے۔ لا حکم الا للہ۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے، الرواح الیٰ الجنۃ الرواح الیٰ الجنۃ جنت کی طرف بڑھو جنت کی طرف بڑھو، انہوں نے یہ کہہ کر لشکرِ مولیٰ علی المرتضیٰ پہ حملہ کر دیا، آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ پیچھے ہٹو اور انہیں گھیرے میں لے لو، یوں وہ گھیرے میں آ گئے تب وہ مٹ کر رہ گئے ان میں سے اکثر قتل ہو گئے، جو زخمی ہوئے، حضرت علی المرتضیٰ نے انہیں امن دیدیا ان پہ تلوار نہ چلائی۔ ان کے قبائل سے کہا کہ اپنے اپنے زخمی لیجاؤ۔

جو خوارج قتل ہوئے ان میں سے چھوٹے بازو والا وہ شخص بھی تھا جس کی خبر رسول غیب داں ﷺ نے دی تھی کہ ایک گروہ نکلے گا جو اس قدر قرآن پڑھیں گے کہ تم اپنی قراءت کو ان کے سامنے کچھ نہ پاؤ گے نہ اپنے نماز روزہ کو ان کے سامنے کچھ پاؤ گے مگر وہ دین سے نکل جائیں گے ان میں ایک شخص چھوٹے بازو والا ہوگا جیسے عورت کا پستان ہو۔ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مقتولین میں اس شناخت والا آدمی ڈھونڈو، چنانچہ پچپن (۵۵) لاشوں کے نیچے سے ایک لاش نکلی جس کا ایک بازو ٹھیک تھا دوسرا بازو عورت کے پستان جیسا تھا۔ جب اسے کھینچتے تو وہ دوسرے بازو کے برابر ہو جاتا جب چھوڑتے تو پھر سکڑ کر کندھے سے جا لگتا۔ جب مولیٰ علی المرتضیٰ نے اسے دیکھا تو سجدے میں پڑ گئے اور طویل سجدہ کیا۔ کسی شخص نے کہا یا امیر المؤمنین! اللہ کی حمد ہے جس نے خوارج کی جڑ کاٹ کر رکھدی، آپ نے فرمایا:

کلّا، انھم لفی اصلابِ الرجال وارحام النساء،

ہرگز جڑ نہیں کٹی، ابھی وہ مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں میں ہیں۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 300)

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خوارج کا جنازہ نہیں پڑھا، انہیں بن جنازہ پڑھے ٹھکانے لگوا دیا۔ (تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 123 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

جبکہ اس سے قبل آپ نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں سب کے جنازے پڑھے خواہ وہ آپ کے لشکر سے تھے یا مخالفین کے لشکر سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خوارج کو خود حضور ﷺ نے دین سے خارج قرار دیا تھا۔

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد: ابھی وہ مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں میں ہیں، کا یہ معنیٰ ہے کہ جیسے ملحدانہ عقائد خوارج کے تھے، ایسے ملحدین امت کے اندر بعد میں بھی پیدا ہوتے رہیں گے جو قرآن پڑھ کر اس کا معنی بگاڑیں گے اور کفریہ عقائد اپنائیں گے۔ جیسے آج منکرین ختم نبوت، منکرین ایمانِ خلفاء راشدین اور منکرین حدیث و دیگر ملحد فرقے ہیں جنکی گمراہی کفر تک پہنچی ہے۔ انہی خوارج کی طرز پر آج داعش اور القاعدہ جیسی تنظیمیں کام کر رہی ہیں جو مغربی ایجنڈے کے مطابق عمل پیرا ہیں، وہ نام تو جہاد کا لیتی ہیں مگر انہوں نے کبھی کسی کافر پہ ہاتھ نہیں اٹھایا وہ جب بھی مارتی ہیں معصوم نہتے مسلمانوں کو مارتی ہیں۔ شام، افغانستان، عراق اور پاکستان میں انکی کاروائیاں جاری

ہیں۔آئے دن خودکش دھماکے ان کا معمول ہے۔انہیں سبق سکھایا گیا ہے کہ جہاد کا نام لو، تاکہ مسلمانوں کو لفظ جہاد سے نفرت ہو اور وہ جہاد کو خونریزی سمجھنے لگیں، خوارج بھی قرآن کا نام لیکر عام مسلمانوں کو قتل کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے صحابہ کرام کو بھی نہ بخشا۔

قتل خوارج کے حوالہ سے فضیلت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

زید بن وہب جُہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ اس لشکر میں شامل تھے جو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج سے لڑنے نکلا۔حضرت مولا علی المرتضیٰ نے فرمایا: اے لوگو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ نے فرمایا: اے لوگو! میری امت میں سے کچھ لوگ نکلیں گے (لڑائی کے لیے نکلیں گے) وہ قرآن پڑھیں گے تمہاری قرأت ان کی قرأت کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوگی۔نہ تمہارے روزے اور نمازیں ان کے مقابلہ میں کچھ ہونگی، وہ قرآن کو یوں پڑھیں گے جیسے وہ قرآن کے لیے ہیں اور قرآن ان کے لیے۔مگر ان کی نماز انکے حلق سے نیچے نہیں اترے گی، وہ اسلام سے یوں نکلے ہونگے جیسے تیر اپنے نشانے سے نکل جائے حضرت علی نے فرمایا جو لشکر انہیں مارے گا اگر وہ جان لیں کہ ان کے نبی (ﷺ) کی زبان پر ان کے لیے کیا اجر بتایا گیا ہے تو وہ عمل چھوڑ دیں، اس کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ہے جس کا ایک بازو عورت کے پستان جیسا ہے۔(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب التحریض علیٰ قتل الخوارج حدیث 2462، سنن ابو داؤد کتاب السنۃ 27 حدیث 4768، مسند احمد بن حنبل جلد اوّل صفحہ 92)

سوید بن غفلہ کہتے ہیں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناؤں تو میرا آسمان سے زمین پر گر پڑنا میرے لیے اس سے آسان تر ہے کہ میں آپ کی طرف جھوٹ منسوب کروں، اور جب میں اپنے اور ان کے مابین بات کروں تو جنگ ایک دھوکہ ہے۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا آخر زمانہ میں (یعنی خلافت راشدہ کے آخری زمانہ میں) ایک قوم آئے گی کم عمر بیوقوف ہونگے، باتیں سب مخلوق سے بہتر کریں گے، قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے آر پار ہو جائے۔جب تم ان کے مقابلہ میں آؤ تو انہیں قتل کرو۔کیونکہ جو انہیں قتل کرے اس کے لیے روز قیامت اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب قتل الخوارج حدیث 2462)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے (یمن سے) نبی اکرم ﷺ کے پاس (مال غنیمت سے) کچھ سونا بھیجا، وہ آپ نے (مولفۃ القلوب) اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر خزای و دیگر میں تقسیم کر دیا۔ قریش (مہاجرین) اور انصار کو اس پہ ملال ہوا، وہ کہنے لگے ہمیں چھوڑ کر ان سرداران نجد کو نوازا گیا ہے۔آپ نے فرمایا میں نے ان کی تالیف قلب کی ہے۔(تاکہ یہ لوگ اسلام لے آئیں۔) اتنے میں ایک شخص آیا، جس کی آنکھیں دھنسی

ہوئی، جبڑے ابھرے ہوئے، پیشانی سکڑی، داڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا تھا۔ (بہت مکروہ شکل والا تھا) کہنے لگا اے محمد! اللہ سے ڈرو (معاذ اللہ) آپ نے فرمایا اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں گا تو اللہ کی اطاعت کون کرے گا۔ اللہ نے مجھے امین بنایا ہے اور تم مجھے امین نہیں جانتے؟ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی اجازت چاہی، آپ نے اس سے منع کر دیا۔ پھر فرمایا: اس شخص کی پیروی کرنے والی ایک قوم آئے گی۔ جو قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اسلام سے یوں پار ہو جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار میں سے آر پار ہو جائے، وہ بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ اگر میں انہیں پاؤں تو انہیں یوں ماروں جیسے قوم عاد کو مارا گیا۔

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث 3344۔ صحیح مسلم کتاب الزکوۃ حدیث 2452)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخر زمانہ میں (خلافت راشدہ کے آخر میں) ایک قوم آئے گی کم عمر بیوقوف ہونگے۔ سب لوگوں سے بڑھ کر اچھی باتیں کہیں گے، قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اسلام سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے نشانے سے آر پار ہو جائے۔ جو انہیں پائے انہیں قتل کرے ان کا قتل اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ باب فی ذکر الخوارج حدیث 168)

شہادتِ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

رسول اکرم ﷺ نے آپ کی شہادت کی خبر دیدی تھی اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ آپ کی کنپٹی پہ تلوار پڑے گی جس سے آپ کی داڑھی خون سے تر ہو جائیگی۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں غزوہ ذات العشیرہ میں مَیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دونوں اکٹھے سفر کرتے تھے۔ ایک جگہ ہم پر نیند کا غلبہ ہوا۔ میں اور حضرت علی ایک جگہ کھجوروں کے جھنڈ تلے زمین پہ سو گئے، اللہ کی قسم! ہمیں تب جاگ آئی کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے پاؤں مبارک سے ہلا رہے تھے جبکہ ہمارے جسموں کو مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ سے فرمایا او ابوتراب! کیونکہ انہیں مٹی زیادہ لگی ہوئی تھی۔ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں سب لوگوں سے بڑھ کر دو بد بخت شخصوں کے بارے میں بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا ایک تو قوم ثمود کا احیمر (سرخ رنگ کا گھٹیا انسان) دوسرا وہ جو اے علی! تمہیں یہاں مارے گا یعنی کنپٹی پر تا آنکہ تیری یہ داڑھی خون سے تر ہو جائیگی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 263 حدیث عمار بن یاسر مطبوعہ دار الفکر بیروت) اسے امام طبرانی نے بھی معجم کبیر اوسط میں روایت کیا ہے۔ یقیناً قاتل علی المرتضیٰ ناقہ صالح علیہ السلام کے مارنے والے سے بہت زیادہ بد بخت ہے، کہاں ناقہ صالح علیہ السلام اور کہاں داماد محمد مصطفیٰ ﷺ۔

ابن جریر، ابن کثیر اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ تین خارجی ایک جگہ اکٹھے ہوئے، ایک عبدالرحمان بن مُلجم حمیری،

دوسرا برک بن عبداللہ حمیمی، تیسرا عمرو بن بکر تیمی، کہنے لگے نہروان میں ہمارے بھائی مارے گئے ہمیں ان کا بدلہ لینا چاہیے۔ ابن ملجم نے کہا علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو میں قتل کروں گا، برک نے کہا میں معاویہ کے لیے کافی ہوں، عمرو بن بکر نے کہا میں عمرو بن العاص کا کام تمام کروں گا۔ تینوں نے باہم پکا عہد و معاہدہ کیا کہ خود مر جائیں گے یا انہیں ماریں گے، تینوں نے اپنی تلواروں کو زہر لگوایا اور طے کیا کہ ماہ رمضان کی سترہ تاریخ کو ہر کوئی اس شہر میں پہنچ جائے گا جہاں اسنے اپنا کام کرنا ہے۔ چنانچہ عبدالرحمان بن ملجم کوفہ آ گیا، اس نے اپنا معاملہ خفیہ رکھا ایک دن اس کی نظر ایک عورت پر پڑی جس کا نام قطام بنت شجنہ تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ نے نہروان میں اس کے باپ اور بھائی کو قتل کیا تھا۔ وہ حسن و جمال میں اپنی مثال نہیں رکھتی تھی، وہ کوفہ کی جامع مسجد میں عبادت میں منہمک رہتی تھی۔ ابن ملجم نے اسے دیکھا تو اس کی عقل و خرد جاتی رہی اسے بھول گیا کہ وہ کوفہ میں کس کام کو آیا تھا۔ اس نے اس عورت کو پیغام نکاح دیا۔ اس نے کہا مجھے مہر میں تین ہزار درہم، ایک خادم ایک لونڈی اور علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کا سر چاہیے ابن ملجم نے کہا تیری سب شرطیں منظور ہیں، میں تو واللہ اس شہر میں آیا ہی قتل علی کے لیے ہوں، اس نے اس عورت سے شادی کر لی، اور اس کے ساتھ رہنے لگا۔ اس عورت نے اس کو قتل علی المرتضیٰ پر خوب بھڑکایا اور اپنی قوم کے دو آدمی بھی مدد کے لیے ساتھ دیئے۔ شبیب بن نجدہ اور وردان تیمی۔

چنانچہ وہ تینوں سترہ رمضان کو کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچ گئے اور اس راستہ پر بیٹھ گئے جہاں سے مولیٰ علی المرتضیٰ مسجد کو آتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رات کے وقت الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہتے ہوئے آئے تا کہ لوگوں کو (سحری کے لیے) جگائیں۔ شبیب نے آپ پر تلوار سے حملہ کیا آپ محراب میں گرے، تب ابن ملجم نے آپ کی کنپٹی پہ وار کیا جس سے خون نکل کر آپ کی داڑھی پہ بہنے لگا۔ ابن ملجم نے اس وقت نعرہ لگایا لاحکم الا اللہ پھر اس نے یہ آیت پڑھی وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ (سورہ بقرہ آیت 207)

وردان اور شبیب دونوں بھاگ گئے اور عبدالرحمان بن ملجم پکڑا گیا۔ مولیٰ علی المرتضیٰ کو اٹھا کر مسجد سے گھر لایا گیا۔ عبدالرحمان بن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا کیا میں نے تم پر احسان نہیں کیا تھا؟ پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا میں اس تلوار کو چالیس دن تک تیز کرتا رہا ہوں تا کہ میں اس کے ساتھ مخلوق میں سب سے برے آدمی کو قتل کر سکوں (استغفر اللہ، معاذ اللہ) حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا تم خود ہی اس سے قتل ہو گے اور واقعتہً تم مخلوق میں سب سے بدتر ہو، پھر آپ نے فرمایا: اگر میں فوت ہو جاؤں تو اسے قتل کر دو اور اگر زندہ رہوں تو میں دیکھوں گا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔ جندب بن عبداللہ نے عرض کیا یا امیر المؤمنین! اگر آپ کا وصال ہو جائے تو کیا ہم حسن کی بیعت کر لیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے روکتا ہوں۔ تم بہتر جانتے ہو۔

جب آپ کے آخری لمحات آئے تو آپ کثرت سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ (یعنی کلمہ طیبہ) پڑھنے لگے، بس یہی پڑھتے جاتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے سب سے آخری الفاظ یہ ادا کیے: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (سورۃ الزلزال آیت 7۔8)

مولیٰ علی المرتضیٰ کی آخری وصیات:

آپ نے اپنے شہزادگان امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا انہیں یہ وصیات فرمائیں کہ اللہ سے ڈرو، نماز قائم رکھو، زکوٰۃ دو، غصہ پی جایا کرو، صلہ رحمی رکھو، جاہلوں سے حلم برتو، دین میں تفقہ (دانائی) حاصل کرو، ثابت قدمی اپناؤ، قرآن کریم بکثرت پڑھو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرو، اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھو، آپ نے محمد بن حنفیہ کو بلا کر انہیں بھی یہی وصیت فرمائی جوان دونوں کو فرمائی تھی اور یہ کہ وہ ان دونوں کو بڑا جانے، ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرے، پھر آپ نے ایک طویل وصیت لکھوائی جو ایسی ہی دینی تعلیمات، اخلاقِ حسنہ، اطاعتِ خداوندی، اطاعت رسول، حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی، اقامتِ حُدودِ خداوندی، خیر خواہی اہل اسلام اور جملہ فرائض دینیہ کی بجا آوری پر مشتمل ہے۔

آخر میں فرمایا استودعکم اللہ و اقرأ علیکم السلام و رحمة اللہ۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور کہتا ہوں السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ پھر آپ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مسلسل پڑھنے لگے تا آنکہ آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔

آپ کے بیٹوں سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے آپ کو غسل دیا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

یہ قصہ تو عبدالرحمٰن بن ملجم کا تھا اب اس کے دو ساتھیوں برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی کا قصہ ملاحظہ ہو، برک نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذمہ اٹھایا تھا۔ اس نے بھی حضرت امیر معاویہ پر اس وقت حملہ کیا جب وہ نماز فجر کے لیے جا رہے تھے اُس نے ان پر زہر آلود تلوار یا خنجر سے حملہ کیا۔ ان کی پشت پہ زخم آیا برک خارجی کو پکڑ لیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ حضرت امیر معاویہ کے زخم کا علاج کیا گیا اور وہ ٹھیک ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے جامع مسجد میں ایک محفوظ چبوترہ بنایا (جس میں بیٹھ کر وہ فیصلے کرتے تھے، پہلے وہ مسجد میں کھلے بندوں بیٹھا اور فیصلے کیا کرتے تھے) اور نماز پڑھانے کے دوران پہریدار مقرر کیے۔

جبکہ تیسرا خارجی عمرو بن بکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے نکلا۔ وہ چھپ کر بیٹھا تھا کہ جب وہ نماز کیلئے نکلیں تو وہ حملہ کر دے۔ اتفاق سے اس دن اُن کے پیٹ میں شدید درد تھا اس دن ان کی جگہ ان کا نائب نماز

پڑھانے نکلا۔ جس کا نام خارجہ بن ابی حبیبہ تھا۔ خارجی عمرو بن بکر نے اسے عمرو بن العاص سمجھ کر اس پہ حملہ کر دیا اور اسے مار ڈالا۔ جب اسے پکڑ گیا تو اس نے کہا۔ اَرَدْتُ عَمْرًا وَاَرَادَ اللّٰهُ خَارِجَةَ میں نے عمرو کا ارادہ کیا اور اللہ نے خارجہ کا، تب سے یہ عربی ضرب المثل بن گئی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 338۔ 342 مطبوعہ دارالریان قاہرہ مصر)

مولیٰ علی المرتضیٰ کی تدفین کے بعد سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمان بن ملجم کو بلوایا، ابن ملجم نے کہا میری ایک درخواست ہے۔ فرمایا: کہو! کہنے لگا میں نے حطیم کعبہ میں اللہ سے عہد کیا تھا کہ میں علی اور معاویہ دونوں کو قتل کروں گا، یا اسی راہ میں خود مارا جاؤں گا، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں جا کر معاویہ کو مارتا ہوں۔ میں اسے مار سکا یا نہ مار سکا بہر حال میں واپس آؤں گا اور آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا تا آنکہ تو جہنم کو دیکھ لے، پھر آپ نے تلوار کے وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ لوگ اس کی لاش کو اٹھا کر لے گئے اور اسے جلا ڈالا۔

کیا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کو ولی عہد بنایا تھا؟

اس جگہ یہ مغالطہ دور ہونا چاہیے جو بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بیٹے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یقیناً امام حسن اس کے حقدار تھے مگر آپ خلیفہ راشد ہیں آپ نے خلفاء راشدین کی سنت کو اپنایا اور اپنی اولاد کو خلافت منتقل نہیں کی۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے بعد اپنے اہل بیت میں سے کسی کو اپنی جانشینی عطا نہ فرمائی۔ پھر خلفاء راشدین میں سے کسی نے اپنے اہل خانہ یا اپنی اولاد میں کسی کو خلافت نہ سونپی تا کہ یہ بادشاہت کا رنگ اختیار نہ کرے، اسی سنت کو سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ نے اپنایا۔ اسی لیے آقائے دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے جو میرے بعد راہِ ہدایت پر قائم ہونگے، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ اس سنت کو سختی سے لازم پکڑلو۔ (سنن ابن ماجہ کتاب السنہ باب 6 حدیث 42)

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ خلیفہ راشد ہو کر سلاطین وملوک کا طریقہ اختیار کریں۔ اگر آپ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا ہوتو پھر خلافتِ راشدہ اور ملوکیت میں کیا فرق رہ گیا۔ ابھی ہم پیچھے البدایہ کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ جب آپ پر عبدالرحمان بن ملجم نے حملہ کر کے آپ کو زخمی کر دیا تو آپ نے آخری وصیتیں فرمائیں آپ سے پوچھا گیا کیا ہم آپ کے بعد آپ کے بیٹے حسن کی بیعت کرلیں؟ فرمایا

لَا آمُرُكُمْ وَلَا اَنْهَاكُمْ، اَنْتُمْ اَبْصَرُ

میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے روکتا ہوں، تم بہتر جانتے ہو (کہ کون بیعت کے لیے مناسب ہے)
(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 337 مطبوعہ دارالریان بیروت)

امام ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں، ابوالشیخ نے الوصایا میں، امام عشاری نے فضائل الصدیق اور امام بزار نے اپنی مسند میں اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: اَلَا تَسْتَخْلِفُ کیا آپ اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کریں گے؟ آپ نے بہت ایمان افروز جواب دیا۔

اِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ یَسْتَخْلِفْ فَاِنْ یَرِدِ اللهُ بِالنَّاسِ خَیْراً فَسَیَجْمَعُهُمْ علی خَیْرِهِم کَمَا جَمَعَهُمْ بَعْدَ نَبِیِّهِمْ علی خَیْرِهِمْ۔

بے شک رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا، اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے بھلائی چاہے گا تو عنقریب انہیں لوگوں میں سے سب سے بہتر شخص پر جمع کر دے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے نبی (ﷺ) کے بعد سب سے بہتر شخص (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) پر جمع کر دیا تھا۔ (مجمع الزوائد بروایت بزار جلد 9 صفحہ 50 کتاب المناقب مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت، کنزالعمال کتاب الفضائل باب فضائل ابی بکر الصدیق جلد 12 صفحہ 516 مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

امام نورالدین ھیثمی نے فرمایا اس حدیث کے تمام رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں سوا اسماعیل بن ابی الحرث کے، وہ بھی ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد جلد 7 صفحہ 50)

یہ حدیث خوب واضح کر رہی ہے کہ مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے سنتِ نبوی پر چلتے ہوئے اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ اس معاملہ کو لوگوں پہ چھوڑ دیا، یہاں سے افضیلت صدیق اکبر کا عقیدہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے اصحاب میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بلاشک وشبہ سب سے افضل تھے یونہی رسول اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے اصحاب میں سب سے افضل تھے۔

البتہ جن علماء نے لکھا ہے کہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ نے اپنے بیٹے حضرت حسن مجتبیٰ کو اپنا جانشین بنایا تھا اس کا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان پہ اسی طرح ذمہ داریاں ڈالی تھیں جیسے نبی اکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ڈالی تھیں۔ جس میں یہ اشارہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کی جانشینی کے سب سے بڑھ کر مستحق ہیں جیسے ابوبکر صدیق کو مصلائے امامت پہ کھڑا کرنا۔ انہیں امیر الحجاج بنانا اور یہ فرمانا کہ ابوبکر کے ہوتے ہوئے کسی کو امامت کا حق نہیں مگر اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کو نبی اکرم ﷺ نے خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ نہیں، بلکہ یہ ان کے استحقاق خلافت کی طرف اشارہ تھا ایسے ہی مولیٰ علی المرتضیٰ نے امام حسن مجتبیٰ کو بعض ذمہ داریاں سونپ کر ان کی اہلیت واضح کر دی تھی۔

فصل دوم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل

آپ کے فضائل ومحامد سے کتب اہل سنت بھری پڑی ہیں پیچھے آپ کے حالات میں وہ حصہ جو دور نبوی میں آپکے کردار سے تعلق رکھتا ہے آپ نے پڑھ لیا ہوگا اس میں آپ کے متعلق رسول کریم ﷺ کے ارشادات جا بجا پھیلے ہوئے ہیں جو آپکی عظمت ورفعت پر دلیل قاہر و حجت قاہرہ ہیں۔ ہم اس فصل میں اشارتاً چند فضائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ کے حق میں اترنے والی آیات قرآن

پہلی آیت:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ: اور آپ اپنے قریب تر رشتہ داروں کو عذاب سے ڈرائیں۔ (سورۃ الشعراء آیت 224)

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے اپنے خاندان کو جمع کیا۔ تیس آدمی جمع ہوئے انہوں نے کھایا اور پیا پھر آپ نے ان سے فرمایا میری طرف سے میرا قرض اپنے ذمہ کون لیتا ہے، کون میرے وعدے پورے کرتا ہے اور وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا اور وہ اہل وعیال میں میرا نائب ہوگا تو میں نے کہا میں حاضر ہوں یارسول اللہ ﷺ۔ (مجمع الزوائد)

اس مضمون کی کثیر احادیث کتب حدیث وسیرت میں موجود ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے ایسی متعدد احادیث ظہور اسلام کے تذکرہ میں بیان کی ہیں۔ ان سب کا مستفاد یہ ہے کہ اس آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ پر عمل کرتے ہوئے جس شخص نے رسول کریم ﷺ کے قریب ترین رشتہ میں سے رسول کریم ﷺ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

دوسری آیت

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

ترجمہ: اور سبقت لے جانے والے پہلے لوگ یعنی مہاجرین وانصار اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص سے انکی پیروی کی خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے۔ اللہ نے انکے لیے جنت کے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ عظیم کامیابی ہے۔ (سورۃ توبہ آیت 100)

یہ آیت بلاشبہ ان لوگوں پر صادق آتی ہے جو ظہور اسلام کے بہت ابتدائی دور میں داخل اسلام ہوئے جن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرح آپ بھی السابقون الاولون میں شامل ہیں بلکہ بعض روایات کے مطابق آپ ہی سب سے پہلے مسلمان ہیں اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان بہرحال آپ رضی اللہ عنہ ہی ہیں جیسے کہ پیچھے گزر چکا۔

تیسری آیت:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۱

ترجمہ: تو اے رسول خدا ﷺ آپ (عیسائیوں سے) فرمادیں کہ ہم اپنے بیٹے لاتے ہیں تم اپنے بیٹے لاؤ۔ ہم اپنی عورتیں لاتے ہیں تم اپنی عورتیں لاؤ۔ ہم خود آتے ہیں تم بھی خود آجاؤ۔ پھر اللہ سے دعا کرتے ہیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کرتے ہیں۔ (سورہ آل عمران آیت 61)

اس آیت کے نزول کے متعلق ذخیرہ حدیث میں احادیث و روایات کا انبار موجود ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نجران کے عیسائی رسول کریم ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے توحید خداوندی پر بحث کی۔ آپ ﷺ نے دلائل و براہین سے توحید پر روشنی ڈالی مگر وہ نہ مانے۔ تب اللہ نے مذکورہ آیت اتاری کہ اگر یہ لوگ دلائل سے نہیں مانتے تو آئیں مباہلہ کرلیں پھر جو جھوٹا ہوگا اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوگی۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا خاتون جنت اور اپنے نواسوں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو لے کر اور بعض روایات کے مطابق اپنی بعض ازواج مطہرات کو بھی لے کر نکلے۔ ادھر سے عیسائی بھی نکلے۔ مگر اس نورانی قافلے کو دیکھ کر واپس پلٹ گئے اور کہنے لگے۔ واللہ انا لنریٰ

وجوھا لودعوا اللہ ان یزیل ھذا الجبل عن موضعہ لازالہ۔ یعنی خدا کی قسم ہم ایسے چہرے دیکھ رہے ہیں کہ اگر وہ خدا سے دعا کر دیں کہ اس پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے تو وہ ہٹا دے گا۔ اس طرح عیسائی میدان سے بھاگ گئے اور حق کو فتح حاصل ہوئی۔

اس آیت میں تین الفاظ ہیں ابنائنا نسائنا اور انفسنا یعنی ہم اپنے بیٹوں، عورتوں اور خود اپنے آپ کو لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ ابنائنا کے تحت آپ ﷺ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو لے کر آئے کیونکہ اس وقت آپ ﷺ کا کوئی حقیقی بیٹا نہیں تھا۔ یہ 9ھ کی بات ہے نسائنا کے تحت آپ ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ایک روایت کے مطابق ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن کو لے کر آئے۔ باقی بیٹیوں کو اس لئے نہ لے جاسکے کہ وہ اس سے قبل فوت ہوگئی تھی۔ پیچھے تفصیل گزر گئی ہے۔ جب کہ آخری لفظ وانفسنا کے تحت آپ ﷺ خود تشریف لائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو لے کر آئے، اور یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا اعزاز و امتیاز اور عظیم خصوصیت و فضیلت ہے۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء

اگر رسول کریم ﷺ چاہتے تو دیگر صحابہ کرام سیدنا صدیق اکبر عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم وغیرہ کو بھی لیجا سکتے تھے کیونکہ وہ بھی سسر یا داماد کا تعلق رکھتے تھے مگر یہ ایسا موقع تھا کہ رشتے میں قریب ترین افراد کو لیجانا مقصود تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے قریب ترین رشتہ رکھتے تھے۔

چوتھی آیت:

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُورًا ۝ (سورہ دھر آیت 5۔9)

ترجمہ: بے شک جنت میں نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے جس کا پانی کافور سے ملا ہوگا۔ وہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اسے جہاں چاہیں گے بہالے جائیں گے وہ (دنیا میں) اپنی نذریں پوری کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی شر پھیلی ہوئی ہے وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں ہم اس کا تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف حوالہ جات سے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں بچے بیمار ہو گئے تو انہوں نے تین روزوں کی نذر مانی اللہ نے انہیں صحت دی تو روزہ رکھنے کی نذر پوری

کرنے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سحری و افطاری کے لیے ایک یہودی سے تین صاع جو لائے ۔ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے تینوں دن ایک ایک صاع بوقت افطاری پکایا اور روٹیاں سامنے رکھی تھیں کہ پہلے دن کسی نے باہر سے آواز لگائی میں مسکین ہوں انہوں نے وہ کھانا اسے دے دیا۔ دوسرے دن افطار کے وقت پھر کوئی پکارا میں یتیم ہوں ۔ انہوں نے وہ کھانا اسے دے دیا اور تیسرے دن کوئی پکارنے والا کہہ رہا تھا کہ میں قیدی ہوں آج ہی رہا ہوا ہوں مجھے کھانا چاہیے انہوں نے وہ کھانا اسے پکڑا دیا۔ (تفسیر در منثور جلد 6، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

پانچویں آیت:

اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول (ﷺ) سے کوئی آہستہ بات کرنا چاہو تو اپنی گزارش سے قبل کچھ صدقہ دے لو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ پھر اگر تمہیں صدقہ میسر نہ ہو تو اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔ کیا تم (اپنی غربت کے سبب) اس سے ڈرے کہ اپنی عرض سے قبل صدقہ پیش کرو؟ تو جب تم نے ایسا نہ کیا اور اللہ نے بھی اسے معاف کر دیا (منسوخ کر دیا) تو نماز قائم کرو، زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (سورہ مجادلہ آیت 12۔13)

اس آیت مبارکہ کا نزول اس لیے ہوا کہ جب مالدار لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض و معروض کا سلسلہ لمبا کیا تو فقراء کو دقت محسوس ہوئی اللہ نے عرض سے قبل صدقہ کرنے کا حکم فرما دیا۔ اس حکم پر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا اور ایک دینار صدقہ کرنے کے بعد بارگاہ نبوی ﷺ میں آئے اور سوالات پوچھے ابھی وہ وہاں سے اٹھے نہ تھے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (عامہ کتب تفسیر)

گویا قرآن میں یہ وہ آیت ہے جس پر عمل کرنے والے صرف حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔

چھٹی آیت

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ

حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝

یہ دو گروہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں باہم لڑائی کی۔تو جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آتشیں لباس بنائے گئے ہیں، ان کے سروں پہ کھولتا پانی بہایا جائیگا جس سے ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے جل جائیگا اور ان کے لیے آہنی گرزیں تیار کی گئی ہیں۔جب بھی وہ جہنم سے تکلیف کے سبب نکلنا چاہیں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا اور (کہا جائے گا) آگ کا عذاب چکھو۔جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے اللہ انہیں جنتی باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، انہیں وہاں کنگن اور جواہرات پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا ریشمی لباس ہوگا انہیں دنیا میں اچھی بات کی طرف راہنمائی کی گئی اور انہیں حمد والے رب کی طرف راہنمائی دی گئی۔(سورۃ الحج آیت 19_23)

یہ دو گروہ کون سے ہیں جن کے بارے میں آیات اتریں تو صحیح بخاری میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ بے شک یہ آیت **ھذان خصمان اختصموا فی ربھم** امیر حمزہ اور ان کے دونوں ساتھیوں (مولیٰ علی بن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہما) اور بدر میں ان کے مقابلہ میں آنے والے عتبہ اور اس کے دونوں ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الحج حدیث 4743)

مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں سب سے پہلے کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کے ساتھ میدان میں نکلا اور مبارزت طلبی کی۔ان کے مقابلہ میں تین انصاری صحابہ نکلے، عتبہ نے کہا یہ ہمارے مدمقابل نہیں ہیں ہمارے سامنے ہمارے ہم قوم ہم پلہ لوگ آئیں۔نبی اکرم ﷺ نے مولیٰ علی (المرتضیٰ) امیر حمزہ اور عُبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کو نکالا۔چنانچہ مقابلہ شروع ہوا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل شیبہ بن ربیعہ کا کام تمام کر دیا، مولیٰ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پلک جھپکنے میں ولید بن عتبہ کو جہنم رسید کر دیا حضرت عبیدہ بن حارث کن رسیدہ تھے وہ زخمی ہو گئے، امیر حمزہ اور مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہو کر متوجہ ہوئے اور حضرت عبیدہ کے مدمقابل عتبہ بن ربیعہ کو واصل جہنم کر دیا۔(مواہب لدنیہ جلد اول صفحہ 354_355 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت) یہ تاریخ اسلام میں پہلے تین مجاہد تھے جو تلواریں لے کر کفار کے مقابلہ میں نکلے اور فاتح و سرخرو ہو کر لوٹے یوں انہوں نے تاقیامت غلبۂ اسلام کی بنیاد رکھی اس لیے اللہ رب العزت نے ان کی فضیلت میں یہ آیات نازل فرمائیں ان کے لیے جنتی باغات، جنتی زیورات اور جنتی ملبوسات کا اعلان فرمایا:

ساتویں آیت:

اَفَمَنۡ کَانَ مُؤۡمِنًا کَمَنۡ کَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰی ۫ نُزُلًۢا بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ

تو جومومن ہے وہ فاسق کی طرح کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ باہم برابر نہیں ہیں۔ چنانچہ جولوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال بجالائے ان کے لیے دائمی ٹھکانے کے باغات ہیں یہ ان کے نیک اعمال کی جزاء ہے۔ جبکہ برے کام (کفرو شرک) کرنے والوں کے لیے جہنم ہے۔ (سورہ سجدہ آیت 18 تا20)

اب یہ آیت کس مومن اور کس فاسق کے بارہ میں نازل ہوئی تو ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں، واحدی، ابن عدی، ابن مردویہ، خطیب اور ابن عساکر نے مختلف طرق کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا میرے دانت تم سے تیز تر ہیں۔ میری زبان تم سے لمبی ہے اور میں تم سے بڑھ کر لشکر کو بھگا سکتا ہوں، حضرت علی المرتضیٰ نے کہا: اُسۡکُتۡ فَاِنَّمَا اَنۡتَ فَاسِقٌ خاموش ہو جاؤ تم بس ایک فاسق ہو (اللہ کے نافرمان ہو) تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اَفَمَنۡ کَانَ مُؤۡمِنًا کَمَنۡ کَانَ فَاسِقًا۔

یہاں مومن سے مراد حضرت علی المرتضیٰ ہیں اور فاسق سے ولید بن عقبہ بن ابی معیط

(تفسیر درمنثور جلد 5 صفحہ 341 سورۃ السجدۃ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایسا ہی ابن اسحاق اور ابن جریر نے عطاء بن یسار سے اور ابن ابی حاتم نے سُدی سے روایت کیا ہے گویا ان آیات میں مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی تصدیق اتاری گئی اور ان کے لیے اعلان جنت فرمایا گیا۔

آپ کے فضائل میں چالیس احادیث رسول کریم ﷺ

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت میں اس قدر رطب و یابس ملایا گیا ہے کہ الامان جس طرح انبیاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مختلف فرقوں نے محل نزاع بنایا ہے صحابہ کرام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات مختلف فرقوں میں محل نزاع و اختلاف ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے خدا و ابن اللہ قرار دیا جب کہ یہود آپ کو گالیاں دینے پر اتر آئے (معاذ اللہ) ایسے ہی رافضیوں شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب انبیاء سے افضل بنایا اور مرتبہ خدائی تک پہنچایا اور آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں جھوٹی حدیثوں کے طومار کھڑے کر دیئے جن میں سے بعض کسی نہ کسی ذریعے سے کتب اہل سنت میں بھی پہنچ گئیں۔ جب کہ خارجیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) کافر قرار دیا۔ اور آج بھی خارجی ذہن کے کچھ لوگ موجود ہیں جو اہل بیت اطہار خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی سے باز نہیں آتے اور انہیں آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت سننا گوارا نہیں۔

بہر حال آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں جہاں من گھڑت روایات کی کثرت ہے وہاں الحمد للہ صحیح احادیث کی بھی کمی نہیں وہ بھی کثیر ہیں۔ بعض مخلصین و محققین نے اس سلسلے کی موضوع روایات اور صحیح احادیث میں تفریق کی کوشش بھی کی ہے اور بعض اکابر اہل سنت کی چشم پوشیوں کی نشان دہی کی ہے جس کے سبب کتب اہل سنت کے ذخیرہ حدیث میں شان علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایسی روایات بھی در آئی ہیں جو عقائد اسلامیہ کو متزلزل کر دیتی ہیں یہ ایک مبارک اور قابل تعریف کوشش ہے

مگر ماحول اتنا کشیدہ ہو گیا ہے کہ ان محققین کو بھی خارجی قرار دیا گیا۔ میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا حاجی محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "میزان الکتب" کے نام سے کتاب لکھی ہے،، جس میں آپ نے پہلے تو ان کتابوں کی نشان دہی کی ہے جو شیعوں نے لکھ کر بڑی چالاکی سے انہیں اہلسنت کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ان میں شان علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عنوان سے ایسی موضوع احادیث درج ہیں جو سراسر قرآن و سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ہیں اور آج وہ ان سے استدلال کر کے عوام اہل سنت کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ دیکھو کتب اہل سنت میں یہ لکھا ہے حالانکہ وہ شیعوں کی اپنی لکھی ہوئی کتب ہیں، جیسے ینابیع المودہ، فرائد السمطین، کفایۃ الطالب و دیگر۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں اس کی نشان دہی فرمائی ہے۔

دوسرے نمبر پر والد گرامی رحمتہ اللہ علیہ نے بعض اکابر اہل سنت کی چشم پوشی اور اغماض پر بھی ہاتھ رکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس اغماض کو قدیم علماء فن رجال نے بھی محسوس کیا تھا۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر پہلی اور ابتدائی کوشش ہے اور بڑے درد دل اور جذبہ اخلاص و اصلاح کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اسے جہاں اہل تحقیق کے ہاں پذیرائی ملی وہاں ناقدین نے اسے خروج پر محمول کیا۔

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (سورہ مومنون، آیت 57)

بہر حال بات دور نکل گئی فضیلت مولائے کائنات ابو السادات فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ عنہ میں ہم سر دست چالیس احادیث جو وضع وضعف کے نقائص سے پاک ہیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں آل رسول ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے۔ آمین! ان میں اکثر احادیث پیچھے اپنے مواقع پر گزر چکی ہیں۔

پہلی حدیث:

"اے علی (رضی اللہ عنہ) تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہ میں بھائی بندی بنائی۔ بعض کو بعض کا بھائی قرار دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے آپ کی آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اپنے صحابہ

میں مواخات کی، انہیں آپس میں بھائی بھائی بنایا مگر میرے ساتھ کسی کی بھائی بندی نہیں کی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ

ترجمہ: تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب حدیث 3720)

مطلب یہ کہ مواخات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس لیے قائم ہوئی تھی کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی حالت کمزور تھی اور نئے شہر میں آباد کاری کے لئے انہیں باہم ایک دوسرے کا سہارا بننے کی ضرورت تھی ایسے میں آپ ﷺ نے مہاجرین کو انصار اور غرباء کو امراء کا بھائی قرار دیا تاکہ مہاجرین کو دار ہجرت میں گھر بسانے کے لیے انصار کی مدد ملے غرباء کو معاملات دنیا میں امراء سے تعاون حاصل ہو۔ اس موقع پر رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے کسی صحابی کو بطور بھائی نہ چنا تو انہوں نے پریشانی محسوس کی۔ تب آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اے علی تم تو پہلے ہی میرے بھائی ہو۔ یعنی میں بچپن ہی سے تمہاری کفالت کرتا رہا ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی دوسرے شخص کی ضرورت ہی نہیں تم دنیا میں نسبی وخونی تعلق کی بنیاد پر میرے بھائی ہو اور آخرت میں ایمانی رشتے کی بنا پر میرے بھائی ہو گے اور جنت میں میرے ساتھ ہو گے۔

دوسری حدیث: جب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر میں اپنا پرچم دیا

پیچھے خیبر میں رسول کریم ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دینا اور ان کے ہاتھوں پر قلعہ عموص کا فتح ہونا ذکر کیا گیا ہے اس میں حضور ﷺ کے کلمات

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ۔

یعنی کل میں اس مرد کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ بہت ایمان افروز ہیں۔ یہ اس آیت کا مصداق ہیں یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ خدا ان سے محبت رکھتا ہے وہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ (سورۃ المائدہ آیت 54) یہاں یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اکثر وبیشتر جنگوں میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا بلکہ اکثر اوقات سارے لشکر کا جھنڈا بھی آپ کے ہاتھ میں دیا جاتا تھا اس موقع پر یہ حدیث نبوی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ (من یحمل رائیتك یوم القیامہ) روز قیامت آپ ﷺ کا جھنڈا کون اٹھائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

ومن عسیٰ ان یحملھا یوم القیامۃ الامن یحملھا فی الدنیا علی بن ابی طالب

ترجمہ: جو میرا جھنڈا دنیا میں اٹھاتا ہے آخرت میں بھی اس کے سوا کون اٹھائے گا یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 348 بروایت حافظ طرابلسی)

تیسری حدیث، حلتِ جنابت فی المسجد النبوی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا علی لا یحل لاحد ان یجنب فی المسجد غیری و غیرك اے علی رضی اللہ عنہ میرے اور تیرے سوا کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ مسجد میں جنابت دار ہو۔ علی بن منذر راوی حدیث کہتے ہیں میں نے ضرار بن صرد سے پوچھا اس حدیث کا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ اے علی میرے اور تیرے سوا کسی کے لئے حالت جنابت میں مسجد میں سے گزرنا حلال نہیں ہے۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب حدیث 3727)

چونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے متصل حجرے میں قیام پذیر تھے اور رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن کے حجرے مسجد نبوی سے متصل تھے اور رسول کریم ﷺ کی طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو بھی اکثر و بیشتر اوقات مسجد میں آنا پڑتا تھا اور بعض اوقات آدمی پر جنابت طاری ہوتی ہے۔ اور وہ مسجد میں شرعاً داخل نہیں ہوسکتا۔ تو رسول کریم ﷺ نے اس مشکل کے باعث مذکورہ ارشاد فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی خصوصی اجازت سے یا اپنے عند اللہ مقام محبوبیت و رسالت کے حوالے سے حاصل خصوصی اختیار کے تحت فرمایا کہ صرف میرے اور علی کے لئے جنابت کے ساتھ مسجد میں سے گزرنا حلال ہے اور کسی کے لئے حلال نہیں۔ اسی لئے ابن عساکر نے ایک حدیث میں اس مضمون کی بھی روایت کی ہے کہ کسی صاحب جنابت اور حیض والی عورت کا مسجد میں آنا جائز نہیں ہے۔ سوا محمد (ﷺ) اور آپ کی ازواج کے اور سوا علی بن ابی طالب اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے (البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 306 مطبوعہ دارلریان بیروت) تاہم علامہ ابن کثیر نے اسے حدیث ضعیف قرار دیا ہے گویا اگر یہ حدیث بھی درجہ صحت پر ثابت ہو جائے تو اس کا مفہوم اور سبب بھی وہی ہوگا۔ جو ہم نے ذکر کیا کہ ازواج مطہرات اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مسجد میں قدم رکھنا پڑتا ہوگا۔

اس حدیث مبارک سے بھی رحمت کائنات ﷺ کے ساتھ مولائے کائنات شیر خدا رضی اللہ عنہ کا خصوصی قرب ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ان کے لئے شریعت کے اس کلی حکم میں ترمیم کی گئی جو پوری امت پر یکساں نافذ ہے۔

چوتھی حدیث، تزویج فاطمہ رضی اللہ عنہا با علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اس شادی کے حوالے سے پیچھے احادیث گزر چکی ہیں اور صحابہ کرام کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تین ایسی خصلتیں ملی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی میرے پاس ہوتی تو وہ میرے لئے بڑی بڑی نعمتوں سے بڑھ کر تھی۔ آپ سے پوچھا گیا امیر المومنین وہ کون سی خصلتیں ہیں؟ فرمایا علی کی فاطمہ بنت رسول ﷺ سے شادی۔ مسجد میں ان کا رسول

اللہ ﷺ کے ساتھ ٹھہرنا (حالتِ جنابت میں گزرنا) اور روز خیبر ان کو علم رسول یعنی جھنڈا حاصل ہونا۔
(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 124 باب فی جامع مناقب مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے وقت میں کہتے تھے کہ خیر الناس ابو بکر ثم عمر یعنی امت میں سے بہترین ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کو وہ تین عظمتیں ملی ہیں اگر میرے پاس ہوتیں تو وہ سب نعمتوں سے بڑھ کر تھیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی تین چیزیں بیان فرمائیں۔
(مجمع الزوائد جلد 9 بروایت ابویعلیٰ مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

نکاح کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کو زیادہ محبوب ہوں یا فاطمہ رضی اللہ عنہا؟ فرمایا:

ھی احب الی وانت اعز علی منھا۔

ترجمہ: فاطمہ مجھے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک فاطمہ سے زیادہ معزز ہو۔

پانچویں حدیث، تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک میں اپنا نائب بنایا تو وہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ (اتخلفنی فی النساء) کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ غیر انہ لا نبی بعدی

ترجمہ: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری حیثیت میرے ساتھ ایسی ہو جیسی ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث 6218)

اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غزوہ تبوک میں فرمایا :خَلفتكَ فِيْ اَهْلِيْ میں نے تمہیں اپنے اہل وعیال میں نائب بنایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے یہ ناپسند ہے کہ عرب کے لوگ یہ کہنے لگیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی (رسول کریم ﷺ) کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: علی کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہاری حیثیت میرے ساتھ وہی ہو جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 112 باب فی منزلتہ مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

اس حدیث پر پیچھے غزوہ تبوک میں مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے کردار کے حوالے سے گفتگو ہو چکی ہے وہی دوبارہ دیکھ لیں۔ اور اہل تشیع اس سے جو استدلال کرتے ہیں اس کا جواب بھی گزر چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی بنیاد پہ

اہل تشیع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں، اور ان کا سب صحابہ سے افضل ہونا بھی اس سے نکالتے ہیں، حالانکہ ان باتوں کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، بات صرف یہ ہے کہ جب غزوہ تبوک پہ حضرت علی نہ جاسکے تو وہ پریشان ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں خوش کرنے کے لیے فرمایا کہ اس وقت تمہاری حالت میرے ساتھ ایسے ہے جیسے ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی، یعنی میں تمہیں بحیثیت بھائی اپنی جگہ اسی طرح چھوڑ رہا ہوں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو طور پر جاتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑا تھا، البتہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، یعنی اس میں ایک وقتی خلافت کا ذکر ہے، یہاں مستقل خلافت کا کوئی بیان نہیں ہے، اور وہ ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

اس حدیث کو حضرت شاہ ولی اللہ نے معناً متواتر قرار دیا ہے۔ یہ مرزائیوں کے لیے بھی تازیانہ عبرت ہے جو غیر تشریعی نبوت کے اجراء پر زور دیتے ہیں۔ یہ حدیث ان کے اس مرتدانہ کافرانہ عقیدے کا قلع قمع کر دیتی ہے۔ اس کی مزید تشریح ہماری تصنیف دلائل ختم نبوت مع ردّ قادیانیت میں دیکھی جا سکتی ہے۔

چھٹی حدیث، جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے

یہ حدیث یوں تو ہم پیچھے غالباً حجتہ الوداع کے حوالے سے کردار علی رضی اللہ عنہ میں ذکر کر آئے ہیں وہاں یہ حدیث مضبوط اسناد کے ساتھ لکھ کر اس کا مفہوم اور پس منظر بیان کر دیا ہے۔ تاہم اتمام بحث کے لئے یہی حدیث چند دیگر طریق سے ذکر کی جاتی ہے۔

ابوطفیل عامر بن واثلہ بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ حجتہ الوداع سے مدینہ طیبہ لوٹے تو غدیر خم پر آپ نے خیمے گاڑنے کا حکم دیا۔ (پڑاؤ کیا) پھر آپ نے فرمایا: لوگو مجھے جو دعوت دی گئی تھی وہ میں نے پوری کر دی۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے زیادہ اہم ہے۔ ایک اللہ کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی خدا کی رسی ہے۔ دوسرے میری عترت واہل بیت ہے تو خیال رکھنا کہ تم میرے بعد ان دونوں سے کیا سلوک کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی تا آنکہ روز قیامت دونوں اکٹھی میرے پاس آئیں گی پھر آپ نے فرمایا اللہ میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا ولی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ بھی ولی ہے (دوست ہے)۔

اے اللہ جو اسے دوست رکھے گا تو سے دوست رکھ (ابن جریر)۔

عمیر بن سعید کہتے ہیں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب آپ نے مقام رحبہ پر لوگوں کو جمع کر کے فرمایا میں ہر اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے رسول پاک ﷺ کو یہ کہتے سنا ہو کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی

(رضی اللہ عنہ) بھی مولا ہے اے اللہ جو اسے دوست رکھے گا تو اسے دوست رکھ جو اس سے عداوت کرے تو اس سے دشمنی رکھ۔ تو صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے کھڑے ہو کر کہا ہاں ہم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 112 بروایت طبرانی اوسط)

ساتویں حدیث، مومن علی سے بغض اور منافق علی سے محبت نہیں رکھ سکتا

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ ولا یُبْغِضُهُ مُؤْمِنٌ

ترجمہ: کوئی منافق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں رکھتا اور کوئی مومن علی رضی اللہ عنہ سے بغض نہیں رکھتا۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3717)

اس جگہ امام ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اِنَّا کُنَّا لَنَعْرِفُ المنافقین، نحنُ مَعْشَرُ الانصارِ بِبُغْضِهِمْ علیَّ بن ابی طالب

ہم گروہ انصار منافقین کو یوں پہچانتے تھے کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب سے بغض رکھتے تھے۔

(جامع الترمذی حدیث 3717)

یعنی چونکہ مولا علی رضی اللہ عنہ شیر خدا صحابی رسول ﷺ دامادِ مصطفیٰ اور عم زادِ پیغمبر ہیں اس لئے اگر کوئی واقعتاً مومن ہے تو ایمان بالرسول کا تقاضا ہے کہ وہ مذکورہ تین نسبتوں کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت رکھے۔ اور محبت رسول تو عین ایمان ہے، جان ایمان ہے۔ تو جو آدمی علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہو وہ مومن نہیں منافق ہے۔

اور اگر اس حدیث کو کوئی جاہل انسان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف استعمال کرے تو یہ اس کی اپنی جہالت ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی سے کوئی بغض نہیں تھا۔ ان کا جھگڑا صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جو قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں چھپے ہوئے تھے انہیں گرفتار کر کے قتل کیوں نہیں کیا جاتا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان قاتلانِ عثمان کو قرار واقعی سزا دے دیں تو ملک شام کا جو پہلا شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ میں امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہوں گا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 7 صفحہ 129 مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر)

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس انہیں سزا دینے کے لیے کوئی شرعی گواہی نہیں تھی۔ وہ بھی معذور تھے۔ (ان دونوں حضرات کا اختلاف اجتہادی تھا۔ دونوں صحابی رسول ﷺ ہیں۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مذکورہ اعتراض وارد کیا جائے کہ انہوں نے دنیاوی لالچ حرص طمع یا عداوت و بغض کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تو اس سے اعتراض لازم آئے گا کہ صحبت رسول ﷺ کے باوجود بھی آپ رضی اللہ عنہ کا کما حقہ تزکیہ باطن نہیں ہوا تھا اور یہ اعتراض براہ راست رسول اعظم حضور

سیدالانبیاء والمرسلین ﷺ پر آتا ہے کیونکہ آپ کے فرائض نبوت میں شامل ہے وَيُزَكِّيهِمْ کہ تزکیہ باطن فرماتے ہیں)

بہر حال جس کے دل میں محبت علی نہیں تو وہ مومن بھی نہیں۔ اور اگر دعویٰ ایمان کرتا ہے تو اس کا دعویٰ منافقانہ ہے۔ یہ کسی منافق ہی کی شان ہو سکتی ہے مومن کی ہرگز نہیں۔

آٹھویں حدیث: اے ابوتراب جاگ جاؤ

بخاری و مسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پہ اعتراض اور ان کی بے ادبی کرنے کی نیت سے ان کو ابوتراب کہہ کر یاد کرتا تھا، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا، یہ لقب تو خود رسول اللہ ﷺ نے ان کو عطا فرمایا تھا، ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسجد نبوی میں زمین پہ سوئے تھے اور ان کی پشت کو مٹی لگ گئی تھی، نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے ان کی پشت سے مٹی صاف کرنے لگے اور ساتھ فرما رہے تھے:

اجلس یا ابا تراب۔

ترجمہ: اے مٹی والے (اے خاکسار) جاگ جاؤ۔

بخاری شریف میں یہ حدیث یوں مذکور ہے کہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ کہنے لگا فلاں شخص جو امیر مدینہ ہے۔ (یعنی مروان) وہ منبر پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو برا کہتا ہے، فرمایا کیا کہتا ہے؟ کہا: وہ انہیں ابوتراب کہتا ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ مسکرا پڑے، فرمایا۔ اللہ کی قسم! یہ نام تو انہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا تھا اور یہ نام خود مولیٰ علی المرتضیٰ کو سب سے محبوب تھا، میں نے کہا مجھے ساری حدیث سنائیے! وہ کہنے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آئے پھر وہاں سے مسجد میں آ گئے اور مٹی پہ سو گئے، نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ سے پوچھا: اینَ ابنُ عمِکِ تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے (یعنی حضرت علی کہاں ہیں؟) عرض کیا: مسجد میں، آپ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا ان کی چادر ان کی پشت سے ہٹ گئی تھی اور ان کی پشت کو مٹی لگی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ (پیار کے ساتھ) ان کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگے آپ فرما رہے تھے اجلس یا ابا تراب اے مٹی والے (خاکسار) اٹھ جا، یہ آپ نے دو بار فرمایا:

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حدیث 3703)

صحیح مسلم میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ عرض کیا میرے اور انکے درمیان کچھ تنازع تھا اور وہ مجھ سے ناراض ہوئے اور چلے گئے انہوں نے میرے ہاں قیلولہ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے کہا: دیکھو وہ کدھر ہے؟ اسنے بتایا وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مسجد تشریف لائے دیکھا وہ سور

ہے تھے پشت سے چادر ہٹ گئی تھی اور پشت مٹی سے بھری تھی۔ آپ ان کی پشت کو صاف کرتے تھے اور فرماتے تھے قُم یا اباتراب قم یا اباتراب (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث 6229)

نویں حدیث، محب پنجتن جنت میں میرا ساتھی ہوگا:

امام ترمذی کہتے ہیں مجھے نصر بن علی جہنی نے بتایا، اس نے کہا مجھے علی بن جعفر بن محمد نے بتایا انہوں نے کہا مجھے میرے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق نے بتایا۔ ان کو ان کے باپ حضرت امام جعفر صادق نے بتایا۔ ان کو ان کے باپ حضرت امام محمد باقر نے بتایا۔ ان کو ان کے باپ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین نے بتایا۔ ان کو ان کے باپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ اور ان کو ان کے باپ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

من احب هذين و اباهما و امهما كان معي في درجتي يوم القيامة

ترجمہ: جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے اور انکے باپ اور ان کی والدہ سے محبت کی وہ روز قیامت جنت میں میرے درجے میں میرے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کی سند میں چھ آئمہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔ کہاں ہیں وہ شیعہ جو کہتے ہیں سنی محدثین اپنی کتب میں آئمہ اہل بیت سے حدیثیں نہیں لیتے، ارے کیوں نہیں لیتے۔ اگر سند صحیح کے ساتھ حدیث ملے تو ضرور لیتے ہیں۔ یہ حدیث آب زر سے لکھی جائے تو بھی حق ادا نہیں ہوتا۔ یہ حدیث اہل محبت و ایمان کے دل میں عقیدت کے پھول کھلا دیتی ہے، اسے پڑھ اور سن کر چمنستانِ ایمان میں بہار آجاتی ہے اور دل محبت پنجتن پاک سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اے اللہ ہمیں آل رسول کی محبت میں زندہ رکھ اور ان کی محبت میں دنیا سے اٹھا اور روز حشر جنت میں ان کے خادموں میں جگہ عطا فرما آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ علیہ و علیٰ آلہ اجمعین۔

دسویں حدیث: اے اللہ علی کو دیکھے بغیر مجھے دنیا سے نہ اٹھانا

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی لشکر میں جنگ پر بھیجا تو میں نے خود سنا رسول کریم ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِيْ حَتّٰى تُرِيَنِيْ عَلِيًّا۔

اے اللہ مجھے وصال نہ دے تا آنکہ مجھے علی (رضی اللہ عنہ) دکھا دے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حدیث 3733)

اس حدیث کی سند میں چھ آئمہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔ کہاں ہیں وہ شیعہ جو کہتے ہیں سنی محدثین اپنی کتب میں آئمہ اہل بیت سے حدیثیں نہیں لیتے، ارے کیوں نہیں لیتے۔ اگر سند صحیح کے ساتھ حدیث ملے تو ضرور لیتے ہیں۔

قربان جائیں اس عظمت پر ساری دنیا رسول کریم ﷺ کے دیدار کی تمنا رکھتی ہے اور اس کے لئے بے قرار ہے اور خود رحمت کائنات ﷺ مولا علی کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہیں۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3737)

گیارہویں حدیث: چار محبوب صحابی:

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کا حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں ان چار کے نام بتائیے! آپ نے فرمایا علی ان میں سے ہے، یہ تین بار فرمایا، مزید فرمایا ابوذر، مقداد اور سلمان (فارسی) اللہ نے مجھے ان سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے (جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3718)

اہل تشیع اس حدیث کو لیکر کہتے ہیں حق چار یار یہ ہیں جن میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نمبر سب سے پہلے ہے۔ حق چار وہ نہیں ہیں جن میں علی المرتضیٰ کا نمبر سب سے آخر میں ہے۔ اور ایک شیعہ مولوی کہہ رہا تھا۔ میں چیلنج کرتا ہوں پوری صحاح ستہ میں کوئی ایسی حدیث دکھاؤ جس میں وہ چار یار بتائے گئے ہوں جن میں حضرت علی المرتضیٰ سب سے آخر میں ہیں۔ تو شیعہ علماء کا چیلنج قبول ہے۔ اس حدیث مذکور سے صرف چار حدیثیں پیچھے حدیث 3714 پڑھیے خود مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ابوبکر پر رحمت کرے، اس نے مجھ سے اپنی بیٹی بیاہی۔ مجھے وہ دار ہجرت (مدینہ طیبہ) میں اٹھا لایا اور اس نے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اپنے مال سے آزاد کیا۔ اللہ عمر پر رحمت کرے وہ حق کہتا ہے خواہ کڑوا ہو۔ اسی حق گوئی نے اسے قریبی یاروں سے دور کر دیا ہے۔ اللہ عثمان پر رحمت کرے اس سے فرشتے حیا کرتے ہیں، اللہ علی پر رحمت کرے اے اللہ علی جدھر جائے تو حق کو اس کے ساتھ ہی پھیر دے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3714)

بارہویں حدیث: علی مجھ سے ہے میں علی سے ہوں:

حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَلِیٌّ مِنِّی وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ وَلَا یُؤَدِّی عَنِّی اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِیٌّ۔ علی مجھ سے ہے، میں علی سے ہوں، اور میری طرف سے (اعلان براءت کو) میں خود پہنچا سکتا ہوں یا علی

(جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3719، سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ حدیث 119)

یہ پیچھے گزر چکا ہے کہ جب سن ہجری 9 کے حج میں مشرکین عرب کو اعلان براءت سنایا گیا کہ وہ چار ماہ سے زائد

عرب میں نہیں رہ سکتے، اسلام لے آئیں یا لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں تو یہ اعلان مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا، انہوں نے دوران حج عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور مکہ میں یہ اعلان فرمایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر امیر الحجاج بنایا گیا تھا۔

تیرہویں حدیث: مجھے اللہ نے علی سے راز داری کا حکم فرمایا ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو غزوہ طائف کے موقع پر بلایا اور ان سے راز داری میں باتیں کہیں۔ کچھ لوگوں نے (جو نئے اسلام لائے تھے) کہا: ان کی اپنے چچازاد کے ساتھ راز داری لمبی ہوگئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا انْتَجَيْتُه، وَلٰكِنَّ اللهَ انْتَجَاهُ۔ میں نے اس سے راز داری از خود نہیں کی۔ بلکہ اللہ نے اس سے راز داری کا حکم دیا ہے۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3726)

چودھویں حدیث: مومن ہی علی سے محبت اور منافق ہی بغض رکھتا ہے:

زر بن حبیش حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے جو نبی اُمّی ہیں مجھ سے عہد فرمایا تھا: لَا يُحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ۔ اے علی! تجھ سے محبت نہ رکھے گا مگر جو مومن ہو، اور تجھ سے بغض نہ رکھے گا مگر وہ جو منافق ہو۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3736، سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ حدیث 114)

چودھویں حدیث: حضرت علی المرتضیٰ کا سردی گرمی سے محفوظ ہونا:

ابولیلیٰ کہتے ہیں وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کرتے تھے آپ سردیوں میں گرمی والے کپڑے اور گرمیوں میں سردی والے کپڑے پہن لیتے تھے، میں نے اس بارے میں ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے غزوہ خیبر میں بلایا، میری آنکھیں دکھ رہی تھیں (اور سردی سے بخار تھا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ آپ نے میری آنکھوں میں لعاب دہن لگایا۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ۔ اے اللہ! علی سے گرمی سردی دور کردے، کہنے لگے۔ اس کے بعد میں نے کبھی سردی محسوس کی ہے نہ گرمی۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کو (لڑائی کے لیے) بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں، وہ بھاگنے والا نہیں ہے۔ لوگوں نے گردنیں اٹھائیں۔ (کہ وہ کون ہے) تب آپ نے علی المرتضیٰ کو بلایا اور انہیں علم عطا فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ حدیث 117)

پندرہویں حدیث: علی کی اطاعت ونافرمانی میری اطاعت ونافرمانی ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ وَمَنْ عَصَانِی فَقَدْ عَصَی اللہَ وَمَنْ اَطَاعَ عَلِیًّا فَقَدْ اَطَاعَنِی وَمَن عَصٰی علیّاً فقد عصانی

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(المستدرک للحاکم جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ صفحہ 131 حدیث 4617 مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

معنیٰ یہ ہے کہ مولیٰ علی المرتضیٰ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ومحبت میں ڈوبے ہوئے ہیں لہٰذا ان کی اطاعت یا نافرمانی کرنے والا اللہ ورسول کی اطاعت یا نافرمانی کرنے والا ہے۔ رہے وہ صحابہ کرام جو جمل وصفین میں حضرت علی المرتضیٰ کے مقابل آئے تو وہ مولیٰ علی المرتضیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے وہ قصاصِ عثمان غنی کے قیام کا مطالبہ کرتے تھے کہ اگر آپ یہ کریں تو وہ فوراً اطاعت میں آ جائیں گے۔ ان کا یہ عمل بغض وعناد پر نہیں قیاس واجتہاد پر مبنی تھا ان سے اجتہاد میں خطا ہوئی۔

کما ذکرناہُ سابقاً اکثر من مرۃ

سولہویں حدیث: علی میری امت میں اختلاف ہونے پر حق بیان کرے گا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا

اَنْتَ تُبَیِّنُ لِاُمَّتِی مَا اخْتَلَفُوا فیہ من بعدی۔

اے علی! تم میرے بعد میری امت کو حق بتاؤ گے جس چیز میں وہ اختلاف کریں گے۔

(المستدرک للحاکم جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ صفحہ 132 حدیث 4620)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں وہ فرقہ پیدا ہوا جو خلفاء راشدین کو برا کہتا اور آپ کی محبت میں غلو کرتا تھا۔ آپ نے انہیں اس گمراہی پر سمجھایا اور ان پر حق واضح فرمایا: آپ کے بیٹے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا ای الناس خیرٌ بعد رسول اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر، کہتے ہیں میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: عمر، میں نے کہا پھر آپ؟ فرمایا میں تو بس ایک مسلمان ہوں (یہ آپ

کی عاجزی وانکساری ہے) (صحیح بخاری کتاب الفضائل 3671)

اسی طرح امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی سند کے ساتھ حکم بن جحل سے روایت کیا وہ کہتے ہیں میں نے مولیٰ علی المرتضیٰ سے خود سنا آپ نے فرمایا: لَا یُفَضِّلُنِی احدٌ علی ابی بکرٍ و عمرَ اِلاَّ جَلَدْتُه حدّ المُفتَرِیْ جو شخص بھی مجھے ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) پر فضیلت دے گا میں اسے مفتری کی حد کے برابر (80) کوڑے ماروں گا۔

(کتاب فضائل الصحابہ جلد اول صفحہ 100 مطبوعہ دار ابن الجوزی بیروت)

الغرض مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے امت پر راہِ حق واضح فرمایا:

سترہویں حدیث: علی کے لیے جنت میں بڑا خزانہ ہے:

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

یا علیُّ اِنَّ لکَ فی الجنۃِ کنزاً و اِنَّک ذوقر نیھا فلا تُتْبِعَنَّ النظرَۃَ النظرَۃَ فَاِنَّ لَکَ الْاُولیٰ وَلَیْسَ لَکَ الاٰخرۃ۔

اے علی! جنت میں تمہارے لئے ایک بڑا خزانہ ہے اور تم اس کے دونوں کناروں کے مالک ہو، لہٰذا جب ایک نظر پڑ جائے تو دوسری نظر مت ڈالو، تمہارے لیے پہلی نظر حلال ہے دوسری حلال نہیں۔

(المستدرک جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ صفحہ 133 حدیث 4623)

اس حدیث میں یہ پیغام ہے کہ جنت میں بلند درجات تک پہنچنے کیلئے نگاہ پر قابو رکھنا ضروری ہے، پہلی نظر اچانک بے ارادہ پڑ جاتی ہے۔ کوئی جوان عورت بازار میں جا رہی ہے، نظر پڑ گئی تو فوراً نظر جھکا لو۔ دوبارہ دیکھنا حرام ہے اور جو عورت اسی لیے بن سنور کر نکلتی ہے کہ لوگ اسے دیکھیں وہ حدیث کے مطابق زناکار ہے۔ کیونکہ زنا آنکھوں کا بھی ہے، کانوں کا بھی اور دل کا بھی۔

اٹھارہویں حدیث: علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ:

حضرت ابوذر غفاری کا غلام ابو ثابت کہتا ہے میں جنگ جمل میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پہ دیکھا تو میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا (کہ کون حق پر ہے) پھر زوالِ شمس سے قبل (جلد ہی) میرا کھٹکا دور ہو گیا اور میں نے امیر المومنین مولیٰ علی المرتضیٰ کے ساتھ مل کر جنگ جاری رکھی۔ جنگ کے بعد میں مدینہ طیبہ گیا میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا میں نے عرض کیا میں کھانے پینے کی کوئی چیز مانگنے نہیں آیا۔ میں حضرت ابوذر کا غلام ہوں۔ انہوں نے کہا تمہیں خوش آمدید ہو میں نے اپنا واقعہ سنایا، انہوں نے کہا تم نے

بہت اچھا کیا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا:

عَلِیٌّ مَعَ الْقُرآنِ وَالْقُرآنُ مَعَ عَلِیٍّ لَنْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ، دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے تا آنکہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے وارد ہونگے۔

(مستدرک جلد 3 صفحہ 134 حدیث 4628)

امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور حاشیہ میں امام ذھبی نے بھی اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔ یہ حدیث امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کی ہے۔ (دیکھیے معجم اوسط جلد 3 حدیث 2880 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یعنی مولیٰ علی المرتضیٰ جمل میں ہوں تو قرآن ان کے ساتھ ہے وہ صفین میں ہوں تو قرآن ان کے ساتھ ہے۔ جبکہ ان کے مقابل صحابہ کرام خطائے اجتہادی پر تھے اور مجتہد کے لیے اپنی خطا پر مطلع ہو جانا ضروری نہیں۔ یہ شان انبیاء ہے کہ اگر ان سے خطائے اجتہادی ہو تو فوراً انہیں مطلع کر دیا جاتا ہے۔ غیر انبیاء کے لیے یہ ضروری نہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو ان کی خطاء پر مطلع کر دیا گیا۔ مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ کیا گیا۔

انیسویں حدیث: مسجد نبوی میں صرف علی کا دروازہ کھلا رہنے دو:

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ کے لیے مسجد نبوی میں کھلے دروازے ہوتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سُدُّوا هٰذِهِ الْاَبْوَابَ اِلَّا بَابَ عَلِیٍّ، حضرت علی کے دروازہ کے سواسب دروازے بند کر دو، کچھ لوگوں نے اس بارے میں بات کی، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا میں نے حکم دیا تھا کہ علی کے سواسب کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس پر کسی نے کچھ کہا ہے۔ اللہ کی قسم میں نے از خود کوئی دروازہ بند کیا ہے نہ کھولا ہے، بلکہ مجھے جو حکم ہوا میں نے اس کی اتباع کی۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 135 حدیث 4631)

امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا اور حاشیہ میں امام ذھبی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ یاد رہے ابتداء میں مسجد نبوی کے صحن کے اطراف میں دیوار نہ تھی، ہر طرف سے آنے کے راستے بنے ہوئے تھے انہی کو کھلے دروازے کہا گیا۔ ان سے بسا اوقات جانور بھی صحن میں آ جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ صحن کے گرد دیوار بنا دو اور سب راستے بند کر دو البتہ علی المرتضیٰ کے لیے راستہ رہنے دو کیونکہ وہ مسجد سے متصل حجرہ ہی میں رہتے تھے، حجرات ازواج رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجرہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی تھا اسی لیے پیچھے حدیث گزری ہے کہ میرے اور علی کے سوا کسی کے لیے مسجد میں سے جنابت میں گزرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ آخر زمانہ میں وصال سے قبل رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ لَا یُبْقَیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ اِلَّا خَوْخَةُ

ابی بکر مسجد میں کوئی کھڑکی کھلی نہ رکھی جائے سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے، (صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث 3904، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث 2، جامع الترمذی کتاب المناقب باب 15)

اس ارشاد میں دراصل حضرت صدیق اکبر کی خلافت و امامت کی طرف اشارہ مقصود تھا کیونکہ انہی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا مصلیٰ امامت عطا فرمایا تو ان کے لیے ایک الگ دروازہ رکھنے کا حکم فرمایا جیسے آج بھی عرب میں امام کے لیے مسجد میں آنے کا محراب کے قریب چھوٹا دروازہ ہوتا ہے اس کو یہاں خوخہ فرمایا گیا ہے۔

بیسویں حدیث : جو میری طرح زندگی گزارنا چاہے وہ علی سے محبت رکھے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ میری طرح زندگی گزارے اور میری طرح فوت ہو اور اس خُلد میں سکونت کرے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ علی بن ابی طالب سے محبت رکھے۔ کیونکہ وہ تمہیں راہ ہدایت سے نہ ہٹائے گا اور گمراہی میں نہ لیجائے گا۔

(مستدرک جلد 3 صفحہ 139 حدیث 4642)

اکیسویں حدیث :میں، علی، فاطمہ اور حسنین جنت میں اکٹھے ہونگے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر گئے (حضرت علی المرتضیٰ سو رہے تھے) آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا:

اِنّیْ وَاِیَّاكِ وھٰذا الراقِدُ وھما (الحسن والحسین) لفی مکانٍ واحدٍ یوم القیامة

میں، تم، یہ سونے والا اور یہ دونوں (حسنین کریمین) روز قیامت (جنت میں ایک ہی جگہ پہ ہوں گے)

(کنز العمال بروایت مسند احمد، ابن ابی عاصم، طبرانی فی المتفق، ابن نجار، خطیب جلد 13 صفحہ 639 حدیث 37612)

بائیسویں حدیث: میرے داماد اور میرے سسر جنت میں میرے ساتھ ہونگے:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سألت ربی عزوجل ان لاازوج احداً من امتی و لا اتزوج الا کان معی فی الجنة فاعطانی۔

میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میں اپنی امت میں سے جس کو اپنی بیٹی بیاہ دوں یا جس کی بیٹی سے بیاہ کرلوں وہ جنت میں میرے ساتھ ہو تو اللہ نے مجھے یہ وعدہ عطا فرما دیا۔

(مستدرک جلد 3 صفحہ 148 حدیث 4667)

حاکم نے اسے صحیح حدیث کہا ہے اور حاشیہ میں امام ذھبی بھی اسے حدیث صحیح مان رہے ہیں۔ یعنی اس حدیث میں شیخین کریمین اور ختنین عزیزین کے لیے وعدہ جنت فرمایا گیا ہے یعنی چار یاران مصطفیٰ ﷺ جنت میں امام الانبیاء ﷺ کے ساتھ ہونگے۔

تیئیسویں حدیث: حضور ﷺ نے آخری گفتگو حضرت علی سے فرمائی:

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ اللہ کی قسم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے والے آخری انسان ہیں۔ ایک دن حضور ﷺ صبح بھی فرمانے لگے۔ کیا علی آیا ہے؟ کیا علی آیا ہے؟ یہ آپ نے کئی بار فرمایا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا گویا آپ نے انہیں کسی کام کے لیے بھیجا ہے، حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کچھ دیر بعد حضرت علی المرتضیٰ آ گئے۔ ہم نے سمجھا کہ شائد آپ ان سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کمرے سے باہر نکل گئے، ہم دروازہ کے پاس بیٹھ گئے، میں دروازے کے ساتھ زیادہ قریب تھی، میں نے دیکھا حضور ﷺ سر جھکا کر ان سے راز داری و سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے، پھر اسی دن رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے اس لیے حضرت علی المرتضیٰ ہی آپ کے ساتھ گفتگو کرنے والے آخری آدمی تھے۔ (مستدرک جلد 3 صفحہ 149 حدیث 4671)

امام حاکم اور امام ذھبی دونوں نے اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔

چوبیسویں حدیث: اے علی تیرا جنت والا گھر اس سے بھی حسین تر ہے:

ابو عثمان ہندی کہتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک بار رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا ہم مدینہ شریف کی گلیوں میں گھوم رہے تھے ہم ایک باغ کے قریب سے گزرے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مَا اَحْسَنَ هٰذِهِ الْحَدِيقَةَ، یہ باغ کتنا خوبصورت ہے؟ آپ نے فرمایا: لَكَ فِی الْجَنَّةِ اَحْسَنُ مِنْهَا۔ جنت میں تمہارے لیے اس سے بہت خوبصورت باغ ہوگا۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 150 حدیث 4672)

پچیسویں حدیث: اے علی! میں نے اللہ سے جو اپنے لیے مانگا تیرے لیے بھی مانگا:

حضرت مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں شدید بیمار ہوا، میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا میں آپ سے ایک قرب رکھتا تھا، آپ اٹھ کر نماز پڑھنے لگے، آپ نے مجھ پر اپنی چادر کا کچھ حصہ ڈال دیا اور آپ نے جب تک چاہا آپ نماز پڑھتے رہے۔ پھر فرمایا: اے ابوطالب کے بیٹے! اب تم ٹھیک ہو گئے ہو تم پر کوئی بیماری نہیں رہی۔

مَا سَئَلْتُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ شَيْئًا اِلَّا سَئَلْتُ لَكَ مِثْلَهٗ وَمَا سَئَلْتُ اللهَ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَانِی اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ لِی: لَا نَبِیَّ بَعْدَكَ

میں نے اللہ تعالیٰ سے جو بھی اپنے لیے مانگا وہ میں نے تمہارے لیے بھی ضرور مانگا اور میں نے اللہ سے جو مانگا اللہ نے مجھے ضرور عطا فرمایا، مگر اللہ نے مجھے فرمایا لا نبی بعدک تمہارے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(کتاب السنۃ امام ابو بکر احمد بن عمرو المعروف ابن ابی عاصم شیبانی متوفی 287ھ باب ماذکر فضل علی رضی اللہ عنہ صفحہ 225 حدیث 1313 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس میں منکرین ختم نبوت کے لیے بھی تازیانہ ہدایت ہے کہ جب مولیٰ علی المرتضیٰ بھی امتی نبی نہیں بن سکتے تو چودھویں صدی کا ایک ناکام وکیل مرزا قادیانی کیسے امتی نبی بن سکتا ہے، بہرحال حضور ﷺ نے جو بھی اپنے لیے اللہ سے سوال کیا وہ حضرت علی المرتضیٰ کے لیے ضرور کیا البتہ آپ سے کہا گیا کہ حضرت علی کے لیے نبوت مت مانگیں وہ آپ کے بعد کسی کو نہیں مل سکتی۔ امام ابن ابی عاصم کہتے ہیں فضیلت علی المرتضیٰ میں اس سے اہم حدیث میں کوئی نہیں جانتا۔

چھبیسویں حدیث : قتل خوارج اور فضیلتِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ :

عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کیا وجہ ہے آپ لڑائی کے لیے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں نکلتے؟ کیا آپ نے سنا نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی فضیلت میں کیا فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ دین سے نکل جائے گا جیسے تیر اپنے نشانے سے آر پار ہو جائے۔ انہیں علی بن ابی طالب قتل کرے گا۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا، حضرت سعد فرمانے لگے: آپ نے سچ کہا ہے واللہ میں نے بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ مگر میں لڑائی سے الگ رہوں گا تا آنکہ ایسی تلوار پالوں جو کافر پہ چلے مومن سے ٹلے (یعنی میں نے ہمیشہ صرف کفار پہ تلوار اٹھائی ہے۔ حضرت سعد کی تلوار نے سارا عراق اور سارا ایران فتح کیا۔)

(کتاب السنۃ لابن ابی عاصم باب فضل علی رضی اللہ عنہ صفحہ 227 حدیث 1329)

اس حدیث میں خوارج کی طرف اشارہ ہے جو جنگ نہروان میں ذوالفقار حیدری کی خوراک بنے جیسا کہ ہم پیچھے مفصل لکھ آئے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا جمل و صفین سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ وہاں دونوں طرف جلیل القدر صحابہ کبار کی جماعتیں تھیں اور کسی صحابی کے لیے دین سے نکلا ہوا کہنا جائز نہیں ہے۔

ستائیسویں حدیث : اے اللہ علی کے دل اور زبان کو سیدھا رکھ:

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تاکہ میں وہاں فیصلے کیا کروں۔ (قاضی یمن بنایا) میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے فیصلہ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے، آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا

اور دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ وَسَدِّدْ لِسَانَہٗ اے اللہ! علی کے دل کو ہدایت پر رکھ اور اس کی زبان کو راست رو بنا دے۔ حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں پھر مجھے کبھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے کوئی شک نہ ہوا تا آنکہ میں یہاں بیٹھا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 کتاب الفضائل، فضائل علی بن ابی طالب صفحہ 368 حدیث 32059 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان احادیث کی روشنی میں ہم پر یہ کہنا لازم ہے کہ جمل و صفین و نہروان میں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے، کوئی دوسری رائے اس میں نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ کے دل اور آپ کی زبان کا سیدھا اور ہدایت پر رہنا منظورِ خدا و مطلوب مصطفیٰ ہے۔

اٹھائیسویں حدیث: علی تاویل قرآن پر جہاد کرے گا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے ہم آپ کی خدمت میں یوں (با ادب) بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پہ پرندے بیٹھے ہوں، ہم سب سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: اِنَّ منکُمْ رَجُلاً یُقَاتِلُ النَّاسَ علیٰ تأویلِ القرآنِ کما قُوتِلْتُمْ علیٰ تَنْزِیْلِہٖ بے شک تم میں سے ایک شخص وہ ہے جو لوگوں سے (خوارج سے) تاویل قرآن پر جہاد کرے گا جیسے تم سے تنزیل قرآن پر جہاد کیا گیا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ عرض کیا اَنَا ھُوَ یا رسول اللہ یعنی یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ میں ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ اَنَا ھُوَ کیا وہ میں ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ لٰکِنَّہٗ خَاصِفُ النَّعْلِ فِی الحجرۃ وہ حجرے میں جوتی گانٹھ رہا ہے، تب حضرت علی المرتضیٰ ہم پر نکلے۔ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی نعلین مبارک تھی۔ جسے وہ درست کر رہے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الفضائل فضائل علی بن ابی طالب جلد 6 صفحہ 370 حدیث 32073)

حضور ﷺ ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے کفار سے قرآن کے منوانے پر جہاد کیا، جبکہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قرآن کے سمجھانے پر جہاد کیا وہ قرآن کا معنیٰ بگاڑتے تھے وہ ان الحکم الا للہ کی غلط تفسیر کر کے صحابہ کرام پر فتوائے شرک لگاتے تھے، انہوں نے کئی صحابہ کرام کو اس لیے قتل کر دیا کہ انہوں نے ان کی دعوت قبول نہ کی، تب حضرت علی المرتضیٰ نے جنگ نہروان میں ان کا قلع قمع کیا، لہٰذا اس حدیث میں شیخین کریمین کے لیے کوئی تنقیص نہیں، کیونکہ انہوں نے پیروی رسول اللہ ﷺ میں تنزیل قرآن پر کفار سے جہاد کیا اور مولیٰ علی المرتضیٰ نے تاویل قرآن پر خوارج اشرار سے جہاد کیا۔

انتیسویں حدیث : علی میری طرح ہے اور ان کی شجاعت کی تعریف:

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ طائف کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے سترہ یا اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ رکھا مگر اسے فتح نہیں کیا۔ پھر آپ نے وہاں سے کوچ کر کے ایک دن یا رات کا سفر طے کیا پھر آپ نے خطبہ دیا، فرمایا اے لوگو! میں اللہ کے ہاں تمہارا پیش رو ہوں میں تمہیں اپنی عترت کے بارے میں خیر کی وصیت کرتا ہوں، آخرت میں تم سے حوضِ کوثر پہ ملوں گا، اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو، ورنہ میں تم پر ایسا آدمی بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میری طرح ہے، وہ ان کے لڑنے والوں کی گردنیں اڑائے گا اور ان کی اولاد کو قیدی بنائے گا، لوگوں نے سمجھا کہ شائد آپ ابو بکر صدیق یا عمر فاروق کی بات کر رہے ہیں۔ (کیونکہ سب صحابہ کرام کے نزدیک وہی سب سے افضل تھے) حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ھذا وہ یہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 371 حدیث 32077)

یہی حدیث آگے چل کر یوں بھی وارد ہوئی ہے کہ آقائے کریم ﷺ نے فرمایا میں وہ شخص بھیجوں گا جو تمہارے لڑنے والوں کو قتل اور تمہاری اولاد کو گرفتار کرے گا۔ اللّٰھم انا او کنفسی ثم اخذ بید علی۔ اے اللہ! وہ میں ہوں یا وہ جو خود میری طرح ہے پھر آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کا ہاتھ پکڑا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 372 حدیث 32084)

تیسویں حدیث : مولیٰ علی کی خدمت اور رسول اکرم ﷺ کی محبت:

عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں ایک بار نبی اکرم ﷺ کے پاس صحابہ کرام حاضر تھے، آپ نے اپنی ازواج پاک کے پاس پیغام بھیجا مگر وہاں سے کوئی چیز نہ ملی۔ (یعنی آپ کو بھوک تھی اور صحابہ کو بھی بھوک تھی) وہ اسی حالت میں بیٹھے تھے کہ اچانک ان پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے ان کے بال غبار آلود تھے چہرے پہ بھی غبار تھا۔ ان کے کندھے پر ایک صاع کے قریب کھجوریں تھیں (ایک صاع ساڑھے چار سیر کے قریب ہوتا ہے) آپ نے وہ مزدوری کر کے حاصل کی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مَرْحَباً بِالْحَامِلِ وَالْمَحْمُوْلِ اٹھانے والے اور اٹھائی ہوئی چیز کے لیے مرحبا۔ پھر آپ نے انہیں بٹھایا اور ان کے سر سے اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ مٹی جھاڑی۔ پھر فرمایا: ابوتراب کو خوش آمدید پھر سب نے وہ کھجوریں کھائیں تا آنکہ سب سیر ہو گئے، پھر آپ نے باقی ماندہ کھجوریں اپنی ازواج کو بھیج دیں ہر ایک کو علیحدہ حصہ بھیجا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 372 حدیث 32088)

اکتیسویں حدیث ۔ پنجتن پاک کی شانِ تطہیر بزبان سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ایک صبح تشریف لے گئے۔ آپ پر ایک منقش

چادر تھی جو سیاہ اون سے بنی تھی۔ حضرت حسن بن علی آئے آپ نے انہیں چادر میں لے لیا پھر حضرت حسین بن علی آئے آپ نے انہیں بھی اپنے ساتھ لے لیا، پھر حضرت فاطمہ زہراء تشریف لائیں آپ نے انہیں بھی ساتھ ملا لیا۔ پھر مولیٰ علی المرتضیٰ آ گئے (رضی اللہ عنھم و رضوعنہ) آپ نے انہیں بھی چادر میں لے لیا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۝ (سورہ احزاب آیت 33)

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زائد بار بلکہ کئی بار ان نفوس قدسیہ کو چادر میں لے کر یہ آیہ تطہیر تلاوت فرمائی، یعنی آپ نے ان کے لیے بار بار دعا فرمائی کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں انہیں ہر رجس سے دور کر دے۔ اور انہیں یوں پاک کر دے جیسے پاک کرنے کا حق ہے۔

اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ جناب مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جمل وصفین میں جانا اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں جانا رجس سے پاک ہے۔ یعنی وہی حق پر تھے۔

بتیسویں حدیث: حضرت علی المرتضیٰ کے لیے پانچ خصوصی اخروی درجات:

یہ حدیث امام علی رضا نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے، انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے، انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے، انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین سے، انہوں نے اپنے والد امام حسین سے اور انہوں نے اپنے والد مولیٰ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنھم) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی! میں نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پانچ چیزوں کا سوال کیا، اللہ نے میرا سوال پورا کر دیا۔

اوّل: میں نے سوال کیا کہ جب میں (روزِ قیامت) زمین سے اٹھوں اور اپنے سر سے مٹی جھاڑوں تو تم میرے ساتھ ہو۔

دوم: میں نے اللہ سے سوال کیا کہ جب میں میزان پہ کھڑا ہوں تو تم میرے ساتھ ہو۔

سوم: میں نے اللہ سے مانگا کہ میرا جھنڈا روز قیامت تم اٹھاؤ اور وہ اللہ کا عظیم جھنڈا ہے کامیاب اور جنتی لوگ اس کے نیچے ہوں گے۔

چہارم: میں نے اپنے رب سے مانگا کہ میری امت کو میرے حوض سے تم پلاؤ۔

پنجم: میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ تمہیں میری امت کا قائد بنائے جو انہیں جنت میں لیکر جائے، اللہ نے مجھے یہ سب کچھ عطا کر دیا۔ (کنز العمال جلد 13 صفحہ 152 حدیث 36476)

تینتیسویں حدیث : مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خوف خدا:

جبیر نے شعبی سے روایت کیا کہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں اللہ سے حیا کرتا ہوں کہ مجھ

سے ایسا گناہ سرزد ہو جو میرے لیے معافی سے بڑا ہو۔ یا ایسا جہل سرزد ہو جو میرے حلم سے بڑا ہو۔ یا ایسا عیب ظاہر ہو جسے میرا ستر نہ چھپا سکے یا ایسی حاجت درپیش ہو جسے میرا جود دور نہ کر سکے

(بروایت ابن عساکر) (کنز العمال جلد 13 صفحہ 111 حدیث 36364)

چونتیسویں حدیث: مولیٰ علی المرتضیٰ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی باہمی محبت:

شعبی کہتے ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا: جس شخص کے لیے یہ بات خوشگوار ہے کہ اس آدمی کو دیکھے جسکی قدر ومنزلت رسول اللہ ﷺ کے پاس سب سے زیادہ ہے، وہ (نسب میں) آپ کے ساتھ سب سے قریب تر ہے اور جو آپ کی خدمت اور آپ کے دفاع میں سب سے پیش پیش ہے وہ ان کو (مولیٰ علی المرتضیٰ کو) دیکھ لے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ کو جناب ابو بکر صدیق کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے فرمایا جب انہوں نے یہ کہا ہے تو سنو وہ سب سے زیادہ متقی ہیں۔ امت کے سب سے رحیم تر شخص ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے یار غار ہیں اور اپنا مال رسول اکرم ﷺ پر سب سے زیادہ قربان کرنے والے ہیں۔

(بروایت ابن ابی الدنیا، ابن مردویہ، حاکم) (کنز العمال جلد 13 صفحہ 116 حدیث 36375)

معلوم ہوا سیدنا صدیق اکبر وسیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان کمال درجہ کی محبت ومودت تھی دونوں ایک دوسرے کے کمالات وفضائل کا غائبانہ تذکرہ واعتراف کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے انہیں رحماءُ بینھم فرمایا اور انہیں اَعِزَّةٍ علی المؤمنین کہہ کر بلایا۔

پینتیسویں حدیث:

ابو معسر کہتے ہیں کہ میں مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس حاضر ہوا، آپ کے سامنے کچھ سونا پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: انا یعسوب المؤمنین و ھٰذا یعسوب المنافقین میں مومنوں کا یعسوب ہوں اور یہ (سونا) منافقوں کا یعسوب ہے۔ آگے اس کی وضاحت فرمائی کہ مومنین میری پناہ ڈھونڈتے ہیں اور منافقین اس کی۔

(کنز العمال جلد 13 صفحہ 119 حدیث 36382 بروایت ابونعیم)

چھتیسویں حدیث:

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتا تھا تو آپ مجھے عطا فرماتے تھے اور اگر میں خاموش رہتا تو مجھ ہی سے ابتداء فرماتے تھے

(ابن ابی شیبہ، ترمذی، مستدرک وغیرہ) (کنز العمال جلد 13 صفحہ 120 حدیث 36387)

سینتیسویں حدیث : مولیٰ علی المرتضیٰ کی محبت میں افراط وتفریط کا انجام:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی سند کے ساتھ ابو السوار سے روایت کیا کہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ لوگ مجھ سے (بے جا) محبت کریں گے اور میری محبت (میں غلو) کی وجہ سے جہنم میں چلے جائیں گے اور کچھ لوگ مجھ سے بغض رکھیں گے اور میرے بغض کی وجہ سے جہنم میں چلے جائیں گے۔

(کتاب فضائل الصحابہ جلد 2 صفحہ 18 حدیث 952 مطبوعہ دار ابن جوزی سعودیہ)

بلاشبہ روافض نے مولیٰ علی المرتضیٰ کی محبت میں غلو کیا کہ آپ کو انبیاء سے افضل قرار دیا اور آپ کو امام معصوم ومنصوص مان لیا اور آپ کی محبت کی آڑ میں خلفاء راشدین کو گالیاں دینے لگے۔ جبکہ خوارج نے آپ سے بغض کا راستہ اپنایا اور یہ دونوں راستے جہنم میں لے جانے والے ہیں اہل سنت و جماعت ہی ناجی فرقہ ہے جو افراط و تفریط سے بچ کر مسلکِ اعتدال پر قائم ہے۔

اڑتیسویں حدیث۔ فاطمہ مجھے محبوب تر ہے اور علی میرے لئے عزیز تر ہے:

ابو نجیح کہتے ہیں میں نے مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ منبر کوفہ پہ فرمارہے تھے جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے رشتہ مانگنا چاہا تھا مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو کوئی مال نہیں پھر میں نے آپ کی صلہ رحمی اور شفقت کو یاد کیا اور رشتہ مانگا۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی (قیمتی) چیز ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا تمہاری حُطمی زرہ کدھر ہے جو میں نے تمہیں فلاں موقع پر دی تھی؟ میں نے عرض کیا وہ میرے پاس ہے، فرمایا وہ لے آؤ۔ میں وہ لے آیا آپ نے وہی حق مہر میں قبول فرمالی، جب حضرت فاطمہ میرے گھر آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بیوی کے پاس نہ جانا جب تک میں نہ آؤں۔ پھر آپ تشریف لائے، آپ نے پانی منگوایا اس پہ دعائے برکت فرمائی وہ پانی ہمارے سروں پہ چھڑک دیا میں نے عرض کیا: کیا میں آپ کو زیادہ پیارا ہوں یا یہ (فاطمہ)؟ آپ نے فرمایا: هِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْكَ وَاَنْتَ اَعَزُّ عَلَيَّ منها

وہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم مجھے اس سے زیادہ عزیز ہو،

(فضائل الصحابہ، کتاب فضائل علی بن ابی طالب جلد 2 صفحہ 97 حدیث 1076)

انتالیسویں حدیث : مولیٰ علی المرتضیٰ کا علم قرآن:

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! قرآن میں جو آیت اتری ہے میں جانتا ہوں وہ کس واقعہ میں

نازل ہوئی، کب نازل ہوئی اور کس کے متعلق نازل ہوئی، اللہ نے مجھے سمجھنے والا دل اور بیان کرنے اور پوچھنے والی زبان عطا کی ہے۔(ابن سعد، ابن عساکر)(کنز العمال جلد 13 صفحہ 128 حدیث 36404)

چالیسویں حدیث : حضرت علی المرتضیٰ کی سابقیت فی الاسلام:

حبہ بن جوین کہتے ہیں: مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات برس تک یوں عبادت کی کہ اس امت میں سے کوئی وہ عبادت کرنے والا نہ تھا۔(حاکم، ابن مردویہ)(کنز العمال جلد 13 صفحہ 122 حدیث 36390)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے قبل سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر عبادت کرتے تھے، کیونکہ وہ آپ کی تربیت میں تھے اور ظہور اسلام سے قبل بھی عبادت فرماتے تھے جو طویل سجود پر مشتمل ہوتی تھی۔ اسی کو بعض احادیث میں صلوٰۃ بھی کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ موجودہ نماز کی طرح نہ تھی جس میں قیام، رکوع سجود، تشہد اور قراءت ہے۔ یہ نماز نزولِ قرآن کے بعد بذریعہ جبریل علیہ السلام آپ کو عطا فرمائی گئی، نزولِ قرآن سے قبل آپ طویل سجدہ فرماتے تھے۔ اور مولیٰ علی المرتضیٰ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے جبکہ ان کی عمر اس وقت بالکل چھوٹی تھی اور وہ بچے تھے۔

الحمد للہ فضائل مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ میں چالیس احادیث مبارکہ جمع کرنے کی سعادت مجھ گناہگار کو نصیب ہوئی، اللہ قبول فرمائے۔

ایک بحث

شان علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں بعض موضوع احادیث کا رد

پہلی حدیث: میں ہی صدیق اکبر ہوں، قول علی، باطل روایت ہے:

عباد بن عبداللہ نے کہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ کا بھائی ہوں وَ اَنَا الصِّدِّیْقُ الا کبرُ لا یقولھا بعدی الا کذاب اور میں ہی صدیق اکبر ہوں، میرے بعد جو یہ کہے گا وہ کذاب ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ حدیث 120، مستدرک جلد 3 صفحہ 121 حدیث 4584)

مگر یہ باطل روایت ہے۔ اس کی سند سنن ابن ماجہ میں یوں ہے حدثنا محمد بن اسماعیل ابو الرازی حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ، اس عبید اللہ کے بارے میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کان یتشیع ویروی احادیث منکرۃ وہ شیعوں کی حمایت کرتا ہے اور حمایت شیعہ میں احادیث منکرہ لاتا ہے،

امام احمد نے کہا وہ منکر روایات لاتا ہے میں نے اسے مکہ میں دیکھا تو اس سے اعراض کیا۔

(تہذیب التہذیب جلد 4 صفحہ 36 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح اس حدیث کی سند میں عباد بن عبداللہ ہے۔ یہی اس کا مرکزی اور آخری راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن جوزی نے کہا امام احمد بن حنبل نے اسی روایت انا الصدیق الاکبر کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیا اور ابن حزم نے اسے مجہول راوی قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد 3 صفحہ 67)

پھر روایت کے علاوہ درایت میں بھی یہ روایت باطل ہے کیونکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی مدح سرائی خود کرتے ہوئے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں صدیق اکبر ہوں یہ تو متکبرانہ الفاظ ہیں جو آپ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ یقیناً شیعہ راویوں نے اسے گھڑ کر آپ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی لیے تلخیص میں امام ذہبی نے فرمایا بل ھٰذا حدیث باطل

(حاشیہ مستدرک جلد 3 صفحہ 120)

دراصل لفظ صدیق اکبر شیعوں اور تفضیلیوں پہ بہت بھاری گزرتا ہے۔ اس لیے ان میں سے کسی گمراہ شخص نے یہ قول از خود بنا کر مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹ سے منسوب کر دیا ہے۔

دوسری حدیث: علی المرتضیٰ کا قتل عمرو بن عبدود ساری امت کے اعمال سے افضل ہے، موضوع ہے

حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا روز خندق علی بن ابی طالب کا عمرو بن عبدود سے مقابلہ روز قیامت میری ساری امت کے اعمال سے افضل ہوگا۔ (المستدرک جلد 3 صفحہ 32 کتاب المغازی)

اس حدیث کے تحت امام ذھبی فرماتے ہیں:

قبح الله رافضیًا افتراہ۔

اللہ اس رافضی کا منہ بگاڑے جس نے یہ حدیث گھڑی۔ (یہ بات انہوں نے راوی عمرو بن ابی سلمہ کے بارے میں کہی) (حاشیہ مستدرک حوالہ مذکورہ)

عقل بھی اس مضمون کو قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہجرت رسول ﷺ کے تمام انتظامات فرمانا اور انجام تک پہنچانا بلاشبہ ساری امت کے اعمال سے بہت بہتر ہے۔ انہوں نے سواریاں خریدیں۔ راہبر کا انتظام کیا اور ان کی اولاد تین دن تک غار ثور میں کھانا اور دودھ پہنچاتی رہی حتیٰ کہ اللہ نے اس پر قرآن میں ان کی صحابیت اور خدمت کا اعلان فرمایا۔ بلاشبہ یہ ساری امت کے اعمال سے افضل ہے۔ اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر میری ساری زندگی کی نیکیاں ایک پلہ میں ہوں اور ابوبکر صدیق کی شب ہجرت والی نیکی دوسرے پلہ میں تو ان کی یہ ایک نیکی میری زندگی کی تمام حسنات پہ غالب ہے۔ (مشکوۃ شریف کتاب الفضائل)

تیسری حدیث: میں منذر ہوں اور علی ھادی، حدیث موضوع ہے:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۝

اے پیارے رسول (ﷺ) آپ ہی (اس امت کے لیے) ڈرانے والے ہیں اور آپ ہی ہر قوم کے لیے ہادی ہیں۔ (سورہ رعد آیت 7) یہ آیت اپنے واضح مفہوم کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی شان ختم نبوت اور آپ کی عالمگیر نبوت کو بیان کر رہی ہے۔ مگر اہل تشیع اس کا مفہوم بدلنے کے لیے من گھڑت حدیث لاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں منذر ہوں اور اے علی تم ہادی ہو۔ (تفسیر علامہ عیاش جلد 2 صفحہ 203) وہ کہتے ہیں وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۝ کا معنی یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک ھادی ہوتا ہے (وہ لِكُلِّ قَوْمٍ کو خبر مقدم اور هَادٍ کو مبتداء موخر بناتے ہیں۔) پھر وہ امام ابن جریر طبری کی مروی یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں منذر ہوں اور علی تم ھادی ہو، میرے بعد لوگ صرف تم ہی سے ہدایت پائیں گے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد 7 صفحہ 344)

پھر اہل تشیع اس پر اپنا عقیدۂ امامت منصوصہ کھڑا کرتے اور خلفاء راشدین کی خلافت کا رد کرتے ہیں۔ مگر یہ سب غلط

استدلال ہے۔ ابن جریر کی روایت اس حدیث کا ایک راوی حسن بن حسین کوفی کٹر شیعہ ہے۔ امام ابو حاتم نے کہا وکان من رءوساء الشیعة وہ سرداران شیعہ میں سے تھا۔ امام ذہبی فرماتے ہیں یہ حدیث اسی حسن بن حسین کی گھڑی ہوئی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد 1 صفحہ 484 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پھر یہ حدیث درایت میں بھی باطل ہے کہ ہر صحابی رسول ہادی ہے بلکہ آسمان ہدایت کا درخشندہ ستارہ ہے اور شیخین کریمین کے بارے میں تو خود زبان رسالت نے کہا اقتدوا باالذین من بعدی ابی بکر و عمر جو خلفاء میرے بعد آئیں گے ان کی اقتداء کرو یعنی ابوبکر و عمر (سنن ترمذی کتاب المناقب حدیث 3662)

اس کی مزید تفصیل میں نے اسی آیت مذکورہ کے تحت اپنی تفسیر برھان القرآن میں لکھی ہے وہاں دیکھیں۔

چوتھی حدیث: میں سید اولاد آدم ہوں اور علی سید العرب ہے، موضوع ہے:

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ادعوا الی سید العرب سید العرب کو میرے پاس بلاؤ، میں نے عرض کیا کیا آپ سید العرب نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلِدِ آدم وَ علیٌّ سَیِّدُ الْعَرَب میں سید اولاد آدم ہوں اور علی سید العرب ہے۔ (مستدرک جلد 3 صفحہ 134)

اس کے تحت امام ذہبی تلخیص میں فرماتے ہیں اسے حسین بن علوان نے وضع کیا ہے اور اسے عمر بن موسیٰ وجیہی نے عن ابی الزبیر عن جابر روایت کیا ہے؟ امام ذہبی نے کہا یہ عمر جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے۔ (حاشیہ مستدرک جلد 3 صفحہ 134)

میں نے اپنی کتاب افضلیت صدیق اکبر میں متعدد دیگر موضوع احادیث کا تذکرہ کیا ہے، جن کی وجہ سے الجھاؤ پیدا کیا جاتا ہے۔ میں یہاں اس مضمون کو نقل کر دیتا ہوں کیونکہ وہ اپنی جامعیت اور اختصار کی وجہ سے بہت نافع ہے۔

بعض احادیث سے پیدا کردہ شبہات کا ازالہ:

پہلا شبہ: حدیثِ طیر سے شیعہ اور تفضیلیہ کا استدلال:

انہی احادیث موضوعہ میں سے ایک حدیث طیر بھی ہے جو سنن ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں:

كان عند النبى ﷺ طيرٌ فقال اللّٰهم ائتنى باحب خلقك اليك ياكل معى هذا الطير فجاء على فأكل معه۔

(سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب: مناقب مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حدیث: 3721)

ترجمہ: "نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک طیر (پرندہ) تھا (یعنی اس کا بھنا ہوا گوشت تھا) آپ نے دعا کی: اے

اللہ! میرے پاس ایسے شخص کو بھیج دے، جو تجھے مخلوق میں سب سے محبوب ہے تاکہ وہ میرے ساتھ کھائے، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آ گئے اور اُنہوں نے آپ کے ساتھ اسے کھایا۔"

جواب اوّل: یہ حدیث شیعوں کا مایہ استدلال ہے:

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی حدیثِ طیر کو شیعہ علماء افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ردّ میں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے افضل واحق ہونے کے اثبات میں پیش کرتے ہیں، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں:

شیعہ در اثبات امامت حضرت امیر بلافصل دلائل بسیار آوردہ اند۔

ترجمہ: "یعنی شیعہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے اثبات میں بہت سے دلائل لاتے ہیں۔"

پھر اس کے بعد شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کے چند دلائل لکھے ہیں اور ان کا جواب دیا ہے، ان میں سے وہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ چہارم روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہے۔ آگے اُنہوں نے مذکورہ بالا حدیثِ طیر لکھی ہے۔ (تحفہ اثناء عشریہ، باب ہفتم، در امامت، صفحہ 222، مطبوعہ کتب خانہ اشاعت اسلام دہلی)

اسی طرح صواعق المحرقہ میں امام حجر مکی نے بھی اس حدیث کو شیعوں کے دلائل کے ضمن میں درج کیا ہے اور خود شیعہ کتب میں بھی اس حدیث کے حوالے نظر آتے ہیں دیکھئے فتوحات شیعہ، کشف الغمہ وغیرہ۔ اب اگر ایک سنّی کہلانے والا عالم اُٹھ کر باب تفضیل میں بحث کرتے ہوئے اسی حدیث کو افضلیتِ علی رضی اللہ عنہ میں بطور دلیل لائے تو یہی معنی ہے کہ وہ باب تفضیل میں اہل سنت کی بجائے اہل تشیع کی حمایت کر رہا ہے۔

جواب دوم: اس حدیث کی سند پر نقد:

اسنادی لحاظ سے یہ حدیث منکر وموضوع ہے، اس کی سند یوں ہے:

حدثنا سفيان بن وكيع حدثنا عبيد الله بن موسى عن عيسى بن عمر عن السدی عن انس بن مالك۔ (ترمذی حدیث: 3721)

اب اس کا پہلا راوی سفیان بن وکیع دیکھ لیں! کوئی محدث اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا، تمام آئمہ فن رجال نے اسے ناقابل حجت کہا ہے۔ امام بخاری نے کہا: "يتكلمون فيه لاشياء لقنوه اياها"، یعنی محدثین کو اس میں کلام ہے کیونکہ لوگوں نے کئی چیزیں اس کی حدیث میں اپنی طرف سے ڈال دی تھیں۔ امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے امام ابوزرعہ سے اس کے بارے میں پوچھا، اُنہوں نے کہا: "لا يشتغل به" اس کی حدیث میں مشغول

نہ ہوا جائے۔ میں نے کہا: کیا اس پر کذب کا اتہام ہے؟ کہا: ہاں! امام زرعہ نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، وہ کہتے تھے: مشائخ اہل کوفہ اس پر اعتراضات کرتے تھے، تو میں اس کے پاس گیا، میرے ساتھ محدثین کی جماعت تھی، میں نے اسے کہا: تمہارا حق (دوستی) ہم پر واجب ہے، اگر تم اپنے آپ کو بچالو، اگر تم صرف اپنے والد کی کتب پر اختصار کرو تو لوگ تمہارے پاس سواریوں پر بیٹھ کر آئیں گے۔ وہ کہنے لگے: مجھے بُرا کیوں کہا جاتا ہے؟ میں نے کہا: "قد ادخل وراقك ما ليس من حديثك بين حديثك" تمہارے کاتب نے تمہاری حدیثوں میں وہ کچھ داخل کر دیا ہے جو تمہاری حدیث نہیں ہے۔ کہنے لگا: پھر نجات کا راستہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اصول پر انحصار کرو اور اس کاتب کو ہٹا دو۔ کہنے لگا: میں تمہاری نصیحت قبول کرتا ہوں مگر جو اس نے کہا، اس میں سے کچھ بھی نہ کیا۔

امام نسائی نے کہا: سفیان بن وکیع ثقہ نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ انہوں نے کہا: "لیس بشیء" اس کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے کہا: وہ خود تو فاضل صدوق تھا مگر وہ اپنے کاتب کی بلا میں پڑ گیا۔ امام آجری نے کہا: "اِمْتَنَعَ ابو داوٗدَ عَنِ التَّحْدِیْثِ عَنْهُ" امام ابوداوٗد نے اس کی حدیث لینے سے انکار کر دیا۔ امام ابن عدی نے کہا: اس کی مصیبت یہ تھی کہ وہ ہر سنی سنائی بات مان لیتا تھا، اس کا کاتب اس کی حدیث موقوف کو مرفوع بنا دیتا تھا، مرسل کو مسند کر دیتا تھا اور سند میں راویوں کے نام بھی بدل دیتا تھا۔

(تہذیب التھذیب جلد 2 صفحہ 361، راوی: 2874، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث کا دوسرا راوی عبیداللہ بن موسیٰ ہے جیسا کہ آپ نے اس کی سند دیکھی، اس کے بارے میں اگرچہ بعض محدثین نے توثیق بھی کی ہے مگر بہت سے محدثین کو اس پر شدید اعتراضات ہیں، چنانچہ: امام ابن سعد نے کہا:

وكان يَتَشَيَّعُ وَ يروى احاديثَ فى التَّشيعِ مُنْكَرةً و ضُعِّف بذلك عند كثيرٍ مِنَ النَّاسِ۔

ترجمہ: "یعنی عبیداللہ بن موسیٰ شیعہ نوازی کرتا تھا اور شیعہ نوازی کیلئے احادیث منکرہ روایت کرتا تھا (یعنی ناقابل استدلال حدیثیں)"۔

امام یعقوب بن سفیان نے کہ:

شِيْعِيٌّ وان قال قائلٌ رافِضِيٌّ لَمْ اُنْكِرُ عليه وَهُوَ مُنْكَرُ الحديثِ

ترجمہ: "یعنی عبیداللہ بن موسیٰ شیعہ ہے اور اگر کوئی کہنے والا اسے رافضی کہے تو میں اسے غلط نہیں کہوں گا اور وہ منکر الحدیث ہے۔"

امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

روی مناکیر وقد رایتہ بمکۃ فاعرضت عنہ

ترجمہ: ''عبداللہ بن موسیٰ منکر حدیثیں روایت کرتا ہے، میں نے اسے مکہ میں دیکھا تو اس سے اعراض کیا۔''

(تہذیب التہذیب جلد 4 صفحہ 37،35)

جوابِ سوم: امام جزری اور امام ذہبی وغیرہما نے اسے حدیث موضوع کہا ہے:

اس حدیث طیر کو ذکر کر کے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واین حدیث را اکثر محدثین موضوع گفتہ اند وَمِمَّنْ صَرَّحَ بہ الحافظُ شمسُ الدینِ الجَزَرِیُّ وقال امامُ اھلِ الحدیث شمسُ الدین ابو عبدِ اللہ محمدُ بْنُ اَحمَدَ الدمشقیُّ الذھبیُّ فی تلخیصہ:لقد کُنْتُ زمناً طویلاً اَظُنُّ اَنَّ حدیثَ الطَیر لم یُحْسِنِ الحاکمُ ان یُودِعَہ، فی مستدرکہٖ فَلَمَّا عَلَّقْتُ ھذا الکتاب رأیتُ القول مِن الموضوعات الَّتی فیہ (تحفہ اثناء عشریہ، صفحہ 212، مطبوعہ اشاعت اسلام، دہلی)

ترجمہ: ''اس حدیث کو اکثر محدثین نے موضوع قرار دیا ہے اور جن محدثین نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے، ان میں سے حافظ شمس الدین الجزری بھی ہیں اور امامِ محدثین شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد دمشقی ذہبی نے اپنی تلخیص میں فرمایا: میں ایک طویل زمانہ سے سوچتا تھا کہ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک میں ڈال کر اچھا نہیں کیا، پھر جب میں نے اس کتاب کی تعلیق کی تو میں نے اس حدیث کو ان موضوع حدیثوں میں سے پایا جو اس مستدرک میں ہیں۔''

جوابِ چہارم: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ''احب الناس الی الرسول'' ہونا:

تفضیلی فرقہ تو موضوع و منکر حدیث سے استدلال کرتا ہے جبکہ متفق علیہ اور صحیح احادیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ''احب الناس الی الرسول'' ہونا بتا رہی ہیں، مگر ان کی طرف تفضیلیوں نے توجہ ہی نہیں کی۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے جیش ذات السلاسل کا امیر بنا کر بھیجا، میں آپ کے پاس آیا، میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! ''اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْكَ'' آپ کو سب لوگوں میں سے کون محبوب تر ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ! میں نے کہا: مردوں میں سے کون محبوب تر ہے؟ فرمایا: ''ابوھا'' عائشہ کا باپ۔ میں نے کہا۔ پھر کون محبوب تر ہے؟ فرمایا: عمر بن خطاب پھر تفضیلی ٹولہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ صحیح حدیث کو چھوڑ کر موضوع حدیث کی طرف بھاگتے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو کنت متخذاً خلیلاً غیر ربی لا تخذت ابابکر خلیلاً

(بخاری، حدیث 3654)(مسلم، حدیث 6173)(ترمذی، حدیث 3660)

ترجمہ: "اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔"

یعنی جو گہری محبت اور رجوع مجھے اللہ کی طرف ہے، اگر وہ مخلوق میں سے کسی کی طرف ہوتا تو ابوبکر صدیق کی طرف ہوتا۔ اس حدیثِ صحیح و متفق علیہ سے کس قدر صاف معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو ساری مخلوق میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ ابوبکر۔ (بخاری، حدیث 3654، مسلم، حدیث 6170)

ترجمہ: "مجھ پر اپنی صحبت اور اپنے مال کے ساتھ سب سے زیادہ احسان کرنے والا شخص ابوبکر ہے۔"

تو تفضیلی ٹولہ کو خوفِ خدا کیوں نہیں آتا کہ اس قدر احادیثِ صحیحہ کو جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں، چھوڑ کر باطل و موضوع حدیث سے استدلال لاتے ہیں، گمراہ لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ مرزائی ٹولہ ختمِ نبوت پر موجود صدہا احادیث صحیحہ کو چھوڑ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ایک شدید ضعیف قول کو اچھالتے ہیں کہ فرمایا: "انہ خاتم النبیین ولا تقولوا انہ لا نبی بعدی" اور ان احادیثِ نبویہ سے منہ موڑتے ہیں جو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ختمِ نبوت پر مروی ہیں۔ تفصیل کیلئے آپ میری کتاب "دلائل ختم نبوت مع ردِّ قادیانیت" میں دیکھیں۔ یہی حال تفضیلی فرقہ کا ہے۔

جوابِ پنجم: حدیثِ طیر کا درست مفہوم:

علیٰ سبیل التنزل! اگر حدیث کو تھوڑی دیر کیلئے مان بھی لیا جائے تو بھی اس کا مفہوم وہ نہیں جو شیعہ فرقہ اور تفضیلی ٹولہ لیتا ہے، بلکہ اس کا درست معنی، محدثین اُمت نے پہلے سے واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث موضوع و باطل ہونے کے علاوہ مخالفین کے مُدعیٰ پر بھی دلالت نہیں کرتی کیونکہ قرینہ دلالت کر رہا ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ شخص جو اللہ کو اس بارے میں سب سے زیادہ محبوب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھائے اور بلاشبہ حضرت امیر المومنین مولا علی رضی اللہ عنہ اس معنی میں عند اللہ احب الناس تھے، کیونکہ کسی کے فرزند کا یا فرزند جیسے شخص کا اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا، اس کیلئے لذتِ طعام میں اضافہ کر دیتا ہے۔

(تحفہ اثناء عشریہ، صفحہ 212، مطبوعہ اشاعت اسلام، دہلی)

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

إِنَّ المرادَ مِنهُ إِئْتِنِي بِمَنْ هُوَ مِنْ أَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيْكَ. فَيُشَارِكُه فيه غيرُه وَهُمُ الْمُفَضَّلُونَ بِإجماعِ الْأُمةِ وهذا مثل قولهم فلانٌ أَعْقَلُ النَّاسِ وَأَفْضَلُهُمْ أي مِنْ أَعْقَلِهِمْ وَأَفْضَلِهِمْ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد 11 صفحہ 343، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

ترجمہ: ''اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! میرے پاس اس کو لا جو تجھے سب سے محبوب بندوں میں سے ہے، اس طرح دوسرے صحابہ بھی اس میں شریک ہیں اور وہ سب باجماع اُمت سب سے افضل ہیں، یہ ایسے ہے جیسے کہتے ہیں: فلاں شخص اعقل الناس اور افضل الناس ہے، یعنی اعقل وافضل میں سے ہے۔''

محدثین نے اس حدیث کے دیگر معانی بھی بیان کیے جو کتب شارحین میں موجود ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت اپنے عقائد کی بنیاد احادیث صحیحہ پر رکھتے ہیں اور اگر کوئی ضعیف حدیث یا روایت ان کے خلاف ہو تو اس کو رد کر دیتے ہیں یا اس کی تاویل کرتے ہیں، مگر تفضیلی ٹولہ کی عجیب فکری دہشت گردی ہے کہ ضعیف بلکہ موضوع روایات پر نظریہ کی بنیاد رکھتے ہیں اور احادیث صحیحہ متفق علیہا کا رد کر دیتے ہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یاد رہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے جو فضائل احادیث صحیحہ میں وارد ہیں، وہی بے شمار ہیں تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ اہل سنت کا مؤقف رد کرتے ہوئے شیعہ کی حمایت میں فضیلتِ مولا علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے موضوع و باطل حدیث لے آئیں۔

دوسرا شبہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امام المتقین ہونا:

تفضیلی لوگ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کیلئے فرمایا:

مرحباً بسید المسلمین و امام المتقین۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر، جلد 42 صفحہ 370)

ترجمہ: ''یعنی خوش آمدید اے مسلمانوں کے سردار اور اے متقین کے امام!''

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے عبدالقادر شاہ صاحب ''زبدۃ التحقیق'' میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث مرفوع ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ کا جناب مولا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام مسلمانوں کا سردار فرمانا، جملہ اُمتِ محمدیہ میں افضلیت کی کوئی دلیل نہیں ہے کیا؟ سب اتقیاء کا سردار فرمانا سب سے اکرم ہونے کی دلیل نہیں ہے کیا؟''
(زبدۃ التحقیق صفحہ 263)

جوابِ اوّل: اس حدیث کا مفہوم قرآن کی روشنی میں:

اللہ رب العزت جل وعلا ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ جھوٹ کی گواہی نہیں دیتے اور جب بے کار کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزت داروں کی طرح گزر جاتے ہیں اور جب ان پر ان کے رب کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اندھے نہیں گر پڑتے (بلکہ ان میں غور وفکر کرتے ہیں) اور جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری اولاد وازواج کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں متقین کا امام بنادے انہی لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے جنتی بالا خانے دیئے جائیں گے اور وہاں ان کو آداب وسلام پیش کیا جائے گا۔''

جنتی مؤمن اللہ کے ہاں امام المتقین ہو سکتا ہے کیونکہ ان تمام آیات مقدسہ میں صیغہ ہائے جمع ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ ہر شخص کو یہ دعا کرنی چاہیے: اے اللہ! مجھے متقین کا امام بنادے۔ تو حدیث کا مفہوم سمجھے بغیر کہہ دینا کہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی امام المتقین ہیں، قرآن وحدیث سے کس قدر بے خبری اور خود فریبی ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں نص قطعی سے اعراض ہے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص امام المتقین ہو ہی نہیں سکتا تو قرآن نے ہر مسلمان کو یہ دعا کیوں سکھلائی ہے؟ حدیث نبوی سے استدلال کرنے سے قبل اللہ کا فرمان تو سمجھ لیا ہوتا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ سید المسلمین اور امام المتقین میں کوئی فرق نہیں ہے جو سید المسلمین ہے، وہ امام المتقین بھی ہے اور جو امام المتقین ہے وہ سید المسلمین ہے۔ گویا قرآن کی روشنی میں ہر شخص سید المسلمین اور امام المتقین بن سکتا ہے اور ہر شخص کا ایسا بننا اس معنی میں ہے کہ مؤمن ایسا ہادی بن جائے کہ اس کے ذریعے دوسرے مسلمان کو ہدایت ملے اور اہل تقویٰ اس کے کردار سے راہنمائی پکڑیں جیسا کہ صحابہ کرام، اجلہ تابعین واتباع تابعین اور اولیاء کاملین کی ہمیشہ سیرتِ مبارکہ یہی رہی ہے۔

اس آیت کے تحت امام حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابن عباس، امام حسن بصری، سُدی، قتادہ اور ربیع بن انس (اجلّہ تابعین) فرماتے ہیں: ''وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا'' کا معنی یہ ہے: ''أَئِمَّةً يُقْتَدٰى بِنَا فِي الْخَيْرِ'' اے اللہ! ہمیں ایسے امام بنادے کہ خیر کے کاموں میں ہماری اقتداء کی جائے، اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: اے اللہ! ہمیں ہادی، ہدایت یافتہ اور داعیان

الی الخیر بنادے۔گویا اہل ایمان چاہتے ہیں کہ ان کی عبادت، ان کی اولاد وذریات کی عبادت سے مل جائے اور ان کی ہدایت دوسروں کی طرف نفع لے کر بڑھے اور یوں ان کے اجر وثواب میں اضافہ ہو۔اسی لیے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین چیزیں جاری رہتی ہیں: نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرے، علم جس سے نفع اٹھایا جائے اور صدقہ جاریہ۔'' (تفسیر ابن کثیر سورۃ الفرقان) میں (محمد طیب غفرلہ) نے اپنی تفسیر ''برہان القرآن'' میں جو گفتگو کی ہے، وہ یوں ہے:

''رحمن کے بندوں کی گیارہویں صفت اہل وعیال کی اصلاح ہے، یعنی وہ دعا کرتے ہیں: اے اللہ! ہمیں اپنی اولاد ازواج کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے، مطلب یہ کہ انہیں اپنی محبت و اطاعت دے تاکہ ان کی بخشش سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے، یعنی ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو پرہیزگار بنا کیونکہ ہر شخص اپنے بچوں اور اپنی بیوی کیلئے پیشوا ہے۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ قرآن لے کر آئے تو باپ اور اس کی اولاد میں جدائی ہوگئی، ایک شخص اسلام لے آیا مگر اس کا باپ، اس کا بھائی اور اس کا دیگر خاندان کفر پر رہتا تو وہ مسلمان یہ سوچ کر کہ اس کا خاندان دوزخ میں جائے گا، پریشان ہوجاتا اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا'' (تفسیر برہان القرآن، جلد 7 صفحہ 27، مطبوعہ مکتبہ برہان القرآن لاہور)

الغرض! اس آیت کے مفہوم میں بہت گہرائی و گیرائی ہے، مفسرین کرام نے اس کے تحت بہت عمدہ ابحاث فرمائی ہیں کہ کس طرح ہر مسلمان متقین کا امام ہوسکتا ہے۔

جواب دوم: حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی امام المتقین ہیں:

تفضیلی لوگوں نے جو حدیث پیش کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سید المسلمین وامام المتقین ہیں، ہم نے اسے قرآن پر پیش کیا، ایسے میں اگر حدیث کا مفہوم قرآن سے متصادم نظر آئے تو حدیث کی تاویل واجب ہے، اگر تاویل نہ ہوسکے تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے، یا دیکھا جاتا ہے کہ اسکی اسناد کیسی ہے۔اب جب قرآن فرما رہا ہے کہ ہر مؤمن امام المتقین بن سکتا ہے تو حدیث کا مفہوم یہی بنتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی سید المسلمین اور امام المتقین ہیں۔اور قرآن وسنت کی روشنی میں تمام صحابہ کرام سادات المسلمین اور آئمۃ المتقین ہیں، ہر ایک صحابی کی سیرت ایسی ہے کہ وہ ساری اُمت کیلئے کیلئے امام تقویٰ ہے۔

اور ایک صحابی کو سید المسلمین اور امام المتقین کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کوئی دوسرا صحابی ایسا نہیں ہوسکتا ورنہ آیت قرآن کی نفی کرنا پڑے گی۔ہاں! اگر حصر کیا جاتا اور کہا جاتا: ''لا سیّد للمسلمین ولا امام للمتقین الا علی'' تو پھر استدلال ہوسکتا تھا، مگر ایسا نہیں ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے آپ نے اسی باب میں گزشتہ شبہ کے جواب میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول پڑھا ہے کہ حدیث "ائتنی باحب خلقك الیك" کا معنی ہے ائتنی بمن ھو من احب خلقك الیك"
(مرقاۃ جلد 11 صفحہ 343)

تیسرا شبہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ خیر البریہ ہیں، الحدیث:

تفضیلی فرقہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیر البریہ کہتے تھے، یعنی تمام مخلوق سے افضل۔ چنانچہ عبدالقادر شاہ صاحب نے "زبدۃ التحقیق" میں اس بارے میں چند احادیث لکھی ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے:

جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آتے تو صحابہ انہیں دیکھ کر کہتے: "جاء خیر البریۃ" تمام مخلوق سے افضل آ گیا ہے۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 42 صفحہ 371)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "علیؓ خیر البریۃ" حضرت علی رضی اللہ عنہ سب مخلوق سے افضل ہیں۔
(کامل ابن عدی جلد 1 صفحہ 170)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: "علیؓ خیر البشر من ابی فقد کفر" حضرت علی رضی اللہ عنہ سب انسانوں سے افضل ہیں، جس نے انکار کیا وہ کافر ہے۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "علیؓ خیر البشر لا یشك فیه الا منافق" حضرت علی رضی اللہ عنہ سب انسانوں سے افضل ہیں، اس میں شک نہیں کرے گا مگر منافق۔ (ابن عساکر جلد 42 صفحہ 373) اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں خیر البریۃ ہوں، مجھ سے بغض رکھنے والا کافر ہی ہے۔
(ابن عساکر جلد 42 صفحہ 373)

عبدالقادر شاہ صاحب "زبدۃ التحقیق" میں لکھتے ہیں:

"اس میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بداہتِ عقلیہ سے مستثنیٰ ہوں گے، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عادی نعرہ تھا (کہ علی خیر البریۃ ہیں) تو یہ کس طرح باور کیا جائے گا کہ وہی صحابہ افضلیتِ صحابہ کے اجماع میں شریک بھی ہوئے یا افضلیت پر اجماع ہونے پر خاموش رہے تھے۔" (زبدۃ التحقیق صفحہ 264)

یعنی تفضیلی فرقہ نے ان روایات سے بھی افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انکار اور افضلیتِ مولا علی رضی اللہ عنہ پر اصرار کیا ہے۔

اللہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہٗ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ

شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ (سورۃ البینہ، آیت 8_6)

ترجمہ: ''بے شک کفر کرنے والے، یعنی اہل کتاب اور مشرکین، نارِ جہنم میں ہوں گے، وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، وہ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں، بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے تھے، وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، ان کی جزاء ان کے رب کے ہاں وہ جنتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے، وہ اللہ سے راضی ہیں، یہ مقام ہر اس کے لئے جو اپنے رب سے ڈرے۔''

ان آیاتِ مقدسہ میں کفار کو ''شر البریّہ'' فرمایا گیا ہے اور صالح مؤمنین کو ''خیر البریّہ'' قرار دیا گیا ہے، پھر ان کی اُخروی جزاء باغاتِ جنت کی صورت میں بتائی گئی ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ان کیلئے ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کا اعلان فرمایا گیا ہے، اب اس کے ساتھ سورۃ التوبہ کی یہ آیت ملائیں:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورۃ التوبہ، آیت 100)

ترجمہ: ''وہ سبقت لے جانے والے پہلے مسلمان، یعنی مہاجرین و انصار اور جو احسان کے ساتھ ان کی پیروی کریں، اللہ ان سے راضی ہے وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے ان کیلئے جنتی باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

دونوں آیات کا مضمون باہم ملانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''خیر البریّہ'' قرار دے رہا ہے کیونکہ جو خیر البریہ ہیں وہ سب ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ'' ہیں۔

قرآن و حدیث کا مفہوم سمجھے بغیر دعویٰ کر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی خیر البریہ ہیں اور صحابہ پر افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے اجماعی عقیدہ سے انکار کیسی بے راہ روی اور بے اعتدالی ہے۔ قرآن تو فرما رہا ہے کہ تمام مؤمنین صالحین (یعنی مقربین بارگاہِ رب العزت) خیر البریّہ ہیں اور قرآن ان میں سے صحابہ کرام کو خصوصی مقام دے رہا ہے اور تفضیلی فرقہ کہہ رہا ہے کہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی خیر البریہ ہیں، تو یقیناً قرآن سچ فرماتا ہے اور تفضیلی فرقہ جھوٹ بولتا ہے۔

جوابِ دوم: حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خیر البریّہ ہیں:

تو تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کو یا اثر صحابی کو اللہ کے قرآن پر پیش کرو، اگر تعارض نظر آئے تو حدیث و اثر کی یوں تاویل کرو کہ وہ موافق قرآن ہو جائے اور اگر تاویل نہ ہو سکے تو اسے رد کر دو، اس ضابطے کے تحت جب قرآن تمام صحابہ کرام کو بلکہ تمام مؤمنین صالحین (اولیاءِ کاملین) کو خیر البریّہ فرما رہا ہے تو پھر حدیث ''عليٌّ خير البرية'' کا معنی ہے: ''عليٌّ من خير البرية'' حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو خیر البریہ ہیں، تمام مخلوق سے افضل ہیں، کیونکہ بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب مخلوق سے افضل ہیں، یہ مضمون خود زبانِ رسالت نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم

(بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، حدیث 3651)

ترجمہ: ''سب لوگوں میں سے افضل میرے زمانہ کے لوگ ہیں (یعنی صحابہ کرام) پھر جو ان کے بعد آئیں گے پھر جو ان کے بعد آئیں گے۔''

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الله اختار اصحابي على الثقلين سوى النبيين والمرسلين۔

(الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ بروایت بزار، جلد اول، مقدمہ، صفحہ 12، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

ترجمہ: ''بے شک اللہ نے میرے صحابہ کو انبیاء و مرسلین کے سوا تمام جن و انس پر فضیلت دی ہے۔''

جوابِ سوم: تفضیلی فرقہ اور اہلِ تشیع کی یک زبانی:

اس جگہ چلتے چلتے ہمیں یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کیلئے حدیث میں سید المسلمین، امام المتقین اور خیر البریہ کے جو الفاظ آئے ہیں، اہلِ تشیع انہی سے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا خلافت کیلئے سب سے بڑھ کر استحقاق ثابت کرنے کی سعی میں ہوتے ہیں، کیونکہ جب وہی خیر البریہ، امام المتقین اور سب سے افضل ہیں تو پھر صحابیوں نے ان کا حق کیوں مارا؟ اسی تاریخ ابن عساکر، کامل ابن عدی اور در منثور وغیرہ، کتب اہل سنت سے حوالے لے کر وہ بابِ خلافت میں اہلِ سنت کے خلاف دلیلیں لاتے ہیں، پھر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام پر تبرا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو شیعوں کی کتابیں: فتوحاتِ شیعہ، قولِ حق اور چہاردہ معصوم وغیرہ پڑھ کر دیکھ لو۔ اور جب تفضیلی فرقہ انہی احادیث سے

افضلیتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ ثابت کر رہا ہے تو پھر ہم ان سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ تم میں اور شیعہ میں کیا فرق ہے؟ جب تم دونوں کا دعویٰ بھی ایک ہے اور دلیل بھی ایک تو پھر تم کس منہ سے خود کو سنی کہلاتے ہو؟ ہاں! فرق تم میں اور ان میں یہ ہے کہ تم صرف افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انکار اور افضلیتِ مولا علی رضی اللہ عنہ پر اصرار کرتے ہو اور شیعہ لوگ ایک قدم آگے بڑھ کر اسی بنیاد پر خلفاءِ راشدین اور تمام صحابہ کو گالی دینا شروع کر دیتے ہیں اور تم ان کو گالی نہیں دیتے، مگر کبھی کبھی تمہاری زبان پر بھی ان کے بارے میں نازیبا الفاظ آ ہی جاتے ہیں۔

چوتھا شبہ: علی مجھ سے ہے، میں علی سے ہوں الحدیث:

تفضیلی اور شیعہ فرقے یہ حدیث بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ ترمذی، مستدرک وغیرہ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَلِيٌّ مِنِّي وَاَنَا مِنْ عَلِي۔ (ترمذی، ابواب المناقب، حدیث 3716)

تفضیلی اور شیعہ لوگ کہتے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نفس رسول ہیں کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں اور دوسرے کسی صحابی کا یہ مقام نہیں، اس لیے وہی سب سے افضل ہیں۔

جواب اوّل:

یہ نفس رسول ہونا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا یہ معنی ہے کہ نبی اور علی دونوں کی ذات ایک ہے، یا دونوں کی سب صفات ایک ہیں؟ اگر ذات ایک ہے تو اس سے اتنے فسادات لازم آتے ہیں کہ الامان! اگر یہ مراد ہے کہ دونوں کی سب صفات ایک ہیں تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے نبوت و رسالت بھی مانی جائے گی؟ کیا ان پر نزولِ قرآن بھی مانا جائے گا؟ اگر نہیں مانا جائے گا تو پھر نفس رسول ہونے کا کیا معنی ہے؟ اور تفضیلی لوگ ''عَلِيٌّ مِنِّي وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ'' سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

ع ایک معمہ ہے سمجھنے کا، نہ سمجھانے کا

جواب دوم:

ایسے ہی الفاظ نبی اکرم ﷺ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے بھی ارشاد فرمائے ہیں، جیسے فرمایا:

اَلْعَبَّاسُ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ (ترمذی، حدیث 3759)

ترجمہ: ''عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔''

اور فرمایا:

حسینٌ مِنّی وَاَنَا من الحسین۔ (ترمذی حدیث 3775)

ترجمہ: ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔''

تو کیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی تمام صحابہ سے افضل قرار دیا جائے گا اور کیا وہ بھی نفس رسول کہلائیں گے؟ اگر وہ نفس رسول نہیں ہیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیسے ہیں؟

ممکن ہے کہ تفضیلی فرقہ کہے کہ حضرت علی ہوں، حضرت عباس ہوں یا امام حسین رضی اللہ عنہم، یہ سب حضور ﷺ کے نہایت قریبی لوگ ہیں اور ان احادیث میں ان کی یہی قربت خاصہ بیان کی گئی ہے اور اس قربت کے لحاظ سے وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

تو اسے ہم کہتے ہیں کہ بے شک ان نفوس قدسیہ کو آقا کریم ﷺ سے قربت خاصہ حاصل ہے۔ قرابت کا بتانا مقصود نہیں بلکہ خصوصی محبت کا جتانا مقصود ہے کیونکہ ایسے ہی الفاظ رسول اکرم ﷺ نے غیر قرابت داران کیلئے بھی ارشاد فرمائے ہیں، چنانچہ:

عن سعدٍ ان رسول اللہ ﷺ قال لنبی ناجیۃ انا منہم وھم منی

(مسند احمد بن حنبل، مسند سعد بن ابی وقاص، جلد اول صفحہ 169، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ بنو ناجیہ کیلئے فرمایا: میں ان میں سے ہوں، وہ مجھ سے ہیں۔''

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم مکہ مکرمہ میں مقام عقبہ پر نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور ہم نے آپ کو دعوت دی کہ آپ ہمارے پاس مدینہ طیبہ میں آ جائیں تو آپ نے ہم سے بیعت لی جو ایمان و تصدیق پر تھی، آپ نے ہماری گزارش کو قبول فرمایا، تب ہم میں سے ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آج ہم لوگ سب عرب سے رشتہ کاٹ کر آپ سے جوڑ رہے ہیں، کیا ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب اللہ آپ کو غلبہ عطا فرمادے تو آپ واپس اپنی قوم میں (مکہ مکرمہ) آ جائیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بَلِ الدَّمُ الدمُ وَالْهَدْمُ الْهَدْمُ اَنَا مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ مِنِّی اُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ وَاُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ (معجم کبیر للطبرانی، جلد 19 صفحہ 89، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ترجمہ: ''نہیں! بلکہ خون کے ساتھ خون اور قربانی کے ساتھ قربانی ہوگی، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس سے تمہاری صلح ہوگی اُس سے میری صلح ہوگی اور جس سے تم لڑو گے اُس سے میں لڑوں گا۔''

تو ایسے الفاظ سے مقصود اظہارِ محبت اور اظہارِ یکجہتی و یگانگت ہے۔ بس! ان الفاظ کو افضلیت پر پیش کرنا، نادانی ہے۔

پانچواں شبہ: میں اور علی تخلیق آدم سے قبل اللہ کے ہاں دو انوار تھے الحدیث:

شیخ محب طبری نے الریاض النضرہ میں ایک حدیث درج کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ اَنَا وَ عَلِيٌّ بنُ اَبِي طَالِبٍ نُوْرًا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ قَبْلُ اَنْ يُخْلَقَ آدمُ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ

ترجمہ: ''یعنی میں اور علی بن ابی طالب ہم دونوں تخلیق آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس قبل اللہ کے ہاں نور کی شکل میں تھے۔''

تفضیلی فرقہ اس موضوع روایت کا سہارا لے کر کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو نوری ہیں اور باقی سب صحابہ خاکی، تو خاکی لوگ نوری کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

جوابِ اوّل: یہ حدیث موضوع ہے:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

''اس کی سند میں محمد بن خلف مروزی ہے۔ امام یحییٰ بن معین نے کہا: وہ کذاب ہے۔ امام دارقطنی نے کہا: وہ متروک ہے اور اس کے کذاب ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس کا ایک اور طریق بھی ہے، جس میں جعفر بن احمد ہے، وہ غالی رافضی تھا، کذاب ووضاح تھا، وہ اکثر صحابہ کرام پر طعن کرنے میں حدیثیں گھڑتا تھا۔'' (تحفہ اثناء عشریہ صفحہ 215، مطبوعہ اشاعت اسلام دہلی)

تو ایسی موضوع روایت سے استدلال اور اس کی بنیاد پر قرآن وحدیث کے کثیر دلائل اور اجماع صحابہ سے منہ موڑ کر افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ابطال کیسا کھلا اضلال اور عقل کا اہمال ہے۔

جواب دوم: ایسی روایت خلفاءِ اربعہ کے بارے میں بھی ہے:

چنانچہ اسی الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ المبشرہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے یہ حدیث لائی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ اَنْوَارًا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ تعالٰى قَبْلَ اَنْ يُخْلَقَ آدَمُ بِاَلْفِ عَامٍ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ المبشرہ، جلد اول، باب اول، مناقب خلفاء اربعہ، صفحہ 201)

ترجمہ: ''یعنی میں، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہاں تخلیق آدم سے ایک ہزار برس قبل انوار کی شکل میں تھے۔''

یقیناً یہ روایت بھی اسی طرح کی ہے کہ جیسی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔

فصل سوم

مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بعض کرامات

(1) خیبر کے عظیم دروازہ کو ایک جھٹکے سے اکھاڑ دینا:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جنگ خیبر میں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا دروازہ اٹھا کر الگ کر دیا اور اہل اسلام نے قلعہ فتح کر لیا۔ وَاِنَّهُ جُرِّبَ فَلَمْ يَحْمَلْهُ اِلَّا اَرْبَعُوْنَ رَجلاً۔ پھر تجربہ کیا گیا تو اس کو چالیس آدمی مل کر اٹھا سکے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(کنز العمال جلد 13 صفحہ 136 حدیث 36431 مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

مروی ہے کہ ایک بار حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ مسجد کوفہ میں خشک روٹی چبا رہے تھے اور دقت پیش آ رہی تھی کسی نے پوچھا جب آپ کو خشک روٹی کے چبانے میں دقت آ رہی ہے تو آپ نے خیبر کا اتنا بڑا دروازہ کیسے اکھاڑا تھا؟ آپ نے فرمایا یہ جسم کی طاقت ہے اور وہ اس وقت روح کی طاقت تھی۔

(2) یہ تمہارا شوہر نہیں تمہارا بیٹا ہے:

مولانا عبدالرحمان جامی علیہ الرحمہ نے شوہد النبوۃ میں مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کی چند کرامات لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آپ کے پاس مرد و عورت کو لایا گیا جن کی شادی ہوئی اور پہلی رات وہ باہم لڑتے ہی رہے۔ آپ نے ایک شخص کو بھیجا کہ فلاں مکان میں دو مرد و عورت باہم لڑ رہے ہیں۔ انہیں میرے پاس لے آؤ۔ وہ آ گئے۔ آپ نے باقی لوگوں کو باہر نکال دیا۔ پھر اس عورت سے تنہائی میں پوچھا بتاؤ تمہیں یاد ہے تم سے فلاں گناہ سرزد ہوا پھر تمہیں حمل ہو گیا جب بچہ پیدا ہوا تو تم اسے جنگل میں پھینک آئی تھیں؟ کہنے لگی ہاں مجھ سے یہ گناہ ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اس بچے کو فلاں قبیلہ اُٹھا کر لے گیا تھا وہ بچہ وہیں جوان ہوا۔ اور اب تمہاری اس قبیلہ میں اسی مرد سے شادی ہوئی ہے تو یہ تمہارا شوہر نہیں تمہارا بیٹا ہے تمہارے ہی پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ جب تم نے اسے پھینکا تو وہاں کتا آیا تھا تم نے کتے کو کنکر مارا جو اس بچے کو لگ گیا جس کا زخم اس کے سر میں آیا، آپ نے نوجوان سے کہا سر سے پگڑی اتارو اس نے پگڑی اتاری تو سر میں نشان موجود تھا۔ (شواہد النبوۃ رکن سادس صفحہ 213 مطبوعہ استنبول ترکی)

یاد رہے شریعت اسلامیہ کے اندر بھی جولڑکا کسی عورت کے پیٹ میں جنم لے اس عورت سے اس کی شادی حرام ہے خواہ وہ زنا سے پیدا ہو، اسی طرح اگر زنا سے بچی پیدا ہو تو جس مرد کے نطفہ سے وہ پیدا ہوئی اس کے ساتھ اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، یہ از باب حرمتِ مصاھرت ہے۔ کتب متون میں قدوری سے لیکر ہدایہ تک سب میں اس کی صراحت ہے۔

(3) زمین پہ ہاتھ لگا کر میٹھا چشمہ جاری کر دیا:

جب مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں مشغول تھے تو آپ کے ساتھیوں کو شدید پیاس محسوس ہوئی، آپ نے ایک جگہ زمین کھودنے کا حکم دیا۔ نیچے سے ایک بڑا پتھر نکلا۔ فرمایا اس پتھر کو ہٹاؤ اس کے نیچے چشمہ ہے۔ بہت کوشش کی گئی مگر وہ پتھر نہ ہٹا۔ مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ آستینیں چڑھا کر تشریف لائے پتھر کے نیچے انگلیاں دے کر زور لگایا تو وہ ہٹ گیا، نیچے سے ٹھنڈا میٹھا چشمہ نکل آیا جو اس قدر بہا کہ سب لشکر نے پیا اور سب نے برتن بھر لیے۔ وہاں قریب ایک گرجا تھا وہاں کا راھب آ گیا آپ سے کہنے لگا کیا آپ رسول ہیں؟ فرمایا: نہیں، کہا: کیا آپ فرشتہ ہیں؟ فرمایا: ہر گز نہیں، بلکہ میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا داماد ہوں، وہ راہب آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔ کہنے لگا ہماری کتب میں لکھا تھا کہ اس پتھر کو جو شخص ہٹائے گا وہ پیغمبر ہوگا یا اس کا داماد، جب میں نے آپ کو یہ پتھر ہٹاتے دیکھا تو میرا انتظار ختم ہو گیا اور میں ایمان لے آیا۔ آپ رو پڑے، حتی کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، فرمایا اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے یاد رکھا اور نہیں بھلایا۔ (شواہد النبوۃ رکن سادس صفحہ 216)

(4) دیوار کو گرنے سے روکے رکھنا:

امام ابونعیم متوفی 430ھ نے اپنی سند کے ساتھ امام جعفر صادق سے اور انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مولیٰ علی المرتضیٰ کے سامنے دو آدمی جھگڑا لے کر آئے، آپ ان میں فیصلہ کرنے کیلئے ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے، ایک شخص نے کہا یا امیر المؤمنین یہ دیوار گر رہی ہے، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا امض کفٰی باللہ حاسباً۔ رہنے دو، اللہ کافی محافظ ہے، آپ نے ان کے مابین فیصلہ کیا اور اٹھے، جیسے ہی ہٹے دیوار گر گئی۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد دوم صفحہ 744 روایت 530 مطبوعہ المکتبۃ العربیہ حلب شام)

(5) میدان کربلا میں قتل گاہِ آل رسول کی نشاندہی کرنا:

امام ابونعیم ہی روایت کرتے ہیں کہ اصبع بن نباتہ کہتے ہیں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جنگ صفین کے لیے جاتے

ہوئے) موضع کربلا سے گزرے، آپ نے فرمایا: یہاں ان کے اونٹ ٹھہریں گے، یہاں ان کے کجاوے اتریں گے، اور یہاں ان کے خون بہیں گے۔ فِتیۃٌ من آل محمد ﷺ یقتلون بھٰذہِ العرصۃ تبکی علیھم السماء والارض۔ وہ آل محمد ﷺ میں سے کچھ نوجوان ہونگے اس میدان میں انہیں قتل کیا جائے گا۔ ان پر آسمان و زمین روئیں گے۔ (دلائل النبوۃ جلد 2 صفحہ 744 ھ روایت 531)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں اقوالِ صحابہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اقوال:

1۔ معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ عَلِیٌّ عِتْرَۃُ رَسُوْلِ اللہ ﷺ حضرت علی تو رسول کریم ﷺ کی اولاد ہیں۔

2۔ شعبی کہتے ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا:

مَنْ سَرَّہ ان ینظر الی اعظم الناس منزلۃً من رسول اللہ ﷺ و اقربھم قرابۃ وافضلہ دالۃً واعظمہ غناء عن نبیہٖ فلینظر الیٰ ھذا۔

یعنی جو چاہتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جو لوگوں سے رسول کریم ﷺ کے ہاں معزز تر اور قریب تر تھا اور رسول کریم ﷺ جس کا زیادہ ناز اٹھاتے تھے اور جو آپ کی سب سے زیادہ حفاظت کرتا تھا تو وہ انکو دیکھ لے (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات مولا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو فرمایا: اگر وہ یہ کہتے ہیں تو یاد رکھو:

انہ لا واہ وانہ لارحم الامۃ وانہ لصاحب رسول اللہ ﷺ فی الغار وانہ لاعظم الناس غناء عن نبیہ فی ذات یدہٖ۔

ترجمہ: بے شک ابوبکر سب سے زیادہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ وہ امت میں سب سے رحیم ہیں وہ رسول کریم ﷺ کے یار غار ہیں وہ اپنے مال کے ساتھ اپنے نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہیں۔

(کنز العمال بروایت ابن ابی الدنیا، ابن مردویہ، مستدرک جلد 13 صفحہ 115 - 116 حدیث 36357)

گویا صحابہ کرام کے مابین بے پناہ محبت تھی۔ صدیق اکبر کے نزدیک حضرت علی سب سے افضل ہیں اور ان کے نزدیک صدیق اکبر سب سے افضل ہیں تاہم حقیقت میں سیدنا صدیق اکبر ہی سب صحابہ سے افضل ہیں اور اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ صحابہ کرام نے بالاجماع جسے سب سے افضل جانا اسے رسول کریم ﷺ کا جانشین بنایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اقوال شانِ علی رضی اللہ عنہ میں

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کفوا عن ذکر علی بن ابی طالب یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق باتیں نہ کیا کرو۔ آگے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تین خصوصیات سنی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی میرے پاس ہوتو مجھے ہر اس چیز سے عزیز ہو جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ میں اور ابو بکر اور ابوعبیدہ بن جراح اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر سہارا لیتے ہوئے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ تم سب سے پہلے مومن اور سب سے پہلے مسلم ہو۔ پھر فرمایا: تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون علیہ السلام۔ اور جو یہ کہے کہ اسے مجھ سے محبت ہے اور تم سے نفرت رکھتا ہے۔ اس نے مجھ پر جھوٹ کہا ہے۔ (کہ میں نبی علیہ الصلوٰہ والسلام سے محبت رکھتا ہوں)

2۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل یہ جھنڈا میں اسے دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے وہ پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں ہے اللہ اس پر (خیبر) فتح کر دے گا۔ جبرائیل اس کے دائیں ہوں گے اور میکائیل بائیں۔ اس رات لوگ بڑا شوق لے کر سوئے (کہ پتہ نہیں کل کس کو جھنڈا ملتا ہے) صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی کہاں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مایبصر ان کی نظر خراب ہے وہ دیکھ نہیں سکتے ہیں جب انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا: اُدْنُ مِنِّیْ علی میرے قریب آؤ جب وہ قریب ہوئے تو آپ نے انکی آنکھوں میں تھتھکارا (تھوک ڈالی) اور انہیں اپنے ہاتھوں سے ملا حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے یوں اٹھے جیسے ان کی آنکھیں کبھی دکھی ہی نہ تھی۔ (کنز العمال بروایت ابن نجار جلد 13 صفحہ 124 حدیث 36395)

3۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اتعرف صاحب هذا القبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد الله بن عبد المطلب وعلی بن ابی طالب بن عبد المطلب۔

کیا تم جانتے ہو کہ یہ صاحب قبر محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور حضرت علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب ہیں۔ (یعنی دونوں کا دادا ایک ہے) پھر فرمایا:

لَا تَذْكُرْ عَلِيًّا اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّكَ اِنْ اٰذَيْتَهٗ اٰذَيْتَ هٰذَا فِيْ قَبْرِهٖ۔

ترجمہ: علی کا ذکر اچھائی کے بغیر مت کرو اگر تم نے علی کو تکلیف دی تو تم صاحب قبر رسول ﷺ کو تکلیف دو گے۔
(کنز العمال جلد 13 صفحہ 124 بروایت ابن عساکر حدیث 36354)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور مولا علی رضی اللہ عنہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان غنی اور مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کئی نسبی وصہری اور ایمانی رشتوں میں منسلک ہیں دونوں داماد رسول ﷺ ہیں۔ حضرت عثمان کی سگی نانی ام حکیم حضرت علی المرتضیٰ کی سگی پھوپھی ہیں یعنی حضرت عبداللہ والد رسول کریم ﷺ اور ابوطالب کی سگی بہن ہیں اسی لئے جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا موقع تھا تو سار جہیز اور دیگر ضروریات کا بندوبست حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کیا جیسا کہ گزر چکا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کس قدر محبت رکھتے تھے۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف در مدح مولا علی رضی اللہ عنہما

حضرت عبدالرحمان بن عوف یکے از عشرہ مبشرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو طائف کا رخ فرمایا اور اٹھارہ انیس دن اس کا محاصرہ جاری رکھا دوران محاصرہ ایک روز رسول کریم ﷺ فرما رہے تھے۔

اے لوگو! میں روز قیامت تمہارا نمائندہ ہوں گا میں تمہیں اپنی عترت کے متعلق بہتری کی وصیت کرتا ہوں۔
بے شک ہم حوض کوثر پر ملیں گے اس رب کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم نماز کے پابند رہ کر زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرو ورنہ میں تم پر ایسا آدمی بھیجوں گا جو مجھ ہی سے ہے وہ دشمنوں کی گردنیں اڑا دے گا اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لے گا لوگوں نے سمجھا کہ شاید وہ ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما ہو نگے مگر آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا وہ یہ ہے۔
(کنز العمال بروایت ابن ابی شیبہ جلد 13 صفحہ 164 حدیث 36496)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور مولا علی رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں غزوہ ذات السلاسل سے واپس آیا (جس میں نبی اکرم ﷺ نے انہیں امیر بنایا تھا) تو میرا خیال تھا رسول کریم ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب میں ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں میں آپ کو سب سے محبوب کون ہے فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) میں نے عرض کیا میں عورتوں کے متعلق نہیں مردوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں فرمایا تب عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا باپ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) میں نے پوچھا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد کون محبوب ہے فرمایا: حفصہ (رضی اللہ عنہا)۔ میں نے پھر کہا: میں مردوں کے بارے پوچھ رہا ہوں۔ فرمایا: تب حفصہ کا

باپ (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) میں نے عرض کیا فاین علی تو حضرت علی کدھر گئے فرمایا: اِنَّ ھٰذَا یَسْئَلُنِیْ عَنِ النَّفْسِ یہ آدمی تو میری جان کے بارے میں پوچھ رہا ہے (یعنی علی تو میری جان ہے۔)

(کنز العمال جلد 13 صفحہ 143 حدیث 36446 بروایت ابن نجار)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

جمیع بن عمیر کہتے ہیں انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: من احب الناس الی رسول اللہ ﷺ؟ رسول اللہ ﷺ کے ہاں سب لوگوں میں محبوب تر کون تھا؟ آپ نے فرمایا: فاطمۃُ یعنی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا، انہوں نے کہا: میں آپ سے عورتوں کے بارے میں نہیں، مردوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، انہوں نے فرمایا: زَوْجُھَا، مردوں میں حضرت فاطمہ کے شوہر (مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) آپ کے ہاں سب سے محبوب تر تھے۔

(کنز العمال جلد 13 صفحہ 145 حدیث 36455 بروایت خطیب فی المتفق، ابن نجار)

معلوم ہوا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پنجتن پاک سے محبت رکھتی اور ان کی شان بیان فرماتی تھیں۔ اس لیے جنگ جمل کو کسی غلط معنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا، اس پر ہم پیچھے مفصل کلام کر آئے ہیں۔

فصل چہارم

سیدنا حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے اخلاق حمیدہ

آپ کی دنیا سے بے رغبتی

1۔ عبداللہ بن شریک اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے پاس فالودہ حاضر کیا گیا آپ نے فالودے کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تم بہت خوشبودار ہو تمہارا رنگ بھی پیارا ہے اور تمہارا ذائقہ بھی بہت لذیذ ہے لیکن میں یہ پسند نہیں رکھتا کہ جس چیز کا میرا نفس عادی نہیں اسے اس کا عادی بناؤں یہ کہہ کر آپ نے فالودہ کھانے سے انکار کر دیا۔

2۔ زیاد بن ملیح روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے سامنے حلوہ لایا گیا آپ نے لوگوں کے سامنے رکھ دیا لوگ کھانے لگے آپ نے فرمایا اسلام کوئی بھٹکا ہوا اونٹ نہیں مگر قریش نے جب اسے دیکھا تو اس پر جھپٹ پڑے۔

3۔ زید بن وھب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت علی ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے تہبند اور چادر اوڑھ رکھی تھی اور اس میں پیوند لگے ہوئے تھے آپ سے اس بارہ میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں یہ دو کپڑے اس لیے پہنتا ہوں کہ یہ فخر سے دور ہیں اور نماز کے لئے بہتر ہیں اور تاکہ مسلمان اسے طریقہ بنائیں (یعنی مجھے دیکھ کر وہ بھی سادہ لباس اختیار کر لیں۔) (کنز العمال جلد 13 صفحہ 185 حدیث 36552 بروایت ابن مبارک)

آپ کی سادگی

1۔ عبداللہ بن ابی ہزیل کہتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر معمولی قیمت کی قمیص دیکھی اگر اس کی آستین پکڑ کر کھینچتے تو ہاتھوں کی انگلیوں تک پہنچ جاتی اور چھوڑ دیتے تو آدھی کلائی تک واپس چلی جاتی۔

(کنز العمال جلد 13 صفحہ 180 حدیث 36540 بروایت ھناد، ابن عساکر)

2۔ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ مسجد کی طرف تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سوئے ہیں ان کی پشت سے چادر گر گئی ہے اور پشت ریت سے بھری ہوئی ہے آپ ان کی پشت سے اپنے دست مبارک کے ساتھ ریت جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے اے ابا تراب اے مٹی والے (یعنی خاکسار) اٹھ جاؤ کہتے ہیں حضرت علی کو اس نام سے زیادہ کوئی دوسرا نام محبوب نہ تھا کیونکہ یہ نام رسول کریم ﷺ نے رکھا تھا۔

3۔ عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سخت سردی میں دو ہلکے سے کپڑوں ایک تہبند اور چادر کو اوڑھ کر آجایا کرتے اور گرمی میں گرم کوٹ اور موٹے کپڑے پہن لیا کرتے لوگوں نے عبدالرحمان سے کہا آپ کے باپ (ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لمبی گفتگو کرتے ہیں وہ ان سے اس کی وجہ پوچھ سکتے ہیں میں نے اپنے والد صاحب سے یہی بات کہی چنانچہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے امیر المومنین لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ سخت سردی میں دو ہلکے کپڑے پہن لیتے ہیں اور شدید گرمی میں گرم کوٹ پہنا ہوتا ہے انہوں نے فرمایا ابو لیلیٰ! کیا تم خیبر میں ہمارے ساتھ نہیں تھے کہا ہاں تھا فرمایا تمہیں معلوم ہے رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (قلعہ فتح کرنے) بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہوئے پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر بھیجا مگر وہ بھی ناکام لوٹ آئے تب رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اب یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر قلعہ فتح کر دے گا اور وہ بھاگنے والا نہیں تب آپ نے مجھے بلایا میں حاضر ہوا میری آنکھیں دکھتی تھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا آپ نے میری آنکھوں میں دم کیا اور دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اکْفِہِ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ اے اللہ علی کو گرمی اور سردی

سے بچا فرماتے ہیں اس کے بعد میں مجھے کبھی گرمی نے تکلیف دی ہے نہ سردی نے۔
(سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ حدیث 117)

آپ کا فقر اور فقیرانہ زندگی

1۔ علی بن ارقم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے حضرت علی بن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ انہیں (ارقم کو) میدان کوفہ میں اپنی تلوار دے رہے تھے اور فرماتے تھے میری یہ تلوار کون خریدے گا بخدا میں نے اس تلوار کے ساتھ بار بار رسول کریم ﷺ کا دفاع کیا اور دشمنوں کو بھگایا اور اگر میرے پاس تہبند خریدنے کے لئے پیسے ہوتے تو میں اسے کبھی نہ بیچتا۔
(کنز العمال جلد 13 صفحہ 178 حدیث 36531 بروایت یعقوب بن سفیان، طبرانی اوسط، ابن عساکر)
اور یہ اس دور کی بات ہے جب آپ امیر المومنین تھے کیونکہ آپ خلافت سنبھالنے سے قبل کوفہ کبھی نہیں گئے تھے گویا آپ صدیق اکبر عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے طریقہ زندگی اور طرز خلافت پر سختی سے گامزن تھے اس میں کچھ تبدیلی نہیں کی تھی۔

2۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک بار میں مدینہ طیبہ میں سخت بھوک محسوس کر رہا تھا میں نے ایک عورت دیکھی جس نے مٹی کے ڈھیلے اکٹھے کر رکھے تھے میں نے گمان کیا کہ وہ ان میں پانی ڈالنا چاہتی ہے (تاکہ گارا بنا کر مکان میں استعمال کرے) میں نے اس سے سودا کیا کہ جتنے ڈول پانی مین اسے لا کر دوں گا ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور لوں گا تو اسے سولہ ڈول پانی لا کر دیا اور میرے ہاتھ زخمی ہو گئے پھر میں نے کچھ پانی لیا اور اس عورت سے سولہ کھجوریں وصول کیں اور انہیں رسول کریم ﷺ کے پاس لے گیا تو آپ نے بھی میرے ساتھ وہ کھجوریں تناول فرمائیں۔ (کنز العمال جلد 13 صفحہ 178۔179 حدیث 36532) بروایت مسند احمد، دورقی، ابن منیع)

3۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں میں نے رسول خدا ﷺ کی بیٹی سے نکاح کیا تو ہمارے پاس صرف دنبے کی کھال اور ایک بچھونا تھا رات کو ہم اس پر سوتے تھے اور دن کو اسے الٹا کر اس پر اپنے اونٹ کو چارا ڈالتے تھے۔
(کنز العمال جلد 13 صفحہ 179 حدیث 36534 بروایت ابن مبارک فی الزھد، ہناد)

4۔ حضرت صالح جو پارچہ فروش تھے اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے ایک درہم سے کھجوریں خریدلیں اور انہیں لفافے میں ڈال کر اٹھالیا آپ سے عرض کیا گیا امیر المومنین کیا ہم اسے آپ کے لیے نہ اٹھالیں فرمایا گھر والوں کا بوجھ گھر کے سربراہ ہی کو اٹھانا چاہیے کسی اور کو نہیں۔
حضرت علی کا فقر اضطراری نہیں اختیاری تھا رسول اکرم ﷺ کی طرح آپ بھی عمداً مال دنیا سے کنارہ کش تھے اگر

آپ چاہتے تو بہت سا مال جمع فرما سکتے تھے مگر آپ نے فقر اختیار فرمایا آج کل کے پیشہ ور پیر فقیر اس معیار فقر کا تصور بھی نہیں رکھتے حضرت علی کا فقر اسلامی معاشرے میں فقر حیدری کے نام سے معروف ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دارا وسکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ضربِ اسد اللّٰہی

آپ کی سخاوت:

سخاوت صرف مالداروں سے مخصوص نہیں اہل فقر بھی سخی ہوتے ہیں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے تونگری بدل است نہ بمال اللہ والے دل کے سخی ہوتے ہیں اور مال سے پیار نہیں کرتے جو آئے لٹا دیتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سخاوت کے نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑیں کسی نے کہا انہیں انار کھلانا چاہیے حضرت علی بازار گئے آپ کے پاس اتنے ہی پیسے تھے کہ ایک انار خرید سکیں آپ انار خرید کر گھر لا رہے تھے کہ راستے میں کسی نے کہا کہ میں کئی دن سے بھوکا ہوں مجھے یہ انار دیدیں آپ نے وہ انار اسے دیدیا اور خالی ہاتھ گھر چلدیے ابھی آپ اپنے گھر میں داخل ہو رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے دامن پکڑ لیا آپ نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے جھولی میں انار اٹھائے ہوئے تھے انہوں نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ کے پاس کہیں سے انار بطور ہدیہ وتحفہ آئے تھے آپ نے اس میں سے یہ آپ کے لیے بھیجے ہیں حضرت علی نے گنے تو وہ نو انار تھے آپ نے حضرت بلال سے فرمایا دسواں انار کہاں ہے انہوں نے کہا دسواں انار کیسا فرمایا اللہ کا ارشاد ہے جو ایک نیکی کرے ہم اسے دس کا بدلہ دیتے ہیں میں نے ایک انار اللہ کے نام پر دیا تو مجھے بدلے میں دس ملنے چاہئیں حضرت بلال نے جیب سے ایک اور انار نکال کر پیش کر دیا اور کہا اے علی میں تو آپ کا امتحان لے رہا تھا۔ (بعض کتب وعظ)

یہ واقعہ ممکن ہے درست ہو اور حضرت علی کی شان فقر سے ایسے ہی واقعات کی توقع کی جا سکتی ہے اس میں آپ کی سخاوت کے علاوہ آپ کے علم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

2۔ حضرت عنترہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ کے غلام قنبر رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا یا امیر المومنین آپ اپنے لیے کچھ بھی جمع نہیں کرتے جب کہ اس مال میں (بیت المال میں سے) آپ کے گھر والوں کا بھی حصہ ہے میں نے آپ کے لیے کچھ مال رکھ لیا ہے فرمایا وہ کیا رکھا ہے کہا چلیں میں آپ کو دکھاؤں آپ اس کے ساتھ چلے اس نے آپ کو ایک کمرے میں کچھ سونا اور چاندی کے برتن دکھائے حضرت علی نے دیکھ

کرفرمایا تجھے تیری ماں روئے کیا تم میرے گھر میں آگ داخل کرنا چاہتے ہو پھر آپ نے اس مال کی گنتی اوروزن کرایااوراسے تقسیم کرنا شروع کر دیا پھر فرمایا میرے لیے یہی بڑا میوہ ہے (کہ میں مال نام خدا پر لٹاتا ہوں) اور ہر میوہ چننے والے کا ہاتھ اپنے منہ ہی کی طرف ہوتا ہے پھر فرمایا اے دنیا مجھے دھوکہ نہ دے کسی اور کو دینا۔ (کنزالعمال)

آپ کا خلق خدا کی خبر گیری کرنا

1۔ اذان کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بازاروں میں اکیلے ہی چلا کرتے تھے جب کہ امیر المومنین تھے آپ بھولے ہوئے لوگوں کو راہ دکھاتے کمزوروں کی مدد فرماتے دوکانداروں اور سبزی فروشوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں یہ آیت سناتے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا

ترجمہ: ہم نے وہ دار آخرت (جنت) ان لوگوں کے لیے بنائی ہے جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد کے طلبگار نہیں۔ (سورہ قصص، آیت 83)

پھر آپ فرماتے یہ آیت اللہ نے باقی لوگوں کو چھوڑ کر ان حکمرانوں اور ارباب اقتدار کے لئے اتاری ہے جو عدل اور تواضع والے ہیں۔ (کنزالعمال جلد 13 بروایت ابن عساکر)

ابومطر روایت کرتے ہیں میں مسجد سے نکلا تو دیکھا ایک آدمی میرے پیچھے آواز لگا رہا تھا بھائی اپنا تہبند اونچا کرلو اس طرح اللہ راضی ہوتا ہے اور کپڑا بھی ستھرا رہتا ہے اور اگر تم مسلمان ہو تو دانائی سے کام لو میں نے دیکھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے ان کے پاس درہ تھا آپ اونٹوں کے بازار میں گئے اور فرمایا لوگو مال بیچو اور قسمیں نہ اٹھاؤ قسم اٹھانے سے برکت گھٹ جاتی ہے پھر آپ کھجور فروش کے پاس گئے تو وہاں ایک لونڈی کو روتے دیکھا فرمایا کیوں رو رہی ہو کہا اس نے مجھے ایک درہم میں کھجور دی تھیں جو میرے مالک نے منظور نہیں کیں آپ نے اسے فرمایا کھجوریں واپس لے لو اور درہم لوٹا دو اس بیچاری کے اختیار میں کچھ نہیں وہ آدمی انکار کرنے لگا میں نے اسے کہا تم جانتے نہیں یہ کون ہیں اور تم کس سے بات کر رہے ہو کہنے لگا نہیں میں نے کہا یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں امیر المومنین، اس نے کھجور فوراً لے لیں اور درہم لڑکی کو لوٹا دیا اور کہنے لگا امیر المومنین میری خطا معاف فرما دیں، آپ نے فرمایا: میری خوشی اسی میں ہے کہ تم لوگوں سے اچھا معاملہ کروں پھر آپ دوسرے کھجور فروشوں کے پاس گئے اور فرمایا مساکین کو بھی کھلایا کرو، اس طرح تمہارے رزق میں برکت ہوگی، پھر آپ مچھلی والوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا پانی میں مرنے والی مچھلی ہمارے بازار میں مت فروخت ہونے پائے پھر آپ دار بزار (پارچہ فروشی کے بازار) میں گئے آپ نے ایک آدمی سے فرمایا شیخ! تین درہموں میں مجھے قمیص چاہیے اس

نے آپ کو پہچان لیا تو آپ نے اس سے قمیص نہ خریدی پھر ایک اور آدمی کے پاس گئے اس نے بھی آپ کو پہچان لیا تو آپ نے اس سے بھی نہ خریدی پھر ایک نوعمر لڑکے کے پاس گئے اس سے آپ نے تین درہم سے قمیض خریدی اور اسے ٹخنوں تک پہن لیا اتنے میں دوکان کا اصل مالک آ گیا اسے بتایا گیا کہ بیٹے نے امیر المومنین کو تین درہم میں قمیض بیچی ہے اس نے بیٹے سے کہا تم نے ان سے دو ہی درہم کیوں نہ لے لیے پھر وہ درہم لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا یہ درہم لے لیں فرمایا کیا مطلب کہا ہماری قمیص کی قیمت دو ہی درہم ہے میرے بیٹے نے آپ کو تین میں دیدی آپ نے فرمایا اس نے میری خوشی سے بیچی اور میں نے اس کی خوشی سے رقم دی اب درہم کی واپسی کیسی۔ (کنز العمال کتاب الفضائل باب فضائل امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

جسمانی طہارت کا اہتمام

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھی خشک چھوڑ دیا اس کو جہنم میں ایسے ایسے جلایا جائیگا یعنی اس بال کو جہنم کی آگ جلائے گی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر لی ہے یعنی اس کو اتنا دھوتا ہوں جنابت سے طہارت حاصل کرتے ہوئے سر پر اتنا پانی بہاتا ہوں کہ مجھے اپنے سر سے دشمنی ہوگئی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد اوّل صفحہ 104 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض علماء نے سر سے دشمنی کرنے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے اسی ڈر سے کہ کہیں جنابت کا اثر کسی بال میں رہ نہ جائے اپنا سر منڈوایا تھا اور ہمیشہ سر منڈوائے رکھتے تھے مگر اس کی تحقیق مطلوب ہے بہر حال یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کس قدر خوف خدا رکھتے تھے اور جسمانی طہارت کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔

فصل پنجم

آپ کے بارے میں بعض شبہات کا ازالہ:

آپ کے فضائل ومحامد، نقوشِ حیات، اخلاق وخصائل اور کرامات بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ خیال آیا کہ آپ کے بارے میں کم فہم لوگ بعض شبہات پیدا کرتے ہیں ان کا ازالہ بھی ضروری ہے، ورنہ بات ادھوری رہے گی، کیونکہ اگر ذہنوں پہ کسی کے بارے میں شبہات کی گرد وغبار پڑ جائے تو اس شخصیت کے فضائل سمجھ میں نہیں آ پاتے۔ تو ہم مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذہنوں میں اٹھنے والے بعض شبہات اور ان کا ازالہ لکھتے ہیں۔

اوّل: آپ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ کیوں چلے گئے؟

سوال ہے کہ رسول اللہ اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کو اپنا مہاجر ومسکن بنایا۔ یہیں سے سلسلہ جہاد شروع کیا۔ پھر ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنھم نے اسی مرکزِ مدینہ سے جہادی لشکر روانہ کیے اور ریاستِ اسلامیہ کا دائرہ دیکھتے ہی دیکھتے کئی براعظم پر پھیل گیا۔ مدینہ طیبہ ایسا مرکز اسلام ہے جہاں رسول اکرم ﷺ کے وجود مسعود کی عظیم برکت ہے، مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ مرکز چھوڑ کر کوفہ کو مرکز بنالیا۔ یعنی ریاست اسلامیہ کا دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے کوفہ چلا گیا جوارِ رسول ﷺ کی برکت شامل حال نہ رہی تو فتوحات کا سلسلہ بھی رک گیا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ آپ مدینہ سے باہر نہ جائیں اگر آپ چلے گئے تو مرکز اسلام کبھی مدینہ لوٹ کر نہ آئے گا۔ اور واقعتہً ایسا ہی ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اس نیت کے ساتھ مدینہ طیبہ سے نہیں نکلے تھے کہ اب یہاں واپس نہیں آنا ہے۔ نہ ہی یہ نیت تھی کہ دار الخلافہ کو مدینہ پاک سے کوفہ لیجا رہے ہیں۔ آپ کا ارادہ بصرہ جانے کا ہوا تھا کوفہ بھی آپ کے ذہن میں نہ تھا۔ حضراتِ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما ایک لشکر جرار لیکر مکہ سے بصرہ پہنچ گئے تھے اور وہاں جو قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے ان کے ساتھ برسر پیکار ہو گئے تھے، آپ تو طلحہ وزبیر اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے بات چیت کر کے حالات کو اعتدال پہ لانا چاہ رہے تھے یعنی آپ کو تعجب ہوا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں اور چند جلیل القدر اکابر صحابہ واہل بیت آپ سے مشاورت کے بغیر کسی گروہ کے خلاف تلوار چلا رہے ہیں، اور قاتلانِ عثمان غنی بہت طاقتور لوگ تھے ان کے حمایتی کوفہ، بصرہ، مصر، یمن ہر جگہ تھے اور یہ تلوار ہر شہر میں چل سکتی تھی۔

اس لیے مولیٰ علی المرتضیٰ فوری طور پر بصرہ پہنچے اور آپ نے جاتے ہی حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما سے رابطہ کیا

جو بہت مفید ثابت ہوا اور صلح پر اتفاق ہوگیا کہ مل کر قاتلان عثمان غنی کو پکڑا جائے گا۔ اگلے دن ان نفوسِ قدسیہ کی باہم ملاقات ہونے والی تھی اگر ملاقات ہو جاتی تو حالات کچھ اور ہوتے پھر جنگ جمل نہ ہوتی بلکہ جنگ قصاصِ عثمان ہوتی اور ان خونخوار قاتلوں کا قلع قمع کیا جاتا اور آپ سرخرو ہو کر واپس مدینہ طیبہ آ جاتے، مگر ان فتنہ پرور لوگوں نے رات کو خفیہ میٹنگ کی اور دن چڑھنے سے قبل جنگ کے شعلے بھڑکا دیے۔ پھر جو ہوا سو ہوا۔ الغرض جو کچھ بھی ہوا غیر متوقع (Unexpectedly) ہوا۔

پھر جب آپ جنگِ جمل سے فارغ ہوئے تو آپ نے شام کا رخ کیا۔ آپ نے سوچا کہ میں شام کے قریب آیا ہوں تو یہ معاملہ بھی نمٹا کر جاؤں۔ وہاں بھی آپ کا مقصد ہر صورت جنگ کرنا نہ تھا، آپ کا مقصد معاملات کو بات چیت سے حل کرنا تھا، اس لیے صفین میں کئی ماہ تک سلسلۂ مراسلت جاری رہا۔ جنگ تو آخری دنوں میں ہوئی۔ پھر جنگ کا اختتام تحکیم پر ہوا، تحکیم ادھوری ہوئی، آپ واپس کوفہ آ گئے، مدینہ شریف واپس نہ گئے کیونکہ آپ کو ڈر تھا شائد اہل شام پھر آمادہ جنگ ہوں، ابھی آپ اہل شام کی طرف سے مطمئن نہ ہو پائے تھے کہ داعی اجل آ گیا، الغرض آپ مدینہ طیبہ سے اس ارادہ کے ساتھ نہ نکلے تھے کہ واپس مڑ کر نہیں آنا، مگر حالات نے آپ کو واپس نہ آنے دیا۔ لہٰذا یہ سوال ہی غلط ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ نے دارالخلافہ کو مدینہ طیبہ سے کوفہ کیوں منتقل کیا اور مدینہ کو کیوں چھوڑ دیا۔

دوم: اگر آپ حضرت امیر معاویہ کو امیر شام رہنے دیتے تو کیا حرج تھا:

یہ سوال بھی کیا جاتا ہے اور ذہن میں آتا ہے کہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مختلف علاقوں میں کام کرنے والے گورنروں یعنی عاملین کو برطرف کر کے نئے عاملین مقرر کر دیے۔ جس کی وجہ سے حالات خراب ہوئے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معزول ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے آپ قاتلانِ عثمان غنی کو پکڑیں تو ہم فوراً آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور آپ کا ہر حکم مانیں گے، آپ نے امیر معاویہ کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ کیا بلکہ لشکر لیکر مدینہ طیبہ سے نکل کھڑے ہوئے ابھی آپ مقام ربذہ تک گئے تھے کہ اچانک خبر آئی کہ حضراتِ طلحہ و زبیر اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم لشکر لے کر بصرہ روانہ ہو گئے ہیں تب آپ نے فوری طور پر اپنا رخ بدل کر شام کی بجائے بصرہ جانے کا ارادہ کیا وہاں قاتلان عثمان غنی کی شرارت سے جو آپ ہی کے لشکر میں گھسے ہوئے تھے جنگ جمل بپا ہوگئی، وہاں سے فارغ ہو کر آپ نے پھر شام کا رخ کیا، نتیجہ میں جنگ صفین ہوئی، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہوگئی مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہتھیار نہ ڈالے۔ وہ قاتلانِ عثمان غنی کے پکڑنے کا مطالبہ دوہراتے رہے، اگر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر شام رہنے دیتے تو اس میں کیا حرج تھا؟ علاقہ شام میں ان کی بے پناہ خدمات تھیں بلکہ یہ اکثر علاقہ ان کی جد و جہد اور ان کے جہاد کے ساتھ فتح ہوا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان مہاجرین و انصار کی مقدس جماعت نے بیعت کر کے امیر المؤمنین منتخب کیا تھا جن کی اتباع کا حکم اللہ قرآن میں دیتا اور ان کے لئے اعلان جنت فرماتا ہے۔ (سورہ توبہ آیت ۱۰۰) لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہ لازم تھا کہ وہ آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے، آپ نے دور عثمان غنی کے تمام عاملین کو اس لیے معزول کیا کہ ان عاملین پر اعتراضات کیے گئے تھے، آپ نے چاہا کہ جن عاملین پہ سوالات اٹھائے گئے ہیں انہیں الگ کیا جائے اور ان کی جگہ غیر متنازع لوگ لائے جائیں۔ آپ کا یہ حکم مصلحت کے خلاف تھا یا اس کے مطابق، یہ الگ بحث ہے۔ تاہم بطور امیر المؤمنین آپ کا حکم نافذ العمل تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر آپ کی اطاعت لازم تھی۔ انہوں نے تعمیل نہ کر کے خطا کی۔ تاہم چونکہ ان کا مقصد قاتلان عثمان غنی کا پکڑنا تھا اور وہ مولیٰ علی المرتضیٰ پہ دباؤ بڑھا رہے تھے اس لیے ان کی خطاء کو خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے مگر حق امیر المؤمنین مولیٰ علی المرتضیٰ کے ساتھ تھا اور آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حتیٰ الوسع مذاکرات سے معاملہ حل کرنے کی کوشش کی جب کوئی راہ نہ رہا تو آپ نے آخر میں بامر مجبوری نا چاہتے ہوئے تلوار اُٹھائی آپ کا خیال یہی تھا کہ معمولی جھڑپ کے ساتھ معاملہ درست ہو جائے گا۔ آپ کو یہ اندازہ نہ تھا کہ شامی لوگ اس قدر مشتعل، قصاص عثمان غنی کے لیے اس قدر جذباتی اور قاتلانِ عثمان غنی کے خلاف اس قدر بپھرے ہوئے ہیں۔ وہ اس بے جگری سے لڑیں گے اور یہ جنگ اتنے مسلمانوں کی جان لے لے گی۔ جب اسی (80) ہزار مسلمانوں کے قتل ہو جانے کے باوجود بھی نتیجہ کچھ نہ نکلا تو آپ کو اس جنگ پر بعد میں شدید افسوس ہوا جیسا کہ ہم پیچھے مفصل لکھ آئے ہیں۔ آپ کے حق پر ہونے اور مخالفین کے خطاء پر ہونے کے باوجود آپ کا اس قدر شدید افسوس بتاتا ہے کہ آپ کے دل میں امت کے لیے کس قدر ہمدردی تھی، پیچھے ہم لکھ آئے ہیں کہ مولیٰ علی المرتضیٰ آخری عمر میں حضرت امیر معاویہ کے بارے میں نرم باتیں کہتے تھے آپ فرماتے تھے معاویہ کا دم غنیمت جانو اگر تم نے اسے کھو دیا تو تم دیکھو گے کس طرح گردنوں سے حنظل کی طرح سر کٹ کٹ کر گر رہے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ) آپ کہتے تھے۔

لَوْ عَلِمْتُ اَنَّ الْاَمْرَ یَکُونُ ھٰکَذا مَا خَرَجْتُ

اگر مجھے علم ہوتا کہ معاملہ یہ ہو جائے گا تو میں (جنگ کے لیے) نہ نکلتا، یہ آپ جنگ صفین کے بعد کہا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد 7 صفحہ 548 باب ماذکر فی الصفین)

مطلب یہ ہے کہ آپ عالم الغیب تو نہیں تھے، آپ نے ایک مخلص ذمہ دار حاکم کی حیثیت سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلے مذاکرات سے، پھر سختی سے معاملہ فرمایا اور جو قدم اُٹھایا لوگوں کی بہتری کے لیے اُٹھایا، اگر اس سے مطلوبہ نتائج نہیں ملے تو ایسا ہونا کچھ ضروری نہیں۔ انسان کے بس میں کام ہے، اللہ کے بس میں انجام ہے۔

ایک حاکم اپنے ملک کو چلانے کیلئے محنت کرتا ہے، اخلاص سے ہر قدم اٹھاتا ہے، مگر بسا اوقات اس کی محنت مطلوبہ نتائج نہیں دیتی بلکہ معاملات الٹ نکلتے ہیں۔ اس کی نیت اچھی اور درست ہوتی ہے۔ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق جزا ملتی ہے۔ حدیث نبوی ہے۔

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی۔

سوم: آپ کے دور میں فتوحات اسلامیہ کا سلسلہ رک گیا تھا:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لیکر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک خلفاء کرام نے فتوحات کے دریا بہا دیئے، دیکھتے ہی دیکھتے صرف چوبیس برسوں میں بڑے بڑے براعظم فتح ہوئے اور بڑی بڑی عالمی سلطنتوں کے نام و نشان مٹ گئے۔ اور چوبیس لاکھ مربع میل زمین پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ مگر حضرت علی المرتضیٰ کے دور میں کوئی علاقہ فتح نہیں ہوا نہ کفار کے خلاف کوئی جہاد ہوا بلکہ مسلمانوں کی باہمی جنگیں ہوتی رہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فتوحات کے رک جانے کی ذمہ داری اکیلے آپ پر نہیں آتی بلکہ آپ کے سیاسی مخالفین پر بھی آتی ہے۔ اگر وہ آپ کی مجبوری پہ غور کرتے اور قاتلانِ عثمان غنی کے بارے میں آپ پر اعتراض کرنے اور آپ سے لڑنے کی بجائے آپ کی اطاعت و پشت پناہی کرتے تو نہ صرف قاتلان عثمان غنی پکڑے جاتے بلکہ فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہوتا۔ جب آپ داخلی مسائل میں الجھ کر رہ گئے تو انہی سے فارغ نہیں ہو سکے تو خارجی فتوحات کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتے تھے باہم چونکہ سب کا مقصد نیک تھا اس لیے کسی پر زبان طعن دراز کرنا جائز نہیں ہے۔

باب سوم

مناقب حضرت سیدہ فاطمۃ الزاہرا خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا

سیدۃ النساء خاتونِ جنت بنت رسول اکرم ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ الزاہر رضی اللہ عنہا حضور سید العالمین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں حضور سرور دو عالم ﷺ کو آپ سے بے پناہ محبت تھی اگرچہ ہر باپ کو اپنی اولاد خصوصاً چھوٹی اولاد سے محبت ہوتی ہے مگر جو محبت رسول خدا ﷺ کو اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھی اس کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے آپ کے فضائل وخصوصیات ذکر کرنے سے قبل آپ کے حالات زندگی پر نظر ڈال لینا بہتر ہے دنیا سے آپ کی روپوشی اور بے تعلقی ضرب المثل ہے شاید اسی لیے آپ کے حالات کا اکثر حصہ پردہ اخفا میں ہے بہرحال جو کچھ ہمیں میسر آتا ہے ہم عرض خدمت کر دیتے ہیں وما توفیقی الا باللہ۔

فصل اول

سیدۃ النساء فاطمہ الزاہرا رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات زندگی

ولادت مبارکہ

واقدی کی روایت یہ ہے کہ جس سن میں قریش نے کعبہ تعمیر کیا اس سن میں آپ کی ولادت ہوئی اس وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر 25 برس تھی تاہم یہ محل نظر ہے کیونکہ 25 برس کی عمر میں تو آقائے دو عالم ﷺ کی شادی ہوئی جیسا کہ مشہور روایات میں ہے صحیح قول وہ ہے جو صاحب استیعاب علامہ ابو عمر ابن عبد البر نے عبید اللہ بن محمد ہاشمی سے نقل کیا کہ آپ کی پیدائش کے وقت حضور ﷺ کی عمر اکتالیس برس تھی گویا اعلان نبوت سے ایک سال بعد آپ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔

یہاں ایک حدیث قابل غور ہے جو سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں دیکھا کرتی تھی کہ رسول خدا ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ماتھا چومتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے اس عمل میں کیا حکمت ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب مجھے آسمان کی سیر کرائی گئی (معراج ہوا) تو میں جنت میں گیا میں وہاں ایک درخت کے پاس ٹھہرا۔ اس جیسا حسین سفید پتوں والا خوشبودار پھل والا کوئی دوسرا درخت نہ تھا میں نے اس کا پھل کھایا تو وہ

میری پشت میں نطفہ بن گیا جب میں زمین پر آیا تو (حضرت) خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مجامعت کی اور اس سے فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اب مجھے جنت کی خشبو سونگھنے کا جب شوق ہوتا ہے تو میں فاطمہ میں وہ خوشبو سونگھ لیتا ہوں فاطمہ دوسری عورتوں کی طرح نہیں نہ اسے وہ بیماریاں لگتی ہیں جو انہیں لگتی ہیں۔

(مجمع الزوائد بروایت طبرانی جلد 9 صفحہ 205 طبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

اس حدیث کے تحت امام ابن حجر فرماتے ہیں وھذا مستحیل فان فاطمۃ ولدت قبل الاسراء بلا خلاف یہ محال ہے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بلا اختلاف واقعہ معراج سے قبل پیدا ہوئیں امام ابن حجر کا یہ ارشاد بجا ہے کہ آپ معراج سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں جیسا کہ ہم نے ابھی لکھا ہے تاہم اس استحالہ کا جواب بھی ممکن ہے۔

وہ اس طرح کہ ائمہ دین کی اکثریت یہی کہتی ہے کہ آپ کا معراج جسمانی تو ایک ہی بار تھا مگر معراج منامی بار بار ہوا بلکہ ایک معراج منامی قبل اعلان نبوت بھی ہے چنانچہ ایک حدیث معراج میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ يُوْحىٰ اِلَيْهِ اور یہ آپ پر وحی اترنے سے پہلے کی بات ہے۔

خود امام قسطلانی فرماتے ہیں:

وقد قال بعض القائلین بذلك ان تکون قصۃ المنام قبل المبعث اور جو اس کے قائل ہیں۔ (کہ معراج جسمانی ہوا تھا) میں سے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے کہ معراج منامی کا واقعہ قبل بعثت ہو۔

(المواہب اللدنیہ جلد 3 صفحہ 10 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام قسطلانی نے آگے بھی تحقیق فرمائی ہے کہ قبل بعثت معراجِ منامی کی حکمت یہ ہے کہ قلب محمد ﷺ کو وہ قوت دے دی جائے کہ تحمل وحی کی قوت پیدا ہو جائے اور آپ ﷺ جو فرمایا کرتے تھے کہ میرے معاملہ کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی یعنی نزول وحی سے قبل مجھے اچھی خوابیں دکھائی گئیں تو قبل بعثت معراج منامی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے اور میں عرض کرتا ہوں رؤیا صالحہ کی یہ تاثیرات بھی دیکھی گئی ہیں کہ جو خواب میں کھایا جاگنے کے بعد اس کا ذائقہ منہ میں موجود تھا جو چیز خواب میں ملی جاگنے کے بعد وہ ہاتھ میں موجود تھی قراءت سبعہ کے ائمہ سبعہ میں مشہور امام (جو تابعی ہیں اور قاری مدینہ کہلاتے ہیں) حضرت امام نافع مدنی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے منہ میں اپنا منہ مبارک رکھ کر قرآن پڑھا ہے جب خواب سے اٹھے تو منہ سے خوشبو آ رہی تھی اور وہ خوشبو ساری زندگی ان کے منہ مبارک سے آتی رہی۔ (النشر فی القراءتِ العشر جلد اوّل صفحہ 12 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس لیے قطب وقت امام شاطبی علیہ الرحمہ اپنی مشہور عالم منظوم کتاب الشاطبیۃ میں فرماتے ہیں:

فاما الکریم السر فی الطیب نافع فذاك التی اختار المدینۃ منزلا۔

ترجمہ: خوشبو کے متعلق بہت پیارا بھید رکھنے والے حضرت نافع ہیں تو یہ وہ امام جنہوں نے مدینہ طیبہ کو مسکن بنایا۔
(الشاطبیہ مع شرح عنایاتِ رحمانی جلداول صفحہ 62)

ایسے دیگر واقعات بھی ہزاروں کے حساب سے کتابوں میں لکھے ہیں لہٰذا قبل بعثت نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ نے جو معراج منامی دیکھا اسی کا طبرانی والی حدیث میں بیان ہے اور اس میں جو جنتی میوہ آپ نے کھایا اس کی تاثیر و حقیقت آپ کے جسم مبارک میں پیدا ہوئی اور اسی سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جنم لیا اس میں کوئی استبعاد نہیں نہ کوئی استحالہ ہے اگر امام نافع کو خواب میں سرکار عنایت کریں تو تمام زندگی خوشبو ساتھ رہ سکتی ہے تو سید عالم خود خواب میں عنایت الٰہی حاصل کریں تو ساری زندگی وہ خوشبو ساتھ رہ سکتی ہے تو سید عالم خود خواب میں عنایت الٰہی حاصل کریں تو اس کی تاثیر سے سیدہ فاطمہ کی ولادت میں کیا اشتباہ ہے امام ابن حجر نے جو استحالہ بتایا ہے وہ اس حدیث کو معراج جسمانی پر حمل کرنے کی صورت میں ہے معراج منامی ماننے کی صورت میں کوئی استحالہ نہیں اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن احادیث میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی ذریت کے لیے مغفرت اور وعدہ جنت کا بیان آیا ہے جیسا کہ آگے یہ احادیث آرہی ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ ان کی رگوں میں اسی جنتی سیب کی تاثیر چلی آرہی ہے جو آقائے دو عالم ﷺ کو خواب میں کھلایا گیا کیونکہ یہ تاثیر جنت کی طرف کشش رکھتی ہے جو دوزخ سے اپنے حامل کو دور کرتی ہے۔

جناب سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نکاح:

سیرت رسول اللہ ﷺ میں اس نکاح کی اہمیت:

سال ہجری دوم میں سیرت النبی ﷺ کا ایک اہم واقعہ آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی خاتونِ جنت سیدۃ نساء العالمین دختر سید المرسلین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی جناب حیدر کرار شیر خدا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے شادی خانہ آبادی ہے، نبی اکرم ﷺ کی نرینہ اولاد بچپن میں اُٹھائی گئی، بیٹیاں بڑی ہوئیں ان کی شادیاں ہوئیں مگر سیدہ خاتون جنت کے سوا کسی کی نسل نہ چلی۔ باقی بیٹیوں کے ہاں جو بچے ہوئے فوت ہو گئے۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ اس کے محبوب کریم رءوف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نسل آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے چلے اور تا قیامت چلے۔ چنانچہ اس نسل پاک میں اللہ نے ہزاروں لاکھوں اولیاء کاملین علماء ربانیین اور مشائخ دین پیدا فرمائے۔ ہم ہر نماز میں دعا کرتے ہیں۔

اَللّٰھم صل علی محمد و علی آلِ محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آلِ ابراھیم
انك حمید مجید

یعنی اے اللہ! محمد و آلِ محمد ﷺ پر ویسی رحمت فرما جیسی رحمت تو نے ابراہیم و آل ابراہیم علیہ السلام پر فرمائی۔اب آل ابراہیم علیہ السلام۔

اللہ نے یہ رحمت فرمائی کہ ان میں اللہ نے نبوت جاری فرمائی۔قرآن فرماتا ہے:وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ اور ہم نے ذریّت ابراہیم (علیہ السلام) میں نبوت اور کتاب رکھدی (سورہ عنکبوت آیت 27) جبکہ رسول اکرم ﷺ خاتم النبیین بن کر تشریف لائے ہیں آپ کی آل میں نبوت تو جاری نہیں ہوسکتی تھی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی آل پہ یہ رحمت فرمائی کہ ان میں ولایت جاری فرمادی، یہ اسی درودِ ابراہیمی کے ثمرات میں سے ہے۔اور اس امت کے سب سے آخری ولی خاتم الاولیاء امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی آلِ محمد مصطفیٰ ذریت فاطمۃ الزہراء اور اولادِ علی المرتضیٰ ﷺ و رضی اللہ عنہما میں سے ہونگے،اس لیے نکاح سیدہ فاطمۃ الزہراء کی بہت اہمیت ہے۔اس لیے ہم نے اسے مستقل الگ فصل میں بیان کرنا مناسب جانا اس کا یہ معنی نہیں کہ اولاد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے باہر کوئی ولی یا غوث وقطب نہیں ہے، باہر بھی اولیاء کاملین بکثرت ہیں مگر کسی نسل یا خاندان میں اس قدر نور ولایت نہیں جس قدر اس نسل پاک میں ہے۔دراصل ایک معنی کے اعتبار سے ساری امتِ اہل تقویٰ آلِ رسول ﷺ ہے۔مگر جو لوگ نسل سیدہ خاتونِ جنت سے ہیں وہ ایمانی رشتہ سے بھی آل رسول ہیں، جسمانی رشتہ سے بھی جبکہ باقی اہل تقویٰ صرف ایمانی رشتے سے آلِ رسول ہیں۔

شادی کے وقت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی؟

امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ المعروف ابن عبدالبر رحمہ اللہ متوفی 363ھ فرماتے ہیں:

اور کہا گیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مولیٰ علی المرتضیٰ کی شادی نبی اکرم ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے ساڑھے چار ماہ بعد ہوئی۔مگر رخصتی کا مرحلہ شادی کے ساڑھے نو ماہ بعد آیا، شادی کے دن سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ برس اور چار ماہ تھی، جبکہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت اکیس برس اور پانچ ماہ تھی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد 4 صفحہ 374 مطبوعہ دار صادر بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ بعثت رسول اکرم ﷺ کے وقت سیدہ خاتون جنت کی عمر قریباً ایک برس اور جناب مولیٰ علی المرتضیٰ کی عمر قریباً سات برس تھی۔چنانچہ اس کی صراحت امام ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں۔

جناب سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت نبی اکرم ﷺ کے مولد مبارک کے اکتالیس برس بعد ہوئی، اور وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پانچ برس بڑی ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ کا ان سے نکاح اوائل محرم سال ہجری دوم میں نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے چار ماہ بعد ہوا۔(حق یہ ہے کہ سیدہ خاتون جنت کا نکاح رجب سال ہجری دوم میں ہوا جیسا کہ خود امام ابن حجر نے آگے دیگر روایات سے بیان کیا ہے) نبی اکرم ﷺ کی نسل مبارک صرف حضرت فاطمہ

زہراء رضی اللہ عنہا سے چلی۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد 4 صفحہ 377 مطبوعہ دار صادر بیروت)

اس رشتہ کا تصور سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر کے قلب مبارک میں آیا:

ملا باقر مجلسی علماء شیعہ میں بہت بڑا مقام رکھتا ہے۔ شیعہ مذہب کے پھیلانے میں جس قدر ملا مجلسی کا کردار ہے شائد ہی کسی اور کا ہو، اس کی کتاب بحار الانوار شیعہ مذہب کی سب سے بڑی یعنی ایک سو دس جلدوں پر مشتمل کتاب ہے۔ اس کی جلد 43 مکمل طور پر احوال حضرت خاتون جنت پر مشتمل ہے، اس میں آپ کی شادی کا بھی مفصل ذکر ہے۔ اس میں ملا مجلسی نے کھل کر لکھا ہے کہ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رشتہ خاتونِ جنت کے طلب کرنے پر ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے تیار کیا تھا اور اس سلسلہ میں سب سے مرکزی کردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ انہی کے دل میں خیال آیا کہ جناب فاطمہ زہرا و مولا علی المرتضیٰ کا باہم رشتہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ ملا مجلسی لکھتا ہے۔

ایک دن ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) مسجد نبوی میں بیٹھے تھے ان کے ساتھ سعد بن معاذ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان لوگوں نے فاطمہ بنتِ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ذکر کیا۔ حضرت ابوبکر کہنے لگے: کئی بڑے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت فاطمہ کا رشتہ مانگا ہے اور آپ نے فرمایا ہے، اس کا معاملہ اس کے رب کے سپرد ہے جب اللہ چاہے گا اس کا نکاح کر دے گا۔ آگے لکھا ہے۔

وَاِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِی طَالِبٍ لَمْ یَخْطُبْهَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ وَلَمْ یَذْکُرْهَا لَه وَلَا اَرَاهُ یَمْنَعُه مِنْ ذٰلِکَ اِلاَّ قِلَّةُ ذَاتِ الْیَدِ وَاِنَّه لَیَقَعُ فِی نَفْسِی اَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلَه ﷺ اِنَّمَا یَحْبِسَانِهَا عَلَیْهِ

حضرت ابوبکر نے کہا: جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت خاتون جنت کا رشتہ نہیں مانگا نہ ہی اس بارے میں ان سے کوئی ذکر کیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ انہیں اس چیز سے کوئی چیز روکتی ہو سوا اس کے کہ ان کے پاس مال کی کمی ہے۔ اور میرے دل میں یقین ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو انہی کے لیے روک رکھا ہے۔

پھر حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) جناب عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہما) کی طرف متوجہ ہوئے، کہنے لگے کیا تم دونوں میرے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلو گے تا کہ ہم ان سے اس رشتہ کے بارے میں بات کریں۔ آگے فرمایا:

فَاِنْ مَنَعَه قِلَّةُ ذَاتِ الْیَدِ وَاسَیْنَاهُ وَاَسْعَفْنَاهُ فَقَالَ لَه سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ وَفَّقَکَ اللهُ یَا اَبَابَکْرٍ فَمَا زِلْتَ مُوَفَّقًا

اگر حضرت علی المرتضیٰ کو مالی تنگدستی نے روک رکھا ہے تو ہم ان کی مدد کریں گے اور ان کی حاجت پوری کریں گے، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوبکر! اللہ آپ کو (اس نیک مقصد میں) کامیاب کرے آپ کے ساتھ ہمیشہ توفیق خدا شامل حال رہتی ہے۔

(بحار الانوار الجامعہ لاخبار الائمۃ الاطہار جلد 43 تاریخ الزہراء صفحہ 125 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قلب پاک میں مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے کس قدر محبت تھی وہ ان کی شادی خانہ آبادی کے لیے کس قدر فکر مند تھے اور اس سلسلہ میں ان کی ہر طرح سے مالی مدد کے لیے بھی مستعد تھے، یہ ہے صحابہ و اہل بیت رسول ﷺ کے مابین مہر و وفا کا حقیقی نقشہ، علماء تشیع کو چاہیے کہ اپنے اکابر علماء کی لکھی یہ باتیں بھی عوام تک پہنچائیں تا کہ امت میں اختلاف کی خلیج کم سے کم تر ہو سکے۔

حضرات شیخین نے مولیٰ علی المرتضیٰ کو یہ رشتہ مانگنے پر تیار کیا:

رئیس علماء شیعہ ملا باقر مجلسی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ حضرات مسجد سے نکلے اور حضرت علی المرتضیٰ کو ان کے گھر ڈھونڈا وہاں وہ نہ ملے وہ انصار میں سے ایک شخص کے نخلستان میں اونٹ کے ذریعے اُجرت پر پانی ڈالنے کا کام کرتے تھے، تو یہ لوگ ادھر چلے گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو حیرت سے پوچھا ادھر کیسے آنا ہوا؟ حضرت ابوبکر نے کہا اے ابوالحسن! کوئی خصلت خیر ایسی نہیں رہی جس میں آپ کو سبقت اور فضیلت حاصل نہ ہو اور آپ کو رسول اللہ ﷺ سے جو قرابت، صحبت اور (اسلام میں) سابقیت حاصل ہے وہ بھی آپ جانتے ہیں۔ ادھر قریش کے بڑے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگا ہے آپ نے انہیں جواب دیدیا اور فرمایا ہے کہ اس کا معاملہ اس کے رب کے سپرد ہے جب چاہے گا اسکی شادی کر دے گا۔

فَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَذْكُرَهَا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسَلَّم وَ تَخْطُبَهَا مِنْهُ فَاِنِّى اَرْجُوا اَنْ يَكُوْنَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهُ اِنَّمَا يَحْبِسَانِهَا عَلَيْكَ

تو اے علی! آپ کو کیا چیز روکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کریں اور آپ سے یہ رشتہ مانگیں، مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے یہ رشتہ آپ ہی کے لیے روک رکھا ہے۔

فَتَغَرْغَرَتْ عَيْنَا عَلِيٍّ بِالدُّمُوْعِ وَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ لَقَدْ هَيَّجْتَ مِنِّى سَاكِناً وَ اَيْقَظْتَنِى لِاَمْرٍ كُنْتُ عَنْهُ غَافِلاً

حضرت ابوبکر کی بات سن کر مولیٰ علی المرتضیٰ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور کہنے لگے اے ابوبکر! تم نے میرے دل میں ٹھہری بات کو چھیڑ دیا ہے اور جس چیز سے میں غافل بیٹھا تھا اس کے لیے مجھے بیدار کر دیا ہے۔

آگے فرمایا: واللہ! حضرت فاطمہ کی ذات جائے رغبت ہے اور میرے جیسا شخص ایسے رشتے کو ترک نہیں کر سکتا مگر مالی تنگ دستی مجھے اس سے روکتی ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا اے ابوالحسن ایسی بات نہ کہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے ہاں دنیا و مافیہا کی حیثیت بکھرے غبار کی طرح ہے۔ تب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ باندھا، جوتے پہنے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس رشتہ طلبی کے لیے حاضر ہوئے۔ الخ (بحار الانوار تاریخ سیدہ زہراء جلد 43 صفحہ 126)

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج ساری دنیا میں آلِ مصطفیٰ و اولادِ مرتضیٰ کا جو چمنستان مہک رہا ہے اسے قائم کرنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کردار ہے اور یہ بات اہل تشیع کا سب سے بڑا علامہ کہہ رہا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ نے قبول رشتہ کی خوش خبری سب سے پہلے شیخین کریمین کو دی:

چنانچہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر رشتہ کی بات کی، آپ نے اسے بڑی فرحت کے ساتھ قبول فرمایا۔ اس جگہ امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

خَطَبَ عَلِیٌّ فَاطِمَةَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی الله علیه وسلم اِنَّ عَلِیّاً یَذْکُرُكَ فَسکَتَتْ فَزَوَّجَهَا

جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زہراء سے فرمایا: علی تمہارا ذکر کرتا تھا، وہ خاموش رہیں، تب رسول اکرم ﷺ نے ان کا نکاح فرمایا:

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ذکر بنات رسول اللہ ﷺ جلد 8 صفحہ 16 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تب حضرات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قبولیت رشتہ کی عظیم خوشخبری لے کر باہر نکلے، اس جگہ شیعہ مکتب فکر کے ہاں بہت معتبر عالم ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح اربلی متوفی 693ھ نے اپنی مشہور کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں لکھا ہے:

قَالَ عَلِیٌّ فَخَرَجْتُ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مُسَوعاً وَاَنَا لَا اَعْقِلُ فَرحاً وَ سُرُوْرًا فَاسْتَقْبَلَنِی اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ فقالا مَا وَرَآءَكَ؟ فَقُلْتُ زَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِبْنَتَه، فَاطِمَةَ وَ اَخْبَرَنِی اَنَّ اللهَ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ زَوَّجَنِیْهَا مِنَ السَّمَاءِ وَ هٰذَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَارِجٌ فِی اَثَرِیْ۔ لِیُظْهِرَ ذٰلِكَ بِحَضْرَةِ النَّاسِ فَفَرِحَا بِذٰلِكَ فَرَحًا شَدِیْداً

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تب میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے تیزی کے ساتھ باہر نکلا فرحت و سرور کے باعث مجھے اپنا کچھ ہوش نہ تھا۔ سب پہلے مجھے ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ملے (کیونکہ انہی نے رشتہ طلبی کے

لیے بھیجا تھا) دونوں کہنے لگے: آپ کیا خبر لائے ہیں؟ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ عطا فرما دیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ رب العزت نے آسمان سے میری شادی کی قبولیت نازل فرمائی ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ بھی میرے پیچھے (مسجد میں) آ رہے ہیں کہ لوگوں میں اس کا اعلان فرمائیں تو ابوبکر و عمر دونوں اس خوش خبری سے بے حد خوش ہوئے۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ جلد اوّل صفحہ 275 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

مطلب یہ ہے کہ صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ہی نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس رشتہ کے بارے میں پہلے ذہن بنایا، پھر انہیں اس رشتہ کے طلب کرنے پہ آمادہ کر کے بھیجا، جب وہ رشتہ طلب کرنے گئے تو یہ حضرات مسجد میں بیٹھے منتظر رہے کہ سنیں وہ کیا خوشخبری لے کر آتے ہیں؟ جب وہ قبولیت رشتہ کی عظیم خوشخبری لے کر نکلے تو سب سے پہلے انہوں نے ہی جناب مولیٰ مرتضیٰ کا استقبال کیا اور پوچھا کہ آپ کیا خبر لائے ہیں۔ جب آپ نے یہ عظیم خبر سنائی تو ان کی خوش کا کوئی ٹھکانہ رہا ہے۔

جناب خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا حق مہر کیا مقرر ہوا؟

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں جب مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا اسے کچھ مال دو (حق مہر ادا کرو) انہوں نے عرض کیا میرے پاس تو کوئی چیز نہیں آپ نے فرمایا این درعك الحطمية، تمہاری حطمی زرہ کدھر ہے (وہی دے دو)

(سنن ابو داؤد کتاب النکاح باب 34 حدیث 2125)

امام محمد بن سعد ہاشمی بصری علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ عکرمہ تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں جب حضرت علی المرتضیٰ نے سیدہ فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہما) کا رشتہ مانگا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مَا تُصْدِقُهَا؟ تم اسے صداق (حق مہر) کیا دو گے؟ عرض کیا میرے پاس تو کچھ نہیں جو مہر میں دوں؟ آپ نے فرمایا وہ تمہاری حطمی زرہ کدھر ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟ عرض کیا وہ میرے پاس ہے۔ فرمایا: اَصْدِقْهَا اِيَّاهَا۔ اسے وہی دیدو، تو انہوں نے وہی زرہ پیش کر دی تب نکاح ہوا۔ عکرمہ کہتے ہیں اس زرہ کی قیمت چار درہم تھی۔ (ایک روایت میں اس کی قیمت تیس درہم تھی۔) (الطبقات الکبریٰ لابن سعد 8 صفحہ 17)

جناب سیدہ خاتون جنت کے نکاح کا گواہ حضرات شیخین اور دیگر صحابہ کو بنایا گیا:

اہل تشیع کے علماء میں سے مشہور عالم ابو الحسن علی بن عیسیٰ اربلی نے کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں مناقب خوارزمی کی روایت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

تھا، آپ پر وحی کے آثار طاری ہوئے جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا اے انس! جانتے ہو صاحب عرش (اللہ رب العزت) کی طرف سے مجھ پر کیا وحی آئی ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

قَالَ اَمَرَنِی اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیٍّ فَانْطَلِقْ فَادْعُ لِیْ اَبَابَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِیًّا وَطَلْحَةَ وَالزُّبَیْرَ وَبِعَدَدِهِمْ مِنَ الْاَنْصَارِ

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ بیٹی کا نکاح علی سے کردوں، تو تم جاؤ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور اسی تعداد میں انصار کو بلالاؤ۔

جب وہ آ گئے تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا کا خطبہ پڑھا پھر فرمایا:

اِنِّیْ اُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ زَوَّجْتُ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیٍّ عَلٰی اَرْبَعَةِ مِثْقَالِ فِضَّةٍ

میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا علی سے چار سو مثقال چاندی (حق مہر) پر نکاح کر دیا ہے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول فی ذکر تزویجہ فاطمہ صفحہ 268)

کتاب کشف الغمہ علماء شیعہ کے ہاں اس قدر معتبر ہے کہ ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ میں نے تاریخ آئمہ اہل بیت پر اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ تو اس کتاب میں علامہ علی بن حسین اربلی نے واضح کر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے نکاح پر جن لوگوں کو گواہ بنایا ان میں سر فہرست سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ پھر سیدنا عمر فاروق ہیں۔ پھر عثمان غنی ہیں پھر طلحہ و زبیر ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور کون نہیں جانتا کہ بیٹیوں کے نکاح پر انہیں گواہ بنایا جاتا ہے جو سب سے قریبی، سب سے پیارے اور سب سے معتبر ساتھی ہوں، معلوم ہوا حضرات خلفاء ثلاثہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے سب سے پیارے اور سب سے قریب ترین ساتھی وصحابی ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ان میں سب سے سر فہرست ہے اور یہ چیز ایک شیعہ عالم دین پیش کر رہا ہے۔

بہتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید از حدیث دیگراں

سیدہ خاتون جنت کے نکاح پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایثار و پیار:

یہ بیان ہو گیا ہے کہ جناب مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حق مہر میں اپنی زرہ پیش کی، اب یہ جاننا چاہیے کہ اس زرہ کا کیا کیا گیا تو معروف شیعہ عالم علی بن عیسیٰ اربلی نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ کو حکم فرمایا کہ اس زرہ کو بیچو تاکہ اس سے گھر میں استعمال کی اشیاء ضرورت خریدی جائیں اور یہ بھی آپ نے پڑھ لیا کہ اس زرہ کی قیمت ایک روایت

میں چار دراہم اور دوسری میں تیس دارہم تھی۔ ملا باقر مجلسی نے تیس درہم کی روایت لکھی ہے۔ (بحار الانوار جلد 43 صفحہ 144)
اب سننے والی پرلطف بات آ گے ہے۔ علامہ اربلی نے لکھا ہے:

قَالَ عَلِیٌّ! فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا اَبَا الْحَسَنِ اِنْطَلِقِ الْاٰنَ فَبِعْ دِرْعَكَ وَاْتِنِیْ بِثَمَنِهٖ حَتّٰی اُهَیِّئَ لَكَ وَلِابْنَتِیْ فَاطِمَةَ مَا یَصْلُحُكُمَا، قَالَ عَلِیٌّ فَانْطَلَقْتُ وَبِعْتُهٗ بِاَرْبَعِمِائَةِ دِرْهَمٍ سُوْدٍ هَجَرِیَّةٍ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَلَمَّا قَبَضْتُ الدَّرَاهِمَ مِنْهُ وَقَبَضَ مِنِّی الدِّرْعَ قَالَ یَا اَبَا الْحَسَنِ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالدِّرْعِ مِنْكَ وَاَنْتَ اَوْلٰی بِالدَّرَاهِمِ مِنِّیْ؟ فَقُلْتُ بَلٰی، قَالَ فَاِنَّ الدِّرْعَ هَدِیَّةٌ مِّنِّیْ اِلَیْكَ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ (میری طرف) متوجہ ہوئے، فرمایا: اے ابوالحسن! اب جاؤ اور زرہ بیچ کر اس کے پیسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں تمہارے اور اپنی بیٹی فاطمہ کیلئے تمہاری ضرورت کی چیزیں (جہیز) مہیا کروں (اور لڑکی کے ولی کو اختیار ہے کہ اس کے حق مہر سے اس کا سامان جہیز خریدے)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تب میں چلا اور اسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چارسو سیاہ ہجری دراہم کے عوض فروخت کیا۔ جب میں نے ان سے دراہم وصول کر لیے اور انہوں نے مجھ سے زرہ وصول کر لی تو وہ کہنے لگے: اے ابوالحسن! کیا اب آپ دراہم پر مجھ سے زیادہ مالک نہیں ہیں اور کیا میں زرہ پر آپ سے زیادہ مالک نہیں ہوں میں نے کہا: کیوں نہیں؟ (ایسا ہی ہے) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ زرہ میری طرف سے آپ کے لیے ہدیہ ہے۔ (سبحان اللہ)

فَاَخَذْتُ الدِّرْعَ وَالدَّرَاهِمَ وَ اَقْبَلْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَطَرَحْتُ الدِّرْعَ وَالدَّرَاهِمَ بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَخْبَرْتُ بِمَا كَانَ مِنْ اَمْرِ عُثْمَانَ فَدَعَا لَهٗ بِخَیْرٍ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے زرہ اور دراہم دونوں کو اٹھایا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف گیا۔ میں نے زرہ اور دراہم دونوں چیزیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لا ڈالیں اور بتایا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کیا ایثار کیا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ 275)

حضرت علی کی زرہ کی قیمت بقول ملا باقر مجلسی تیس دراہم تھی۔ مگر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے چار سو دراہم پیش کیئے دراصل وہ اپنا مال آلِ رسول ﷺ پر خرچ کرنا اپنی سعادت سمجھے تھے۔ ملا باقر مجلسی نے یہ خوبصورت بات کہی ہے۔

اَلثَّالِثُ اَنْ یُقَالَ اَنَّهٗ كَانَ یُسَوِّیْ ثَلَاثِیْنَ دِرْهَمًا لٰكِنْ بِیْعَ بِخَمْسِمِائَةِ دِرْهَمٍ

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ زرہ تیس دراہم کی تھی مگر پانچ سو دراہم میں بیچی گئی۔

(بحار الانوار جلد 43 صفحہ 144 تاریخ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء)

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف یہی نہیں کہ تیس دراہم کی زرہ کے چارسو دراہم پیش کیے بلکہ زرہ بھی مولیٰ علی المرتضیٰ کو بطور ہدیہ واپس پیش کر دی۔ اس جگہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت مولا علی المرتضیٰ زرہ بیچنے نکلے تو سیدھے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ہی کیوں گئے؟ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ان سے محبت کا جو برتاؤ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کریں گے وہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، پھر واقعۃً انہوں نے آل رسول سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ سبحان اللہ معلوم ہوا آلِ رسول پر مال کا لٹانا سنتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہے۔

جہیز فاطمہ زہراء جناب عثمان غنی کے مال سے خرید اگیا اور صدیق اکبر نے خریدا:

سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے شیعہ عالم علی بن عیسیٰ اربلی نے مزید یہ لکھا:

وَقَبَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَبْضَةً مِنَ الدَّرَاهِمِ وَدَعَا اَبَابَكْرٍ فَدَفَعَهَا اِلَيْهِ وَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ اِشْتَرِ بِهٰذِهِ الدَّرَاهِمِ لِابْنَتِي مَا يَصْلُحُ لَهَا فِي بَيْتِهَا وَ بَعَثَ مَعَه سَلْمَانَ الْفَارِسِيَّ وَبِلَالًا لِيُعِينَاهُ عَلٰى حَمْلِ مَا يَشْتَرِيْهِ

رسول اللہ ﷺ دراہم میں سے مٹھی بھر دراہم اُٹھائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلایا، وہ دراہم انہیں دیے اور فرمایا ان دراہم سے میری بیٹی کیلئے وہ چیزیں خریدو جو اسے اس کے گھر میں درکار ہیں، آپ نے حضرت ابوبکر کے ساتھ سلمان فارسی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہما کو بھیجا تا کہ جو وہ خریدیں وہ دونوں اس کے اٹھانے میں ان کی مدد کریں۔

آگے لکھتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جو دراہم مجھے دیے وہ تریسٹھ (63) تھے، میں گیا، میں نے اس سے ایک بستر خریدا جو مصر کا بنا تھا اس میں اُون بھری تھی، چمڑے سے بنی ایک چٹائی خریدی، چمڑے کا ایک تکیہ خریدا جس میں درخت کھجور کا گودا بھرا تھا، ایک خیبری چادر، پانی کا مشکیزہ، چند کوزے، چند گھڑے، وضوء کا برتن اور اون کا بنا پردہ خریدا، ہم نے یہ چیزیں اُٹھائیں اور انہیں رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لا رکھا، جب آپ نے یہ چیزیں دیکھیں تو رو پڑے، آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اے اللہ اس قوم کو برکت عطا فرما جن کے اکثر برتن کچے ہیں۔ آگے لکھا ہے:

قَالَ عَلِيٌّ: وَدَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَاقِي ثَمَنَ الدِّرْعِ اِلٰى اُمِّ سَلْمَةَ وَقَالَ لَهَا اُتْرُكِي هٰذِهِ الدَّرَاهِمَ عِنْدَكَ

زرہ کی قیمت سے باقی دراہم ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیدے، فرمایا: ان دراہم کو اپنے پاس سنبھال

کر رکھو۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ 277)

یعنی عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو چار سو دراہم مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو اخراجات نکاح کے لیے دیے ان میں سے نبی اکرم ﷺ نے تریسٹھ دراہم جہیز فاطمہ زہراء کے خریدنے کیلئے عطا فرمائے اور باقی 337 دراہم آپ نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیدے کہ میری بیٹی کی دیگر ضروریات کے لیے رکھ لو۔ جب جب ضرورت ہو گی میری بیٹی اس میں سے خرچ کرتی رہے گی۔ سبحان اللہ مالِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کس قدر مبارک ہے کہ آل رسول ﷺ کی خدمت میں صرف ہو رہا ہے۔ اور یہ سب باتیں ایک شیعہ عالم دین بیان کر رہا ہے، اہل تشیع ان باتوں میں غور کریں۔

یہ بھی دیکھیں کہ آقائے دو عالم ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ خاتون جنت کے سامانِ جہیز کے خریدنے کیلئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سب سے معتمد مستند اور دل سے قریب تر ساتھی ہیں۔

ولیمہ مولیٰ علی المرتضیٰ کا خرچہ بھی مال عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا گیا:

کشف الغمہ میں علامہ علی بن عیسیٰ نے سلسلہ کلام کو مزید جاری رکھتے ہوئے آگے چل کر یہ بھی لکھا:

فَاَخَذَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ مِنَ الدَّرَاهِم الَّتِیْ سَلَّمَهَا اِلٰی اُمِّ سَلْمَةَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَدَفَعَهَا اِلٰی عَلِیٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اشْتَرِ سَمَناً وَتَمراً وَاِقْطاً فَاشْتَرَيْتُ وَاَقْبَلْتُ بِهِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰه ﷺ فَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ وَدَعَا بِسُفْرَةٍ مِنْ اَدَمٍ وَجَعَلَ يَشْدَخُ التَّمْرَ وَالسَّمْنَ وَيَخْلِطُهَا بِالْاَقْطِ حَتّٰی اتَّخَذَهٗ حَيْسًا

رسول اکرم ﷺ نے ان دراھم سے جو آپ نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیے تھے، دس دراھم لیے، انہیں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور فرمایا ان سے گھی، کھجوریں اور پنیر خرید لاؤ، حضرت علی فرماتے ہیں میں یہ چیزیں خرید کر نبی اللہ ﷺ کے پاس لایا۔ آپ نے اپنی آستینیں چڑھا لیں۔ چمڑے کا دستر خوان منگوایا۔ آپ نے کھجوروں اور گھی کے ٹکڑے کیے انہیں پنیر کے ساتھ ملاتا آنکہ وہ حیس (ایک حلوہ) بن گیا۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس جس کو تم چاہتے ہو کھانے کیلئے بلا لاؤ۔ میں مسجد میں گیا وہاں اصحاب رسول اللہ ﷺ بکثرت موجود تھے میں نے کہا: آؤ آپ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔ تو سب کھڑے ہو گئے اور آپ کی طرف چل پڑے، میں نے آ کر عرض کیا کہ لوگ بہت ہیں۔ آپ نے دستر خوان کو کپڑے میں چھپا دیا اور فرمایا دس دس آدمی میرے پاس لاتے رہو۔ چنانچہ لوگ آتے رہے اور کھاتے رہے۔ تا آنکہ

سات سو افراد نے کھالیا مگر وہ کھانا دستِ رسول ﷺ کی برکت سے ختم نہ ہوا۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ فی ذکر تزویج علی فاطمۃ رضی اللہ عنہما جلد اوّل صفحہ 277)

یعنی وہ چار سو دراہم جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زرہ کے عوض دیے تھے اور زرہ بھی واپس کر دی۔ اس مال میں سے پہلے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے لیے سامانِ جہیز خریدا گیا پھر ولیمہ کا کھانا تیار کیا گیا اور صحابہ کرام کو بلا کر کھلایا گیا۔ یقیناً صدیق اکبر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم ان میں سر فہرست تھے کیونکہ حضرات شیخین کی کوشش ہی سے تو یہ رشتہ طے پایا۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مال سے سب کچھ تیار ہوا لہٰذا آقا ﷺ کے فرمان اے علی! جسے پسند رکھتے ہو بلا لاؤ، میں حضرات خلفاء ثلاثہ کا سر فہرست ہونا بالائے شک و شبہ ہے۔

امہات المومنین کا جناب خاتون جنت کو دلہن بنانا اور شادی کے اشعار پڑھنا:

رئیس علماء شیعہ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے

وَاَمَرَ ﷺ اَزْوَاجَهٗ اَنْ يُزَيِّنَّ فَاطِمَةَ وَ يُطَيِّبْنَهَا وَ يَفْرِشْنَ لَهَا بَيْتاً لِيُدْخِلْنَهَا عَلٰى بَعْلِهَا فَفَعَلْنَ

نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو حکم فرمایا کہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی زینت کریں۔ انہیں خوشبو لگائیں اور ان کے لیے ایک حجرہ میں بچھونا بچھائیں اور انہیں ان کے شوہر کے پاس لیجائیں۔ تو انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ (بحار الانوار جلد 43 صفحہ 132 تاریخ سیدۃ النسآء فاطمۃ الزہراء)

ملا مجلسی نے یہ بات کشف الغمہ سے نقل کی ہے اور ہمیں کشف الغمہ میں بھی یہ عبارت اس طرح مل گئی،

(دیکھیے کشف الغمہ جلد اوّل صفحہ 277)

ملا مجلسی نے نکاح سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب سیدہ خاتون جنت کو جناب مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ پہ بھیجا گیا تو خاندان بنو ہاشم کی عورتیں اور مہاجرین و انصار کی عورتیں ان کے ساتھ تھیں اور ازواج رسول اکرم ﷺ بھی ساتھ تھیں، وہ خوشی کے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ سب سے پہلے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اشعار پڑھے، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

سِرْنَ بِعَوْنِ اللهِ جَارَاتِي ۔۔۔ وَاشْكُرْنَهٗ فِي كُلِّ حَالَاتِ

وَسِرْنَ مَعَ خَيْرِ نِسَاءِ الْوَرٰى ۔۔۔ تَفْدِي بِعَمَّاتٍ وَخَالَاتِ

يَا بِنْتَ مَنْ فَضَّلَهٗ ذُو الْعُلٰى ۔۔۔ بِالْوَحْيِ مِنْهُ وَالرِّسَالَاتِ

یعنی اے میری ہمسائیو! اللہ کی مدد کے ساتھ چلو اور ہر حال میں اس کا شکر بجا لاؤ۔ تمام جہان کی عورتوں سے افضل

عورت کے ساتھ چلو، اس پہ اس کی پھوپھیاں اور خالائیں نثار جائیں، اے اس رسول کی بیٹی جسے رب ذوالجلال نے اپنی وحی اور رسالت کے ساتھ فضیلت بخشی ہے۔

اس کے بعد ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ اشعار کہے۔

یَا نِسوَۃُ اسْتُرْنَ بِالْعَاجِرِ وَاذْکُرْنَ مَا یُحَسَّنُ فِی الْمَحَاضِرِ

وَالحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اَفْضَالِہٖ وَالشُّکْرُ لِلّٰہِ الْعَزِیْزِ الْقَادِرِ

سِرْنَ بِھَا فَاعْطَی اللّٰہُ ذِکْرَھَا وَخَصَّھَا مِنْہُ بِطُھْرٍ طَاھِرِ

اے عورتو! سروں پر کپڑے ڈال لو اور وہ باتیں کہو جو مجالس میں اچھی لگیں۔ (یعنی اس موقع پہ بے پردگی اور بیہودہ گوئی سے بچا کرو۔) اللہ کی عطاؤں پہ اس کی حمد ہے اور خدائے عزیز قادر کا شکر ہے۔ جناب خاتون جنت کے ساتھ چلو، اللہ نے ہمیں ان کا ذکر دیا ہے اور انہیں اپنی طرف سے گہری طہارت سے نوازا ہے۔ اس کے بعد حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے اشعار پڑھے:

فَاطِمَۃُ خَیْرُ نِسَاءِ الْبَشَرْ وَمَنْ لَھَا وَجْہٌ کَوَجْہِ الْقَمَرْ

فَضَّلَکِ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ الْوَرٰی بِفَضْلِ مَنْ خُصَّ بِآیِ الزُّمَرْ

زَوَّجَکِ اللّٰہُ فَتًی فَاضِلاً اَعْنِیْ عَلِیًّا خَیْرَ مَنْ فِی الْحَضَرْ

فَسِرْنَ جَارَاتِی بِھَا اِنَّھَا کَرِیْمَۃٌ بِنْتُ عَظِیْمِ الْخَطَرْ

فاطمہ زہراء تمام خواتین بشر کی سردار ہیں۔ جن کا چہرہ روئے قمر کی مانند تاباں ہے۔ اللہ نے آپ کو تمام مخلوق پہ فضیلت بخشی، اس رسول کی فضیلت کے صدقے سے جس پہ سورۂ زمر کی آیتیں اتری ہیں اللہ نے ان کو اس نوجوانِ فاضل کے نکاح میں دیا ہے۔ یعنی مولیٰ علی جو کسی بھی گھر میں آباد شخص سے افضل ہے۔ تو اے میری ہمسائیو! سیدہ خاتون جنت کے ساتھ چلو وہ عظیم الشان رسول کی برگزیدہ بیٹی ہیں۔

اسی طرح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ معاذہ رضی اللہ عنہا نے بھی اشعار کہے، تو یوں اشعار پڑھتے ہوئے یہ خواتین سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر کی رہائش گاہ تک لے گئیں۔

(بحار الانوار، تاریخ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء جلد 43 صفحہ 116)

ضرورت ہے کہ رئیس علماء شیعہ ملا باقر مجلسی کی تحریر کردہ اس روایت کو تمام شیعہ لوگ چشم بصیرت کے ساتھ پڑھیں یہ روایت بتا رہی ہے کہ امہات المؤمنین ازواج رسول ﷺ سیدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء سے کس قدر محبت و پیار رکھتی اور ان کے فضائل کو کیسے والہانہ بیان کرتی تھیں لہٰذا ان کے بغض و کینہ والی سب روایات خانہ ساز و خود ساختہ ہیں۔ اہل بیت

رسول کے مابین کوئی حسد و کینہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کی شان والے ہیں۔

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا جناب خاتون جنت کی رہائش کے لئے مکان مہیا کرنا:

امام محمد بن سعد نے اپنی سند کے ساتھ امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ آئے تو سال یا اس کے لگ بھگ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہے۔ جب جناب فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے شادی ہوگئی تو آپ نے مولیٰ علی المرتضیٰ سے کہا: تم رہائش کے لیے کوئی گھر تلاش کرو، چنانچہ انہیں گھر تو ملا مگر نبی اکرم ﷺ سے کچھ دور ملا (جو مسجد نبوی سے دور تھا) جناب فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے قریب لے آؤں، وہ عرض کرنے لگیں آپ اس سلسلہ میں حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے بات کریں کہ وہ ہمیں آپ کے قریب مکان دیدیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ حارثہ تو پہلے ہی ہمارے لیے کئی مکانات مہیا کر چکا ہے۔ تا آنکہ اب میں اسے کچھ کہتے ہوئے حیا محسوس کرتا ہوں۔ یہ بات حضرت حارثہ کو معلوم ہوئی انہوں نے فوراً مکان کا بندوبست کیا پھر وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب لانا چاہتے ہیں، یہ میرے مکانات ہیں اور یہ بنی نجار کے مکانات میں سے آپ کے قریب تر ہیں۔

وَإِنَّمَا أَنَا وَمَا لِي لِرَسُولِ اللهِ ﷺ

اور میں اور میرا مال سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ پھر انہوں نے کہا:

وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ اَلْمَالُ الَّذِيْ تَأْخُذُ مِنِّي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِيْ تَدَعُ۔

یارسول اللہ ﷺ! قسم بخدا جو مال آپ مجھ سے لیتے ہیں وہ مجھے اس مال سے بہت محبوب ہے جو آپ چھوڑ دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صَدَقْتَ بَارَكَ اللهُ عَلَيْكَ

تم نے سچ کہا اللہ تمہیں برکت دے، تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو جناب حارثہ کے مکان میں منتقل کر دیا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 ذکر بنات الرسول ﷺ صفحہ 19)

مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی سے متصل کچھ مکانات تھے جو حضرت حارثہ بن نعمان انصاری نجاری رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کے ساتھ ازواج رسول ﷺ کے حجرات تعمیر کرنے سے قبل حضرت حارثہ کے مکانات کو رہائش کیلئے لیا تھا اور وہاں اپنے بعض اہل خانہ کو ٹھہرایا تھا، انہی دنوں آپ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں رہے کیونکہ انہی کے گھر کے سامنے مسجد نبوی تعمیر کی گئی۔ جب مسجد نبوی بن گئی اور کچھ عرصہ بعد اس کے ساتھ حجرات بنائے

گئے تو آپ خود اور آپ کے اہل خانہ وہاں منتقل ہو گئے۔ تب انہی حجرات میں ایک حجرہ کا سیدہ خاتون جنت کے لیے بھی اضافہ کیا گیا پھر ان کی مستقل رہائش وہیں ہوگئی اس سے قبل کچھ عرصہ وہ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں رہیں۔

شب رخصتی حضور ﷺ کا بیٹی اور داماد کو دعاء و برکت عطا فرمانا:

امام محمد بن سعد نے اپنی سند کے ساتھ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تو حضرت علی سے فرمایا: جب تک میں نہ آؤں بیوی کے قریب نہ جانا، یہود شوہر کو بیوی سے بے معنی دور رکھتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آنا چاہا، دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے فرمایا میرا بھائی کدھر ہے؟ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ کا بھائی کون ہے؟ فرمایا علی ابن ابی طالب، عرض کیا: وہ آپ کے بھائی کیسے؟ ان سے تو آپ نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے؟ فرمایا اے ام ایمن! وہ پھر بھی میرا بھائی ہے (اسلام میں میرا بھائی ہے اور چچازاد بھائی بھی ہے) تب آپ نے پانی کا برتن منگوایا اس میں آپ نے اپنے ہاتھ دھوئے (دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس میں سے کلی کر کے واپس پانی اسی میں ڈال دیا (یعنی اس میں اپنے لعابِ مبارک کو ملا دیا) پھر حضرت علی المرتضیٰ کو بلایا، وہ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، آپ نے اس پانی سے ان کے سینے پہ اور دونوں کندھوں کے درمیان پشت پر چھڑکا، پھر سیدہ فاطمہ کو بلایا وہ شرم وحیا کے ساتھ سمٹتی ہوئی حاضر ہوئیں آپ نے ان پر بھی اس پانی کو چھڑکا۔ پھر فرمایا: واللہ میں نے اپنے اہل میں سب سے بہتر کے ساتھ تمہاری شادی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ام ایمن فرماتی ہیں میں نے سیدہ فاطمہ کا جہیز سنبھال کر رکھا تھا۔ اس میں عمدہ چیز یہ تھی کہ چمڑے کا تکیہ تھا جس میں درخت خرما کا گودا بھرا ہوا تھا اور ان کے گھر میں مٹی سے لیپ کیا گیا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 21)

گھرانہ اہل بیت میں کیسا فقر و فاقہ تھا؟

امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو انکے ساتھ ایک چادر ایک تکیہ جس میں درخت خرما کا گودا بھرا ہوا تھا، چکی کے دو پڑ، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے بھیجے، بقول راوی ایک دن حضرت علی جناب فاطمہ سے کہنے لگے: واللہ پانی کھینچ کھینچ کر میرے سینے میں درد شروع ہو گیا ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کنوئیں سے پانی نکالتے اور مشکیزوں میں بھر کر اونٹ پہ لادتے اور کسی انصاری صحابی کے باغ میں لا کر ڈالتے تھے) جبکہ آپ کے والد گرامی (سرکار دو عالم ﷺ) کے پاس اللہ نے قیدی (غلام) بھیجے ہیں، جاؤ اور آپ سے ایک غلام کا سوال کرو، وہ فرمانے لگیں واللہ! میں چکی پیستی

ہوں حتیٰ کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔(ان کے فقر وفاقہ پر ہماری سو جانیں قربان، وہ سردار خواتین جنت ہو کر یہ صعوبت برداشت کرتی تھیں) چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہوئیں۔آپ نے فرمایا اے میری پیاری بیٹی! کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا میں آپ کو سلام عرض کرنے آئی ہوں، اور جو سوال کرنا تھا وہ بوجہ حیاء نہ کہہ سکیں اور واپس چلی گئیں۔حضرت علی نے فرمایا کیا کر کے آئی ہو؟ فرمایا: میں بوجہ حیاء آپ سے کچھ نہیں کہہ سکی۔تب وہ دونوں مل کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔حضرت علی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں پانی کھینچتا ہوں حتیٰ کہ میرا سینہ دکھنے لگا ہے۔حضرت فاطمہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں چکی پیستی ہوں حتیٰ کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، اللہ نے آپ کے پاس غلام بھیجے ہیں، آپ ہمیں ایک خادم عطا فرمادیں، آپ نے فرمایا واللہ! ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں غلام دیدوں اور اصحاب صُفہ کو چھوڑ دوں جن کے پیٹ بھوک کے سبب خالی ہیں، میں انہیں دینے کیلئے کچھ نہیں پاتا، میں یہ غلام بیچ کر ان کی قیمت اصحاب صُفہ پہ خرچ کروں گا۔

وہ دونوں واپس ہوگئے، نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔وہ دونوں اپنے کمبل میں سونے کیلئے داخل ہو چکے تھے وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اگر وہ دونوں اپنا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں ننگے ہوجاتے اور اگر قدموں کو ڈھانپتے تو سر ننگے ہوجاتے۔تو آپ کو دیکھ کر دونوں جلدی سے اٹھ بیٹھے۔آپ نے فرمایا اپنی جگہ لیٹے رہو۔کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہے جو تم نے مجھ سے مانگا ہے۔(یعنی غلام) دونوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ چند کلمات ہیں جو مجھے جبریل علیہ السلام نے سکھائے ہیں، تم دونوں ہر نماز کے ساتھ دس بار سبحان اللہ دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہو، اور جب تم اپنے بستر میں سونے کیلئے آؤ تو تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔اس کے بعد میں نے ان کلمات کا پڑھنا کبھی نہیں چھوڑا جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ سکھائے ہیں۔ابن الکواء (راوی) نے ان سے کہا: کیا شبِ صفین میں بھی نہیں؟ انہوں نے فرمایا اے اہل عراق! اللہ تمہیں پکڑے میں نے شبِ صفین میں بھی ان کا پڑھنا نہیں چھوڑا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 21)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراضِ غصبِ فدک کا جواب:

دیکھیے سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نامدار جناب حیدر کرار برادر سید الابرار ﷺ و رضی اللہ عنہ شدید کرب میں مبتلا تھے اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے انہیں مال دنیا میں سے ایک غلام بھی عطا نہ فرمایا۔اس کی بجائے چند تسبیحات سکھادیں، اور آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اہل صفہ کو بھوکا چھوڑ کر تمہیں غلام دیدوں، یہ آپ نے اس لیے بھی کیا تاکہ آپ کے اہل بیت کی جنتی جزا اور اخروی درجات میں کمی نہ آجائے۔جس نے سردار خواتین جنت بننا تھا اس

کے لیے امتحان بھی اتنا بڑا تھا۔

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے فقراء مسلمین کو حاجت مند چھوڑ کر اپنی بیٹی کو باغ فدک کی شکل میں بہت بڑی جاگیر دیدی ہو؟ جبکہ آقا ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری برس ہونے والے غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کی مالی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کے پاس سواریاں نہ تھیں اور زادِ راہ میسر نہ تھا اور قرآن نے اسے ساعۃ العسرۃ تنگ دستی کی گھڑی قرار دیا۔

(سورۂ توبہ آیت 117)

تو مسلمانوں کو تنگ دستی میں چھوڑ کر کیا سرورِ عالم ﷺ اپنے اہل و عیال کو جاگیریں دے رہے تھے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کیا آپ (معاذ اللہ) دورِ حاضر کے بدعنوان حکمرانوں جیسے تھے جو عوام کو بھوکا چھوڑ کر اپنی جائیدادیں بناتے ہیں۔ لہٰذا یہ الزام ہی غلط ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ خاتون جنت کو باغ فدک کے نام سے خیبر میں ایک بڑا رقبہ دیدیا تھا مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی وہ ان سے چھین لیا، بھائی! جب دیا ہی نہیں گیا تو کسی کے چھیننے کا کیا مطلب؟

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ہمارا بستر چمڑے کی ایک چٹائی کے سوا کچھ نہ تھا، اسی پہ ہم رات کو سوتے تھے اور دن کو اسی پہ اپنے اونٹ کو چارا ڈال کر بھی دیتے تھے، اس اونٹ کے سوا ہمارا کوئی خادم نہ تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 18)

حسنین کریمین کی ولادت

جنگ احد سے قریباً ایک ماہ قبل سن 3ھ نصف رمضان کو آپ کے ہاں پہلے بیٹے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی اور اس کے پچاس روز بعد امام حسین رضی اللہ عنہ رحم مادری میں تشریف لائے اور 3 شعبان سن 4 ہجری کو ان کی ولادت با سعادت ہوئی اور یہی دو نواسے نسل نبوت کے امین اور ذریت مصطفوی کا سرچشمہ ثابت ہوئے انہی سے سید عالم ﷺ کی نسل چلی اور چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آپ کی یہ بشارت پوری ہوئی کہ اے لوگو میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اپنی کتاب دوسری اپنی ذریت جب تک تم ان سے وابستہ رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فقیرانہ زندگی

رسول اکرم ﷺ کو جیسے خود اپنے لیے مال دنیا پسند نہیں تھا اپنی اہل بیت کے لیے بھی اسے ناپسند رکھتے تھے بلکہ آپ نے اہل بیت کے دل حب مال سے پاک کر دیے تھے کیونکہ یہ محبت مال دنیا اکثر گناہوں کی جڑ ہے اس سے حرص طمع

جھوٹ حق تلفی اور ظلم وزیادتی کے دروازے کھلتے ہیں اور یہی وہ تطہیر ہے جو وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا میں ارشاد کی گئی ہے۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا نبی اکرم ﷺ کے پاس غلام آئے ہیں تم جاؤ اور اپنے لیے ایک غلام مانگو کہ پانی بھرتے بھرتے میرے سینہ میں درد ہونے لگا ہے وہ کہنے لگیں ہاں چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں بھی چھالے پڑ گئے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ سے ایک لونڈی کا مطالبہ کرنا چاہیے جو ہماری مدد کرے چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گئیں مگر رسول اکرم ﷺ گھر نہ ملے انہوں نے اپنی بات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہدی جب رسول پاک ﷺ واپس آئے تو حضرت ام المومنین نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا آنا اور لونڈی کی خواہش کرنا عرض کیا نبی اکرم ﷺ اسی وقت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہارے لیے لونڈی کی خدمت سے بہت بہتر ہے وہ کہنے لگے جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ فرمایا جب تم سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو 33 مرتبہ سبحان اللہ 33 مرتبہ الحمد للہ اور 33 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لیے خادم حاصل کرنے سے بہت اچھا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 21 ذکر بنات رسول اللہ ﷺ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت انس فرماتے ہیں سیدہ فاطمہ زہرا خاتونِ جنت رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کیا کہ مینڈھے کی کھال ہی ہمارا بچھونا ہے اسی پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن میں اسی (کو الٹ کر اسی) پر اونٹ کو چارہ بھی ڈالتے ہیں آپ نے فرمایا بیٹی صبر کرو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کے ساتھ دس برس یوں گزارے کہ ایک چھوٹی سی چادر کے سوا ان کے پاس کوئی بستر نہ تھا۔ (شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ)

گویا رسول اکرم ﷺ نے چاہا کہ جو فقر وغنا آپ نے اپنایا ہے وہ آپ کے اہل بیت بھی اپنالیں اور آسائش دنیا سے دور رہیں کہ جنت میں ان کا مرتبہ بلند ہو۔

حضرت عمران بن حصین (خادم رسول اللہ ﷺ) فرماتے ہیں میں رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں ان کا چہرہ بھوک سے زرد تھا رسول پاک ﷺ پہچان گئے آپ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے کے اوپر وہاں رکھا جہاں ہار پہنا جاتا ہے اور انگلیوں کو کشادہ کر کے یہ دعا فرمائی اے اللہ بھوکوں کو سیراب کرنے والے گرے ہوؤں کو اٹھانے والے فاطمہ بنت محمد (ﷺ) کو بھی بلندی دے دے۔ عمران کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے سے زردی ختم ہوگئی پھر میں ان کو بعد میں ملا اور پوچھا (کیا حال ہے) تو فرمانے لگیں اس دن کے بعد مجھے بھوک کا احساس نہیں ہوتا۔

(مدارج النبوۃ جلد 3 صفحہ 394 قسم 5 باب اوّل اولاد رسول ﷺ)

قارئین کرام! ہماری لاکھ جانیں سیدہ فاطمہ خاتون جنت کی نعلین پاک سے لگنے والی گرد پر قربان وہ اس لیے

بھوکی رہیں کہ ہم جیسے شکم سیر مجرموں کے لیے شفاعت کر سکیں اے اللہ ان کی اس بھوک اور فقر و عفا کے صدقے ہم سیاہ کاروں پر اپنی رحمت کا سایہ فرما دے جو تین ٹائم پیٹ بھر کر اچھی سے اچھی غذا کھاتے ہیں اور سارا دن تیری نافرمانی کرتے ہیں وہ بھوک میں بھی تیری رضا پر راضی رہیں اور ہم شکم سیر ہو کر بھی تیرا شکر نہ ادا کر سکے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کئی بار اپنی والدہ کو دیکھا کہ شام سے صبح تک رات بھر عبادت اور دعا میں مشغول رہتیں اور اللہ کے حضور گریہ زاری اور عجز و انکساری سے التجائیں کرتی رہتیں مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے لیے کچھ مانگا ہو آپ کی ساری دعائیں نبی اکرم ﷺ کی امت کی بخشش اور بھلائی کے لئے ہوا کرتی تھیں۔

(مدارج النبوۃ حوالہ مذکورہ)

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شرم وحیا

آپ کی شرم وحیا اور عفت و عصمت مشہور عالم ہے ایک بار رسول اکرم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا عورتوں کے لیے سب سے بہتر چیز کیا ہے صحابہ کرام خاموش رہے حضرت علی فرماتے ہیں میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور یہی سوال کیا انہوں نے کہا:

لا یرین الرجال ولا یرونھن۔

وہ مردوں کو نہ دیکھیں نہ مرد انہیں دیکھ سکیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سنا تو فرمایا:

فاطمہ بضعۃ منی واقعۃً۔

ترجمہ: فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ (دارقطنی)

یعنی سرکار ﷺ نے حضرت فاطمہ کے جواب کی تائید فرمائی کہ فاطمہ جیسے میرے جسم کا حصہ ہے اس کے افکار و خیالات بھی میری تعلیم کا صحیح عکس ہیں۔

اے کاش آج امت مسلمہ سیدہ کائنات خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے ان افکار عالیہ سے روشنی حاصل کرے اور آج کی مسلمان خواتین آپ کی سیرت طیبہ کے سانچے میں خود کو اتار لیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بار میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے بچے کو مانگا آپ نے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر بچہ میری طرف بھیج دیا۔ (فتح القدیر) آپ کو پردے کا اس قدر خیال تھا کہ وصیت فرمائی میری موت کے بعد میرا جنازہ رات کو اٹھایا جائے اور چادر بھی مجھ پر ایسے نہ ڈالی جائے کہ وجود کا احساس ہو چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے ڈولی سی بنوائی جو ان کے جنازہ والی چارپائی پر رکھ دی گئی اور اس پر چادر اوڑھا دی گئی جس کا بیان آگے رہا ہے۔

آپ کا صبر و تحمل

آپ نے بڑی سے بڑی تکلیف دیکھی مگر زبان پر حرف شکایت نہ لائیں بھوک اور پیاس برداشت کی کئی کئی دن تک کھانا نہ ملا مگر صبر کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال ناممکن ہے۔

امام حسن فرماتے ہیں ایک بار ایسا ہوا کہ ایک دن کے فاقہ کے بعد ہمیں کچھ کھانا میسر آیا حسین رضی اللہ عنہ اور والد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھانا کھالیا تھا مگر والدہ نے ابھی کھانا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دے کر کہا میں دو دن کا بھوکا ہوں آپ نے مجھے فرمایا جاؤ کھانا اس سائل کو دے دو مجھے ایک دن سے فاقہ ہے اور اسے دو دن سے ہے اس کا حق مجھ سے زیادہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے آپ کے بیٹے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دے دی تھی جب وہ پیدا ہوئے تو جبریل امین مٹی لے کر آئے اور بتایا یہ اس جگہ کی مٹی ہے جہاں آپ کے اس بیٹے کو آپکی امت شہید کرے گی رسول اکرم ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ حسین کو صبر و اجر عطا فرما ابن عباس فرماتے تھے ہم اہل بیت کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ حضرت حسین ایک دن قتل کیے جائیں گے۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 197 کتاب معرفۃ الصحابہ حدیث 4826)

اس کے باوجود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کبھی اس پر دکھ کا اظہار نہ کیا اور یہ دعا نہ کی کہ میرا بیٹا قتل سے بچ جائے بلکہ ان کے لیے ثابت قدمی کی دعائیں کرتی رہیں۔

پھر رسول اکرم ﷺ کے وصال کا وقت آیا تو جو غم و آلام کا طوفان سیدہ فاطمہ خاتون جنت کے قلب نازک پر آیا اس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے نبی اکرم ﷺ کی ساری اولاد میں سے صرف آپ ہی اس وقت موجود تھیں گویا کوئی بھائی یا بہن دلاسہ دینے کو موجود نہ تھی آپ کا شعر کتب عربیہ میں مشہور ہے کہ آپ نے وصال نبوی ﷺ پر فرمایا:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْاَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَ یَّامِ صِرْنَ لَیَا لِیَا

ترجمہ: مجھ پر ایسے مصائب آپڑے ہیں اگر وہ دنوں پر پڑتے تو وہ راتیں بن جاتیں۔ (مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 442)

یاد رہے یہ صدمہ پیارے ابا جان کے وصال اور جدائی کا فطری صدمہ تھا نہ کہ فدک وغیرہ کے ہاتھ سے جانے کا۔ اس کے باوجود اس صدمہ جانکاہ پر کسی نے آپ کے چلانے کی آواز نہیں سنی۔

آپ کی عبادت و ریاضت

جس قدر آپ عابدہ زاہدہ تھیں اس کی مثال بھی مشکل ہے آپ ساری رات عبادت میں گزار دیتیں اور عبادت میں مشغولیت کے دوران ہی فجر کی اذان ہو جاتی تو آپ حسرت سے عرض کرتیں اے مولا ایک رات تو ایسی لمبی بنا دے کہ

تیری بندی فاطمہ جی بھر کے تیرا سجدہ ادا کر سکے۔ (تفسیر روح البیان)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کا کوئی پیغام لے کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا میں نے دیکھا حسنین کریمین سو رہے ہیں اور آپ ان کو پنکھا جھولا رہی ہیں اور قرآن پڑھ رہی رہیں یہ منظر دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔

آپ کا وصال شریف

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس مرض میں رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا اس میں آپ نے اپنی بیٹی کو بلایا اور ان سے سرگوشی کے انداز میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں پھر دوبارہ ان کو بلا کر آپ نے سرگوشی فرمائی تو وہ مسکرانے لگیں بعد میں میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا ماجرا تھا تو انہوں نے بتلایا رسول پاک ﷺ نے مجھے بتلایا کہ وہ اس مرض میں وصال کر جائیں گے تو میں رو پڑی پھر آپ نے مجھے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا: اِنِّیْ اَوَّلُ اَھْلِ بَیْتِہٖ اَتْبَعُہٗ میں آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ کے پیچھے جاؤں گی۔ (دنیا سے وصال کروں گی)۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب 25 حدیث 3625)

چنانچہ ایسے ہی ہوا اور وصال نبوی کے صرف چھ ماہ بعد آپ بھی انتقال فرما گئیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا سے محبت نہ تھی رسول خدا ﷺ سے اسقدر پیار تھا کہ یہ سن کر کہ آپ جلد دنیا سے کوچ کر کے آپ ﷺ کے پاس چلی جائیں گی خوشی سے ہنس پڑیں۔

روایات بتاتی ہیں کہ وصال نبوی کے بعد کسی نے آپ کو مسکراتے نہ دیکھا سوا اس دن کے جب آپ نے وصال کیا۔

چنانچہ 3 رمضان المبارک 11ھ منگل کی رات کو آپ دار فانی سے دار بقا کو کوچ فرما گئیں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے آپ نے خود ہی اٹھ کر غسل فرمایا نئے کپڑے پہنے اور قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئیں اور کلمہ شریف پڑھتے ہوئے کوچ کر گئیں اس وقت آپ کی عمر قریباً چوبیس سال تھی۔

آپ کی تجہیز و تکفین اس طرح ہوئی کہ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے وصال کے بعد میری چارپائی یوں ظاہر طور پر اٹھائی جائے۔ (کیونکہ اس طرح میت کا وجود پوری طرح چھپتا نہیں) وہ کہنے لگیں میں آپ کے لیے ایسی چیز بناؤں گی جو میں نے ارض حبشہ میں دیکھی تھی آپ نے فرمایا وہ مجھے دکھاؤ چنانچہ حضرت اسماء نے چند ٹہنیاں منگوائیں اور انہیں کاٹ کر ان کی ڈولی سی بنائی گئی تو اسے دیکھ کر وہ مسکرا پڑیں اور رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد انہیں اس وقت پہلی مرتبہ مسکراتے دیکھا گیا، پھر ہم نے آپ کی رات کو تدفین کی۔ (انہی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے آپ کو غسل دیا)۔

فصل دوم

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل

پہلی فضیلت: خواتین امت کی سردار

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنی چال میں رسول اللہ ﷺ کی چال سے بہت مشابہ تھیں، نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت وہ آپ کے پاس آئیں جب کہ تمام ازواج رسول آپ کے پاس بیٹھی تھیں اور وہ تمام آپ کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھیں۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ نے انہیں اشارہ کیا، پھر اپنے قریب دائیں طرف بٹھالیا اور ان سے سرگوشی فرمائی تو وہ سخت رونے لگیں، پھر آپ نے ان سے دوسری بات کہی تو وہ مسکرانے لگیں، میں نے بعد میں ان سے کہا کہ کیا بات تھی؟ وہ کہنے لگیں میں رسول خدا کا بھید نہیں کھول سکتی، جب رسول خدا ﷺ کا وصال ہوگیا تو میں نے ان سے کہا میرا تم پر جو حق ہے (ماں کے حوالے سے) اس کی وجہ سے بتاؤ وہ کیا بات تھی جو رسول پاک ﷺ نے تم سے فرمائی وہ کہنے لگیں ہاں اب میں بتا سکتی ہوں پہلی مرتبہ آپ نے مجھے بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر سال مجھ پر پورے قرآن کا معارضہ (دور) کرتے تھے مگر اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ معارضہ کیا ہے میں تو یہی دیکھتا ہوں کہ میرا وصال قریب ہے تو تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا کہ میں تمہارا سب سے بہتر پیش رو ہوں، تو میں رونے لگی یہ دیکھ کر آپ نے مجھ سے دوبارہ سرگوشی کی اور فرمایا:

يَافَاطِمَةُ أَمَا تَرْضِي أَنْ تَكُونِيْ سَيِّدَةَ نساء الْمُؤْمِنِيْنَ أَوْ سيدة نساء هٰذِهِ الْأُمَّةِ

ترجمہ: اے فاطمہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام مسلمانوں کی عورتوں کی سردار ہو یا اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو؟

تو میں مسکرانے لگی جو آپ نے دیکھا (یہ تھا میرے رونے اور مسکرانے کا راز)

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب 25 حدیث 3623، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل فاطمۃ رضی اللہ عنہا حدیث 6314)

پیچھے بخاری شریف کی روایت گزری ہے وہ بھی سیدہ عائشہ ہی سے مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت اپنے ہنسنے کی وجہ یہ بتائی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ میرے اہل بیت میں سے تم سب سے پہلے مجھے آکر ملو گی۔ (سب سے پہلے تمہارا وصال ہوگا) تو ممکن ہے نبی اکرم ﷺ نے دونوں باتیں ارشاد فرمائی ہوں حضرت فاطمہ کا سب سے پہلے آپ کو

ملنا بھی اور ان کا سیدۂ خواتین امت ہونا بھی، بلکہ مجمع الزوائد کی ایک روایت کے مطابق ترمذی شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے حذیفہ یہ فرشتہ ابھی آسمان سے اترا ہے اور یہ زمین پر پہلے کبھی نہیں اترا تھا اس نے اللہ سے اجازت لی کہ مجھے آکر سلام کہے اللہ نے اسے اجازت دی اور یہ بشارت بھی عطا فرمائی کہ:

فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

ترجمہ: فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما تمام جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3781)

ان احادیث سے معلوم ہوا سیدہ فاطمۃ الزہرا تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہیں۔

حضرت مریم افضل ہیں یا فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا؟

اگر یہ شبہ ہو کہ قرآن میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے۔

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔

ترجمہ: اے مریم ہم نے تجھے تمام جہانوں کی عورتوں پر چن لیا۔ (سورۃ آل عمران آیت 42)

اس سے نظر آتا ہے کہ حضرت مریم تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے صرف چن لینے کا ذکر فرمایا: وَاصْطَفَاكِ اور چن لینے کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ سارے جہاں میں صرف انہی کو اس امر کے لیے چنا گیا کہ بن باپ کے بیٹا عطا فرمایا یہ تو جزوی فضلیت ہوگئی اللہ نے یہ نہیں فرمایا وَفَضَّلَكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ کہ اے مریم ہم نے تجھے تمام خواتین عام پر فضلیت دی ہے اور اگر چن لینے کا مطلب فضلیت دینا ہے تو وہ اس زمانہ کے تمام عالمین مراد ہیں جب کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانہ میں مسلمان خواتین کی سردار ہیں اسی لیے مسلم شریف کی مذکورۃ الصدر حدیث میں سَيِّدَةُ نِسَآءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ کے الفاظ بھی ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے بارے میں قرآن میں آیا:

وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ۔

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں پر فضلیت دی۔ (سورہ بقرہ آیت 47)

مگر اس سے اس زمانہ کے اہل عالمین مراد ہیں جب کہ مطلقا۔ رسول اکرم ﷺ کی امت تمام امتوں کی سردار ہے قرآن میں ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ۔ اور حدیث میں ہے:

اَنَا خَيْرُ الْاَنْبِيَآءِ وَاَنْتُمْ خَيْرُ الامم۔

اور چونکہ حضور اکرم ﷺ کی امت سب امتوں سے افضل ہے اور آپ کا زمانہ پچھلے زمانوں سے افضل ہے اس لیے

اس امت کے عوام اور خواص سابقہ امم کے عوام اور خواص سے افضل ہیں اس طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا امت محمدیہ کی خواتین کی سرداری کی حیثیت سے سیدہ مریم سے بھی افضل قرار پائیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا؟

1۔ بعض علماء کرام نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام امت مسلمہ کی خواتین کی سردار قرار دیا ہے ان کے دلائل یہ ہیں اللہ فرماتا ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ۔

ترجمہ: اے نبی (ﷺ) کی بیویو! تم دوسری عورتوں سے کسی کی طرح نہیں ہو (سب سے افضل ہو) اگر تم تقوی اختیار کرو۔ (سورۃ احزاب آیت 32)

اور بقولِ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج رسول ﷺ کی سردار ہیں اس طرح وہ ساری امت کی خواتین کی سردار ٹھہریں۔

2۔ پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دین کا ایک تہائی حصہ امت کو ملا اور قرآن میں ہے:

قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: فرمادیں کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔

یعنی جس کے پاس جتنا علم ہے وہ اتنا افضل ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا علم کے لحاظ سے تمام ازواج رسول ﷺ اور تمام بنات رسول سے کہیں بلند مرتبہ پر فائز ہیں تو قرآن کے اس اصول کے مطابق وہی سب سے افضل قرار پائیں۔

3۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ماں ہیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹی اور ماں بیٹی سے درجے میں بلند ہوتی ہے۔

4۔ جنت میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول پاک ﷺ کے ساتھ ہونگی اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ساتھ، تو جو امام الانبیاء کے ساتھ ہو اس کا درجہ دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں ان دلائل میں اپنی جگہ ایک وزن ہے اور اسی لیے بعض فقہاء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ بعض وجوہ میں سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت حاصل ہے اور بعض میں سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو جیسے مشہور نظم بدء الامالی میں ہے۔

وللصدیقۃ الرجحان فاعلم علی الزھراء فی بعض الخلال۔

ترجمہ: اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بعض صفات میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر ترجیح حاصل ہے تم جان لو۔

(رسالہ بدأ الامالی صفحہ 5 مطبوعہ مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی)

اور شرح بدء الامالی میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء نے یہاں دلائل کے تعارض کی وجہ سے

توقف اختیار کیا ہے دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی۔

تاہم میرے ذہن میں بعض چیزیں آتی ہیں جن کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت جو چار عدد دلائل پیش کیے گئے ہیں ان کا جواب ممکن ہے۔

پہلی دلیل

یا نساء النبی لستن کاحد من النسآء کا معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ اے جماعت نسآء النبی یعنی اے گروہ ازواج رسول تم عورتوں کے کسی دوسرے گروہ سے افضل ہو تقدیر عبارت بنتی ہے یا جماعة نسآء النبی لستن کاحد من جماعات النسآء

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گروہ ازواج النبی کا ہر فرد دیگر جماعات خواتین کے ہر فرد سے افضل ہے کیونکہ یہاں جماعت ازواج النبی کو من حیث الجماعة فضیلت دی گئی ہے اس لیے ارشاد رسول ﷺ فاطمة سیدة نسآء هذه الامة سے کوئی تعارض نہ رہا۔

یہی علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

(روح المعانی جلد 22 صفحہ 1 مطبوعہ دارا حیاء التراث العربی بیروت)

دوسری تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس آیت میں جزوی فضیلت مذکور ہے کیونکہ اس کا آغاز یا نسآء النبی سے کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ نسآء النبی ہونے کی حیثیت سے وہ ہر دوسری عورت سے افضل ہیں جب کہ مسلم شریف کی حدیث مذکور میں سیدہ فاطمہ کو فضیلت مطلقہ دی گئی ہے اور جزوی فضیلت کا مطلق فضیلت سے کوئی تعارض نہیں اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو لازم آئے گا ہر زوجہ رسول سیدہ فاطمہ سے افضل ہو حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں یہ تاویل خود میری طرف سے ہے ممکن ہے درست ہو۔

دوسری دلیل

علمی فضیلت بھی من حیث العلم ہے وہ بھی کلی فضیلت نہیں اور علم میں سبقت رکھنے والا صرف علم میں افضل ہوتا ہے اور آیت مبارکہ قل هل یستوی الذین یعلمون کا بھی یہی مفاد ہے، ممکن ہے وہ مجموعی طور پر مفضول ہو جیسے کئی تابعین کئی صحابہ کرام سے علمی لحاظ سے افضل تھے جیسے سید التابعین سعید بن مسیب جن سے صحابہ کرام علم سیکھتے تھے۔

کئی صحابہ وہ بھی تھے جنہیں صرف ایک بار زیارت نبوی ﷺ نصیب ہوئی اور صرف ایک دو حدیثیں ہی مل سکیں جب کہ امت میں لاکھوں حدیثیں حفظ رکھنے والے امام بخاری جیسے محدثین بھی موجود ہیں مگر ایسے ہزاروں محدثین صحابہ میں

سے کسی کم تر درجہ کے صحابی کی عظمت تک نہیں پہنچ سکتے اسی طرح سیدہ عائشہ ام المومنین علم میں حضرت فاطمہ زہرا سے کہیں افضل ہیں مگر کثیر احادیث کی روشنی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان پر مطلق فضلیت حاصل ہے جس میں کوئی قید نہیں (یہ جواب بھی میری طرف سے ہے)۔

تیسری دلیل

کہ حضرت عائشہ صدیقہ ماں ہیں اور حضرت زہرا بیٹی اور ماں ہمیشہ بیٹی سے افضل ہوتی ہے میں بھی کچھ کمزوری ہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں کبھی بیٹیاں بھی ماؤں سے افضل ہوتی ہیں کیا حضرت مریم علیہا السلام اپنی والدہ سے افضل نہیں؟ کیا حضرت رابعہ بصریہ اپنی والدہ سے افضل نہیں؟ اور حضرت عائشہ ام المومنین کی امومیت (ماں ہونا) بھی زوجیت نبویہ پر مبنی ہے وہ امومیت حقیقیہ نہیں وہ سارے مومنوں کی ماں ہیں اور مومنوں میں ان کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور اس نسبت سے وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں مگر صدیق اکبر بالا جماع ساری امت سے افضل ہیں۔

چوتھی دلیل

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوں گی اور حضرت فاطمہ مولا علی کے ساتھ مگر یہ بتاؤ خود حضرت علی کہاں ہوں گے وہ بھی تو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس عظمت اور درجہ میں ہوں گے کہ فرمایا انت اخی فی الدنیا والاخرۃ

دوسری فضلیت، آپ سب عورتوں سے بڑھ کر رسول خدا ﷺ کو محبوب تھیں

جُمَیع بن عُمیرؒ کہتے ہیں میں اپنی چچی کے ساتھ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا میری چچی نے ان سے پوچھا ای الناس کان احب الی رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے کون رسول خدا ﷺ کو سب سے پیارا تھا قالت فاطمہ ام المومنین نے فرمایا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو سب سے پیاری تھیں کہا گیا اور مردوں میں سے کون زیادہ محبوب تھا حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا زوجھا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی سب سے محبوب تر تھے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب فاطمۃ بنت محمد ﷺ حدیث 3874)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بہت عقیدت و محبت تھی اور آپ کے شوہر حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے لیے بھی بہت احترام تھا یعنی تمام اہل بیت اطہار کے لیے بہت عقیدت و محبت تھی جو لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ کے دل میں اہل بیت رسول کے لیے معاذ اللہ حسد تھا وہ سخت گمراہ اور گمراہ کن لوگ ہیں۔

تیسری فضیلت۔ رسول خدا ﷺ آپ کو دیکھ کر محبت سے کھڑے ہو جاتے

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں میں نے فاطمہ بنت رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی انسان ایسا نہیں دیکھا جس کی چال ڈھال اور سیرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سے زیادہ ملتی ہو جب وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے ان کی پیشانی چومتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے اور جب رسول اکرم ﷺ ان کے پاس جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آپ کی پیشانی چومتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھا لیتیں۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ حدیث 3872)

کیا عظیم قدر و مرتبہ ہے فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا جن کے لیے محبوب خدا کھڑے ہو جاتے ہیں۔

چوتھی فضیلت، حضور اپنے سفر کی ابتداء و انتہا بیت فاطمہ پر کرتے تھے:

ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول خدا ﷺ جب کسی غزوہ یا سفر سے لوٹتے تو پہلے مسجد میں آتے پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے پھر اپنی ازواج کے ہاں آتے، ایک بار جب آپ ﷺ مسجد سے نکلے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کے دروازے پر آپ کا استقبال کیا اور آپ رو رہی تھیں فرمایا بیٹی کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے بال غبار آلود ہیں اور کپڑے بھی گرد سے اٹے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا بیٹی نہ رو اللہ رب العزت نے تمہارے باپ کو عظیم ڈیوٹی دے کر بھیجا ہے ایک دن آئے گا کہ روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں بچے گا جس میں اس دین کی وجہ سے عزت یا ذلت داخل نہ ہو جائے (ماننے والوں کے گھر میں عزت اور منکروں کے گھر ذلت) اور یہ دین وہاں وہاں پہنچے گا جہاں جہاں رات چھاتی ہے۔

(مستدرک للحاکم جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ باب مناقب فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ صفحہ 169 حدیث 4737)

اس حدیث کی تائید عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ملتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب سفر پہ جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے۔ (مستدرک جلد 3 صفحہ 169 حدیث 4739)

پانچویں فضیلت: فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے اس کی تکلیف میری تکلیف ہے

حضرت مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو میں نے منبر پر فرماتے ہوئے سنا بے شک بنو ہشام بن مغیرہ مجھ سے یہ اجازت چاہ رہے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں میں انہیں یہ اجازت نہیں دوں گا۔ (یہ تین بار فرمایا) مگر یہ کہ ابن ابی طالب اگر چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے کیونکہ میری بیٹی میرے وجود

ہی کا حصہ ہے جو چیز اسے گمان میں مبتلا کرے وہ مجھے گمان میں ڈالتی ہے جو چیز اسے ایذا دے وہ مجھے ایذا دیتی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل فاطمۃ بنت النبی ﷺ حدیث 6307)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے حضرت علی نے پیغام نکاح دیا یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوئی تو وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور بتایا کہ اسماء حضرت علی سے شادی کر رہی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ماکان لھا ان توذی رسول اللہ ﷺ اسماء کو کیا حق ہے کہ رسول خدا ﷺ کو تکلیف دے۔

(مجمع الزوائد بروایت طبرانی کبیر و اوسط جلد 9 صفحہ 206 مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

چھٹی فضیلت، رسول اکرم ﷺ کی نسل مبارک آپ سے چلی

پیچھے بھی گزر چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے نسب مبارک کی امانت انہوں نے حاصل کی، آپ کے بیٹے تو بچپن میں فوت ہو گئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اگر ان میں سے کوئی بڑا ہو کر زندہ رہے تو اسے آپ کے بعد نبی تصور کر لیا جائے اسی لیے اللہ نے آیت ختم نبوت میں فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

جب کہ آپ کی باقی بیٹیاں بھی سلسلہ نسب کے بغیر فوت ہو گئیں، صرف حضرت زینب بنت رسول ﷺ کے ہاں دو بچے ہوئے مگر دونوں بچپن میں فوت ہوئے اس طرح سرکار مدینہ ﷺ کا خون صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے آگے منتقل ہوا۔ صاحب الاصابہ امام ابن حجر فرماتے ہیں۔ انقطع نسل رسول اللہ ﷺ الا من فاطمہ یعنی رسول اکرم ﷺ کی نسل مبارک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سوا باقی اولاد سے منقطع ہو گئی۔

(الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 4 صفحہ 377 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ساتویں فضیلت:

حضور ﷺ نے خاتون جنت کو مال دنیا سے دور رکھا:

ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے میں آپ کے ساتھ تھا (یہ نزول حجاب سے قبل کی بات ہے) سیدہ نے گلے میں سونے کا ہار پہن رکھا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا یہ ہار کہاں سے آیا ہے؟ عرض کیا یہ مجھے ابوالحسن (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) نے تحفہ دیا ہے۔ (انہیں مال غنیمت میں سے حصہ ملا تھا۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ کیا تمہیں پسند ہے کہ لوگ کہیں فاطمہ بنت محمد (ﷺ) کے پاس (یعنی گلے میں) آگ کا ہار ہے۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے اور وہاں نہیں بیٹھے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس ہار کو بیچ کر ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر

دیا، نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی، آپ نے فرمایا اللہ کی حمد ہے جس نے فاطمہ کو آگ (کے ہار) سے نجات دیدی۔
(مستدرک جلد 3 صفحہ 165 حدیث 4725)

اس حدیث کو حاکم اور ذہبی دونوں نے شرطِ شیخین پر صحیح قرار دیا ہے۔ اسکی توجیہ یہی بنتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صاحب شریعت ہیں آپ باذنِ الٰہی کچھ لوگوں کے لیے خصوصی طور پر کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے سکتے ہیں۔ آپ نے سیدہ خاتون جنت پر زینت دنیا کی اشیاء کو حرام قرار دیا تھا۔ اس لیے آپ نے ان کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو اسے ان کے لیے آگ کا ہار کہا اور اتروا دیا۔ ورنہ دوسری عورتوں کے لیے سونا چاندی حلال بلکہ شرعاً مرغوب ہے۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، آپ نے ان کے دروازہ پر پردہ دیکھا (جو قیمتی اور منقش تھا) آپ اندر داخل نہ ہوئے، حالانکہ آپ جب بھی سفر سے آئے تو پہلے انہی کے گھر جاتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ آئے تو جناب سیدہ کو غمناک پایا، پوچھا کیا ہوا؟ کہا: نبی اکرم ﷺ آئے تھے مگر باہر ہی سے لوٹ گئے، حضرت علی المرتضیٰ آپ کے پاس حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! فاطمہ پر یہ بات بھاری گزری ہے کہ آپ ان کے ہاں گئے اور دروازہ سے مڑ آئے، آپ نے فرمایا:

وَمَا اَنَا وَالدُّنیا

میرا دنیا سے کیا تعلق ہے؟

وَمَا اَنَا وَالرقمُ

میرا منقش پردوں سے کیا واسطہ ہے؟

حضرت علی المرتضیٰ واپس گئے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بتایا۔ وہ کہنے لگیں۔ آپ سے پوچھیں کہ میں اس پردے کا کیا کروں؟ فرمایا: اسے کہو کہ اسے فلاں خاندان والوں کو (غرباء کو) بھیج دے۔
(سنن ابوداؤد کتاب اللباس باب 43 حدیث 4149، مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 21)

یعنی رسول اکرم ﷺ نے اپنے اہل بیت کے لیے زینت دنیا کی چیزیں ممنوع قرار دی تھیں، اسی لیے جب ازواج رسول اللہ ﷺ نے آپ سے زینتِ دنیا کی بعض اشیاء (جیسے زیور اور قیمتی کپڑے) مانگیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ناراض ہوئے، اور یہ آیت اتری۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

اے نبی اکرم ﷺ آپ اپنی ازواج سے فرمادیں اگر تم دنیااور اس کی زینت چاہتی ہوتو آؤ میں تمہیں متاع دنیا دے دیتا ہوں اور اپنے نکاح سے بھلائی کے ساتھ آزاد کردیتا ہوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور دار آخرت (کی نعمتیں) چاہتی ہوتو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔(سورہ احزاب آیت 28،29)

اہل تشیع سے ایک سوال:

اس جگہ ہم اہل تشیع سے سوال کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار اور ان کے دروازہ پہ منقش پردہ گوارا نہیں فرمایا تو کیسے ممکن ہے کہ آپ نے ان کے لیے فدک نام کی بہت بڑی جائیداد لکھ دی ہو یہ آپ پر بہت بڑا اتہام ہے۔آپ نے تو اپنی اہل بیت کو خواہ وہ ازواج مطہرات ہوں یا آپ کی لخت جگر بیٹی، زینتِ دنیا کی ہر چیز سے دور رکھا تا کہ ان کی اخروی نعمتوں میں کوئی کمی نہ آئے، اور دنیا والے یہ نہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو گھر والوں کو خوب دنیا دے رکھی ہے۔اور دشمنان اسلام کو آپ کی نبوت و رسالت میں شک پیدا کرنے کا موقع نہ ملے۔

یاد رہے شیعہ کتب میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کے ہاتھوں میں کنگن دیکھے تو اتروا دیے۔ان کے دروازے پر رنگین پردہ دیکھا تو اتروا دیا ان کے گلے میں سنہری ہار دیکھا تو اتروا دیا۔چنانچہ سردارِ علماء شیعہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے۔

امام رضا نے اپنے آباء سے انہوں امام زین العابدین (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا۔وہ کہتے ہیں مجھے اسماء بنتِ عمیس نے بتایا وہ کہتی ہیں میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، وہاں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ان کی گردن میں سونے کا ہار تھا جو ان کے لیے حضرت علی المرتضیٰ نے مال غنیمت سے خریدا تھا۔(مال غنیمت سے ملنے والے حصہ سے خریدا تھا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اے فاطمہ لوگ یہ نہ کہیں کہ فاطمہ بنتِ محمد نے جابر بادشاہوں والا لباس پہن لیا ہے۔ انہوں نے اسے اتار کر بیچ دیا اور اس کے ساتھ ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا، تب رسول اللہ ﷺ ان سے خوش ہو گئے۔

(بحار الانوار جلد 43 تاریخ فاطمۃ الزہراء صفحہ 81 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دو صفحہ کے بعد ملا مجلسی نے وہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کے حصہ سے چاندی کے دو کنگن اور ایک منقش پردہ خریدا۔رسول اکرم ﷺ اپنی بیٹی کے گھر تشریف لائے جب دروازے پر منقش پردہ اور ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن دیکھے تو آپ واپس لوٹ گئے حضرت فاطمہ رونے لگیں اپنے دونوں بچوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بلایا ایک کے ہاتھ میں وہ پردہ دیا دوسرے کے ہاتھ میں وہ کنگن دیے اور ان سے کہا یہ چیزیں میرے والد گرامی کے پاس لیجاؤ۔آپ کو میرا اسلام عرض کرو اور یہ چیزیں آپ کے حضور رکھ دو، دونوں شہزادے حاضر

ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو سینے سے لگا لیا، انہیں بوسہ دیا اور انہیں اپنے رانوں پہ بٹھا لیا، پھر ان دونوں کنگنوں کو توڑ کر ان کی چاندی فقراء مہاجرین میں تقسیم فرما دی، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اللہ فاطمہ پر رحمت فرمائے اللہ اسے اس پردے کے بدلے جنتی لباس اور ان کنگنوں کے بدلے جنتی زیور عطا فرمائے گا۔

(بحار الانوار جلد 43 صفحہ 84 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آٹھویں فضیلت:

حضور ﷺ کا جناب سیدہ کے لیے اعلانِ تطہیر:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چھ ماہ تک رسول اکرم ﷺ کا یہ معمول رہا کہ آپ جب نماز فجر کیلئے نکلتے تو سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے فرماتے۔

الصَّلٰوۃُ یَا اَھْلَ الْبَیْتِ، اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ﴿۳۳﴾

اے اہل بیت! نماز کے لیے اٹھ جاؤ، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تمہیں ہر عیب سے دور کر دے اور تمہیں خوب پاک قرار دے۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 172 حدیث 4748)

یہ آیت تطہیر ہے اس پر مفصل بحث پیچھے گزر گئی ہے۔ یہ آیت ازواج رسول ﷺ کے لیے نازل ہوئی، پھر آپ نے مولا علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے لیے خصوصی دعا کر کے انہیں اس آیت کے مصداق میں شامل فرمایا۔ اور آپ کا چھ ماہ تک ان کے دروازہ پر اس آیت کا پڑھنا بھی اسی معنی میں تھا۔

نویں فضیلت:

شانِ فاطمۃ الزہراء بزبانِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما:

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کسی کو فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے افضل نہیں دیکھا سوا ان کے والد گرامی کے کہتی ہیں ایک بار میرے اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان کسی بات پہ تکرار تھا، میں نے عرض کیا: آپ فاطمہ سے پوچھ لیں، کیونکہ میں نے فاطمہ سے زیادہ سچا کسی کو نہیں دیکھا۔

(مجمع الزوائد بروایت طبرانی اوسط و مسند ابی یعلیٰ جلد 9 صفحہ 254 مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے حضرت فاطمہ زہراء رضی

اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کی گفتگو رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تر نہیں دیکھی، جب وہ آتیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ ان کے سر کو بوسہ دیتے انہیں مرحبا کہتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیتیں۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 174 حدیث 4753)

جمیع بن عمیر کہتے ہیں میں اپنی والدہ کے ساتھ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے ان سے مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔ وہ فرمانے لگیں۔ تم نے اس شخص کے بارے میں پوچھا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے کسی آدمی کو حضرت علی المرتضیٰ سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے ہاں محبوب تر نہیں دیکھا اور نہ زمین میں کسی عورت کو ان کی بیوی سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے ہاں محبوب تر دیکھا ہے۔ (مستدرک جلد 3 صفحہ 167 حدیث 4731)

دسویں فضیلت

اللہ تعالیٰ حضرت فاطمہ کے غضب سے غضبناک اور ان کی رضا سے راضی ہوتا ہے:

امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر سے، وہ اپنے والد امام زین العابدین علی بن حسین سے، وہ اپنے والد امام حسین بن علی سے اور وہ اپنے والد مولیٰ علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَغْضِبُ لِغَضَبِكِ وَیَرْضٰی لِرِضَاكِ

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے غضب کی وجہ سے غضب ناک اور تمہاری رضا کی وجہ سے راضی ہوتا ہے۔

(مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 167 حدیث 4730)

سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے مزید فضائل بھی کتب حدیث میں موجود ہیں مگر ہم انہی دس پہ اکتفاء کرتے ہیں تلك عشرۃٌ کاملة۔ اللہ تعالیٰ میری اس ادنیٰ کاوش کو قبول فرمائے۔

کیا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے باغ فدک چھین لیا تھا؟

شیعہ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے خیبر فتح ہونے پر وہاں سے جو فدک نامی باغ حاصل ہوا وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا تھا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ ان سے وہ باغ چھین لیا اور جو سیدہ کو ایذاء دے وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دیتا ہے اور آپ کو ایذاء دینے والوں کے لیے اللہ نے فرمایا: ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ۔ اس کے جواب میں ہم یہی کہتے ہیں الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین

شیعوں کے دو متضاد دعوے

ایک طرف شیعہ حضرات کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے آیت و آت ذی القربی حقه کے نزول پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو باغ فدک دیدیا تھا، دوسری طرف کہتے ہیں یہ باغ رسول کریم ﷺ کی ملکیت تھا اور آپ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کی وارث تھیں کیونکہ آپ کی باقی ساری اولاد فوت ہوگئی تھی صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا باقی تھیں اس لیے انہیں کو وراثتاً باغ ملنا تھا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں لینے نہ دیا ان دونوں دعووں میں کھلا تضاد ہے اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ باغ حیات نبوی میں دیدیا گیا تھا تو پھر وراثت کا کیا معنیٰ وہ تو پہلے ہی حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ملکیت میں تھا اور اگر وراثت میں وہ ان کو ملنا تو پھر حیات نبوی میں انہیں باغ کا مالک بنایا جانا کھلا جھوٹ ٹھہرا اب بتایئے سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں دعوے جھوٹے ہیں حضرت فاطمہ کو یہ باغ نہ ظاہری حیات نبویہ میں دیا گیا نہ انکو وراثت میں ملنا تھا بلکہ رسول اکرم ﷺ اسلامی ریاست کا حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے علاقہ خیبر کے مفتوحہ علاقوں کے منتظم تھے آپ وہاں کی آمدن میں سے اپنے اہل بیت منجملہ ازواج مطہرات اور سیدہ فاطمہ اور ان کی فیملی کے روز مرہ اخراجات کے لیے بقدر ضرورت حصہ لے کر باقی سب آمدن اہل اسلام کے غرباء و یتامیٰ اور دیگر مستحقین میں تقسیم فرماتے تھے۔

علاقہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی لڑائی کے بغیر صلح کے ساتھ یہ علاقہ یہود خیبر نے نبی اکرم ﷺ کو دیدیا تھا اس کے لیے شیعوں کی معتبر تاریخ ناسخ التواریخ حالات سیدہ فاطمہ جلد 2 صفحہ 83 اور اصول کافی جلد اول صفحہ 543 دیکھئے۔

اور ایسے علاقے کا حکم اللہ تعالیٰ قرآن میں بیان فرماتا ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

ترجمہ: اور جو علاقہ اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) کو کفار سے لوٹایا تو تم نے اس پر نہ اونٹ دوڑائے ہیں نہ گھوڑے مگر اللہ اپنے رسولوں کو جس (قوم) پر چاہے غالب فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو اللہ نے اپنے رسول پر لوٹایا بستیوں والوں سے تو وہ اللہ کے اور اس کے رسول (ﷺ) کے لیے اور (رسول ﷺ کے) قریبی رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں کے لئے ہے۔

(سورہ حشر آیت 6_7)

جب یہ واضح ہوگیا کہ فدک کا باغ لڑائی کے بغیر صلحاً رسول کریم ﷺ کے ہاتھ آیا اس پر لشکر کشی نہیں ہوئی اور جو علاقہ اس طرح فتح ہو اس کا حکم اللہ نے بیان فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور

دیگر حاجت مندان اہل اسلام کے لیے ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ نے تمام یتامیٰ ومساکین کو محروم کر کے وہ سب علاقہ اپنی بیٹی کے نام کر دیا تھا؟

حق یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اس حکم خداوندی کے مطابق باغ فدک میں سے اپنی ازواج اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کی فیملی اور دیگر اہل بیت کو بقدر ضرورحصہ دیتے تھے اور باقی غربا و یتامیٰ پرصرف فرماتے تھے جب آپ کا وصال ہوا تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ شائد یہ باغ نبی اکرم ﷺ کی ملکیت تھا اور میں بیٹی ہونے کی حیثیت سے آپ کی وارثہ ہوں تو مجھے یہ باغ ملنا چاہیے مگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا کہ رسول اکرم ﷺ جس طرح اپنی زندگی میں فدک کے علاقہ میں تصرف فرماتے تھے میں بھی اسی طرح کروں گا اہل بیت رسول اکرم ﷺ کو جو حصہ حیات رسول میں ملتا تھا وہ بدستور ملتا رہے گا جب کہ رسول اکرم ﷺ نے خود فرما دیا کہ ہم گروہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ہم آپ کی فضلیت سے خوب واقف ہیں آپ جو فیصلہ کریں گے وہ سنت نبوی کے مطابق ہی کریں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الخمس باب 1 حدیث 3094)

ہم شیعوں سے یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ اگر باغ فدک رسول اکرم ﷺ کی میراث کے طور پر سیدہ فاطمہ کو ملتا تھا تو آپ اکیلی وارث کیسے بن گئیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کی بیویاں ہونے کی حیثیت سے آپ کی وارث نہ تھیں؟ پھر ان ازواج مطہرات میں کیا خود ابو بکر صدیق نے اپنی بیٹی یا دیگر ازواج کو تو فدک میں سے حصہ دیدیا تھا اور رسول اکرم ﷺ کی بیٹی کو محروم رکھا؟ نہیں، بلکہ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ رسول خدا ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے چاہا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجیں کہ فدک میں سے ہمیں وراثت کا حصہ دیا جائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں سمجھا دیا کہ رسول اکرم ﷺ کی میراث نہیں ہے تو وہ مطمئن ہوگئیں گویا جو سوال حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذہن مبارک میں آیا وہی سوال ازواج مطہرات کے خیال میں بھی پیدا ہوا تھا اور اس کا جواب ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی دیا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیا۔ حضرت مولا علی کا دور خلافت آیا تو سنت صدیقی کے مطابق ہی فدک کے احکام چلتے رہے۔

الغرض ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہ فرمائی اور وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

رہا یہ سوال کہ بخاری شریف میں ہے جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کو باغ فدک نہ دیا تو وہ غضبناک ہو گئیں اور مرتے دم تک ان سے بات نہ کی تو ہم عرض کرتے ہیں دراصل یہ ایک راوی کی اپنی غلط فہمی کا نتیجہ ہے امام زہری نے حضرت عروہ بن زبیر کے واسطہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی آگے امام زہری سے ان کے تین شاگرد صالح، شعیب اور خالد الگ الگ روایتوں میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں شعیب اور صالح کی روایت بخاری میں ہے۔اور

خالد کی ابوداود میں۔

صرف صالح کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ سیدہ غضب ناک ہوگئیں باقی کسی روایت میں نہیں دوسری روایتوں میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ سیدہ فاطمہ نے اس بارہ میں دوبارہ کلام نہ کیا جس سے صالح نے سمجھ لیا کہ حضرت سیدہ نے غضب ناک ہوکر اس بارہ میں بات چھوڑ دی، مگر کسی روایت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اپنے الفاظ ایسے کہیں بھی نہیں کہ انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غضب ناک ہوکر کچھ سخت الفاظ کہے ہوں تو راوی کو کیسے پتہ چل گیا کہ غضب ناک ہوگئی تھیں غضب یا خوشی تو دل کا معاملہ ہے وہ راوی تک کیسے پہنچا پھر یہ حدیث حضرت ابوہریرہ اور ابوطفیل رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے بھی مروی ہے اور کسی میں سیدہ کا غضب ناک ہونا مذکور نہیں۔

انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی، آئمہ اہل بیت کا فتویٰ از کتب شیعہ:

اہل تشیع کی سب سے معتبر کتاب حدیث اصول کافی میں ہے۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال: اِنَّ العلماءَ ورثۃُ الانبیاءَ وَذاكَ اَنَّ الانبیاءَ لم یُورِثُوا دِرهمًا ولا دینارًا وَاِنَّمَا اَوْرَثُوا احادیثَ من اَحادِیْثِهِمْ فمن اَخَذَ بِشَیْءٍ مِنْهَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَافِرًا

امام جعفر صادق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: بے شک علماء وارثان انبیاء ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کی میراث درہم و دینار نہیں ہے ان کی میراث ان کی احادیث ہیں۔ جس نے ان کی احادیث میں سے کچھ لے لیا اس نے بڑی دولت پالی۔ (اصول کافی کتاب العلم والجہل باب صفۃ العلم روایت 45 صفحہ 22 مطبوعہ مکتبہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

آگے چند روایات کے بعد اصول کافی میں ایک اور روایت ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ العلماءَ وَرَثَةُ الانبیاءِ وَاِنَّ الانبیاءَ لم یُوَرِّثُوا دِرْهماً ولا دیناراً ولكن وَرَّثُوا العلمَ فَمَنْ اَخَذَ منه اخذ بِحَظٍّ وافرٍ

بے شک علماء وارثان انبیاء ہیں اور انبیاء اپنے پیچھے درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑتے بلکہ اپنا علم چھوڑتے ہیں، جس نے ان کا علم لے لیا اس نے بڑی دولت پالی۔ (اصول کافی کتاب العقل صفحہ 23 روایت 57)

یہی فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے باغ فدک کے بارے میں کیا کہ وہ کسی کو بطور میراث رسول نہیں مل سکتا کیونکہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔ تاہم باغ فدک کی آمدن سے جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنی اہل بیت کو حصہ دیتے تھے میں بھی اسی طرح دیتا رہوں گا جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بھی فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تائید کر رہے ہیں تو پھر

اس سے اختلاف کی کیا گنجائش ہے۔

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا فیصلہ صدیق اکبر پہ راضی تھیں:

علامہ کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی متوفی 679ھ علماء شیعہ میں بہت اہم مقام رکھتا ہے۔اس نے نہج البلاغہ کی مبسوط شرح لکھی ہے۔وہ نہج البلاغہ میں حضرت مولا علی المرتضیٰ کے مکتوب 44 کی شرح میں لکھتا ہے کہ سیدہ خاتون جنت پہلے باغ فدک کے بارے میں حضرت ابوبکر کے فیصلہ پر ناراض تھیں، حضرت ابوبکر اس پر مضطرب تھے،وہ آپ کے پاس گئے، کہا اے سیدۂ نساء اہل الجنۃ اے دختر خیر الرسل! میں نے رسول اللہ ﷺ کی سواری اور آپ کا اسلحہ پہلے ہی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا ہے۔ جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ نے فرمایا ہم گروہ انبیاء اپنے پیچھے سونا چاندی نہیں چھوڑتے نہ زمین اور گھر چھوڑتے ہیں۔ہم تو صرف ایمان، حکمت، علم اور سنت چھوڑتے ہیں، سیدہ فرمانے لگیں۔رسول اللہ ﷺ نے فدک مجھے دیا تھا۔(مطلب یہ ہے کہ اس کی آمدن کا ایک حصہ میرے لیے مخصوص کیا تھا) حضرت ابوبکر نے کہا اس کا کون گواہ ہے؟ فرمایا علی بن ابی طالب اور ام ایمن (رضی اللہ عنہما) چنانچہ انہوں نے گواہی دی۔ پھر عمر بن خطاب اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما آئے انہوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ (فدک کی آمدن کو) تقسیم کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر کہنے لگے: اے دختر رسول! آپ نے سچ کہا ہے۔آپ کے گواہوں علی و ام ایمن نے بھی سچ کہا ہے: اور عمر و عبدالرحمان نے بھی سچ کہا ہے۔ (کہ حضور ﷺ فدک کی آمدن کو تقسیم فرماتے تھے اور آپ نے اس کی آمدن کا ایک حصہ سیدہ خاتون جنت کو مقرر کر کے دیدیا تھا۔) لہٰذا آپ کے والد گرامی رسول اکرم ﷺ جو تقسیم کرتے تھے میں بھی وہی تقسیم جاری رکھوں گا۔آپ فدک میں سے پہلے تم اہل بیت کو خرچہ دیتے تھے، باقی کو تقسیم کرتے اور جہاد پر خرچ کرتے تھے اور میں آپ کو نام خدا کے ساتھ عہد دیتا ہوں کہ جیسے آپ کرتے تھے میں ویسے ہی کرتا رہوں گا۔ فَرَضِيَتْ بِذَالِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ۔

تب سیدہ خاتون جنت اس پر راضی ہوگئیں اور اس پر حضرت ابوبکر سے عہد لے لیا اس کے بعد حضرت ابوبکر فدک کے سالانہ غلہ میں سے اہل بیت کو اتنا دیتے تھے جو ان کے لیے سال بھر کافی رہتا۔ پھر بعد والے خلفاء بھی ایسے ہی کرتے تھے۔(شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد 5 صفحہ 101 مطبوعہ دار الثقلین بیروت)

اور کتب اہل سنت میں سے طبقات ابن سعد اور سنن بیہقی وغیرہ میں بھی صراحت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب سیدہ خاتون جنت کے پاس حاضر ہو کر میراث انبیاء کے بارے میں حدیث سنائی اور بتایا کہ میں طریقۂ رسول اکرم ﷺ کو جاری رکھوں گا چنانچہ وہ راضی ہوگئیں امام بیہقی کہتے ہیں یہ حدیث مرسل حسن ہے اور اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

(سنن بیہقی کتاب قسم الفیئ جلد 6 صفحہ 301 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

گویا سنی اور شیعہ کتب سے یہ بات متفقہ ثابت ہوگئی کہ جناب سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو فدک کے بارے میں فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اگر کوئی اشتباہ یا تردد تھا تو وہ ختم ہوگیا اور آپ ان سے مکمل راضی ہوگئیں۔ جب وہ راضی ہیں تو آج کا کوئی ذاکر اگر ناراض ہے تو رہا کرے وہ اپنی ہی عاقبت خراب کرتا ہے۔

باغ فدک کے بارہ میں فیصلہ صدیق اکبر سے آئمہ اہل بیت بھی متفق تھے:

ابن ابی الحدید ایک معتزلی شیعہ ہے۔ اصول میں شیعہ ہے اور فروع میں معتزلی۔ اس نے شرح نہج البلاغہ میں یہی واقعہ لکھا ہے جو ہم نے ابھی علامہ ابن میثم شیعہ کے حوالہ سے لکھا ہے، اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ حضرت زید بن زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے جب یہ سارا واقعہ سنا تو کہا: ایمُ اللهِ لَوْ رَجَعَ الامرُ اِلَیَّ لقضیتُ فیه بقضاء ابی بکر۔ اللہ کی قسم! اگر یہ معاملہ میرے پاس لایا جاتا تو میں بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ والا فیصلہ کرتا۔

(شرح ابن ابی الحدید علیٰ نہج البلاغہ جلد 4 صفحہ 82 فی الاخبار الواردۃ فی فدک مطبوعہ بیروت)

اسی صفحہ پر ابن ابی الحدید نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو عقیل کہتا ہے میں نے امام محمد باقر رحمہ اللہ سے پوچھا کیا ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) نے تم اہل بیت سے کوئی حق چھین لیا تھا؟ آپ نے فرمایا: واللہ مَا ظُلِمْنَا مِنْ حَقِّنَا مِثْقَالَ حَبَّةٍ من خَرْدَلٍ۔ اللہ کی قسم! رائی کے ایک دانہ برابر بھی ہمارا حق نہیں مارا گیا، پھر فرمایا اللہ مغیرہ اور ابان (شیعہ راویوں) پر عذاب اتارے یہ ہم اہل بیت کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہتے ہیں۔ (حوالہ مذکورہ)

اہل بیت کے فیصلہ صدیق اکبر پر راضی ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں باغ فدک اہل بیت کو نہ دلوایا یعنی فیصلہ صدیق اکبر کو قائم رکھا، شیعہ لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ اہل بیت سے جو چیز چھن جائے وہ اسے واپس لینا خلافِ شان سمجھتے ہیں، میرے والد گرامی شیخ الحدیث علامہ محمد علی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ اگر یہ بات ہے تو تمہارے نزدیک خلافت بھی چھن گئی تھی وہ حضرت علی المرتضیٰ نے واپس کیوں لی تھی۔

بوجہ عدم اطلاع سیدہ خاتون جنت کی ناراضگی کسی کے لیے وجہ مواخذہ نہیں ہے:

اہل تشیع کے مشہور امامت نگار نعمت اللہ جزائری نے واقعہ لکھا ہے۔ کہتا ہے کہ شیخ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ شاہِ حبشہ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو ایک لونڈی دی۔ وہ اس لونڈی کو ساتھ لائے اور مدینہ طیبہ آ کر انہوں نے وہ لونڈی حضرت علی المرتضیٰ کو ہبہ کر دی۔ ایک دن سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ کو اس لونڈی کی گود میں سر رکھے دیکھا تو ناراض ہوئیں اور حضور ﷺ کے پاس شکایت کے لیے گئیں اتنے میں جبریل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ سیدہ فاطمہ حضرت علی سے ناحق ناراض ہو کر آئی ہیں ان کی شکایت نہ سنی جائے، جب وہ آئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا

کیا تم علی سے ناراض ہو کر آئی ہو، جاؤ واپس جا کر اس سے تین بار کہو میں تمہارے لیے اپنی ناک خاک آلود کرتی ہوں (معافی مانگتی ہوں) انہوں نے واپس جا کر ایسے ہی تین بار کہا۔ حضرت علی المرتضیٰ خوش ہو گئے۔

(انوار نعمانیہ جلد اول صفحہ 79 نور مرتضوی مطبوعہ تہران ایران)

معلوم ہوا اگر سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا بوجہ عدم اطلاع کسی سے ناراض ہوں تو وہ اس کے لیے وجہ مواخذہ نہیں ہے نہ ہی یہ من آذاھا فقد آذانی کے زمرہ میں سے ہے اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سیدہ خاتون جنت کی ناراضگی بوجہ عدم اطلاع تھی وہ حدیث میراث انبیاء پر مطلع نہ تھیں جب مطلع ہو گئیں تو ناراضگی ختم ہو گئی۔

کیا حضرت عمر فاروق نے لات مار کر سیدہ خاتون جنت کا حمل گرا دیا تھا:

جب حضرت سیدہ خاتون جنت کے حوالہ سے گفتگو ہو رہی ہے تو لگے ہاتھوں یہ تہمت بھی دور ہو جانی چاہیے کہ معاذ اللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے پیٹ میں لات مار کر انکا حمل گرا دیا تھا، ان کی پسلیاں توڑ دی تھیں اور اسی صدمہ سے ان کا وصال ہو گیا۔ اہل تشیع جناب حضرت عمر کو سیدہ خاتون جنت کا قاتل سمجھتے ہیں۔

چنانچہ وہ محمد بن عبد الکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ کی کتاب الملل والنحل سے یہ حوالہ لاتے ہیں کہ اس نے لکھا:

إِنَّ عمرَ ضَربَ بطنَ فاطمةَ عليها السلامُ يومَ البيعةِ حتّٰى أَلْقَتْ المُحْسِنَ مِن بَطْنِها و كانَ يَصِيحُ اَحْرِقُوا الدَّار بمن فِيْهَا و ما كان فى الدار غيرُ عليٍّ وفاطمةَ والحسنِ والحسينِ

یعنی عمر نے فاطمہ علیہا السلام کے پیٹ میں بیعتِ ابو بکر والے دن لات ماری اور ان کے پیٹ سے بچہ گرا دیا جس کا نام محسن تھا، اس وقت عمر چیخ کر کہہ رہا تھا اس گھر کو اس کے مکینوں سمیت جلا دو، جبکہ گھر میں علی المرتضیٰ، فاطمہ زہراء اور حسنین کریمین (رضی اللہ عنہم) کے سوا کوئی نہ تھا۔ (الملل والنحل صفحہ 45 فصل اول ذکر فرقہ نظامیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مگر یاد رہے کہ محمد بن عبد الکریم شہرستانی کی تحریر کردہ یہ بات اس قدر جھوٹی، بدبودار، غلیظ اور خوفناک ہے کہ الامان! سب سے پہلے تو محمد بن عبد الکریم شہرستانی کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس قماش کا آدمی ہے۔ آج اسے شیعہ اور تفضیلی فرقہ والے اہل سنت میں سے قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ امام ذہبی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ وہ ایک ملحد شخص تھا اس کے ساتھ اس کا میلان اسماعیلی شیعوں کی طرف بھی تھا۔

(لسان المیزان جلد 5 صفحہ 263 حرف المیم مطبوعہ بیروت)

طبقات شافعیہ میں ہے علامہ ابن سمعانی کہتے ہیں محمد بن عبد الکریم اسماعیلی فرقہ کی طرف دعوت دیتا اور تشیع میں غلو کرتا تھا۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ جلد 4 صفحہ 79)

جبکہ مشہور شیعہ مورخ علامہ شیخ عباس قمی لکھتا ہے کہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی صاحب الملل والنحل بڑا متکلم اور فیلسوف ہے مگر اس میں خبط اور جہل بھی ہے، حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ اگر اس کا الحاد کی طرف میلان نہ ہوتا تو وہ بڑا امام ہوتا۔ وہ اپنے وفور علم کے باوجود ایسی بے اصل باتیں لکھتا ہے جو عقل ونقل کے خلاف ہیں۔

(الکنٰی والالقاب جلد2 صفحہ 374 ذکر شہرستانی مطبوعہ مکتبۃ الصدر تہران ایران)

دوسری بات یہ ہے کہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے مذکورہ عبارت میں اپنا نظریہ نہیں بیان کیا بلکہ فرقہ نظامیہ کے پیشوا ابراہیم بن یسار بن ہانی النظام کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ شہرستانی نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن بسار نے کتب فلسفہ کو کتب معتزلہ کے ساتھ خلط کیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ شر ور و معاصی کا خالق نہیں ہے وہ سمجھتا تھا کہ جس چیز میں بندوں کا فائدہ نہ ہو اللہ ایسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا، اس کا عقیدہ تھا کہ اجماع وقیاس حجت شرعیہ نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ وہ مائل بہ رفض تھا۔ صحابہ کبار پر تہمتیں رکھتا تھا، آگے لکھا ہے:

وزاد فی الفریة فقال ان عمر ضرب بطن فاطمة یوم البیعة حتی القت الجنین من بطنها و کان یصیح احرقوا دارها بمن فیها وما کان فی الدار غیر علی فاطمة والحسن والحسین

ابراہیم بن یسار نے مزید تہمت زنی کرتے ہوئے کہا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت فاطمہ کے بطن پہ ضرب لگائی جس دن بیعت (ابی بکر) ہوئی، تاآنکہ حضرت فاطمہ کے پیٹ سے بچہ گر گیا، عمر اس وقت چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اس کا گھر اس کے مکینوں سمیت جلا دو، بلکہ گھر میں علی المرتضیٰ فاطمہ زہراء اور حسنین کریمین کے سوا کوئی نہ تھا۔

(الملل والنحل صفحہ 45 فصل اول ذکر النظامیۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس ساری عبارت سے خوب واضح ہوگیا کہ ابراہیم بن یسار جیسے ملحد کا کام ہی یہ تھا کہ وہ صحابہ کبار پہ بہتانات رکھتا تھا انہی میں سے اس ملحد کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہ یہ غلط بہتان بھی ہے کہ آپ نے سیدہ خاتون جنت کے پیٹ میں چوٹ لگا کر اُن کا حمل ساقط کر دیا۔ لہٰذا اس بکواس کی حیثیت ایک بہتان سے زائد نہیں ہے۔

پھر جھوٹا آدمی ایک بات نہیں کہتا وہ کبھی کچھ کہہ دیتا ہے کبھی کچھ، شیعہ کتابوں میں کہیں یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر نے سیدہ خاتون جنت کے پیٹ میں لات ماری، معاذاللہ، کہیں لکھا ہے کہ آپ نے ان کے پیٹ پر تلوار کا دستہ مارا۔ کہیں لکھا ہے کہ حضرت عمر نہیں، ان کے غلام قُنفذ نے ان کے پیٹ پہ لات ماری، اور کوئی کہتا ہے لات نہیں ماری بلکہ دروازہ گرایا۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں اور یہ سب بکواسات ہیں۔ بتائیے اس وقت مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا تاجدار ہل اتی کرم اللہ وجہہ کہاں تھے؟ کیا وہ اتنے بے بس تھے کہ لوگ ان کی بیوی پر تشدد کرتے رہے اور وہ دفاع نہ کر سکے، بلکہ بعد میں سب تشدد کرنے والوں کے ساتھی اور مددگار بن گئے۔ کیا شیر خدا کی یہ شان ہے؟ تم مولیٰ علی المرتضیٰ کی شان بیان کر

رہے ہو یا ان کی توہین کر رہے ہو؟ ان کی بہادری کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں اگر میری شجاعت دنیا میں تقسیم کی جائے تو کوئی بزدل نہ رہے۔ ؎

شاہِ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار
لافتیٰ الا علی لا سیف الاّ ذوالفقار

یہ لات مار کر یا دروازہ گرا کر حمل ضائع کر دینا اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ آج خود بھی شیعہ علماء اس سے انکار کر رہے ہیں، آپ یوٹیوب پہ جائیں، آپ کوئی شیعہ علماء اس واقعہ کو شانِ مولیٰ علی المرتضیٰ کے خلاف قرار دیتے ہوئے نظر آئیں گے۔

کیا حضرت عمر نے خانۂ سیدہ فاطمہ زہراء کے جلانے کی دھمکی دی تھی!:

اسی سے ملتا جلتا یہ بہتان بھی ہے کہ جب ابو بکر صدیق خلیفہ بن گئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس کے خلاف میٹنگ ہوئی حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور چند دیگر صحابہ جمع ہوئے، حضرت عمر کو پتہ چلا تو وہ آگ اور لکڑیاں لے آئے گھر کے گرد لکڑیاں رکھ دیں اور کہا کہ سب لوگ باہر آ جاؤ ورنہ میں گھر کو مکینوں سمیت آگ لگانے لگا ہوں۔ حضرت علی نے کہا گھر میں تو فاطمہ بنت محمد ﷺ اور حسنین بھی ہیں۔ حضرت عمر نے کہا ہوا کریں: تب سارے لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

یہ بھی سب غلیظ بہتان اور گندا اتہام ہے۔ ایسی باتیں سب سے پہلے ایک ملحد سُلیم قیس نے اپنی کتاب میں لکھیں اور خود اس نے اپنی کتاب کو کئی بار آگ لگانے کی کوشش کی۔ وہ جانتا تھا کہ اس میں جو کچھ ہے اول آخر جھوٹ ہے۔ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے، اس کا ایک صفحہ نہیں پڑھا جا سکتا، صحابہ کرام کے بارہ میں اس قدر غلیظ زبان بولی گئی ہے کہ الامان۔

تاہم ایک عبارت تاریخ طبری میں ہے جو شیعہ لوگ پیش کرتے ہیں اس کی وضاحت ضروری ہے۔ علامہ ابن جریر طبری زیاد بن کُلیب سے روایت کرتے ہیں کہ جناب عمر بن خطاب حضرت علی المرتضیٰ کے گھر آئے، وہاں طلحہ، زبیر اور چند دیگر مہاجرین تھے حضرت عمر نے کہا:

وَاللہ لَاُحرِ قَنَّ علیکم اَوْ لَتَخرُجُنَّ الی البیعۃ، فخرج علیہ الزبیر مُصلتاً بالسیف، فَعَثَرَ فسقط السیفُ من یدہٖ فَوَثَبُوا علیہ فأَخَذُوہ۔

اللہ کی قسم میں تم پر آگ لگا دوں گا، ورنہ تم لوگ بیعت کے لیے نکل آؤ، حضرت زبیر تلوار سونتے ہوئے نکلے انہیں ٹھوکر لگی، تلوار ان کے ہاتھ سے گر گئی حضرت عمر کے ساتھیوں نے لپک کر انہیں دبوچ لیا۔

(تاریخ طبری ذکر سن 11 ہجری جلد 2 صفحہ 233 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس روایت کا انداز دیکھیں کہ صحابہ کبار کے بارے میں کیسی غلط تصویر پیش کی گئی ہے کہ وہ خانہ علی المرتضیٰ میں خفیہ میٹنگ کر رہے تھے اور حضرت زبیر تلوار سونت کر باہر نکل آئے جبکہ حضرت عمر خانہ علی المرتضیٰ کو آگ لگانے کی دھمکی دے رہے تھے۔ قرآن نے فرمایا:

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (سورہ فتح آیت 29) اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (سورہ مائدہ آیت 54) جن کا تزکیہ خود رسول اللہ ﷺ فرمائیں۔ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ (سورہ آل عمران آیت 164) اور جن کی طہارت قلبی کو اللہ یوں بیان فرمائے۔

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَه فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً (سورہ حجرات 7)

ایسے نفوسِ قدسیہ کے بارے میں ہم قرآن کی بات مانیں یا اس تاریخی روایت کو؟ یقیناً اس میں کسی نے مبالغہ آمیزی کی ہے۔ ممکن ہے پہلے دن خلافت کے بارے میں کوئی گفتگو کسی جگہ ہوئی ہو مگر اسے کسی راوی نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ جبکہ مولیٰ علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا ابوبکر صدیق سے جو اخلاص تھا وہ درج ذیل حدیث میں دیکھیں۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اپنا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا میں نے کبھی ایک دن یا ایک رات بھی امارت کی حرص نہیں رکھی، نہ کبھی اس کے لیے اللہ سے خفیہ یا علانیہ دعا کی، البتہ ہم فتنہ سے ڈرے مجھ پر ایسا بوجھ ڈال دیا گیا ہے جس کی میں طاقت نہیں پاتا۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مدد کرے بلکہ اگر کسی قوی شخص کو میری جگہ مقرر کیا جاتا تو بہتر تھا۔ تمام مہاجرین نے آپ کا عذر قبول کیا، حضرت علی اور حضرت زبیر نے کھڑے ہو کر کہا:

مَا غَضِبْنَا اِلَّآ اَنَّا اُخِّرنا عَنِ الْمُشَاوَرَةِ وَاِنَّا نَرٰی اَبَابَکْرٍ احق الناس بها بعد رسول الله ﷺ انه لصاحب الغار و ثانی اثنین و انا لنعلم شرفه و کبره و لقد امره رسول الله ﷺ بالصلوٰة بالناس وهو حی

ہمیں اور کوئی گلہ نہیں مگر یہ کہ ہمیں مشورہ سے پیچھے رکھا گیا ہے۔ جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سب لوگوں سے بڑھ کر حقدارِ خلافت ہیں وہ صاحب غار ہیں وہ ثانی اثنین ہیں۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِه (سورہ توبہ آیت 40)

اور ہمیں ان کی بزرگی اور بڑائی کا پورا ادراک ہے، نبی اکرم ﷺ نے اپنی موجودگی میں انہیں مصلائے امامت پہ کھڑا کیا۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ صفحہ 70 حدیث 4422 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے اس حدیث کو شرطِ بخاری ومسلم پر صحیح قرار دیا ہے۔ جب حضرت علی وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے دل میں ابوبکر صدیق کے لیے اس قدر احترام واعتراف ہے تو پھر گھر جلانے کی دھمکیاں دینے کا کیا تک ہے۔ پھر ہم نے تاریخ طبری میں مذکور اس روایت کی سند پہ نظر ڈالی، تو اس کا مرکزی اور آخری راوی زیاد بن کُلیب ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت عمر نے گھر جلانے کی دھمکی دی۔ اس کی وفات 120ھ میں ہے۔

(تہذیب التھذیب جلد 2 صفحہ 223)

تو یقیناً اس کی ولادت 20ھ کے بعد ہے۔ لہٰذا یہ شخص بیعت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ وہ اس کے بیس پچیس سال بعد پیدا ہوا۔ وہ صحابی نہیں ہے۔ تابعی ہے۔ اس نے یہ بات کس سے سنی کس نے اسے بتائی، اس کا کچھ علم نہیں تو قرآن اور حدیث صحیح سے ٹکرانے والی اس روایت مرسلہ کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ خود زیادہ بن کُلیب کے بارے میں امام ذہبی متوفی 748ھ فرماتے ہیں لیس بالمتین فی حفظہ اس کا حافظہ مضبوط نہ تھا۔

(میزان الاعتدال جلد 2 صفحہ 92 رقم 2959 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ضروری بحث:

کیا سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ حضرات ابوبکر وعمر ان کے جنازہ میں نہ آئیں:

اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کا سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو باغ فدک نہ دینا۔ اس کی وجہ سے سیدہ ان سے اس قدر ناراض تھیں کہ وصال کے وقت انہوں نے وصیت فرمائی کہ ان کے جنازہ میں ابوبکر عمر نہ آئیں۔ چنانچہ جب وہ فوت ہوگئیں تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے انہیں راتوں رات خود ہی جنازہ پڑھ کر دفنا دیا جنازہ میں صرف سات آدمی شریک تھے، یہ اس لیے کیا گیا تاکہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) جنازہ میں شریک نہ ہوسکیں۔

مگر یہ بات قطعی جھوٹ ہے، جناب سیدہ خاتون جنت نے ایسی کوئی وصیت نہیں کی تھی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ سیدہ خاتون جنت کا جنازہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اس جگہ اہل تشیع الجھاؤ کے لیے بخاری ومسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنی میراث کا مطالبہ کر رہی تھیں اس مال سے جو اللہ نے آپ کو فدک میں، مدینہ میں اور خمس خیبر کی صورت میں دیا تھا، ابوبکر صدیق نے کہا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہم انبیاء کی میراث نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے آل محمد ﷺ البتہ اس مال سے کھا سکتے ہیں'' اور میں اللہ کی قسم حضور ﷺ کے کسی صدقہ کو اس حالت سے نہ بدلوں گا جس پر وہ عہد رسول اللہ ﷺ میں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی چیز دینے سے انکار کیا۔ آگے الفاظ حدیث یہ ہیں:

فوجدت فاطمة على ابی بکر فی ذلك قال فهجرتهُ فلم تكلمه حتّى ماتت، وعاشت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ستة اشهر، فلما توفيّت دفنها زوجها علی بن ابی طالب لیلاً ولم یؤذن بها ابابکر۔

تب سیدہ فاطمہ اس بارے میں ابوبکر صدیق سے ناراض ہوئیں، ان سے قطع تعلق کر لیا اور ان سے مرتے دم تک کلام نہ کیا وہ حضور ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔ جب وہ فوت ہوئیں تو ان کے شوہر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں رات ہی کو دفنا دیا اور ان کے بارہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ دی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر حدیث 4240، صحیح مسلم کتاب الجہاد باب 16 حدیث 4580)

ہم اس حدیث کا مفہوم بعد میں بتائیں گے پہلے کچھ اہم باتیں کہنا چاہتے ہیں۔

چند امور قابل غور ہیں۔

اوّل: بقول شیعہ جناب سیدہ خاتون جنت کے وصال پر پورا مدینہ آہ و بکا سے لرز اُٹھا:

مرزا محمد تقی سپہر جو مشہور شیعہ مؤرخ ہے، ناسخ التواریخ میں لکھتا ہے۔

قال ابن عباس قُبِضَتْ فاطمةُ مِنْ نَومها فارتجت المدينةُ بالبكاء و من الرجال والنسآء ودهش الناسُ ليومٍ قُبض فيه رسولُ الله ﷺ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نیند میں فوت ہو گئیں، تب مدینہ طیبہ آہ و بکا سے لرز اٹھا مرد و زن سب رو رہے تھے، اور لوگوں میں وہی دہشت پھیل گئی جو وصال رسول ﷺ والے دن پھیلی تھی۔

(ناسخ التواریخ حالاتِ خلفاء جلد اوّل صفحہ 181 مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران)

ایسا ہی بحار الانوار میں ملا باقر مجلسی نے اور سلیم بن قیس ہلالی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

جب یہ حالت تھی کہ سیدہ کے وصال پر آہ و بکا سے پورا مدینہ لرز رہا تھا تو یہ کہنا کیسا عجیب ہے کہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو وصالِ سیدہ خاتون جنت کی خبر نہ ہوئی اور انہیں راتوں رات دفنا دیا گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہیں رات کو دفنایا گیا تھا جیسا کہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ مگر یہ کہاں سے آ گیا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اطلاع نہ ہو سکی۔

دوم: حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی نے سیدہ خاتون جنت کا غسل و کفن کیا:

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو جناب سیدہ کے وصال و جنازہ کا پتہ نہ چلے جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا حضرت سیدہ خاتون جنت کی مسلسل تیمار داری کرنے والی تھیں وہ پہلے

مولیٰ علی المرتضیٰ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں ان کی شہادت کے بعد وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں چونکہ خانوادۂ اہل بیت سے ان کا پہلے سے تعلق تھا اس لیے حضرت سیدہ فاطمہ زہراء کی بیماری میں وہ ان کی مکمل تیمارداری کرتی تھیں۔شیعہ مؤرخ علامہ علی بن عیسیٰ اربلی نے لکھا ہے کہ وصال کے وقت حضرت خاتون جنت نے حضرت اسماء بنت عمیس سے فرمایا عورت کا جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو اس کے بدن پر کپڑا ڈالنے سے صحیح پردہ نہیں ہوتا بلکہ بدن محسوس ہوتا ہے۔انہوں نے کہا میں نے ارضِ حبشہ میں ایک چیز دیکھی تھی انہوں نے لکڑیاں کھڑی کر کے ان کے سرے باہم ملا دیے اور ان پہ کپڑا ڈال کر ایک ڈولی نما چیز دکھائی ،سیدہ خاتون جنت نے فرمایا ہاں میرے جنازہ پر ایسی ہی ڈولی بنانا اور مجھے تم ہی غسل دینا کوئی اور نہ آئے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ 503 باب فی وفاتِ فاطمہ مطبوعہ تبریز)

جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت خاتون جنت کی مسلسل تیمارداری کر رہی تھیں تو آپ کو ان کی بیماری و وصال کی لحہ لحہ خبر پہنچ رہی تھی پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ شیخین کو سیدہ کے وصال اور جنازہ کی خبر نہ ہو۔

بلکہ یہاں سے اس شیعی دعویٰ کا بُطلان بھی معلوم ہو گیا کہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے شیخین کو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وصیت کی تھی یعنی بقول شیعہ سیدہ خاتون جنت نے وصیت کی تھی کہ جب وہ فوت ہو جائیں تو ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونے دیا جائے،معاذ اللہ، یہ کیسا صریح جھوٹ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر افتراءِ عظیم ہے۔اگر وہ حضرات شیخین سے اس قدر دوری رکھنا چاہتی تھیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی کو انہوں نے اس قدر قریب کیوں رکھا ہوا تھا کہ اپنا غسل و کفن ان کے ہاتھوں سے کروانا چاہتی ہیں اور سب راز داریاں ان سے رکھے ہوئے ہیں۔

سوم:

کیا حدیث نبوی سن کر جناب سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اس قدر ناراض ہو سکتی ہیں

یہ دعویٰ کس قدر مکروہ اور جگر گوشہ سید الانبیاء ﷺ پر کیسا صریح بہتان ہے کہ جب انہوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میراث رسول مانگی اور مطالبۂ فدک کیا اور انہوں نے آگے سے حدیث سنادی کہ نحن معشر الانبیاء لانورث ما ترکناہ صدقۃ۔ ہم گروہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی ہم جو مال چھوڑیں وہ (امت کے لیے) صدقہ ہے، تو سیدہ خاتون جنت اس قدر ناراض ہوئیں کہ زندگی بھر کے لیے حضرت ابو بکر سے بول کلام بند کر دیا حتیٰ کہ وصال کے وقت وصیت کر دی کہ ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ان کے جنازہ میں نہ آنے پائیں اس لیے حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نے سیدہ خاتون جنت کے وصال پر کسی کو خبر نہ ہونے دی اور راتوں رات چند افراد کے ساتھ مل کر ان کا جنازہ پڑھا اور دفنا دیا؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد گرامی سید الانبیاء ﷺ کی حدیث سنائی تھی اور ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ بعینہٖ یہی حدیث امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی ہے۔ جو اصول کافی کتاب العلم میں موجود ہے، پھر سیدہ کا ان سے اس قدر ناراض ہونا کیسے متصور ہے کہ ان کو اپنے جنازہ میں بھی شریک نہ ہونے دیں۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ جناب سیدہ نے حدیث نبوی کے سمجھنے کیلئے کچھ وقت لیا ہو اور وقتی طور پر اس بارے میں خاموشی اختیار کر لی ہو جیسا کہ مسند احمد بن حنبل اور سنن بیہقی میں حدیث ہے کہ ابوبکر صدیق سے حدیث نحن معشر الانبیاء لانورث سن کر سیدہ خاتون جنت نے فرمایا: اَنْتَ مَا سَمِعْتَ من رسول الله ﷺ اَعْلَمُ۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا ہے آپ بہتر جانتے ہیں، (یعنی میں اس پر ابھی کچھ نہیں کہتی۔)

(مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ 4 مطبوعہ دار الفکر بیروت، سنن بیہقی جلد 6 صفحہ 303 کتاب الفییٔ مطبوعہ دار المعرفۃ)

اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ شائد سیدہ خاتون جنت مجھ سے ناراض ہیں، لہٰذا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر ان کے گھر گئے اور ان سے ساری بات دوبارہ کہی تو وہ خوش ہو گئیں، سنن بیہقی کے الفاظ ہیں۔

فدخل علیھا یترضا ھا و قال واللہ ما ترکتُ الدار والمال و العیشرۃ الا ابتغاءَ مرضاۃِ اللہِ و مرضاۃِ رسولہِ و مرضاتِکم اھل البیت، ثم یترضا ھا حتیٰ رضیت۔

ھذا حدیث مرسل حسن باسناد صحیح

حضرت ابوبکر جناب خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے انہیں راضی کرنے لگے۔ اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے گھر چھوڑا ہے نہ مال نہ اہل و عیال نہ خاندان مگر صرف اس لیے کہ اللہ راضی ہو جائے، اس کا رسول راضی ہو جائے اور آپ اہل بیت راضی ہو جائیں۔ پھر وہ انہیں راضی کرتے رہے تاآنکہ وہ راضی ہو گئیں۔ یہ حدیث مرسل حسن ہے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔ (سنن بیہقی جلد 6 صفحہ 301 کتاب الفییٔ والغنیمۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ اے دختر رسول خدا ﷺ میں آپ کا حق کیسے غصب کر سکتا ہوں میں نے تو اپنا گھر، مال، خاندان اور اہل و عیال سب کچھ چھوڑا یعنی ترکِ وطن کیا اور سارا مال دین پر قربان کیا اور اہل و عیال چھوڑے تاکہ اللہ، اس کا رسول اور اہل بیت رسول راضی ہوں یعنی اگر اہل بیت رسول ﷺ ناراض ہوں تو اللہ و رسول کیسے راضی رہ سکتے ہیں۔ تو سیدہ خاتون جنت مطمئن ہو گئیں۔

بعض اہل علم سیدہ خاتون جنت کی وقتی ناراضگی کا یہ معنی کرتے ہیں کہ جناب سیدہ تولیّت صدقاتِ رسول کا مطالبہ رکھتی تھیں۔یعنی وہ چاہتی تھیں کہ فدک، اموالِ بنی نضیر اور خمس خیبر جو رسول اللہ ﷺ کی تولیت میں تھے۔وہ آپ کے بعد آپ کے اہل بیت کی تولیت میں دیدیے جائیں مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ یہ املاک سرکاری تحویل ہی میں رہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ عرصہ بعد کوئی شخص اسے میراث تصور کرلے، تاہم حدیث کے الفاظ اس تاویل کی تائید نہیں کرتے جو بھی معنی ہو، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول ﷺ پر عمل کیا۔اور یہ ناممکن ہے کہ حدیث نبوی پر عمل کرنے کے باعث سیدہ خاتون جنت ابوبکر صدیق سے اس قدر ناراض ہوں کہ انہیں جنازہ میں شرکت سے بھی روک دیں جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ۔

کسی مومن مرد کے لیے جائز ہے نہ کسی مومنہ عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لیے ان کے معاملہ میں کوئی اختیار باقی ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔(سورہ احزاب آیت 36)

یونہی رب العالمین نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

تو اے رسول کریم ﷺ! مجھے قسم ہے آپ کا رب ہونے کی، لوگ مومن نہیں ہو سکتے تا آنکہ وہ آپ کا فیصلہ قبول کریں ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو، پھر وہ آپ کے کیئے ہوئے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی کھٹکا محسوس نہ کریں اور یوں مانیں جیسے ماننا چاہیے۔(سورہ نسآء آیت 65)

جب ہر مومن پہ لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر فیصلہ کو دل و جان سے قبول کرے اور اس کے بارے میں اپنے دل میں ہرگز کوئی کھٹکا نہ لائے تو آپ کی لخت جگر حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ پر نازل ہونے والے قرآن پر سب امت سے بڑھ کر عمل کرنے والی ہیں بلکہ وہ ساری امت کے لیے نمونہ ہیں۔اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان پر حدیث رسول پیش کی ہو تو وہ ناراض ہو جائیں حتیٰ کہ جنازہ تک میں نہ آنے دیں۔

بعض روایات کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی سیدہ خاتون جنت کا جنازہ پڑھایا:

عَنِ الشَّعْبِی اَنَّ فاطمةَ لَمَّا مَاتَتْ دَفَنَهَا علیٌّ لیلاً وَ اَخَذَ بِضَبْعَی ابی بکرٍ فَقَدَّمَهٗ فی الصَّلوٰةِ علیها

حضرت شعبی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو حضرت مولا علی المرتضیٰ نے انہیں رات کو دفنایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو پکڑ کر انہیں سیدہ پر نماز پڑھانے کیلئے آگے کیا۔ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(کنزالعمال جلد 13 صفحہ 687 کتاب الفضائل باب فضائل فاطمہ رضی اللہ عنہا حدیث 37757 مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ نے اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

صلّٰی ابوبکرٍ الصدیقُ علی فاطمةَ بنتِ رسولِ الله ﷺ و کَبَّرَ علیها اربعاً۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان پر چار تکبیریں کہیں۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 24 ذکر بنات الرسول ﷺ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ ابوبکر صدیق ہی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائیں کیونکہ وہ اس وقت امیر المؤمنین تھے اور جب حاکم اعلیٰ موجود ہو تو وہی امامت کے لیے سب سے زیادہ حقدار ہے۔

کتب اہل سنت اور کتب اہل تشیع اس پر متفق ہیں، فقہ حنفی کی متداول درسی کتاب نورالایضاح میں ہے السلطانُ احقُّ بصلوٰتِهٖ ثم نائبه میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے حق دار سلطان ہے پھر اس کا نائب

(نورالایضاح کتاب الصلوٰۃ باب احکام الجنائز مع مراقی فلاح صفحہ 322 مطبوعہ قدیمہ کتب خانہ کراچی)

جبکہ فروع کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اذا حَضَرَ الامامُ الجنازةَ فَهُوَ احقُّ النّاسِ بالصلوٰةِ علیها جب حاکم اعلیٰ جنازہ پر موجود ہو تو وہی جنازہ پر نماز پڑھانے کا سب لوگوں سے زیادہ حقدار ہے۔ (فروع کافی کتاب الجنائز باب من اولی الناس بالصلوٰۃ علی المیت جلد 3 صفحہ 177 مطبوعہ تہران ایران)

جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنازہ کے وقت موجود تھے اور وہی سب سے بڑھ کر حقدار امامت تھے تو انکا نماز جنازہ پڑھانا قابل فہم ہے۔

شیعہ مورخ علامہ علی بن عیسیٰ اربلی لکھتا ہے کہ جب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حاکم مدینہ سعید بن العاص کو نماز جنازہ پڑھانے کیلئے آگے کیا اور کہا لَوْلَا اَنَّهَا سُنَّةٌ مَا قَدَّمْتُكَ اگر یہ

سنت نہ ہوتی (کہ حاکم ہی نماز جنازہ پڑھائے) تو میں تمہیں آگے نہ کرتا

(کشف الغمہ جلد اوّل صفحہ 587 شہادت حسن رضی اللہ عنہ مطبوعہ تبریز)

ابو الفرج اصفہانی نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔ (مقاتل الطالبین صفحہ 76 ذکر حسین بن علی مطبوعہ بیروت)

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ بلا اختلاف سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نماز پنجگانہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھتے تھے، اہل تشیع تاویل کرتے ہیں کہ وہ بطور تقیہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب وہ فرض عین میں ان کی اقتداء کرتے تھے تو فرض کفایہ میں انہیں کیسے پیچھے کرنے والے تھے۔

اگر سوال کیا جائے کہ بخاری و مسلم کے الفاظ یہ ہیں دَفَنَہا زوجھا علیٌّ بن ابی طالب لیلاً ولم یُؤذِنْ ابابکرٍ۔ حضرت فاطمہ زہراء کے شوہر مولیٰ علی ابن ابی طالب نے انہیں رات کو دفن کیا اور ابو بکر صدیق کو مطلع نہ کیا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کے ان کو مطلع نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ انہیں کسی نے بھی مطلع نہ کیا، انہیں مطلع کرنے کیلئے ان کی بیوی اور سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی وفادار خادمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کافی تھیں جیسا کہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں اور اگر حضرت علی المرتضیٰ نے سیدنا صدیق اکبر کو مطلع نہیں کیا تو اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ ان سے کوئی اختلاف رکھتے تھے بلکہ اس لیے کہ سیدہ خاتون جنت کی خواہش تھی کہ ان کے جنازہ کی تشہیر نہ ہو اور وہ عام لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بنیں۔

باب چہارم

مناقب حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ

فصل اول:

آپ کے مختصر احوال زندگی

آپ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پر جو کچھ صاحب استیعاب علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے وہ جامع و مانع ہے اگرچہ اس کے بعض حصوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس جگہ اسی کا خلاصہ ذکر کر رہے ہیں۔ جن مقامات پر ہمیں اختلافات ہو گا ان پر بعد میں وضاحت لکھ دی جائے گی۔ ان شآء اللہ!

ولادت

آپ ہجری 3 میں نصف رمضان کو پیدا ہوئے یہی روایت صحیح ترین ہے۔ آپ کی ولادت کے ساتویں روز رسول اکرم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے عقیقہ میں دنبہ ذبح فرمایا: سر منڈوایا اور بالوں کا چاندی سے وزن کر کے وہ چاندی آپ ﷺ کے حکم سے صدقہ کی گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو نبی اکرم ﷺ تشریف لائے فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا: حَرَب (جنگجو) فرمایا: بَلْ هُوَ حَسَن نہیں اس کا نام حسن ہے۔ جب حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو فرمایا تم نے کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا حَرَب فرمایا نہیں اس کا نام حسین (رضی اللہ عنہ) ہے۔ پھر جب تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو بھی آپ ﷺ نے تشریف لا کر یہی پوچھا میں نے پھر حَرَب نام بتایا آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس کا نام محسن ہے۔ اسد الغابہ میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا کہ میں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں شبر، شبیر اور مشبر کے ناموں پر یہ نام رکھے ہیں (یعنی حسن، حسین اور محسن)

آپ سے رسول کریم ﷺ کو والہانہ پیار تھا آپ کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اُخروی فائدے کے لئے دنیوی حکومت ترک کر دی اور فرمایا جب سے میں نے نفع و نقصان کی سوجھ بوجھ حاصل کی ہے مجھے یہ بات کبھی اچھی نہیں لگی کہ کسی ایک

شخص کا خون کر کے امت محمدیہ پر حکومت حاصل کروں۔
آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گرد محاصرہ کے ایام میں ان کی سب سے زیادہ مدد کی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت

جب آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید کر دیئے گئے تو چالیس ہزار افراد نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی انہی چالیس ہزار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ان کی شہادت سے قبل بیعت کی تھی اور ان سے بڑھ کر وہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے محبت واطاعت کرنے والے تھے اس کے بعد آپ تقریباً چھ ماہ اور چند دن عراق میں بطور خلیفۃ المسلمین رہے۔ عراق، حجاز اور خراسان یہ سب علاقہ آپ کے زیر نگیں تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلہ میں نکلے، (کوفہ کے قریب) مقام مسکن پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے اندازہ کیا کہ کوئی لشکر دوسرے پر اس وقت تک غالب نہیں آسکتا جب تک اس کی اکثریت کو تہ تیغ نہ کر ڈالے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ رضی اللہ عنہ انہیں حکومت سپرد کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ حجاز وعراق کے کسی شخص سے کوئی ایسی چیز نہیں مانگیں گے جو اس کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہے (یعنی اہل حجاز وعراق کو جان ومال کا تحفظ ملے گا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کمال خوشی سے جواب دیا کہ درست ہے البتہ دس آدمیوں کو معافی نہیں دی جائے گی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے دوبارہ انہیں خط دیا کہ ہر شخص کو تحفظ دینا ہوگا تو انہوں نے کہا کہ میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ قیس بن سعد کی زبان اور ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے پھر خط لکھا کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ قیس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے تو میں آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کروں گا۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ بھیجا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس پر جو چاہیں لکھ دیں مجھے منظور ہوگا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے تب صلح قبول کر لی اور شرط رکھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اگر آپ رضی اللہ عنہ زندہ ہوئے تو خلافت آپ رضی اللہ عنہ کو لوٹا دی جائے گی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط قبول کر لی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اب اہل کوفہ کی شرکت ختم ہوگئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ چالیس ہزار افراد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی (اور انہیں چالیس ہزار نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت کی) قسم بخدا یہ اس وقت تک قتل نہ ہونگے جب تک اتنی تعداد میں اہل اسلام قتل نہ ہو جائیں۔ پھر ان کے بعد زندگی میں کچھ خیر نہ رہے گی۔

آپ رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنا

ابن سوذب کہتے ہیں شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ اہل حجاز وعراق کے ساتھ لڑائی کے لئے نکلے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کے ساتھ۔ دونوں کا سامنا ہوا امام حسن رضی اللہ عنہ نے قتال پسند نہ کیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس شرط

پر بیعت قبول کرلی کہ ان کے وصال کے بعد خلافت آپ کو لوٹا دی جائے گی تو آپ کے ساتھیوں نے سخت برا منایا اور کہا یا عار المومنین اے مومنوں کے لئے وجہ شرمندگی (معاذ اللہ) آپ نے فرمایا: العار خیر من النار عار نار سے بہتر ہے۔

ابو عریف کہتے ہیں میں لشکر امام حسن رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں تھا۔ ہم بارہ ہزار تھے ہماری تلواروں سے لڑائی کی حرص کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ہم اہل شام کو نگل جانے والے تھے اچانک ہمیں امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کی خبر ملی تو غم وغصہ سے ہماری کمر ٹوٹ گئی۔ جب صلح کے بعد آپ کوفہ آئے تو ایک بوڑھے شخص سفیان بن ابی لیلیٰ نے آپ سے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اے مومنوں کی تذلیل کرنے والے آپ پر سلام ہو (معاذ اللہ) آپ نے فرمایا میں مومنوں کو رسوا کرنے والا نہیں ان کی جان بچانے والا ہوں۔ مجھے حکومت کے لیے مومنوں کا قتل گوارا نہیں۔

شرجیل ابن سعد کہتے ہیں امام حسن رضی اللہ عنہ نے آٹھ ماہ حکومت کی۔ پھر 40ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے لوگوں کو حج کروایا (امیر الحجاج بنے حالانکہ حجاز پر امام حسن کی حکومت تھی اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) امام حسن رضی اللہ عنہ نے 41ھ جمادی الاول کے نصف میں امیر معاویہ کو حکومت سپرد کی۔

شعبی کہتے ہیں جب امام حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح ہوئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ اٹھ کر خطبہ دیں اور سارا ماجرا لوگوں کا بتائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا اللہ کے لیے حمد ہے جس نے تمہارے پہلے لوگوں کو ہم اہل بیت کے ذریعے ہدایت دی اور تمہارے پچھلے لوگوں کو ہمارے ذریعے ہلاکت سے بچایا۔ یاد رکھو تم میں سے دانا وہ ہے جو متقی ہے اور سب سے عاجز وہ ہے جو فاسق ہے یہ حکومت جس میں میں نے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا میں اس کا زیادہ حق دار ہوں یا معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ حق دار ہے۔ ہم نے یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے ہمیں امت محمدیہ کا خون زیادہ عزیز ہے پھر آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کر کے فرمایا: وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کیا خبر یہ معاملہ تمہارے لیے آزمائش اور چند دن کی عیش ہو یہ کہہ کر آپ منبر سے اتر آئے۔

حسنین کریمین کا حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا:

کتب شیعہ میں صراحت سے ملتا ہے کہ جب مصالحت ہوئی اور امام حسن نے کار خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کیا تو باقاعدہ شام گئے حضرت امام حسین کو بھی ساتھ لے گئے اور دونوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مشہور شیعہ محقق ماہر فن اسماء رجال شیخ محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی متوفی 368ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: امیر معاویہ نے حسن بن علی صلوات اللہ علیہما کو خط لکھا کہ آپ خود آ جائیں، حضرت حسین آ جائیں اور چند اصحاب علی المرتضیٰ آ جائیں۔ چنانچہ حسنین کریمین، قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کو لیکر شام آ گئے۔ حضرت معاویہ نے انہیں پاس بلایا،

ان کے لیے خطباء مقرر کیے۔ پھر کہا:

يا حَسَنُ قُمْ فَبَايِع. فَقَامَ فَبَايَعَ ثم قال للحُسينِ عليه السلام قُم فَبَايِعْ . فَقَامَ فَبَايَعَ ثم قال قُم يا قَيْسُ فَبَايِعْ، فَالْتَفَتَ الى الحسينِ عليه السلام يَنْظُرُ ما يأمُره فقال: يا قيس انه امامي يعني الحسن عليه السلام۔

اے حسن! اٹھیں بیعت کریں۔ وہ اٹھے اور بیعت کی، پھر انہوں نے کہا، اے حسین (علیہ السلام) اٹھیں بیعت کیجئے، وہ اٹھے اور بیعت کی، پھر انہوں نے کہا اے قیس! اٹھو بیعت کرو، قیس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھا کہ آپ کیا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا وہ میرے امام ہیں۔ یعنی حضرت حسن (جب انہوں نے بیعت کر لی ہے تو ہمیں بھی بیعت کرنی چاہیے۔)

(رجال کشی صفحہ 134 ذکر قیس بن سعد بن عبادہ روایت 176۔ مطبوعہ مکتبہ العلامۃ المصطفوی القاھرۃ مصر۔ لندن انگلینڈ)

شیعہ محقق شیخ ابو الحسن علی بن عیسیٰ اربلی متوفی 493ھ لکھتا ہے کہ مصالحت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے التماس کی کہ آپ اٹھ کر لوگوں کو آگاہ کریں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا۔ فرمایا اے لوگو! تم نے میری بیعت اس بات پر کی تھی کہ جس سے میں صلح کروں اس سے تم صلح کرو جس سے میں جنگ کروں اس سے تم جنگ کرو۔ آگے فرمایا:

فَرأيتُ اَنْ اُسالِمَ مَعاويةَ وَاَضَعَ الحربَ بيني و بينه و قد بَايَعْتُهٗ و رأيتُ حقن الدِماء خيراً من سفكها۔

میں نے یہی بہتر جانا کہ امیر معاویہ سے صلح کر لوں اور باہمی جنگ ختم کروں، تو میں نے ان کی بیعت کر لی ہے اور یہی سمجھا ہے کہ خون کا بچانا اس کے بہانے سے بہتر ہے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 2 صفحہ 141 ذکر الامام الثانی الحسن التقی مطبوعہ منشورات الفجر بیروت)

یہ بیعتِ خلافت تھی۔ اس دور میں کسی کی خلافت واطاعت کے قبول کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جائے۔ چنانچہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے صحابی رسول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ان کی خلافت کو تسلیم کیا پھر زندگی بھر ان سے وفاداری نبھائی اور انہوں نے بھی شہزادگان کی عزت وحرمت کا ہمیشہ خیال رکھا، آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ دوسری طرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جان دیدی مگر فاسق وفاجر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا۔ مگر یہاں دونوں شہزادے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے رہے اور وفاداری نبھا رہے ہیں گویا وہ انہیں فاسق وفاجر نہیں صالح ومتقی اور اہل خلافت سمجھتے ہیں، پھر جو شخص انہیں فاسق سمجھتا ہو خود فاسق ہے خواہ خود کو سنی کہلائے یا شیعہ، وہ بہر حال اہل بیت کے راستہ سے ہٹ گیا ہے۔

آپ کا وصال

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کب ہوئی اس میں اختلاف ہے 50 یا 51 ہجری میں، بہر حال آپ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں واصل بحق ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ سعید بن العاص نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ خود امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں امامت کی اجازت دی اور فرمایا اگر یہ سنت نہ ہوتی (کہ حاکم ہی جنازہ پڑھاتا) تو میں تجھے آگے نہ بڑھنے دیتا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو ان کے حجرہ میں رسول اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے، کیونکہ خود امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں حضرت ام المومنین سے اس کا سوال کیا تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد مروان اور دیگر بنوامیہ نے ایسا نہ کرنے دیا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے جبکہ آپ اپنی موت وحیات کی جنگ لڑ رہے تھے آپ نے فرمایا اے میرے بھائی مجھے تین بار زہر دیا گیا مگر جتنا تیز زہر اب دیا گیا اتنا تیز زہر پہلے کبھی نہیں دیا گیا تھا۔ میرا جگر کٹ کر نکل رہا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ فرمایا کیا تم انہیں قتل کرو گے؟ پھر فرمایا نہیں میں انہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والا ایک شخص نہیں ایک سے زائد لوگ تھے ممکن ہے بنوامیہ کے بعض بدبخت ہوں جنہوں نے محض اپنی شقاوت قلبی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنی مرضی سے آپ کو زہر دیا ہو، تاکہ آئندہ ان کے خاندان کو کوئی مشکل نہ رہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کوفیوں نے آپ کو زہر دیا ہو جن کو یہ شدید صدمہ تھا کہ آپ نے حکومت امیر معاویہ کے سپرد کیوں کر دی) شہادت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر چھیالیس برس تھی۔

آپ کی تدفین

متعدد طرق سے یہ روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بھائی جب رسول اللہ ﷺ نے وصال فرمایا تو والدِ گرامی رضی اللہ عنہ نے حکومت کی خواہش کی مگر اللہ نے اسے آپ سے دور کر دیا۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے پھر اس کی خواہش کی مگر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصال کے وقت چھ رکنی کمیٹی بنا دی اور انہیں اس میں شامل کیا۔ تب انہیں یقین تھا کہ خلافت انہیں کو ملے گی مگر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملی۔ حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ان کی بیعت کی گئی مگر اس کے بعد اس سے خلافت میں تنازع شروع ہو گیا۔ انہوں نے تلوار چلائی مگر وہ اطمینان سے خلافت نہ کر سکے، خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ ہم اہل بیت میں نبوت اور خلافت دونوں جمع ہوں گی (یعنی ہم خاندان نبوت ہیں۔ ہمارے لئے یہی بڑا اعزاز ہے

خلافت ہمیں ملتی نظر نہیں آتی نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے) مجھے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ جاہلانِ اہل کوفہ تمہیں پھسلائیں اور تمہیں (طلب خلافت کے لئے) گھر سے نکالیں۔ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر فوت ہو جاؤں تو ان کے حجرے میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ دفن کیا جاؤں انہوں نے مجھے ہاں کہہ دیا تھا۔ شاید حیا کے مارے کہہ دیا ہو۔ جب میں فوت ہو جاؤں تو تم ان سے دوبارہ یہ مطالبہ کرنا اگر وہ خوشی سے مان جائیں تو بہتر ہے مگر میرا خیال ہے کہ لوگ تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان سے جھگڑا نہ کرنا اور مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا جو لوگ وہاں مدفون ہیں ان کی زندگی نمونہ ہے

آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے یہی مطالبہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: **نعم و کرامۃ** ہاں بڑی کرامت کیساتھ۔ مروان کو پتہ چلا تو اس نے کہا کہ تم سب جھوٹ کہتے ہو بخدا وہ وہاں دفن نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہ ہونے دیا اور اب حسن رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اسلحہ اٹھالیا مروان نے بھی لڑائی کی تیاری کر لی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہنے لگے۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے نہیں دیا جا رہا؟ خدا کی قسم وہ رسول پاک ﷺ کے بیٹے ہیں۔ پھر وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور قسم دلا کر کہا کہ کیا آپ کے بھائی نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ لڑائی کا ڈر ہو تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ آخر وہ راضی ہو گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کا جنازہ جنت البقیع لے جایا گیا۔ بنوامیہ میں سے آپ کے جنازہ میں سعید بن العاص کے سوا کوئی شامل نہ ہوا۔ وہ اس وقت حاکم مدینہ تھے۔ انہیں خود امام حسین رضی اللہ عنہ نے آگے کیا اور فرمایا یہی سنت ہے۔ اس کے بعد آپ کو اپنی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔
(الاستیعاب جلد اوّل صفحہ 329، 378 علیٰ حاشیہ الاصابہ مطبوعہ دار صادر بیروت)

آپ رضی اللہ عنہ کو زہر کس نے دیا تھا

یہ بات آج تک معمہ ہے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ کی بیوی (جعدہ بنت اشعث) نے زہر دیا تھا مگر اس نے خود دیا یا کسی کے کہنے پر دیا کچھ پتہ نہیں۔ آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے بتایا نہیں۔ مگر اب کچھ ناہنجار و بداطوار لوگ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں مگر ان کے پاس کچھ دلیل نہیں ہے۔ یہ کہہ دینا کہ فلاں فلاں کتاب میں لکھا ہے قتادہ نے کہا یا فلاں نے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دیا ہے۔ سخت بے اصل و بے بنیاد دلیل ہے۔ اولاً ایسی روایتوں کا کوئی سر و پا نہیں ان کی کوئی سند نہیں، ہوائی بات ہے، ثانیاً عقلاً بھی ان کی کچھ حیثیت نہیں۔ جب خود امام حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھے جانے کے باوجود کچھ نہیں بتایا تو قتادہ یا کسی اور کو کس نے بتا دیا؟ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں بعض نے روایت کیا کہ یزید بن معاویہ نے آپ کو زہر دلوایا مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں، **وعدم صحته عن ابیه معاویه**

بطریقِ اولیٰ اور اس کے باپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس امر کی عدم صحت زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مدینہ طیبہ میں زہر خورانی سے وصال فرمایا، ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے انہیں زہر دیا، یزید بن معاویہ نے اسے اس کام پہ خفیہ طور پر ابھارا اور اسے وعدہ دیا کہ اگر وہ آپ کو زہر سے قتل کر دے تو وہ اس سے نکاح کر لے گا۔ اس نے آپ کو زہر دیدیا، جب امام عالی مقام امام حسن رضی اللہ عنہ زہر سے شہید ہو گئے تو جعدہ نے یزید کو خط لکھا کہ وہ وعدہ پورا کرتے ہوئے اس سے نکاح کرے اس نے کہا: ہم اس پہ راضی نہ تھے کہ تو حسن (رضی اللہ عنہ) کی بیوی ہو تو ہم تجھے اپنی بیوی بنانے پر کیسے راضی ہو نگے؟

آپ کا وصال ربیع الاوّل سن ۵۰ ہجری میں ہوا ایک روایت میں ۵۱ ہجری میں ہوا۔ آپ کے بھائی امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا کہ آپ بتائیں آپ کو کس نے زہر کھلایا ہے؟ مگر آپ نے کچھ نہ بتایا اور فرمایا اگر میرا قاتل وہ ہے جس کے بارے میں میرا گمان ہے تو اللہ اس سے بہتر انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو میرے بدلے کسی بے گناہ کو کیوں قتل کیا جائے؟ (تاریخ الخلفاء لسیوطی، ذکر الحسن بن علی بن ابی طالب صفحہ 144، مطبوعہ دار المنار، قاہرہ مصر)

اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کوئی تعلق نہیں۔ علامہ ابن خلدون متوفی 808ھ نے خوب کہا:

وما يُنْقَلُ مِن اَنَّ معاويةَ دَسَّ اليه السُمَّ مع زوجته جعدة بنتِ الاشعثِ فهو من اَحاديث الشيعةِ وحاشا معاوية من ذلك

جو نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ساتھ مل کر سازش کی اور آپ کو زہر دیا تو یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی بات ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کر سکتے۔
(تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 968 ذکر بیعۃ الحسن متوفی دار ابن حزم بیروت)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول ﷺ ہیں ہر صحابی عادل ہے ان میں سے کوئی فاسق و فاجر نہیں سب اہل جنت ہیں، لہٰذا کوئی صحابی نواسۂ رسول ﷺ کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا، نہ ہی کوئی مومن کسی صحابی کے بارے میں ایسی بری رائے رکھ سکتا ہے کہ اس نے ایسا کیا ہوگا۔

امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وفاداری بشرط استواری:

ماہ رمضان سن ہجری 41 میں سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا، ان کی جگہ پر سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک خلافت سنبھالی۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت ان کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد

آپ قریباًدس برس دنیا میں رہے، سن ہجری 51 میں آپ کا وصال ہوا، ان دس برسوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا باہمی تعلق اخلاص، محبت اور وفاداری پہ مشتمل تھا۔ کبھی آپ کو ان سے کوئی شکایت ہوئی نہ ان کو آپ سے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ آتا تھا، اتنا ہی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت پہنچتا تھا۔ کچھ شرپسندوں نے آپ کو امیر معاویہ کے خلاف خروج پر اکسانے کی کوشش کی مگر آپ نے انہیں سختی سے ڈانٹ دیا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے دونوں بھائیوں کی ایک رائے تھی۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ تاریخ الخلفاء میں فرماتے ہیں ابن عساکر اور بیہقی نے ابو المنذر ہشام بن محمد بن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ایک بار سخت مالی مشکل سے دوچار ہوئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے انہیں ہر سال ایک لاکھ درہم وظیفہ آتا تھا، ایک بار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وظیفہ کے بھیجنے میں تاخیر کر دی، جس کی وجہ سے آپ مشکل میں پڑ گئے (دراصل آپ قرض اٹھا کر بھی فقراء کی مدد کرتے تھے اس لیے مقروض ہو جاتے تھے) آپ فرماتے ہیں: میں نے قلم دوات منگائی تا کہ حضرت معاویہ کو یاد دہانی کراؤں۔ پھر میں رُک گیا۔ تب میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا اے حسن بیٹا کیسے ہو؟ میں نے کہا ابا جان خیر سے ہوں، پھر میں نے آپ سے وظیفہ کے مؤخر ہونے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: کیا تم نے قلم دوات منگائی تھی تا کہ تم اس کو یاد دہانی کراؤ جو تمہاری ہی طرح مخلوق ہے۔ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! مگر میں کیا کروں؟ آپ نے مجھے ایک دعا سکھائی کہ اسے پڑھو، کہتے ہیں میں نے ابھی ایک ہفتہ ہی وہ دعا پڑھی تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے ساڑھے دس لاکھ دراہم بھیج دیے۔ (یعنی ساڑھے نو لاکھ دراہم مزید ارسال کر دیے) میں نے کہا اللہ کی حمد ہے جو اپنے یاد کرنے والوں کو بھولتا نہیں، اور اسے پکارنے والا نامراد نہیں رہتا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، فرمایا اے حسن کیسے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خیر سے ہوں، پھر میں نے اپنی ساری بات بتائی، آپ نے فرمایا جو شخص اللہ پہ بھروسہ کرے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

(تاریخ الخلفاء ذکر حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما صفحہ 145 مطبوعہ دار المنار قاہرہ مصر)

یہی واقعہ امام ابن کثیر نے کچھ اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں، جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے خون محفوظ رکھنے کیلئے خلافت چھوڑ دی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں ہر سال ایک بڑا وظیفہ بھیجا کرتے تھے۔ ہر سال ایک لاکھ مقرر تھا مگر بسا اوقات چار لاکھ تک بھی بھیج دیتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ سال گزر گیا مگر وظیفہ نہ آیا۔ امام حسن کو حاجات درپیش تھیں آپ سب لوگوں سے زیادہ کریم تھے (حاجت مندوں کو دیتے تھے) آپ نے امیر معاویہ کو خط لکھنا چاہا تا کہ وہ آپ کا وظیفہ بھیجیں۔ اسی رات خواب میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا اے میرے بیٹے! کیا تم اپنی حاجت مخلوق کو لکھ کر بھیجنا چاہتے ہو، آپ نے انہیں ایک دعا سکھائی، امام حسن نے خط لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا امیر معاویہ نے خود انہیں یاد کیا اور کہا کہ حضرت حسن کو دو لاکھ بھیجے جائیں، شائد وہ ہم سے ناراض ہو نگے۔ ان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا۔ اسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 38 سن 49 مع مطبوعہ دارالریان بیروت)

سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارسال کردہ سالانہ وظائف کا قبول فرمانا شیعہ مؤرخین نے بھی لکھا ہے۔ چنانچہ محرر مذہب شیعہ ملا باقر مجلسی چہاردہ معصوم میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی کرامات کے ضمن میں لکھتا ہے:

قطب راوندی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ ایک دن امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے فرمایا: جائزہ ہائے معاویہ در روز اول ماہ بشما خواہد رسید، حضرت معاویہ کے وظائف اگلے ماہ کے پہلے دن تم تک پہنچ جائیں گے امام حسن پر بہت سا قرض تھا۔ جب آپ کا وظیفہ آیا تو آپ نے پہلے اپنا قرض ادا کیا، باقی کو اپنے اہل وعیال اور دوستوں میں تقسیم کیا، امام حسین رضی اللہ عنہ بھی مقروض تھے انہوں نے بھی اپنے وظیفہ کے تین حصے کیے۔ ایک حصہ اپنے اہل بیت اور دوستوں کو دیا اور دو حصے حاجت مندوں میں بانٹ دیے اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے بھی پہلے اپنا قرض اتارا باقی کو امیر معاویہ کے پیام بر کو دیدیا تا کہ امیر معاویہ خوش ہوں جب انہیں پتہ چلا تو انہوں نے عبداللہ بن جعفر کو مزید مال بھیج دیا۔ (چہاردہ معصوم باب چہارم تذکرۂ امام حسن مجتبیٰ معجزات امام حسن صفحہ 418 مطبوعہ انتشارات سرور قم عراق)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حسنین کریمین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنھم کے مابین اخلاص، اعتماد، اور وفاداری بشرط استواری پہ مبنی مراسم وتعلقات تھے۔

ایک بحث:

کیا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جنازۂ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ پر تیر برسوائے تھے:

اہل تشیع کی اکثر کتب سیرت و امامت میں لکھا ہوا ہے کہ جب حضرت امام حسن مجتبیٰ کا وصال ہوا تو بنو ہاشم نے انہیں روضۂ رسول ﷺ میں دفن کرنا چاہا، بنو امیہ نے اس کی مزاحمت کی حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) بنو امیہ کی حمایت میں خچر پہ بیٹھ کر آ گئیں اور کہنے لگیں کیا میرے حُجرے میں میری اجازت کے بغیر اسے داخل کرو گے جسے میں پسند نہیں رکھتی؟ پھر حضرت عائشہ کے حکم سے ان کے جنازہ پر تیر برسائے گئے، کئی تیر خود جنازہ کو آ کر لگے، آخر بنو ہاشم نے حضرت امام حسن کو

جنت البقیع میں دفن کر دیا۔ اس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے غصہ سے کہا۔ واسوأتاہ! یوماً علی بغل و یوماً علی جمل تریدین ان تطفئی نور اللہ و تقاتلی اولیاء اللہ

ہائے بربادی! کبھی تم خچر پہ سوار ہو کر آ جاتی ہو کبھی اونٹ پر؟ کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ کے نور کو بجھا دو اور اللہ کے دوستوں سے جنگ کرو؟ اس کے بعد امام حسن کو جنت البقیع میں دفنا دیا گیا۔

(الارشاد للشیخ المفید تاریخ السبط المجتبیٰ صفحہ 359، 360 مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

آج شیعہ لوگ ایک خیالی تصویر اپنی کتب میں چھاپتے ہیں جس میں جنازہ پر تیر برس رہے ہیں اور کچھ جنازہ میں پیوست ہیں، یہ اس من گھڑت واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس غلیظ، مکروہ اور بے حد بدبودار بہتان کے گھڑنے والے شخص پر اللہ تعالیٰ کی کروڑ کروڑ لعنت ہے۔ اللہ فرماتا ہے فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ہمیں جھوٹے لوگوں پر اللہ کی لعنت کرنی چاہیے۔

امام ابن کثیر نے البدایہ میں واقدی کی روایت سے لکھا ہے کہ ابوعتیق کہتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے فرمایا: حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو وصیت کی تھی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ اور اگر ڈر ہو کہ اس کی وجہ سے لڑائی یا فتنہ ہوگا تو انہیں بقیع میں دفنا دیا جائے۔ مروان بن حکم نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا، وہ ان دنوں امارت سے معزول تھا اور وہ اپنے خیال میں امیر معاویہ کو خوش کرنا چاہتا تھا اور وہ ذاتی طور پر بنو ہاشم کا مرتے دم تک دشمن رہا۔ (علیہ مایستحقہ) حضرت جابر فرماتے ہیں میں نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے بات کی۔ میں نے کہا اے ابوعبداللہ آپ ایسا نہ کریں اس سے فتنہ ہوگا آپ کے مرحوم بھائی فتنہ سے بہت بھاگتے تھے، انہیں ان کی والدہ کے پہلو میں بقیع میں دفن کر دیں۔ (تو انہوں نے مان لیا۔)

واقدی نے مزید لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضرت امام حسن نے وصال سے قبل جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ وہ روضہ رسول اللہ ﷺ میں دفن ہونا چاہتے ہیں، فَاَذِنَتْ لَہٗ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اجازت دیدی۔ جب ان کا وصال ہوا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسلحہ پہن لیا، ادھر بنو امیہ نے بھی اسلحہ پہن لیا وہ کہنے لگے ہم حسن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن نہیں ہونے دیں گے۔ کیا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کو بقیع میں دفنایا جائے اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو حجرہ رسول (ﷺ) میں؟ جب لوگوں کو فتنہ کے پیدا ہونے کا ڈر ہوا تو سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم (جیسے کبار صحابہ کرام) نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ لڑائی نہ کریں، انہوں نے بات مان لی اور اپنے بھائی کو ان کی والدہ (ماجدہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا) کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کر دیا۔ سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ ابوحازم نے کہا میں نے دیکھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ

نے حاکم مدینہ سعید بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو اس دن آگے کیا اور انہوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا، امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا لو لا انّھا سنۃٌ ما قدّمتُہ' اگر یہ سنت نہ ہوتی (کہ حاکم ہی جنازہ پڑھائے) تو میں سعید بن عاص کو آگے نہ کرتا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 45۔46 ذکر سن 49 ہجری مطبوعہ دار الریان بیروت)

یاد رہے یہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ اگرچہ وہ بھی بنو امیہ میں سے تھے۔ ان کا نسب یہ ہے سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف مگر صحبت رسول ﷺ نے سب صحابہ کرام کو ایسے پاک کر دیا تھا کہ سبحان اللہ، ان کا والد عاص بن سعید بن عاص بدر میں کفار کے ساتھ مارا گیا تھا۔ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے بدر میں اپنے سگے ماموں عاص بن ہاشم کو مار دیا تھا مگر تمہارے باپ عاص بن سعید کو نہ مارا۔ (اسے مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مارا تھا) حضرت سعید کہنے لگے: وَلَوْ قَتَلْتَہٗ، کُنْتَ علی الحق

اگر آپ میرے باپ کو اس وقت قتل کرتے تو آپ حق پر ہوتے کیونکہ وہ باطل پر تھا۔ حضرت عمر کو ان کی اس بات سے بہت تعجب ہوا (کہ ان کا ایمان کس قدر پختہ ہے) (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 2 صفحہ 481 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بہر حال یہ اصل واقعہ ہے سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے جنازہ اور ان کی تدفین کا۔ اس میں سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر جنازۂ امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول میں دفن ہونے سے روکنے اور جنازہ پر تیر برسوانے کا تذکرہ کہاں ہے؟ بلکہ حضرت سیدہ نے تو بنو ہاشم کو اجازت دیدی کہ ٹھیک ہے، آپ کو روضۂ رسول ﷺ میں دفن کر دو۔ مگر بنو امیہ مانع ہوئے۔ یہی واقعہ امام ابن اثیر جزری متوفی 630ھ نے الکامل فی التاریخ میں لکھا ہے۔ اس میں بھی یہ صاف صراحت ہے۔

ووصّی ان یدفن مع النبی ﷺ الا اَن یُخاف فتنۃٌ فینقلَ الی مقابر المسلمین فاستأذن الحسین عائشۃَ فاذِنَت لہ۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو وصیت فرمائی کہ انہیں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ البتہ اگر فتنہ کا خوف ہو تو انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں لیجایا جائے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے (روضۂ رسول ﷺ میں تدفین کی) اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت دیدی۔ آگے لکھا ہے کہ جب وہ فوت ہو گئے تو بنو ہاشم نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفنانے کا ارادہ کیا حاکم مدینہ سعید بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔ مگر مروان بن حکم، دیگر بنو امیہ اور ان کے حامیوں نے اسکی مزاحمت کی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کرنا چاہا، انہیں کہا گیا کہ آپ کے بھائی نے کہا تھا: اگر تم فتنہ دیکھو تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دو، اور یہ بڑا فتنہ ہے، وہ

خاموش ہو گئے۔ تب سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے جنازہ پڑھایا اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں تمہیں آگے نہ کرتا۔ (الکامل فی التاریخ ذکر سن ہجری 49 جلد 3 صفحہ 315۔ 316 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدہ خاتون جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا جنازہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھایا تھا کیونکہ یہی سنت ہے۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تو صرف حاکم مدینہ تھے اور ابوبکر صدیق امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین خلیفۃ الرسول ﷺ تھے جب اہل بیتِ کرام نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو جنازہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے نہیں روکا تو وہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جنازہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے کیسے رد کنے والے تھے۔

اس الزام کی تردید کتب شیعہ سے:

علامہ ابو الفرج علی بن حسین اصفہانی متوفی 356ھ ایک شیعہ مؤرخ ہے۔ جس کی کتاب الاغانی بہت مشہور ہے، اس نے مقاتل الطالبین میں امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے وصال، جنازہ اور دفنانے کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن عبید اللہ بن علی و دیگر سے یہ روایت کیا ہے:

اِنَّ الحسنَ بنَ علیٍّ علیہ السلام اَرسَلَ الٰی عائشۃ اَنْ تَأْذَنَ لہ، ان یدفن مع رسول اللہ ﷺ فقالت نعم ما کان بَقِیَ الا موضِعُ قبرٍ واحدٍ

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) کو پیغام بھیجا کہ وہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیے جانے کی اجازت دیدیں۔ انہوں نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔ وہاں ایک ہی قبر کی جگہ باقی ہے۔
(مقاتل الطالبین صفحہ 43 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یاد رہے ابو الفرج اصفہانی کو امام ذہبی علیہ الرحمہ نے شیعہ لکھا ہے وہ کہتے ہیں ابو الفرج الاصفھانی صاحب الاغانی شیعیٌ ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی شیعہ ہے۔
(میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ 223 مطبوعہ مصر۔ لسان المیزان جلد 4 صفحہ 221)

اور خود شیعہ علماء بھی ابو الفرج اصفہانی کو شیعہ لکھتے ہیں:
چنانچہ شیعہ مؤرخ شیخ عباس قمی الکُنیٰ والالقاب میں لکھتا ہے

لکن الشیخ حسن بن علی الطبرسی قد صرّح فی آخر کتابہ اسرارِ الامامۃِ اَنّہ ای الراغِبَ کان من حکماءِ الشیعۃ الامامیۃِ

مگر شیخ حسن بن علی طبرسی نے اپنی کتاب اسرار الامامۃ کے آخر میں لکھا ہے کہ راغب اصفہانی علماء شیعہ امامیہ میں سے ہے۔ (الکُنیٰ والالقاب جلد 2 صفحہ 268، تذکرہ راغب اصفہانی مطبوعہ مکتبۃ الصدر تہران ایران)

اسی طرح شیعہ محقق شارح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے وفات سے قبل حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو پیغام بھیجا اور اجازت چاہی کہ انہیں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ فَقَالَتْ نَعَمْ: انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے مگر جب بنوامیہ نے سنا تو وہ بپھر گئے اور اسلحہ نکال لائے، بنوہاشم نے بھی اسلحہ نکال لیا۔ تب امام حسن نے فرمایا مجھے فتنہ نہیں چاہیے۔ مجھے میری والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفنا دو۔

(شرح ابن ابی الحدید علیٰ نہج البلاغہ جلد 4 صفحہ 17 فیما حدث بعد الصلح بین معاویہ والحسن مطبوعہ بیروت)

فصل دوم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل

قرآن اور سیدنا امام حسن:

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و عظمت پر قرآن کریم کی یہ آیات خوب دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ ۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اگر مومنوں میں سے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کراؤ، پھر اگر ان میں ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، تا آنکہ وہ حکم خداوندی کی طرف لوٹ آئے۔ اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرواؤ اور انصاف قائم کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف قائم کرنے والوں کو پسند رکھتا ہے۔ بے شک سب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(سورۃ الحجرات آیت 9_10)

ان آیات کے مطابق مسلمانوں کے دو متحارب گروہوں کے درمیان صلح کرانا حکم خداوندی ہے۔ اس پر جس طرح سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔ پوری تاریخ اسلام میں بلکہ شائد پوری تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہیں لائی

جا سکتی۔ اہل عراق اور اہل شام دو متحارب لشکر تھے ان دونوں کے درمیان خوفناک جنگ صفین ہو چکی تھی جس میں شامی لشکر کے پینتالیس ہزار (45000) اور عراقی لشکر کے پینتیس ہزار (35000) افراد قتل ہو گئے تھے۔ جو سب مسلمان تھے۔ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سب کے جنازے پڑھے۔ سب کے لیے دعائے رحمت فرمائی اور بعد میں اس وسیع پیمانے پر مسلمانوں کے خون کے بہہ جانے پر شدید دکھ کا اظہار بھی کیا۔ جب آپ کی شہادت ہوگئی تو اس کے بعد ان دونوں گروہوں کے درمیان پھر لڑائی کا ماحول پیدا ہو گیا آپ عراقی لشکر کے امیر اور مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے جانشین تھے۔ آپ جنگ کی طرف مائل نہیں تھے مگر عراقی لشکر قابو سے باہر تھا۔ ان میں قاتلان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی گھسا ہوا تھا جن کی وجہ سے جنگ جمل ہوئی اور جنگ صفین میں بھی زیادہ خونریزی انہی نے کی۔ یہ لوگ لڑائی سے ٹلنے والے نہ تھے ادھر شامی لشکر کی تلواروں سے بھی خون ٹپک رہا تھا۔ جبکہ ان کے امیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح کے خواہش مند تھے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ پہلے والی صورت حال دوبارہ پیدا ہو، امام حسن نے اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ سے کوچ کیا اور مدائن پہنچے۔ آپ نے وہاں صلح کے بارے میں خطبہ دیا عراقی لشکر نے بھانپ لیا کہ آپ قتال نہیں صلح کرنا چاہتے ہیں، تو آپ ہی کے لشکر کے ایک گروہ نے آپ کے خیمہ پر حملہ کر دیا۔ ایک بدبخت نے آپ کی ران میں نیزہ مار کر آپ کو زخمی کر دیا۔ دوسروں نے آپ کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا۔ (یقیناً یہ وہی قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے جنگ جمل سے قبل ہونے والی مصالحت کو ناکام بنایا اور رات کی تاریکی میں جنگ چھیڑ دی تھی ہم سارے واقعات پیچھے بتا آئے ہیں۔ اب بھی مصالحت کا سن کر یہ لوگ بپھر گئے۔ یہ لوگ عبداللہ بن سبا (خفیہ یہودی) کے تربیت یافتہ تھے، ان کے دلوں میں نہ صرف عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں شدید بغض تھا بلکہ وہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بھی برا کہتے تھے انہیں یہ سبق پڑھایا گیا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ منصوص من اللہ امام ہیں لوگوں نے ظلم کر کے ان کے خلافت و امامت سے محروم کیا، انہی لوگوں نے شیعہ عقائد کی بنیاد رکھی۔ ان میں سے اکثر کا تعلق کوفہ سے تھا کچھ بصرہ، مصر اور یمن سے بھی تھے، خود عبداللہ بن سبا یہودی یمن سے تھا۔)

یہ حالات دیکھ کر امام حسن رضی اللہ عنہ شدید دل گیر اور پریشان ہوئے آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ہم صلح کرنا چاہتے ہیں انہوں نے دو آدمی عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہما کو آپ کے پاس بھیجا، یہ دونوں صحابی ہیں چنانچہ شرائط صلح طے ہوئیں۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ آئے اور امام حسن رضی اللہ عنہ نے سارا نظام خلافت ان کے سپرد کر دیا اور خود اس سے الگ ہو گئے۔ یہ تمام تفصیلات البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 16۔ 20 اور الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 271۔ 274 میں موجود ہیں۔ یونہی تاریخ طبری جلد 3 ذکر سن 41 ہجری میں بھی یہ واقعات مذکور ہیں۔

تب امام حسن مجتبیٰ اپنے بھائی امام حسین اور چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ واپس مدینہ طیبہ آ گئے اور بقیہ زندگی یہیں گزاری اور یہیں وصال فرمایا، جس وقت آپ نے خلافت چھوڑی، حجاز، یمن، عراق، ایران، ترکی، مصر، آذربیجان و دیگر ممالک آپ کے زیرنگیں تھے، اگر آپ چاہتے تو ان ممالک سے بڑی فوج جمع کر کے اہل شام کے ساتھ گھمسان کی جنگ کرتے مگر آپ نے اپنی خلافت کی قربانی دے کر مسلمانوں کا خون بچالیا۔ آپ کا خلافت سنبھالنا اس قدر مبارک ہوا کہ اس کے بعد کسی سیاسی اختلاف کے باعث ایک مسلمان کا ایک قطرہ خون بھی نہیں بہا۔ جب آپ نے خلافت چھوڑی تو عراقی لشکر نے یعنی کوفیوں نے آپ سے کہا یا مُذِلَّ المسلمین اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے (معاذاللہ) آپ نے فرمایا ما انا بمذِلِّ المسلمین بل حَقَنْتُ دِمَآءَ المسلمینَ میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں میں مسلمانوں کے خون محفوظ کرنے والا ہوں۔ (البدایہ جلد 8 صفحہ 20)

اسی لیے ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ جب کوفیوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو ہزاروں خطوط بھیج کر بلایا تو صحابہ کرام نے ان سے کہا تھا آپ کوفیوں پہ مت بھروسہ کریں انہوں نے آپ کے والد گرامی مولا علی المرتضیٰ کو شہید اور آپ کے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تھا۔

کوفی شیعوں کا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو زخمی کرنا:

جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ سے صلح کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ کے لشکر میں گھسے ہوئے قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ یعنی سبائی لوگ بپھر گئے، ان کے دلوں میں خلفاء راشدین کے لیے بغض تھا وہ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو غاصب سمجھتے تھے۔ عبداللہ بن سبا یہودی کے ان پیروکاروں نے شیعہ مذہب کی بنیاد رکھی جیسا کہ الکامل میں علامہ ابن اثیر نے، البدایہ میں امام ابن کثیر نے اور امام ابن جریر نے اپنی تاریخ میں صراحت سے لکھا ہے۔ بلکہ کتب شیعہ میں بھی اس کے اشارے ملتے ہیں جیسے رجال کشی، فرق الشیعہ، ناسخ التواریخ وغیرہ۔ بہرحال یہ خونخوار لوگ امام حسن مجتبیٰ پر پل پڑے۔ شیعہ مورخ ابومنصور طبرسی کی زبانی سنیے، وہ کہتا ہے جب امام حسن کو مدائن شہر میں زخمی کر دیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اریٰ واللہ ان معاویۃ خیر لی من ھؤلاء یزعمون انھم لی شیعۃ ابتغوا قتلی وانتھبوا ثقلی واخذوا مالی واللہ لئن آخذ من معاویۃ عھداً احقن بہ دمی و اومن بہ فی اھلی خیر من ان یقتلونی فیضیع بیتی و اھلی

میں دیکھتا ہوں کہ واللہ! میرے لیے معاویہ ان لوگوں سے بہتر ہے یہ خود کو میرا شیعہ سمجھتے ہیں، انہوں نے مجھے مارنا چاہا، میرا اثاثہ لوٹ لیا اور میرا مال اٹھالیا، واللہ! اگر میں معاویہ سے معاہدہ کر کے اپنا خون بچالوں اور اپنے اہل وعیال کو

امن دیدوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں اور میرے اہل وعیال ضائع ہو جائیں۔
(احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 290 احتجاج الحسن علیہ السلام مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

آپ کی فضیلت میں احادیث نبویہ:

1۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لئے ارشاد فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہ اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 6256)

2۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں دن کے کسی پہر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ باہر نکلا آپ ﷺ مجھ سے بات نہیں کر رہے تھے نہ میں آپ ﷺ سے کوئی عرض کر رہا تھا، تا آنکہ سوق بنی قینقاع آگیا وہاں سے آپ ﷺ واپس لوٹے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور فرمایا کیا یہاں چھوٹا بالکا (پیارا بچہ) ہے؟ کیا یہاں چھوٹا بالکا ہے؟ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ ہم نے سوچا شاید ان کی والدہ انہیں تیار کر رہی ہیں تا کہ نہلا دھلا کر کپڑے پہنا کر بھیجیں اتنے میں حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آگئے۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں اور انہوں نے آپ ﷺ کو باہم چمٹا لیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہ واحب من یحبہٗ اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے محبت رکھے تو اس سے بھی محبت رکھ۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہ واحب من یحبہ

(صحیح کتاب البیوع باب 49، حدیث 2122 صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث 6257)

3۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو کندھے پر بٹھا رکھا تھا اور فرماتے تھے اے اللہ میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی اس سے دوستی رکھ۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب 22 حدیث 3749 جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3783)

4۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ یُصْلِحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ بَیْنَ فِئَتَیْنِ

ترجمہ: یہ میرا بیٹا حسن سید ہے اللہ اس کے ہاتھوں پر دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

5۔ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث یوں مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ منبر پر جلوہ فرما تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پہلو میں تھے آپ ﷺ ایک نظر لوگوں کو دیکھتے اور ایک نظر حسن رضی اللہ عنہ کو اور فرماتے:

اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُصْلِحُ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے اور شاید اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروا دے۔
(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب 22 حدیث 3746)

6۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ.

کوئی شخص حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ سے ہم شکل نہیں تھا۔
(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب 22 حدیث 3752)

7۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھایا ہوا ہے اور (شاعرانہ انداز میں) کہہ رہے ہیں۔ بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ لَيْسَ شَبِيهاً بِعَلِيٍّ مجھے اپنے باپ کی قسم، یا میرا باپ قربان اے حسن تو نبی کریم ﷺ سے مشابہ ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے تو مشابہ نہیں حضرت عقبہ کہتے ہیں وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر مسکرا رہے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب 22 حدیث 3750)
اس حدیث کو شیعہ مؤرخ اور سیرت و امامت نگار شیخ علی بن عیسیٰ اربلی نے بھی کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 2 صفحہ 127 مطبوعہ منشورات الفجر بیروت میں لکھا ہے۔ معلوم ہوا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اہل بیت سے والہانہ پیار رکھتے تھے۔

8۔ حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تشریف لائے، ایک شخص ملا (روایات کے مطابق وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے)، کہنے لگا: نعم المرکبُ یا غلامُ رَکِبْتَ۔ اے لڑکے تم کیا ہی اعلیٰ سواری پر سوار ہوئے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ سوار بھی تو کیا اعلیٰ ہے؟ (المستدرک للحاکم جلد 3 کتاب معرفۃ الصحابہ)

9۔ امام محمد بن سعد نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا اور آپ کے ہاں سب سے محبوب حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، میں نے دیکھا وہ آتے، رسول اللہ ﷺ سجدہ میں ہوتے، وہ آپ کی گردن یا پشت پر سوار ہو جاتے، پھر جب وہ چاہتے اپنی مرضی سے اترتے۔ میں نے یوں بھی دیکھا کہ حضور ﷺ رکوع میں ہوتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پیروں کے درمیان داخل ہوتے اور دوسری طرف سے نکل جاتے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

10۔ حاکم نے زہیر بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے (اور یہ خلافت سنبھالنے کے بعد مسجد کوفہ میں آپ کا پہلا خطبہ تھا) اتنے میں قبیلہ از دشنوءہ سے ایک شخص کھڑا ہو گیا، کہنے لگا: میں

گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا آپ نے حضرت حسن کو اپنے کندھے پر بٹھا رکھا تھا اور آپ فرماتے تھے۔

مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیُحِبُّهٗ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ

جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ اس سے (حسن سے) ضرور محبت رکھے، اور جو لوگ حاضر ہیں غیر حاضر لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دیں۔ (المستدرک للحاکم جلد 3 مناقب الحسن بن علی رضی اللہ عنہما، صفحہ 190 حدیث 4806)

11۔ امام ابونعیم نے کتاب الحلیہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے تھے، ایسے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آ جاتے وہ بچے تھے وہ کبھی آپ کی پشت پر اور کبھی آپ کے کندھے پہ بیٹھ جاتے، رسول اکرم ﷺ بہت آہستہ سے اپنا سر اٹھاتے، ایک بار جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ اس بچے کے ساتھ جو محبت فرماتے ہیں کسی دوسرے کے ساتھ ایسے نہیں فرماتے (اس کی کیا وجہ ہے؟) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ هٰذا رَیْحَانَتِی وَاِنَّ هذا اِبْنِی سَیِد و عسٰی ان یُصلحَ اللهُ تعالٰی بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ المسلمینَ

بے شک میرا یہ بیٹا میرا پھول ہے اور بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور وہ وقت قریب ہے جب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔

(تاریخ الخلفاء بروایت ابونعیم فی الحلیہ صفحہ 195 باب 10 فی خلافۃ الحسن فصل 2 فی فضائلہ مطبوعہ مکتبۃ الحقیقت استنبول ترکی)

فصل سوم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ حمیدہ

آپ کی عبادت

البدایہ والنہایہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے اوصاف خلاصۃً درج کیے جاتے ہیں۔ اور یہ اوصاف حمیدہ ہی کسی آدمی کی حقیقی فضیلت ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں صبح کی نماز ادا کرتے اور اس وقت تک عبادت میں مشغول رہتے جب سورج نکل آتا۔ اس کے بعد بزرگ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بیٹھتے اور دینی مسائل پر گفتگو ہوتی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے پچیس مرتبہ پیدل حج بیت اللہ ادا کیا۔ بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ آپ نے پیدل چل کر حج کیا حالانکہ اونٹنیاں آگے آگے چل رہی تھیں۔ آپ فرماتے تھے مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میں اس کے گھر میں حاضر ہوں اور پیدل نہ چلتا ہوں۔ بعض مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ میں پوری سورۃ ابراہیم تلاوت فرما دیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ روزانہ سونے سے قبل سورہ کہف پڑھ کر سویا کرتے۔ (جو آدھے پارے سے زائد ہے) سوہ کہف ایک تختی پر لکھی تھی (تختی) آپ اپنے ساتھ رکھتے۔ جس بھی زوجہ کے پاس جاتے وہ ساتھ ہوتی۔ آپ اپنے بستر پر بیٹھ کر سونے سے قبل اسے پڑھ لیتے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی سخاوت

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ تین مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال تقسیم کر دیا اور دو مرتبہ تو اپنی مملوکہ چیز سے مکمل تہی دست ہو گئے۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں بسا اوقات آپ ایک آدمی کو ایک لاکھ درہم دے ڈالتے۔ ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نے سنا ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھا دعا مانگ رہا تھا اے اللہ اسے دس ہزار درہم کا مالک بنا دے آپ رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے گھر گئے اور اسے اتنی رقم بھجوا دی۔ روایت کیا جاتا ہے کہ ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نے ایک سیاہ رنگ غلام کو دیکھا جو روٹی کھا رہا تھا ایک لقمہ وہ اپنے منہ میں ڈالتا اور ایک قریب بیٹھے ہوئے کتے کے منہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم ایسا کیوں کر رہے ہو کہنے لگا مجھے حیا آتی ہے کہ میں خود کھاؤں اور اسے نہ کھلاؤں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہیں ٹھہرنا میرا انتظار کرنا میں ابھی آتا ہوں آپ رضی اللہ عنہ اس غلام کے آقا کے پاس گئے اور اسے اس سے خرید لیا اور وہ جگہ بھی خریدی جہاں وہ غلام بیٹھا تھا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا اور وہ جگہ بھی اس کے ملک کر دی۔

آپ کی کثرتِ ازواج کی حکمت

آپ رضی اللہ عنہ نے بہت شادیاں کیں اس میں فضیلت کا ایک پہلو ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ چار آزاد عورتیں آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہمیشہ رہتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ طلاق بھی بہت دیتے تھے ساتھ بطورِ احسان بھی بہت دیتے تھے۔ (گویا یہ بھی غریب پروری کا ایک انداز تھا آپ رضی اللہ عنہ غریب لوگوں میں شادی کر کے جہاں انہیں خاندانِ نبوت میں رشتہ داری کی عظیم نسبت سے نوازتے اور معاشرے میں ان کا مقام بلند کرتے تھے وہاں انہیں احسان کی صورت میں مالی تعاون بھی بڑی فیاضی اور کثرت سے عطا فرماتے تھے)۔

مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ستر کنواری عورتوں سے نکاح فرمایا۔ مذکور ہے کہ ایک دن آپ نے دو عورتوں کو بیک وقت طلاق دی۔ ایک بنی اسد سے تھی اور ایک بنی فزارہ سے۔ اور ہر ایک کو دس ہزار درہم اور شہد کے کئی برتن بھیجے اور غلام سے کہا کہ ذرا سننا کہ دونوں کیا کہتی ہیں۔ فزاریہ نے کہا اللہ ان کو جزائے خیر دے اور مزید دعائیں دیتی رہی۔ اسدیہ نے کہا بچھڑ جانے والے محبوب کی طرف سے یہ چھوٹا سا تحفہ ہے۔ آپ نے اسدیہ سے رجوع فرمالیا اور فرازیہ کو رہنے دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل کوفہ سے فرماتے لَا تُزَوِّجُوْهُ فَاِنَّهٗ مِطْلَاقٌ اس سے نکاح نہ کرو یہ طلاق بہت دیتا ہے۔ تو بنی ہمذان کے ایک آدمی نے کہا وَاللّٰهِ لَنُزَوِّجَنَّه فَمَارَضِیَ اَمْسَكَ وَمَا كَرِهَ طَلَّقَ بخدا ہم ان سے (اپنی عورتیں) ضرور بیاہیں گے جو انہیں پسند آئے رکھ لیں اور جو نہ آئے طلاق دے دیں (گویا اہل کوفہ آپ رضی اللہ عنہ سے اپنی لڑکیاں بیاہنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔)

محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح فرمایا اور اسے ایک سو لونڈیاں دیں۔ ہر لونڈی کے پاس ایک ہزار درہم تھا (گویا سو لونڈیاں اور ایک لاکھ درہم اسے بطور مہر عطا فرمایا) یاد رہے کہ جو عورتیں باصرار نکاح کرتی تھیں وہ انتہائی باخدا ہوتی تھیں آپ سے طلاق کے بعد پوری زندگی اللہ اللہ کرتے گزار دیتیں انہیں فخر ہوتا تھا کہ روز قیامت ہم خاندانِ نبوت سے ایک خصوصی تعلق کے ساتھ اٹھیں گی۔

آپ رضی اللہ عنہ کا حلم

آپ رضی اللہ عنہ کی بردباری بھی آپ رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کی طرح معروف تھی۔ مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں مروان رو رہا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا آج تم ان پر رو رہے ہو کل تک تم انہیں تکلیفیں دیتے رہے مروان کہنے لگا میں جس انسان سے وہ معاملہ کرتا تھا اس کا حلم اس پہاڑ سے بھی زیادہ تھا اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ محمد بن سعد کہتے ہیں امام حسن رضی اللہ عنہ اور مروان کے درمیان خصومت تھی۔ مروان امام حسن رضی اللہ عنہ سے سخت بولنے لگا جب کہ آپ خاموش

تھے۔ مروان نے دائیں ہاتھ سے ناک صاف کیا۔ آپ نے اسے فرمایا تم پر افسوس ہے تم جانتے نہیں کہ دایاں ہاتھ چہرہ دھونے اور بایاں شرم گاہ دھونے کے لیے ہے؟ اف ہے تم پر۔ تو مروان خاموش ہو گیا (یعنی آپ نے سخت سے سخت لفظ صرف ''اف'' کہا) دراصل آپ رضی اللہ عنہ کی نرمی بے حد تھی جذبہ انتقام کا نام تک نہ تھا۔ اسی لئے آپ نے حکومت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سپرد کر دی۔ اسی لئے آپ میں تحمل کا مادہ بھی بے پناہ تھا۔

تنبیہ

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر گفتگو کے آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پہ بیعت کر کے بتا دیا کہ وہ ان کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے۔ آج جو لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور جہنمی قرار دیتے ہیں اور خود کو اہل سنت بھی سمجھتے ہیں وہ حقیقتاً اہل سنت سے نکلے ہوئے ہیں اور گمراہی میں مبتلا ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کیا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نواسہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذاللہ) ایک جہنمی کی بیعت کی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف ضرور کیا تھا مگر وہ مجتہد تھے۔ ان کی غلطی اجتہادی تھی۔ آپ کہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جو دندناتے پھرتے ہیں انہیں قرار واقعی سزا کیوں نہیں دیتے؟ جب تک وہ انہیں سزا نہیں دیں گے میں بیعت نہیں کروں گا بہرحال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس خیال اور رائے میں غلطی تھی۔ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے تو ممکن تھا ان کو اتنی قوت مل جاتی کہ وہ ان قاتلوں کو سزا دے سکتے۔ الغرض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا اجتہادی تھی۔ یہی امام غزالی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام ابن کثیر، امام ابن حجر اور دیگر محدثین امت اور ائمہ دین کا فیصلہ اور عقیدہ ہے۔ تفصیل کے لیے میرے والد صاحب علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''دشمنانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ'' پڑھیں۔ حضور غوث پاک شہنشاہ بغداد اور حضور داتا گنج بخش قدس سرہما العزیز، حضور پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور صاحب بہار شریعت سب کا یہی عقیدہ ہے۔

باب پنجم

مناقب سید الشہداء حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ

پچھلے باب کی طرح یہاں بھی ہم پہلی فصل میں امام عالی مقام سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی بیان کریں گے جس میں واقعہ کربلا کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس واقعہ کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ اس کی بنیاد پر اموی خاندان کی ایک سو سالہ خلافت کا آفتاب ڈوب گیا اور چھ سو سالہ خلافت عباسیہ نے جنم لیا۔ اس واقعہ کو آج تک اہل ایمان بھلا نہیں سکے اور جب بھی ماہ محرم آتا ہے اہل اسلام کے دلوں میں شہادت نواسہ رسول ﷺ کا زخم تازہ ہو جاتا ہے آنکھیں برسنے لگتی ہیں اور تا قیامت برستی رہیں گی۔ اور اس کے بعد دوسری فصل میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و محامد بیان کیے جائیں گے۔

فصل اول

سیدنا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے احوال زندگی

ولادت باسعادت

آپ 4ھ ہجری شعبان المعظم کو دنیا میں تشریف لائے۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے بعد سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پر صرف ایک طہر گزرا۔ اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رحم مادری میں جلوہ گری ہوگئی۔ ولادت امام حسن اور استقرار حمل حسین بن علی رضی اللہ عنہما میں صرف پچاس دن کا وقفہ تھا۔ (الاستیعاب)

سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا بنت حارث (حضرت عباس رضی اللہ عنہ عم رسول ﷺ کی بیوی) کہتی ہیں کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آج رات بڑا خوفناک خواب دیکھا ہے فرمایا کیا دیکھا ہے؟ کہنے لگیں وہ خواب بہت پریشان کن ہے۔ فرمایا پھر بھی وہ کیا ہے؟ کہا میں نے دیکھا کہ جیسے آپ ﷺ کے جسم کا ایک

ٹکڑا کاٹ کر میری جھولی میں ڈال دیا گیا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے سن کر فرمایا: رَأَیتِ خَیْراً۔ تَلِدُ فَاطِمَۃُ اِنْ شَآءَ اللہُ غُلَاماً یَکُوْنُ فِیْ حِجْرِکِ یعنی تم نے بہت اچھا خواب دیکھا۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) انشاء اللہ ایک بیٹے کو جنم دیں گی اور وہ تمہاری گود میں آئے گا۔

چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جنم دیا اور ام فضل رضی اللہ عنہا کی جھولی میں ڈال دیا۔ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ایک روز میں نے دیکھا رسول اکرم ﷺ کی آنکھیں برس رہی تھیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان آپ ﷺ کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِیْ ان اُمَّتِیْ سَتَقْتُلُ ابْنِیْ ھذا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے بتایا کہ میری امت میرے اس بیٹے (امام حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کرے گی۔

میں نے پوچھا کیا آپ ﷺ کی امت اس بچے کو قتل کرے گی؟ فرمایا ہاں، اور جبریل اس جگہ کی سرخ مٹی بھی میرے پاس لائے جہاں اسے قتل کیا جائیگا۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی کتاب المناقب باب مناقب اہلِ بیت النبی ﷺ فصل ثالث صفحہ 580 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

روایات میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کے بعد اپنی بیٹی کے گھر تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو لا کر آپ ﷺ کی گود میں رکھا گیا آپ ﷺ نے ان کا منہ کھول کر اس میں اپنی زبان مبارک ڈالی اور اپنا لعاب دہن چسایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک یوں چوس رہے تھے جیسے کوئی کھجور کو منہ میں رکھ کر چوستا ہے۔

جبکہ متعدد احادیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ اکثر اپنی زبان مبارک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے منہ میں رکھ دیتے۔ دو حدیثیں ملاحظہ ہوں:

1۔ حضرت یعلیٰ عامری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ایک دعوت طعام پر گئے جب آپ ﷺ نے وہاں قدم رنجہ فرمایا تو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بچوں کے ساتھ وہاں کھیل رہے تھے نبی اکرم ﷺ نے انہیں پکڑنا چاہا تو وہ بچنے میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ رسول کریم ﷺ بھی انہیں بھگانے اور ہنسانے لگے تا آنکہ آپ ﷺ نے انہیں پکڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ ان کے سر کے پیچھے اور دوسرا ہاتھ انکی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ان کے منہ میں اپنا منہ رکھ دیا اور فرمایا:

اَلْحُسَیْنُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ اَحَبَّ اللہُ حُسَیْناً حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ

ترجمہ: یعنی حسین (رضی اللہ عنہ) مجھ سے ہے اور میں حسین (رضی اللہ عنہ) سے ہوں۔ اور جو حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھے اللہ اس

سے محبت رکھتا ہے اور حسین (رضی اللہ عنہ) نسلوں میں سے ایک نسل ہے۔

(مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 159 فضائل حسین بن علی رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

2۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں جب بھی حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھیں بھر آتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ گھر سے نکلے تو مجھے مسجد میں بیٹھا دیکھا۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرے سہارے چلنے لگے۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑا۔ ہم بنو قینقاع کے بازار میں چلے گئے وہاں آپ ﷺ گھوم پھر کر واپس مسجد میں تشریف لے آئے اور فرمایا اس چھوٹے اور پیارے بچے (بالکے) کو میرے پاس لاؤ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ لڑکھڑاتے ہوئے آپ ﷺ کی جھولی میں گر پڑے پھر انہوں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کی داڑھی شریف میں ڈالا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کا منہ کھولا اور اپنی زبان ان کے منہ میں ڈال دی اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ اے اللہ میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ۔

(مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 196 حدیث 4823 حوالہ مذکورہ بالا)

اندازہ فرمائیں جس کو گھٹی لعابِ دہن رسول اللہ ﷺ سے دی گئی ہو اور پھر جس نے بار ہا لعابِ رسول ﷺ چوسا ہو اس کی عظمتوں کا کیا کہنا۔ یہ لعاب حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لگا تو آنکھ ٹھیک ہوگئی۔ کھاری کنویں میں پڑا تو وہ پانی میٹھا ہوگیا۔ وہ لعاب مبارک حضرت امام عالی مقام کو بطور غذا ملتا رہا تو ان کا جسم کتنی برکتوں کا حامل ہوگیا ہوگا۔

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے پیدا ہونے پر ان کے کان میں اذان بھی خود سید الانبیاء ﷺ نے دی چنانچہ حضرت عبید اللہ بن ابی رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان فرمائی جب انہیں سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جنم دیا۔

(مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 197 حدیث 4827)

اس طرح ان کی پیدائش پر آقائے دو عالم ﷺ نے ان کا عقیقہ فرمایا اور سر کے بال اتروائے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے سیدہ فاطمہ کو حکم فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی حجامت کرواؤ اور بالوں کا وزن کر کے اتنی چاندی خیرات کر دو۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 197 حدیث 4828)

امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن مبارک

آقائے کائنات ﷺ کو امام حسین رضی اللہ عنہ سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیں سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے جب کہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دودھ پلا رہی تھی آپ ﷺ نے ان کو میری گود سے اٹھا لیا انہوں نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ تیزی سے ان کی طرف

بڑھائے (یعنی لپک کر انہیں پکڑنا چاہا) آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَزْرِمُوْ ابنی میرے بیٹے کو تکلیف مت دو اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا کپڑا پانی سے دھولیا۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 198 حدیث 4829)

اندازہ فرمائیں قارئین کرام اگر نبی اکرم ﷺ کو یہ بات گوارہ نہیں کہ کوئی آپ ﷺ کے نواسہ حسین رضی اللہ عنہ کو زور سے پکڑے تو سوچیئے جب ان کے گلے پر خنجر چلایا گیا ان کے جسم نازنین پر گھوڑے دوڑائے گئے انکے سر اقدس کو نیزے پر اٹھایا گیا اس وقت مکین گنبدِ خضریٰ کے قلب انور پر کیا گزری ہوگی آخر اس کی کیا وجہ تھی کہ رسول کرم ﷺ کو اس نواسے سے اتنا پیار تھا یہ بات تھی کہ اللہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کی شہادت کی خبر بھی اپنے نبی ﷺ کو فرما دی تھی۔ چنانچہ حضرت سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں گود میں اٹھالیا۔ تھوڑی دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ آپ ﷺ کی چشمانِ مبارک سے آنسو برسنے لگے میں دیکھ کر گھبرا گئی۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ماجرا ہے آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابھی ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ میرے لختِ جگر کو میری امت قتل کرے گی۔ میں نے عرض کیا کیا آپ کی امت آپ کے اس پیارے بیٹے کو قتل کرے گی؟ فرمایا ہاں اسی پیارے بیٹے کو قتل کرے گی اور جبریل علیہ السلام میرے پاس اس قتل گاہ کی مٹی بھی لے کر آئے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 6 صفحہ 469 باب ماروی فی اخبارہ بقتل الحسین بن علی رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے تھے ہم اہل بیت کو جب کہ ہم کثیر تعداد میں تھے اس بارے میں کوئی شک نہ تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقام طف (کربلا) میں شہید کئے جائیں گے۔

(مستدرک جلد 3 صفحہ 197 حدیث 4826)

اللہ اکبر! اہل بیت رسول کا صبر و حوصلہ اور عزم و استقامت دیکھیے کہ سب جانتے ہیں ان کا نورِ نظر لختِ جگر شہید کیا جائیگا مگر کسی حدیث یا روایت میں ایسا کہیں مروی نہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی ہو اے اللہ میرے بیٹے کو قتل سے بچالے یا مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے یا رسول اکرم ﷺ نے ایسی دعا کی ہو۔ حالانکہ اگر وہ دعا کرتے تو یقیناً اللہ قبول فرماتا اور تقدیر بدل دیتا مگر وہ لوگ عزم و ہمت کا بلند ترین پہاڑ تھے۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بسا اوقات سجدے میں ہوتے تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما آکر آپ کی پشت انور پر سوار ہوجاتے، ایسے میں امام الانبیا ﷺ اپنا سجدہ طویل فرما دیتے جب تک بچے اپنی مرضی سے نہ اترتے۔ رسول اکرم ﷺ سجدے سے سر نہ اٹھاتے۔

(کنز العمال بروایت ابن عساکر جلد 13 صفحہ 668 حدیث 37703 فضل الحسنین رضی اللہ عنہما مطبوعہ موسسۃ الرسالہ)

بعض روایات میں ہے کہ ایک بار امام حسین رضی اللہ عنہ آقائے نامدار مدنی تاجدار ﷺ کی پشت مبارک پر سجدے میں

سوار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے 72 مرتبہ سجدے کی تسبیح پڑھ ڈالی تب وہ پشت مبارک سے اترے۔

پھر یہ حُسنِ اتفاق دیکھئے کہ کربلا میں امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی معیت میں 72 افراد نے جام شہادت نوش کیا گویا قدرت نے کہا اگر نانا محمد مصطفی سید الانبیاء ﷺ ہے تو نواسہ بھی حسین بن علی رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہے۔ اگر نانا نے نواسے کے لیے 72 تسبیحات قربان کی ہیں تو نواسے نے ہر تسبیح کے بدلے میں اپنے عزیزوں میں سے 72 افراد اپنے نانا جان کے دین کی عظمت پر قربان کر دیے ہیں۔

ترمذی شریف میں آتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک بار نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپ نے اپنے کمبل شریف میں کوئی چیز اٹھا رکھی ہے۔ آپ نے کمبل ہٹایا تو میں نے دیکھا آپ کے دونوں پہلوؤں میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما دبکے بیٹھے تھے۔ گویا اس طرح نبی اکرم ﷺ اپنے نواسوں کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھتے تھے۔

اسی جگہ ترمذی شریف میں یہ بھی حدیث ہے کہ ایک بار رسول خدا ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ نے دیکھا حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں بچے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آ گئے۔ آپ ﷺ نے وہیں خطبہ منقطع فرما دیا اور منبر سے اتر آئے۔ دونوں نواسوں کو اٹھایا اور منبر پر اپنے دائیں اور بائیں بٹھا لیا اور فرمایا۔ اللہ نے سچ فرمایا ہے تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ (آزمائش) ہے۔ میں خطبہ دے رہا تھا۔ میں نے انہیں لڑکھڑاتے دیکھا تو منبر سے اتر پڑا۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین حدیث 3774)

قارئین! اندازہ فرمائیں اگر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا بچپن میں لڑکھڑاتے چلنا کہ جس میں گر پڑنے کا احتمال ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ سے دیکھا نہ گیا اور خطبہ چھوڑ کر انہیں منبر پر ساتھ بٹھا لیا۔ تو کربلا میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے سارے ساتھی اور سارے خاندان والے قربان ہو چکے تھے۔ تنہا آپ رضی اللہ عنہ تھے اور اس وقت ہر طرف سے تیروں کی برسات ہو رہی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کا جسم نازنین زخموں سے چور چور ہو کر لڑکھڑا رہا تھا۔ آخر سنان بن عمر نے آپ کے سینے میں نیزہ مارا تو آپ گر پڑے اور دوزخی کتے شمر نے بڑھ کر سرانور کو جسم مبارک سے کاٹ لیا۔ اس وقت اتنا پیار کرنے والے نانا جان رسول ﷺ پر کیا گزر رہی تھی؟

امام حسین رضی اللہ عنہ دورِ خلافت راشدہ میں

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ امام الانبیاء ﷺ کی شفقتوں اور عنایتوں میں پروان چڑھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ اور چھ برس کے درمیان تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو احترام وعقیدت اور محبت وشفقت کا وہ مقام دیا جس کے وہ مستحق تھے پیچھے اس کے متعدد شواہد گزر چکے ہیں خلفاء راشدین نے انہیں شہزادوں کی طرح محبت وعنایت کے اعلیٰ مقام پر رکھا یہی وجہ ہے کہ حسنین کریمین کو

ان خلفاء راشدین کے ادوار میں کسی جنگ میں شامل نہیں دیکھا گیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آخری دورِ خلافت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر قریباً سترہ سال ہو چکی تھی اور وہ ابھرتے ہوئے جوان تھے۔ امام حسن ان سے بھی ایک برس بڑے تھے اور جنگ میں جا سکتے تھے۔ مگر خلفاء راشدین نے شہزادگانِ خاندان نبوت کو ناز و نعم میں رکھا حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے مجاہدین کے وظائف مقرر کئے باقاعدہ دفتر و دیوان تیار کیے گئے تو سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر جنہیں حصہ دیا گیا وہ حسنین کریمین تھے۔ ایرانی سلطنت کا پایہ تخت مدائن فتح ہوا اور تاجدار ایران یزدجرد کی بیٹی شہر بانو قید ہو کر مدینہ طیبہ لائی گئی تو اس کے حسن سے مسجد نبوی کی دیواریں چمک اٹھیں کسی نے کہا امیر المومنین آپ اسے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کی زوجیت میں دے دیں کہ وہ ہمارا شہزادہ ہے آپ نے جھڑک کر خاموش کر دیا اور فرمایا اس شہزادی کے لائق اگر کوئی ہے تو حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سارا واقعہ اہل تشیع کے سب سے معتبر محدث محمد بن یعقوب کلینی متوفی 329ھ نے اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ 282 میں لکھی ہے۔ اسی طرح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی خاندان نبی کی حرمت و تعظیم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی اہم معاملہ ہوتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو درمیان میں ڈالتے اور وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ لوگ جانتے تھے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے؟ اسی لیے یہ خاندان بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بہت قدردان تھا۔ جب اہل بلوئی نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جان پر کھیل کر انہیں پانی پہنچایا۔ یہی نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دارِ عثمان غنی کی حفاظت پر مامور کیا۔ دونوں شہزادوں نے دروازے پر پہرا دیا اس لئے بلوائی دروازے کی طرف سے داخل ہونے کی جرات نہ کر سکے وہاں انہیں شیر خدا کی شجاعت و جواں مردی کی دو تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ چنانچہ وہ ساتھ والے مکان کی چھت پر چڑھ کر دار عثمان رضی اللہ عنہ میں کود ے اور خلیفۃ المسلمین کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر پہنچی تو دوڑتے ہوئے بے قرار ہو کر آئے اور اپنے بیٹوں کو مارنے اور ڈانٹنے لگے کہ تمہاری موجودگی میں میرے بھائی عثمان (رضی اللہ عنہ) کو کیسے شہید کر دیا گیا؟

اس کے بعد خلافت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے دوران آپ کے دونوں بیٹے جمل و صفین و نہروان کے معرکوں میں آپ کے ساتھ شریک رہے۔ شہادت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد کوفہ میں امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کی گئی اور سارا ایران و عراق اور حجاز یمن ان کے زیر نگیں تھا مگر جب انہوں نے جنگ کے شعلے بھڑکتے دیکھتے تو امت محمدیہ کی حفاظت کے لئے اپنے ملک کی قربانی دے دی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ساری مملکت سونپ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے بھی ساتھ ہی بیعت کی اور جب تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور رہا دونوں بھائی ان کے ساتھ وفادار رہے اہل کوفہ نے چند بار امام حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسانا چاہا مگر آپ نے ان کی ایک نہ سنی۔

دورِ یزید اور آغاز واقعہ کربلا

آخر رجب 60ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور یزید تخت حکومت پر بیٹھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے تمام شہروں کے امراء کے مشورے سے ولی عہد بنایا تھا۔ آپ کے زمانے میں وہ ایسا بد کردار نہیں تھا۔ اگر اس کی کچھ آزادروی تھی تو والد کی نگاہ سے پوشیدہ تھی اور صرف قریبی دوستوں کے علم میں ہی تھی۔ آپ نے اسے دو مرتبہ امیر الحج بھی مقرر کیا اور اس نے یہ فریضہ اچھی طرح انجام دیا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ وہ امور خلافت بھی صحیح طرح بجالائے گا۔ علامہ عبد الرحمان بن محمد بن خلدون متوفی 808ھ نے لکھا ہے کہ اپنے باپ کے زمانہ میں یزید میں صرف ایک عیب تھا کہ وہ گانا سنتا تھا اور (غیر فحش بغیر مزامیر) گانا سننے میں صحابہ کرام کا بھی اختلاف ہے۔ اور حضرت معاویہ جیسے عظیم الشان صحابی اس سے بری ہیں کہ وہ یزید کی بدعنوانیوں کو دیکھتے ہوئے اسے ولی عہد مقرر کر دیتے۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ 159 فصل 30 فی ولایۃ العہد مطبوعہ دار ابن حزم بیروت) علاوہ ازیں حالات کا تقاضا بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ اپنے بعد خلافت کا معاملہ مہمل چھوڑ کر چلے جاتے تو یہ بھی امت کے مفاد میں نہیں تھا یہ ممکن تھا کہ اس طرح طوائف الملوکی پھیل جاتی اور ہر علاقے میں امراء اپنی خود مختار حکومتوں کا اعلان کر دیتے جب مرکز میں کسی خلیفہ کا تقرر نہ ہو تو صوبے ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس پر خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی موجود ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: اِنِّیْ خِفْتُ اَنْ اَذَرَ الرَّعِیَّۃَ مِنْ بَعْدِیْ کَالْغَنَمِ الْمُطِیْرَۃِ لَیْسَ لَھَا رَاعٍ مجھے ڈر ہے کہ اپنے بعد امت کو ایسا چھوڑ جاؤں جیسے پراگندہ بکریاں ہوتی ہیں اور ان کے سر پر کوئی چرواہا نہ ہو۔

حضرت امیر معاویہ نے یزید کو ولی عہد کیوں بنایا؟

امام ابن خلدون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جس چیز نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پہ مجبور کیا کہ وہ سب لوگوں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنائیں وہ یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کو مجتمع رکھا جائے ان میں تفرقہ نہ ہونے پائے، علاوہ ازیں اہل حل وعقد اس پر متفق تھے کہ ولی عہد بنو امیہ میں سے ہونا چاہیے، کیونکہ بنو امیہ اپنے سوا کسی کی امارت ماننے کو تیار نہ تھے۔ وہ اس وقت تمام قریش بلکہ تمام اہل ملت میں سے مضبوط تر گروہ تھے۔ اس مجبوری کے تحت حضرت امیر معاویہ نے یزید کو ولی عہدی کے لیے ترجیح دی اور انہیں ترجیح نہ دی جو اس سے افضل تھے۔ انہوں نے مفضول کو فاضل پر مقدم کیا، انہیں اس کی حرص تھی کہ امت میں اجتماع واتفاق رہے اور رسول اللہ ﷺ جو شارع ہیں، نے بھی اتفاق کو سب سے اہم جانا ہے (یعنی آپ کا بھی یہی حکم ہے کہ ہر وہ کام کرو جو امت کو متفق رکھے۔)

حضرت امیر معاویہ کے بارے میں اس سے ہٹ کر کوئی گمان نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ ان کا عادل اور صحابی ہونا کسی دوسرے گمان کے مانع ہے۔

پھر یزید کی ولی عہدی کے وقت اکابر صحابہ کا موجود ہونا اور ان کا خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس سے منکر نہ تھے، وہ ایسے لوگ نہ تھے جو حق بات کے بتانے میں نرمی دکھائیں نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے تھے کہ اگر انہیں حق بتایا جاتا تو وہ تکبر کی وجہ سے اسے قبول نہ کرتے کیونکہ صحابہ کرام ایسی پست باتوں سے بہت بلند تھے، ان کی عدالت ایسی چیزوں سے مانع ہے۔ رہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اس سے پہلوتہی تو وہ اس بات پہ محمول ہے کہ وہ امور سیاست سے دور رہتے تھے خواہ وہ مباح ہوں یا محظور، لہٰذا یزید کی ولی عہدی پر جمہور صحابہ متفق تھے سوا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے، (امام حسین رضی اللہ عنہ بھی حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ تھے۔)

(مقدمہ ابن خلدون جلد اول فصل 30 فی ولایۃ العہد صفحہ 159 مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

یاد رہے یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ حضرت امیر معاویہ کو سب سے پہلے صحابی رسول راوی حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ نے دیا تھا۔ انہوں نے امیر معاویہ سے کہا آپ نے دیکھا ہے کہ امت میں کتنے فتنے ہوئے اور خون بہے ہیں۔ یزید آپ کا بیٹا ہے، آپ اپنے بعد اس کے لیے لوگوں سے عہد لیں تا کہ کوئی فتنہ پھر نہ کھڑا ہو اور کوئی خون نہ بہے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ 982، العہد لیزید مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں یزید ایسا بدکردار نہ تھا ورنہ صحابی رسول راوی حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (جو مہاجرین صحابہ میں سے ہیں اور حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے باڈی گارڈ تھے، رسول اکرم ﷺ کئی بار انہیں حفاظت کے لیے اپنے ساتھ لے گئے، یعنی حالتِ سفر میں آپ قضائے حاجت کے لیے لشکر سے دور جاتے تو اپنے ساتھ کسی ساتھی کو لیجاتے، یہ سعادت حضرت مغیرہ کو بھی حاصل ہوئی اسی لیے انہی سے موزوں پر مسح اور سر پہ مسح کے بارے میں احادیث مروی ہیں حدیث کے پڑھنے پڑھانے والے علماء اس سے واقف ہیں (دیکھئے صحیح مسلم کتاب الطہارۃ، سنن نسائی کتاب الطہارۃ اور مسند احمد بن حنبل جلد 4 وغیرہ) یزید کی ولی عہدی کا مشورہ ہرگز نہ دیتے، ایک صحابی رسول اور تربیت یافتہ سید الانبیاء ﷺ سے ہرگز یہ متصور نہیں کہ وہ ایک کھلے فاسق و فاجر کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیں۔ اور اکثر صحابہ کرام اسے بغیر مزاحمت قبول کرلیں۔ یقیناً یزید میں جو علانیہ فسق و فجور آیا وہ خلافت سنبھالنے کے بعد آیا جس کی وجہ سے امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ پھر آپ سے زبردستی بیعت لینے پہ زور لگانا بھی یزید کا ایک فسق ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کی ولی عہدی کا اعلان کیا تو سب نے اسے قبول کرلیا۔ مگر چند صحابہ نے قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے قبول بھی نہ کیا اور انکار بھی نہ کیا جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے، انہی میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ہر حال میں یزید کی ولی عہدی کے حق میں بیعت لینے پر اصرار نہ

کیا، وہ بہت وسیع الظرف وسیع النظر جہاں دیدہ اور حلیم الطبع تھے۔ اگر یزید بھی امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے پر اصرار نہ کرتا اور آپ سے اس طرح معاملہ کرتا جیسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تو کربلا کا خونی واقعہ پیش نہ آتا جس نے جسدِ ملت اسلامیہ پر وہ گہرا زخم لگایا کہ آج تک پوری ملت اس کا درد محسوس کر رہی ہے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو ولی عہد بنانا اُن کی سیاسی غلطی اور اجتہادی خطا ہے۔ انہوں نے اپنی رائے میں حالات کے تحت امت کی بہتری اور اتحاد کو مدنظر رکھا تھا مگر یہ ولی عہدی امت کے لیے بہت منحوس ثابت ہوئی، تاہم یزید کی بدکرداریوں کا بوجھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہ نہیں ڈالا جاسکتا، اگر یوں بوجھ ڈالا جانے لگے تو اہل تشیع کے مطابق واقعہ کربلا کے اصل ذمہ دار ابوبکر وعمر وعثمان ہیں (رضی اللہ عنہم) کیونکہ یزید کو امیر معاویہ نے امیر بنایا، امیر معاویہ کو حضرت عمر نے امیر بنایا (اور عثمان غنی نے انہیں ان کی امارت پہ ٹھہرایا) اور حضرت عمر کو ابوبکر نے امیر بنایا، یوں یہ سب واقعۂ کربلا کے ذمہ دار ہیں (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) یہ تو ایسے ہی ہے کہ آج کوئی شخص جرم کرے تو اس کا حلیہ اس کے دادا پر ڈالا جائے کیونکہ انہوں نے اسے جنم دیا۔

یعنی آپ رضی اللہ عنہ کو یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آنے والا خلیفہ بنو امیہ سے نہ ہوا تو ساری مملکت شام اسے قبول نہ کرے گی۔ کیونکہ اہل شام اس خاندان کی عنایات خسروانہ کے عادی ہو گئے تھے اور جب سے ملک شام اسلامی مملکت میں داخل ہوا تھا وہاں اسی خاندان کی حکومت چلی آرہی تھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی صحابی رسول حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں فتح شام پر مامور فرمایا۔ انہوں نے شام فتح کیا اور انہیں امارت شام دی گئی۔ یوں کہیے کہ اہل شام پر اسلام کا دروازہ ہی انہوں نے کھولا تھا۔ وہ دورِ صدیقی سے لے کر 19ھ تک وہاں کے امیر رہے جب ان کا وصال ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ انکے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اہل شام ان بھائیوں کی کارکردگی سے خوش اور ان کے ممنون ہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، نے 19ھ سے 61ھ تک وہاں بلاشرکت غیرے اکیالیس برس حکومت کی۔ اور وہاں کا بچہ بچہ ان کا مداح تھا اور ان کے سوا کسی کو جانتا نہ تھا۔ اس لیے آپ یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ اہل شام آپ کے بعد آپ کے کسی قریبی عزیز کے سوا کسی اور پر خوش نہیں ہونگے اور بغاوت کر دیں گے اس لیے آپ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا سوچا اور اس پر تمام امراء اہل حل وعقد سے مشورہ لیا اور سب نے اس سے اتفاق کیا۔ تب اس کی ولی عہدی کا اعلان کیا اور تمام لوگوں نے یزید کے حق میں بیعت کر لی۔ البتہ پانچ صحابہ کرام نے بیعت نہ کی۔

1۔ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

2۔ عبدالرحمان بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

3۔ عبداللہ بن عمر فاروق

4۔ عبداللہ بن عباس

5۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمرہ کر کے شام جاتے ہوئے مدینہ طیبہ سے گزرے تو ان پانچوں صحابہ کبار کو بلایا۔ یہ لوگ تشریف لائے۔ امیر معاویہ نے ان سے یزید کی ولایت کے عہد کے متعلق بات کی۔ تو ان میں سے سخت تر جواب عبدالرحمان بن ابو بکر کا تھا اور نرم تر عبداللہ بن عمر کا رضی اللہ عنہم۔ پھر جناب معاویہ نے خطبہ دیا یہ پانچوں خاموش رہے۔ نہ موافقت کی نہ مخالفت۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 83 ذکر سن 56 ہجری مطبوعہ دار الریان مصر)

گویا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خاموشی کو کافی سمجھ لیا۔ اور ان سے بیعت پر اصرار نہ کیا۔ اس طرح یزید کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ پھر بھی ان کے دل میں کھٹکا تھا۔ اس لیے انہوں نے دعا فرمائی۔ اور اللہ سے یوں ملتجی ہوئے:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّىْ وَلَّيْتُهُ لِاَنه فِيْمَا اَرَاهُ اَهْلٌ لِذٰلِكَ فَاَتْمِمْ لَه مَا وَلَّيْتُهُ وَاِنْ كُنْتُ وَلَّيْتُه لِاَنِّىْ اُحِبُّه فَلَا تُتْمِمْ لَهٗ مَا وَلَّيْتُه

ترجمہ: اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اسے (یزید کو) اس لیے ولی عہد بنایا کہ وہ میرے خیال میں اس کا اہل ہے تو تو اس کی حکومت کو برقرار رکھنا اور اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اسے صرف اپنی محبت کے سبب یہ عہدہ دیا ہے تو تو اسے برقرار نہ رکھ۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 83 حوالہ مذکورہ بالا)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو امام حسین رضی اللہ عنہ سے نیک سلوک کا حکم فرمایا بہر حال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولایت عہد دینے کے بعد بار بار عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بیٹے! یاد رکھنا اگر اہل کوفہ انہیں بلائیں اور تم ان پر غالب آ جاؤ تو ان سے درگزر کا معاملہ کرنا:

فَاِنَّ لَه رَحْمًا مَاسَّةً وَحَقًّا عَظِيْمًا وَقَرَابَةً مِّنْ مُحَمَّدٍ۔

ترجمہ: کیونکہ تمہاری ان سے مضبوط رشتہ داری ہے اور ان کا تم پر بڑا حق ہے اور محمد عربی ﷺ سے انکی قرابت ہے۔ (تاریخ ابن جریر طبری جلد 3 صفحہ 260 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 984 مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

یاد رہے رشتہ داری یوں تھی کہ امیر معاویہ بن ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد المناف پانچویں پشت (عبد المناف) میں رسول کریم ﷺ سے جا ملتے ہیں۔ یہی عبد المناف رسول اکرم ﷺ کی چوتھی پشت ہے اور عبد المطلب کے دادا ہیں۔ اور حقاً عظیماً سے یہ مراد ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ ہی کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کو دی جو یزید کو مل گئی۔ یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو سمجھایا کہ ہمارے پاس جو خلافت ہے وہ اسی گھرانے کی دی ہوئی ہے۔ اس لیے تمہاری طرف سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نواسہ مصطفی ﷺ ہے۔ الغرض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق تین باتیں سمجھائیں۔

1۔ رشتہ داری

2۔ انکا حق، اور

3۔ رسول خدا ﷺ سے ان کا قریبی تعلق۔

مگر افسوس کہ بد بخت یزید نے ان میں سے کسی چیز کا خیال نہ رکھا۔ آل رسول ﷺ پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مگر یزید کے کان پر جوں تک نہ رینگی بلکہ وہ خوش تھا۔ تاہم ان سطور بالا سے معلوم ہوگیا کہ یزید کے جرائم میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملوث کرنا بہت بڑی تعدی بلکہ افترا ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کیوں اور کیسے فرمایا؟

ہم واقعہ کربلا کی مشہور تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے کیونکہ اس واقعہ میں بے پناہ رطب و یابس ملایا گیا ہے۔ عباسیوں نے اُمویوں سے تختِ خلافت چھیننے کے لیے اس واقعہ کا سہارا لیا اور اس میں بہت کچھ اضافہ کیا اور زیبِ داستان بنایا۔ یہاں چند اصولی ابحاث کارفرما ہیں۔ ان سے نمٹنا ضروری ہے۔ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف کیوں خروج فرمایا؟ اس کی اصل یہی ہے کہ وہ ان کے نزدیک خلافت کا حقدار اور اس کا اہل نہیں تھا اس کے طور اطوار تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں درونِ خانہ اچھے نہیں تھے۔ اگرچہ باپ کے سامنے وہ بہت پارسا رہا۔ اسلامی جنگوں میں حصہ لیا فتوحات بھی کیں۔ امارت حج کے فرائض بھی پورے کیے تاہم اس کے افعال اس کے دوستوں اور ہم نوالہ ہم نشینوں سے مخفی نہ تھے۔ اسی لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب امراء سلطنت سے اس کی ولایت عہد کے متعلق مشورہ لیا تو زیاد بن ربیع نے اس کے حق میں رائے نہ دی۔ وہ خود بھی کوئی ایسا پارسا نہ تھا اس کے نسب پر بھی لوگوں کو کلام ہے تاہم وہ پوری ملت اسلامیہ کی خلافت جیسے عظیم منصب کے لئے یزید کو اہل نہیں سمجھتا تھا وہ اس کی برائیوں سے واقف تھا۔ امام المورخین حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

و کتب معاویۃ زیاد یستشیرہ فی ذالك، فکرہ فریاد ذلك لما یعلم من لعب یزید و اقبالہ علی اللعب و الصید فبعث بن یشینی رایہ عن ذالك۔

ترجمہ: اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد (عامل کوفہ) کو خط لکھا اور اس سے اس بارہ (ولایت عہدی) میں مشورہ لیا۔ زیادہ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ یزید کی کھیلوں سے اور اس کے لہو ولعب اور شکار بازی

کی طرف متوجہ رہنے سے واقف تھا۔ اس نے مستقل ایک آدمی بھیجا جو امیر رضی اللہ عنہ کو اس رائے سے باز کرے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 82 ذکر سن 56 ہجری)

چنانچہ وہ آدمی دمشق آیا اور پہلے یزید سے ملا اور اسے خبردار کیا یہ کھیل مت کھیلو اس میں تمہارے لیے خیر نہیں۔

پھر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور انہیں بھی زیاد کی رائے سے باخبر کیا تو انہوں نے اس وقت یہ رائے ترک کر دی اور چند برس یوں ہی گزر گئے اس کے بعد پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا انہوں دوبارہ تحریک شروع کی۔ لگتا ہے زیاد نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کھل کر بات نہیں کی صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا مگر یزید کے کرتوتوں سے خبردار نہ کیا مشہور تابعی احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے جب یزید کی ولایت عہد پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ وہ جا کر یزید سے ملیں اور اس سے گفتگو کریں۔ وہ یزید سے ملے گفتگو ہوئی جب وہ باہر نکلے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تمہاری رائے اپنے بھتیجے کے متعلق کیا ہے؟ انہوں نے کہا اگر ہم جھوٹ بولیں تو اللہ سے ڈرتے ہیں اور سچ بولیں تو تم لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ یزید کی شب و روز ظاہر و باطن سے زیادہ واقف ہو اور ہمارا کام تو حکم پر عمل کرنا ہے۔

تم لوگوں سے ڈرنے سے مراد ہے کہ ہم اہل شام سے ڈرتے ہیں کہ وہ یزید کے سوا کسی پر متفق نہیں ہیں اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بذاتِ خود مراد نہیں۔ بہر حال احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر صورت حال واضح نہ کی مگر اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ بھی یزید کی گفتگو سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔

خیر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور یونہی گزر گیا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ یزید کو ولی عہد بنا کر دنیا سے چلے گئے۔ ان کا خیال یہ رہا ہو گا کہ جب یزید پر خلافت کی ذمہ داریاں پڑیں گی تو سنبھل جائے گا اور اس میں جو بھی کوئی عیب ہے وہ جاتا رہے گا، مگر افسوس معاملہ الٹ ہو گیا یزید نے تحت خلافت سنبھالا تو جو برائیاں وہ والد کے ڈر سے چھپ کر کرتا تھا اب اعلانیہ کرنے لگا۔ اب کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ اس صورت حال نے اکابرین امت کو مضطرب کر دیا۔ ادھر یزید نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ان لوگوں سے ضرور بیعت لے گا جنہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اس کی ولی عہدی پر بیعت نہیں کی تھی۔ ان میں عبدالرحمان بن ابو بکر تو 60 ہجری سے قبل فوت ہو گئے تھے باقی چاروں زندہ تھے۔ ان میں سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے سوا باقی تین نے یزید کی بیعت تو نہ کی مگر اس کے مقابلے میں خروج بھی نہ کیا۔ یزید نے بھی ان سے بیعت لینے پر زور نہ دیا اور سب سے زیادہ اسے خطرہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے تھا۔ کیونکہ اس وقت ان کی عظمت کا حامل کوئی دوسرا آدمی ملت اسلامیہ میں نہیں تھا وہ اس وقت علم و فضل، زہد و تقویٰ اور قرابت رسول ﷺ جیسی عظمتوں کے سبب تمام مسلمانان عالم سے افضل و برتر تھے۔

اس لئے فوری طور پر اس نے گورنر مدینہ کو آپ سے بیعت لینے کا حکم دیا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار کر

دیا۔ اور تیزی سے مکہ مکرمہ کو نکل گئے آپ رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے کی کوشش جاری رہی۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی۔ اس دوران اہل کوفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھے اور پرزور اصرار کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ جلد از جلد کوفہ آئیں ہم آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر یزید کے خلاف جہاد کریں گے اور اسے تخت خلافت سے اتار دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا وہ کوفہ پہنچے تو اہل کوفہ نے فوری طور پر ہزاروں کی تعداد میں آپ کی بیعت کرلی۔ پہلے ہی روز اٹھارہ ہزار افراد نے بیعت کی۔

اور یہ تعداد دن بدن بڑھتی گئی بعض روایات میں چالیس ہزار تک پہنچ گی اور انہوں نے فوراً امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا جلدی آجائیں ان حالات میں امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی کامیابی کا ظن غالب ہوگیا تھا اور باطل کے خلاف جس کو کامیابی کے اسباب میسر ہوں اس پر جہاد ضروری ہوجاتا ہے

ایک روایت میں ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اہل کوفہ میں سے چالیس ہزار افراد کی بیعت پہنچی جو بیویوں کو طلاق دینے پر مشتمل تھی۔ تب آپ رضی اللہ عنہ نے خروج کیا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 154 قصۃ الحسین بن علی مطبوعہ دارالریان قاہرہ مصر) آپ رضی اللہ عنہ کا مقصد محض حکومت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے کہ یزید کی خلافت میں سنت مٹ رہی ہے اور بدعت پھیل رہی ہے۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں خلافت راشدہ اور طریقہ نبویہ کے جو آثار باقی تھے وہ بھی مٹادیے گئے ہیں، اس لیے آپ کے خروج کیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی اہل اسلام کو دعوت حق

آپ رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کو مکہ سے دعوت کا جو خط لکھا تھا وہ اس پر روشنی ڈالتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی تحریک کا مقصد قرآن وسنت کا وہی قانون نافذ کرنا تھا جو دورِ نبوی اور خلافت راشدہ کے دور میں اللہ کی زمین پر نافذ تھا۔

وقد بعثت اليكم رسولی بهذا الكتاب، وانا ادعو كم الی كتاب الله و سنة نبيه فان السنة قد اميتت و ان البدعة قد احييت و ان تسمعوا قولی و اطيعوا امری اهد كم سبيل الرشاد والسلام عليكم ورحمته الله۔

ترجمہ: میں تمہاری طرف اپنا نمائندہ یہ خط دے کر بھیج رہا ہوں اور تمہیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ سنت کا گلا گھونٹ دیا گیا ہی اور بدعت زندہ کر دی گئی ہے۔ او اگر تم میری بات مانو گے اور میرا حکم تسلیم کرو گے تو میں تمہیں رشد و ہدایت کے راستہ پر لے چلوں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ (تاریخ الطبری جلد 3 صفحہ 280 ذکر سن 60 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس خط کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے اور بتا رہا ہے کہ سیدنا امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ دور خلافت راشدہ والی طہارت عدل و عمل بالسنتہ ختم ہو گیا ہے تو آپ نے پھر سے قرآن وسنت کی بالا دستی اور آمرانہ طرزِ حکومت کے خاتمہ کے لیے کمر ہمت باندھ لی۔ یہاں میں یہ بتانا بھول نہ جاؤں کہ آپ نے یزید کے تخت خلافت سنبھالتے ہی فوراً خروج نہیں کر دیا۔ بلکہ رجب 60 ہجری سے لے کر ذی الحج تک قریباً پانچ چھ ماہ حالات کا جائزہ لیا جب آپ نے دیکھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سنت نبویہ کی جو کچھ عمل داری باقی رہ گئی وہ بھی ختم ہو گئی ہے۔ اور اب فسق وفجور پر لوگوں کو پکڑا نہیں جاتا کوئی نماز نہ پڑھے تو اسے پوچھا نہیں جاتا اور یوں آہستہ آہستہ اسلامی معاشرہ مکمل شیطانی رنگ اختیار کرلے گا تو آپ نے خروج کیا۔

یونہی امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہما کو کوفہ بھیجا تو ان کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام جو خط لکھا وہ بھی آپ کے مقصد خروج کو واضح کرتا ہے: اس خط کے بعض یہ تھے:

فَلَعَمْرِیْ مَا الْاِمامُ اِلاَّ الْعَامِلُ بِالْکتابِ والقائمُ بالقِسْطِ والدائنُ بِدینِ الحقِّ۔
والسلام۔

مجھے میری زندگی کی قسم، امام (مستحق خلافت) وہی ہو سکتا ہے جو قرآن پہ عمل کرنے والا، انصاف کرنے والا اور دین حق کا قیام کرنے والا ہو۔ والسلام۔ (الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 386 ذکر سن 60 ہجری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ خط بھی بتا رہا ہے کہ آپ نے کس مقصد کے لیے خروج کیا اور آپ سیاسی لیڈروں کی طرح محض جھوٹے دعوے کرنے والے نہیں ہیں۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے آیت تطہیر کا مصداق بنایا گویا آپ سے ہر رجس کے دور ہونے اور آپ کے خوب پاک ہونے کا اعلان فرمایا۔ لہٰذا آپ کے خروج کا مقصد اقامت دین کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا، یقیناً دین مٹ رہا تھا اور قرآن پہ عمل چھوٹ رہا تھا اس لیے آپ میدان میں آئے۔

پھر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جب میدان کربلا میں پہنچ گئے تو گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کے بھیجے ہوئے سپہ سالار حر بن یزید نے ایک ہزار فوجیوں کے ساتھ آپ کے قافلہ کا راستہ روک لیا اور کہنے لگا: میں تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا مجھے عبید اللہ بن زیاد کا حکم ہے کہ آپ کو قافلہ سمیت پکڑ کر اس کے پاس لیجاؤں، اس وقت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے حر بن یزید اور اس کے لشکریوں کو جو خطاب فرمایا وہ بہت ایمان افروز ہے۔ امام ابن اثیر جزری متوفی 630ھ الکامل فی التاریخ میں لکھتے ہیں کہ آپ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثنا کہی پھر ارشاد فرمایا:

اَیُّھَا النَاسُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہ ﷺ قال: مَنْ رآیٰ سُلطاناً جابراً مُستَحِلاًّ لِحرَامِ اللہ ناکِثًا لِعَھْدِ اللہ مخالفا لسُنَّۃِ رسولِ اللہ یَعْمَلُ بعبادِ اللہ بالاثمِ والعدوانِ فلم یغیّر ما علیہ بفعلٍ ولا قولٍ کان حقًّا علی اللہ ان یُدخِلَہ النار

یعنی اے لوگو بے شک رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے: جو شخص کسی جابر حاکم کو دیکھے کہ وہ اللہ کے حرام کردہ کاموں کو حلال قرار دے رہا ہے، اللہ کے عہد کو توڑ رہا ہے، سنتِ رسول خدا ﷺ کے خلاف چل رہا ہے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور سرکشی والا معاملہ کرتا ہے، پھر وہ کسی قول وفعل کے ساتھ اس ظالم حاکم کو راہِ راست پر لانے کی کوشش نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اسے دوزخ میں داخل کرے۔ (کیونکہ اس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام نہیں دیا۔)

اسکے بعد امام عالی مقام نے مزید فرمایا: ان لوگوں نے (یعنی یزید اور اس کے ساتھیوں نے) شیطان کی اطاعت اختیار کرلی، رحمان کی اطاعت چھوڑ دی، فساد بپا کیا، حدودِ الٰہیہ کو معطل کر دیا، مالِ غنیمت کو ہڑپ کرنے لگے، اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرانے لگے، جبکہ میں کسی دوسرے سے بڑھ کر اس کام کا (اقامت دین کا) حقدار ہوں۔ اے کوفیو! میرے پاس تمہارے خطوط آئے، تمہارے نمائندے تمہاری بیعت لے کر پہنچے۔ اور یہ کہ تم مجھے تنہا نہ چھوڑو گے اور رسوا نہ کرو گے، اب اگر تم اپنی بیعت پر قائم ہو تو تمہیں ہدایت ملے گی۔ جان لو کہ میں حسین بن علی ہوں میں فاطمہ بنت رسول ﷺ کا بیٹا ہوں، میں خود تمہارے ساتھ ہوں، میرے اہل تمہارے اہل کے ساتھ ہیں۔ میری ذات میں تمہارے لیے نمونہ ہے، اور اگر ایسا نہ کرو (میرا ساتھ نہ دو) مجھ سے کیا ہوا عہد توڑ دو اور میری بیعت چھوڑ دو تو قسم بخدا تمہاری یہ حرکت پہلی بار نہیں ہے، تم نے یہی کچھ میرے باپ (حضرت علی المرتضیٰ) میرے بھائی (حضرت حسن مجتبیٰ) اور میرے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ کیا۔ جو تمہارے دھوکے میں آجائے وہ واقعی دھوکہ زدہ ہے، تم نے اپنا فریضہ بھلا دیا اور اپنا حق ضائع کر دیا۔ جو شخص عہد توڑے اس کا وبال اسی پہ آتا ہے۔ عنقریب اللہ مجھے تم سے بے نیاز کرے گا، والسلام

(الکامل فی التاریخ جلد 3 ذکر 61 ہجری صفحہ 408 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس خطبہ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید اور اس کے ساتھیوں کو شیطان کے پیروکار رحمان سے بیزار، فساد پھیلانے والے، حدودِ خداوندی کو معطل کرنے والے اور اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرانے والے قرار دیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دیا ہے کہ جو شخص کسی ظالم حاکم کو دین کی حدیں پامال کرتا دیکھے پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرے وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ خطبہ اس نے کہا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنا پھول قرار دیا ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا حسین مجھ سے ہے میں حسین سے ہوں حسین جنتی نوجوانوں کا سردار ہے وغیر ذلک من الاحادیث النبویہ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ یقیناً سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک یزید کے فسق وفجور اور اس کے حدود الٰہیہ کو پامال اور شریعت اسلامیہ کو بگاڑنے کے بارے میں مصدقہ خبریں پہنچی تھیں، تبھی آپ نے اہل وعیال کے ساتھ ایسا کٹھن سفر اختیار فرمایا آپ کو کوفی لوگوں نے اس قدر خطوط ارسال کیے تھے کہ آپ نے یقین فرمالیا کہ میں ان لوگوں کی مدد کے ساتھ دین کی حدیں محفوظ کر سکتا ہوں یزید کی بدکرداری کے بارے میں درج ذیل روایات بھی امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ

عنہ کے موقف کی حمایت کرتی ہیں:

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: واقدی نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

واللهِ ما خَرَجْنا علی یَزِیْدَ حتّٰی خِفْنَا اَنْ نُرمٰی بالحجارۃ من السماءِ اِنّہ، رَجُلٌ ینکِحُ امہاتِ الاولادِ والبنات والاخواتِ ویشربُ الخمرَ ویدعُ الصَّلٰوۃَ

اللہ کی قسم ہم نے یزید کے خلاف خروج نہ کیا تا آنکہ ہمیں ڈر ہوا کہ ہم پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے، کیونکہ یزید ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتا تھا وہ شراب پیتا اور نماز ترک کرتا تھا۔

آگے امام سیوطی مزید فرماتے ہیں: جب یزید نے اہل مدینہ پر ظلم ڈھائے اس کے ساتھ وہ شراب بھی پیتا اور منکرات کا ارتکاب کرتا تھا اس لیے لوگ اس کے خلاف کھڑے ہو گئے اور اللہ نے اس کی عمر میں برکت نہ کی۔

(تاریخ الخلفاء ذکر یزید بن معاویہ صفحہ 156 ـ 157 مطبوعہ دار المنار قاہرہ مصر)

دیکھیے اس عبارت کے مطابق اہل مدینہ نے واقعۂ کربلا کا حوالہ نہیں دیا وہ اپنی جگہ ظلم عظیم ہے، اہل مدینہ نے یزید کی شراب نوشی، زناکاری اور دیگر بدعنوانیوں کا ذکر کیا ہے۔ جنکی وجہ سے انہوں نے یزید کے خلاف خروج کیا۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

وقد روی ان یزید کان قد اشتھد بالمعازف و شرب الخمر والغنا و الصید واتخاذ الغلمان والقیان و الکلاب و النِّطاج بین الکباش و الدِّباب والقرود و مامن یوم الا یصبح فیہ مخمورًا و کان یَشُدُّ القردَ علی فرس مُسَرَّجَۃٌ بجبال و یسوق بہ ویلبس القرد قلانس الذھب والغلمان و کان یسابق بین الخیل و کان اذا مات القرد حزن علیہ و قیل ان سبب موتہ انہ حمل قردہ و جعل ینقرھا فعضتہ

یہ مروی ہے کہ یزید باجے بجانے، شراب پینے، گانا گانے، شکار بازی، گانے والے لونڈے لونڈیاں رکھنے، کتے رکھنے، مینڈھوں، ریچھوں اور بندروں کے باہم لڑانے میں مشہور تھا، ہر دن وہ صبح نشے میں اٹھتا تھا، وہ گھوڑوں پہ بندر باندھ کر انہیں بھگاتا تھا۔ وہ بندروں کے سروں پہ اور غلاموں کے سروں پہ سونے کی ٹوپیاں رکھتا تھا۔ گھوڑوں کو دوڑاتا تھا۔ جب اس کا کوئی بندر مر جاتا تو اس پہ بہت غم کرتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کے مرنے کا سبب بھی یہی تھا کہ اس نے ایک بندر اٹھا رکھا تھا وہ اسے نچا رہا تھا اس نے یزید کو کاٹ لیا جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 239 ترجمہ یزید)

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف پر ایک سوال کا جواب:

یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب یزید کو تمام شہروں کی طرف سے امیر مان لیا گیا تھا تو وہ امت کا مقرر کردہ امیر تھا اور حدیث میں امیر کی اطاعت پر بہت زور دیا گیا ہے اور قرآن نے بھی اولی الامر کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے (سورہ نسآء آیت 59) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو خلیفوں کی بیعت کر لی جائے تو ان میں سے جو آخری ہو اسے قتل کر دو۔ (یعنی جس کی بیعت پہلے کی گئی وہی حقدار ہے۔ دوسرا باغی ہے)

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث 4799)

اسی طرح احادیث میں مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے امیر سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی وہ صبر کرے کیونکہ جس نے جماعت کو ایک بالشت چھوڑا پھر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث 4790)

تو سوال ہے کہ ان احادیث کی موجودگی میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف کیوں خروج کیا جس کی وجہ سے امت میں تفرقہ پیدا ہوا؟

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مذکورہ اور احادیث محولہ بالا اس صورت پر محمول ہیں جب ایک شخص اہل رائے مسلمانوں کے اتفاق سے امیر مقرر ہو، جبکہ یزید کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ سیدنا امام حسین، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمان بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نے اسکی بیعت نہیں کی تھی۔ اور اس کی ولی عہدی کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ تو وہ مسلمانوں کا متفقہ امیر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اس لیے مذکورہ احادیث یزید پر صادق نہیں آتیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب یزید نے خلیفہ بننے کے بعد فسق و فجور شروع کیا جیسا کہ ہم نے اوپر بتا دیا تو سیدنا امام حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے اس کے خلاف آواز اٹھانا ضروری سمجھا۔ ان نفوسِ قدسیہ کے سامنے یہ آیات و احادیث تھیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ ۔

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانات کو ان کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ اور جب تم لوگوں میں فیصلے کرو تو عدل کے ساتھ کرو اللہ تعالیٰ تمہیں کیا ہی پیاری نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔

(سورہ نسآء آیت 58)

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ
نیکی کا حکم دو برائی سے روکو اور (اس راہ میں) جو مصیبت آئے اس پر صبر رکھو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔
(سورہ لقمان آیت 17)

یونہی قرآن کریم میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صدہا آیات ہیں اور اس معنیٰ پر مشتمل صدہا احادیث مبارکہ ہیں یہ سب نصوصِ قطعیہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیشِ نظر تھیں۔ مزید دیکھئے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا۔ آپ نے فرمایا:

من رآی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذٰلك اضعف الایمان۔

تم میں سے جو شخص برائی کو ہوتا دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ (اس کے خلاف اپنی پوری طاقت استعمال کرے) اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے زبان سے روکنے کی کوشش کرے، اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (کہ مومن برائی کے خلاف زبان بھی نہ ہلا سکے۔) (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 177، سنن ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب 232، سنن نسائی کتاب الایمان باب 17، سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب 155، مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 2 جلد 3 صفحہ 20)

سیدنا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کوفیوں کے ہزاروں خطوط اور پیغامات کے بعد سمجھتے تھے کہ وہ یزید کو طاقت کے ساتھ روک سکتے ہیں۔ اس لیے آپ نے طاقت استعمال کرنے کا ارادہ فرمایا یہ الگ بات ہے کہ حالات نے ساتھ نہ دیا اور کوفی لوگ بیوفائی کر گئے۔

اور یہ حدیث نبوی بھی ان مبارک نفوس کے پیشِ نظر تھی۔ جو عقبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَعَجَزْتُمْ اِذَا بَعَثْتُ رَجُلاً منکم فلم یَمْضِ لِاَمری اَنْ تَجْعَلُوا مکَانَهٗ مَنْ یَمْضِی لِاَمْری

کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ جب میں تم میں سے کسی شخص کو امیر لشکر بنا کر بھیجوں پھر وہ میرا حکم نہ مانے (اس کے خلاف چلے) تو تم اسے ہٹا کر اس کی جگہ اسے امیر بنا دو جو میرے حکم پر چلے۔
(سنن ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الطاعۃ حدیث 2627)

اس حدیث کی روشنی میں سیدنا امام عالی مقام امام حسین سمجھتے تھے کہ ان کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ فاسق و فاجر

یزید کو جو حکم رسول ﷺ کے خلاف چل رہا ہے معزول کر کے اس کی جگہ کسی بہتر شخص کو بٹھا سکتے ہیں خواہ وہ آپ ہوں یا کوئی اور، جب خود رسول اکرم ﷺ کے قائم کردہ امیر کو اس کے فسق و فجور کے باعث ہٹایا جاسکتا ہے اور یہی حکم رسول ہے تو کسی اور طریقہ سے بننے والے امیر کو کیوں نہیں ہٹایا جاسکتا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ اگر ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو آپ کی سنت کو نہ اپنائیں اور آپ کے حکم کردہ کاموں کو نہ چلائیں تو آپ ان کے معاملہ میں ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

لا طاعة لِمَنْ لَمْ يُطِعِ الله

جو اللہ کی اطاعت نہ کرے اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے، اسے احمد بن حنبل اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد جلد 5 صفحہ 225 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر حکم کا سننا اور بجالانا ضروری ہے خواہ اسے اچھا لگے یا نہ، جب تک کہ معصیت کا حکم نہ ہو۔ جب معصیت کا حکم ہو تو پھر حکم سنو نہ مانو۔

(صحیح بخاری کتاب الاحکام حدیث 7144)

سب سے بڑھ کر وہ حدیث ہے جو خود امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں پیش کی کہ جو شخص کسی ظالم حاکم کو اللہ کے حلال و حرام میں تبدیلی کرتا دیکھے پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرے تو اللہ کا حق ہے کہ اسے جہنم میں ڈالے جیسا کہ ہم ابھی پیچھے لکھ آئے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقصد یزید کو فسق و فجور سے روکنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا تھا، ہر صورت میں حکومت کا تختہ الٹنا اور خود حاکم بننا آپ کا مقصد نہ تھا جیسا کہ سیاسی لوگوں کا مقصد ہوتا ہے۔ آپ نے عمرو بن سعد سے یہ بھی کہا تھا۔ کہ آپ کو واپس مدینہ جانے دیا جائے یا کسی دور اسلامی سرحد پہ جانے دیا جائے یا یزید سے خود جا کر بات کرنے دی جائے، مگر وہ بیعت یا قتل کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں جانتے تھے۔

امام ابن اثیر جزری نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزیدی فوج کے سالار عمرو بن سعد سے کہا تھا کہ ہم دونوں ان لشکروں کو یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس جاتے ہیں، اس نے کہا مجھے ڈر ہے کہ میرا گھر مسمار کر دیا جائے گا۔ (یعنی گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد میرا گھر ڈھا دے گا) آپ نے اسے فرمایا میں تمہیں اس سے اچھا گھر بنوا دوں گا، مگر وہ نہ مانا۔ (الکامل فی التاریخ جلد 3 سن 61 ہجری، مقتل الحسین صفحہ 413 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ براہ راست یزید سے مل کر اسے منکرات کے ختم کرنے اور حدود الٰہیہ کو صحیح طرح جاری

کرنے کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ اگر عمرو بن سعد آپ کی بات مان لیتا تو اصطلاح کی صورت نکل سکتی تھی مگر جناب امام حسین سے مطالبہ کیا گیا کہ بس یزید کے حق میں بیعت کرو دوسری کوئی تجویز قابل قبول نہیں ہے، مگر آپ نے فاسق وفاجر ظالم حاکم کی بیعت سے انکار کر دیا۔

بعض تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یزیدی فوج حضرت امام حسین کی کسی تجویز کو جو خونریزی سے بچانے والی تھی، کیوں نہیں مانتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے پاس کوفیوں کے بھیجے ہوئے ہزاروں خطوط تھے وہ آپ نے یزیدی فوج کو دکھائے تھے اور نام لیکر پکارا تھا کہ اوفلاں! کیا یہ تمہارا خط نہیں ہے، اوفلاں! کیا یہ تمہارا خط نہیں ہے۔ کیا تمہی نے مجھے خطوط لکھ کر نہیں بلایا؟ انہوں نے کہا ہم ان خطوط کو نہیں جانتے، یزیدی فوج کو ڈر تھا کہ اگر امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کو دعوت حق دینے کیلئے کسی طرح اس کے پاس پہنچ گئے اور ہمارے یہ خطوط یزید کے سامنے آ گئے تو پھر ہماری خیر نہیں، اس لیے وہ ہر صورت میں آپ کو ختم کرنا چاہتے تھے بلاشبہ آپ امام مظلوم ہیں۔

خوارج نے امام حسین رضی اللہ عنہ پر ان احادیث کے ذریعے بھی اعتراض کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنے حاکموں سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو اس عمل کو برا جانو مگر ان کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔ (مسلم کتاب الامارۃ حدیث 65) آپ نے فرمایا سب سے بدتر حاکم وہ ہے جسے تم ناپسند رکھو وہ تم پر لعنت کرے تم اس پر لعنت کرو، صحابہ نے کہا کیا ہم ایسے حاکموں کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نمازیں قائم کریں۔

(مسلم حوالہ مذکورہ)

خوارج کہتے ہیں یزید اگر فاسق تھا تو بھی حضور ﷺ نے فاسق حاکم کے خلاف تلوار کے اٹھانے سے منع فرمایا ہے، پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف تلوار کیوں اُٹھائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس حاکم کے لیے ہے جو مسلمانوں کی مشاورت سے حاکم بنا ہو اور سب نے اس کی حکومت پر اتفاق کیا ہو یزید کا حال مختلف ہے امام حسین، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے یزید کی ولی عہدی پر بیعت نہیں کی تھی۔ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے آخر دم تک تلوار کے اٹھانے سے خود کو بچایا ہے مگر یزیدی فوج ہر قیمت پر آپ کو ختم کرنا چاہتی تھی پھر آپ نے ہزاروں کوفیوں کے خطوط سے یقین کر لیا کہ آپ فاسق حاکم کو ہٹا سکتے اور اس کی برائیوں کو مٹا سکتے ہیں مگر کوفیوں کی بے وفائی نے حالات کا پانسہ پلٹ دیا۔

جب امام عالی مقام نے مکہ مکرمہ سے خروج کیا تو عمرو بن سعید بن العاص نے جو یزید کی طرف سے گورنر مکہ تھا آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ واپس آجائیں اور امت میں شقاق وتفرقہ پیدا نہ کریں میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ (یعنی آپ مکہ میں واپس آجائیں اور یزید کی بیعت نہ بھی کریں تو میں عہد دیتا ہوں کہ یزید کی طرف سے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچنے دوں

گا) آپ نے اسے جواب بھیجا۔

اَنْ کُنْتَ اَرَدْتَ بِکِتَابِکَ بِرِّیْ وَصَلَتِیْ فَجَزَاکَ اللّٰہُ خَیْراً وَاِنَّہٗ لَمْ یُشَاقِقِ مَنْ دَعَا اَلَی اللّٰہِ وَعَمَلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

ترجمہ: اگر تمہارے پیغام کا مقصد میری خیرخواہی اور حسن سلوک ہے تو اللہ تمہیں جزا دے اور وہ شخص امت میں تفرقہ پیدا کرنے والا کیسے کہلا سکتا ہے جو اللہ کے دین کی دعوت دے اور خود دین پر عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 165 مطبوعہ دارلریان مصر)

کیا ان شواہد کے بعد بھی یزید کا کوئی خیرخواہ کہہ سکتا ہے کہ امام عالی مقام نے یزید کے خلاف ناحق بغاوت کی۔ اور محض حصول اقتدار کے لیے خروج کیا

یہاں ابن خلدون جیسا محقق اور مورخ حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہوئے کہتا ہے۔

و اما الحسین فانه لما ظهر فسق یزید عند کافة من اهل عصره بعثت شیعة اهل البیت بالکوفة للحسین ان یاتیهم فیقوموا بامره فرای الحسین ان الخروج علی یزید متعین من اجل فسقه لا سیما من له القدرة علی ذلك

ترجمہ: امام حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ جب یزید کا فسق و فجور اس دور کے تمام اہل زمانہ پر واضح ہو گیا تو کوفہ میں اہل بیت رسول کے حامی لوگوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو پیغامات بھیجے کہ آپ ان کے پاس آجائیں تاکہ وہ ان کی حکومت قائم کریں اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے بھی یہی راستہ دیکھا کہ یزید کے فاسق و فاجر ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف خروج ضروری ہو گیا ہے خصوصاً اس حالت میں جب کہ آپ کو خروج کی طاقت بھی حاصل ہے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اول فصل 30 مقتل الحسین بن علی رضی اللہ عنہما صفحہ 162 مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

صحابہ کرام نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یزید کا فسق و فجور صرف امام حسین رضی اللہ عنہ ہی کو نظر آیا؟ صحابہ کرام کی ایک تعداد اس وقت موجود تھی انہوں نے یزید کے خلاف خروج کیوں نہیں کیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ یہ سوال واقعتاً بہت اہم ہے۔ اس کا جواب ہم خود نہیں دیتے علامہ ابن خلدون نے یہاں بڑی عادلانہ مدبرانہ رائے قائم فرمائی ہے وہ سن لیں۔ سارا جواب آجائیگا وہ فرماتے ہیں۔

”جب یزید کا فسق و فجور ظاہر ہوا تو صحابہ کرام میں دو مختلف آراء پیدا ہوئیں۔ بعض نے اس پر خروج کا ارادہ کیا اور

بڑھائے (یعنی لپک کر انہیں پکڑنا چاہا) آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تُزْرِمُوْ ابنی میرے بیٹے کو تکلیف مت دو اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا کپڑا پانی سے دھولیا۔ (مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 198 حدیث 4829)

اندازہ فرمائیں قارئین کرام اگر نبی اکرم ﷺ کو یہ بات گوارہ نہیں کہ کوئی آپ ﷺ کے نواسہ حسین رضی اللہ عنہ کو زور سے پکڑے تو سوچیئے جب ان کے گلے پر خنجر چلایا گیا ان کے جسم نازنین پر گھوڑے دوڑائے گئے انکے سر اقدس کو نیزے پر اٹھایا گیا اس وقت مکین گنبدِ خضری کے قلب انور پر کیا گزری ہوگی آخر اس کی کیا وجہ تھی کہ رسول کرم ﷺ کو اس نواسے سے اتنا پیار تھا یہ بات تھی کہ اللہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کی شہادت کی خبر بھی اپنے نبی ﷺ کو فرما دی تھی۔ چنانچہ حضرت سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں گود میں اٹھالیا۔ تھوڑی دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ آپ ﷺ کی چشمانِ مبارک سے آنسو برسنے لگے میں دیکھ کر گھبرا گئی۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ماجرا ہے آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابھی ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ میرے لختِ جگر کو میری امت قتل کرے گی۔ میں نے عرض کیا کیا آپ کی امت آپ کے اس پیارے بیٹے کو قتل کرے گی؟ فرمایا ہاں اسی پیارے بیٹے کو قتل کرے گی اور جبریل علیہ السلام میرے پاس اس قتل گاہ کی مٹی بھی لے کر آئے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 6 صفحہ 469 باب ماروی فی اخبارہ بقتل الحسین بن علی رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے تھے ہم اہل بیت کو جب کہ ہم کثیر تعداد میں تھے اس بارے میں کوئی شک نہ تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقام طف (کربلا) میں شہید کئے جائیں گے۔

(مستدرک جلد 3 صفحہ 197 حدیث 4826)

اللہ اکبر! اہل بیت رسول کا صبر و حوصلہ اور عزم و استقامت دیکھیے کہ سب جانتے ہیں ان کا نور نظر لخت جگر شہید کیا جائیگا مگر کسی حدیث یا روایت میں ایسا کہیں مروی نہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی ہو اے اللہ میرے بیٹے کو قتل سے بچالے یا مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے یا رسول اکرم ﷺ نے ایسی دعا کی ہو۔ حالانکہ اگر وہ دعا کرتے تو یقیناً اللہ قبول فرماتا اور تقدیر بدل دیتا مگر وہ لوگ عزم و ہمت کا بلند ترین پہاڑ تھے۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بسا اوقات سجدے میں ہوتے تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما آ کر آپ کی پشت انور پر سوار ہو جاتے، ایسے میں امام الانبیا ﷺ اپنا سجدہ طویل فرما دیتے جب تک بچے اپنی مرضی سے نہ اُترتے۔ رسول اکرم ﷺ سجدے سے سر نہ اُٹھاتے۔

(کنز العمال بروایت ابن عساکر جلد 13 صفحہ 668 حدیث 37703 فضل الحسنین رضی اللہ عنہما مطبوعہ موسسۃ الرسالہ)

بعض روایات میں ہے کہ ایک بار امام حسین رضی اللہ عنہ آقائے نامدار مدنی تاجدار ﷺ کی پشت مبارک پر سجدے میں

سوار ہو گئے۔آپ ﷺ نے 72 مرتبہ سجدے کی تسبیح پڑھ ڈالی تب وہ پشت مبارک سے اترے۔

پھر یہ حُسن اتفاق دیکھئے کہ کربلا میں امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی معیت میں 72 افراد نے جام شہادت نوش کیا گویا قدرت نے کہا اگر نانا محمد مصطفی سید الانبیاء ﷺ ہے تو نواسہ بھی حسین بن علی رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہے۔اگر نانا نے نواسے کے لیے 72 تسبیحات قربان کی ہیں تو نواسے نے ہر تسبیح کے بدلے میں اپنے عزیزوں میں سے 72 افراد اپنے نانا جان کے دین کی عظمت پر قربان کر دیے ہیں۔

ترمذی شریف میں آتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک بار نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپ نے اپنے کمبل شریف میں کوئی چیز اٹھا رکھی ہے۔آپ نے کمبل ہٹایا تو میں نے دیکھا آپ کے دونوں پہلوؤں میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما دبکے بیٹھے تھے۔گویا اس طرح نبی اکرم ﷺ اپنے نواسوں کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھتے تھے۔

اسی جگہ ترمذی شریف میں یہ بھی حدیث ہے کہ ایک بار رسول خدا ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ نے دیکھا حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں بچے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آ گئے۔آپ ﷺ نے وہیں خطبہ منقطع فرما دیا اور منبر سے اتر آئے۔دونوں نواسوں کو اٹھایا اور منبر پر اپنے دائیں اور بائیں بٹھا لیا اور فرمایا۔اللہ نے سچ فرمایا ہے تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ (آزمائش) ہے۔میں خطبہ دے رہا تھا۔میں نے انہیں لڑکھڑاتے دیکھا تو منبر سے اتر پڑا۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین حدیث 3774)

قارئین! اندازہ فرمائیں اگر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا بچپن میں لڑکھڑاتے چلنا کہ جس میں گر پڑنے کا احتمال ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ سے دیکھا نہ گیا اور خطبہ چھوڑ کر انہیں منبر پر ساتھ بٹھا لیا۔تو کربلا میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے سارے ساتھی اور سارے خاندان والے قربان ہو چکے تھے۔تنہا آپ رضی اللہ عنہ تھے اور اس وقت ہر طرف سے تیروں کی برسات ہو رہی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کا جسم نازنین زخموں سے چور ہو کر لڑکھڑا رہا تھا۔آخر سنان بن عمر نے آپ کے سینے میں نیزہ مارا تو آپ گر پڑے اور دوزخی کتے شمر نے بڑھ کر سرانور کو جسم مبارک سے کاٹ لیا۔اس وقت اتنا پیار کرنے والے نانا جان رسول ﷺ پر کیا گزر رہی تھی؟

امام حسین رضی اللہ عنہ دورِ خلافت راشدہ میں

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ امام الانبیاء ﷺ کی شفقتوں اور عنایتوں میں پروان چڑھے۔جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ اور چھ برس کے درمیان تھی۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو احترام وعقیدت اور محبت وشفقت کا وہ مقام دیا جس کے وہ مستحق تھے پیچھے اس کے متعدد شواہد گزر چکے ہیں خلفاء راشدین نے انہیں شہزادوں کی طرح محبت وعنایت کے اعلیٰ مقام پر رکھا یہی وجہ ہے کہ حسنین کریمین کو

بیعت توڑ دی۔ (اس سے یزید کے حق میں ولی عہدی کی بیعت یا عدم مخالفت کی روش مراد ہے) جیسے امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں نے کیا۔ اور بعض نے خروج سے انکار کیا۔ لما فیہ من اثارة الفتنة و كثرة القتل کیونکہ اس میں فتنہ پھیلنے اور کثیر قتل کا ڈر تھا اور اس کے باوجود کامیابی کی توقع نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت یزید کی شوکت تمام بنوامیہ کی عصبیت کی بنیاد پر تھی اور تمام بنومضر کی عصبیت بنوامیہ کی پشت پناہی میں تھی۔ اس طرح یہ سب قوتوں سے بڑی قوت تھی جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے وہ یزید کا مقابلہ کرنے سے رک گئے۔ وہ اس کی ہدایت یا اس سے نجات کی دعا میں لگ گئے۔ جمہور مسلمانوں کا یہی طریقہ تھا۔

وَالْكُلُّ مُجْتَهِدُوْنَ وَلَا مُنْكِرِ عَلٰى اَحَدٍ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ فَمَقَاصِدُهُمْ فِي الْبِرِّ وَتَحَرِّي الْحَقِّ مَعْرُوْفَةٌ

ترجمہ: اور سب اپنا اپنا اجتہاد کر رہے تھے اور دونوں میں سے کسی فریق کو برا نہیں کہا جاسکتا۔ نیکی اور تلاش حق میں ان کے مقاصد معروف ہیں۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ 160 حوالہ مذکورہ بالا)

یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اہل کوفہ میرے ساتھ ہیں ان کے ہزاروں خطوط آچکے ہیں تو میرا اس فاسق و فاجر حکومت کے خلاف اٹھنا ضروری ہے۔ اگر میں نہ اٹھوں گا تو روز قیامت میرے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا۔ کوئی اہل کوفہ میں سے اللہ کے دربار میں کہہ سکے گا کہ یا اللہ ہم نے حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ حدود دین کو مٹنے سے بچایا جائے مگر یہ میدان میں نہ نکلا۔

جو شیعہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے کا اعتراض کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ کتنے اہل بیت کے لوگ تھے جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم بلکہ تاریخی روایات کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد بن حنفیہ پر کچھ ناراضگی بھی آئی کہ وہ نہ صرف خود رک گئے بلکہ اپنی اولاد کو بھی آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے سے روک دیا (البدایہ جلد 8 صفحہ 127) اس کی وجہ کیا تھی کیا انہیں امام عالی مقام سے محبت نہ تھی؟ ہم عرض کرتے ہیں محبت سب کو تھی سب کو آپ رضی اللہ عنہ سے بہت ہمدردی تھی مگر انہیں کامیابی کا کوئی امکان ونشان نظر نہیں آتا تھا انہیں نظر آتا تھا کہ قتل کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

اسی طرح حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن جعفر جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے عمزاد (کزن) تھے اور ان کے دونوں بیٹے عون و محمد کربلا میں شہید ہوئے، بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ نکلے، بلکہ انہوں نے آپ کو روکنے کی پوری کوشش کی، جب کامیابی نہ ملی تو خود نہ گئے مگر اپنے بیٹوں کو بھیج دیا۔

واقعہ کربلا ایسا موقع ہے جہاں اہل سنت کو اہل تشیع اور خارجیت پسند دونوں گروہوں سے لڑنا پڑتا ہے۔ اہل تشیع صحابہ پر عدم معاونت اہل بیت کا الزام رکھتے ہیں اور خارجی لوگ صحابہ کرام کو یزید کا حامی بتا کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور امت

میں تفریق ڈالنے والا قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ اہل سنت کو جزا دے جو صحابہ کرام اور اہل بیت دونوں کا دفاع کرتے اور حقیقی موقف اختیار کرتے ہیں اس کے باوجود کچھ لوگوں کا اصرار ہے کہ نہیں جی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کو صحیح معنوں میں خلیفۃ المسلمین سمجھتے تھے اس کے مقابلہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا نکلنا انہیں بالکل اچھا نہ لگا۔ اس لیے انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا نہ صرف یہ کہ ساتھ نہ دیا بلکہ انہیں روکا مگر انہوں نے کسی کی سنی ہی نہیں اور چل کھڑے ہوئے۔ پھر جو نتیجہ نکلا وہ سب کے سامنے ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں یہ رائے بالکل غلط ہے۔ کسی تاریخی روایت میں یہ نہیں لکھا کہ کسی صحابی نے یزید کے کردار کی تعریف اور امام حسین رضی اللہ عنہ پر تنقیص کی ہو۔ ہاں انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے یہ عرض کیا کہ اہل کوفہ بے وفا ہیں آپ ان کے خطوط پر نہ جائیں۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کو شہید اور آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا۔ یہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کریں گے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اے حسین رضی اللہ عنہ مجھے لگتا ہے آپ اپنی عورتوں اور بچوں کے درمیان یوں قتل کر دیئے جائیں گے جیسے عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی عورتوں اور بچوں کے درمیان مار دیے گئے تھے بلکہ تمہیں قتل کر کے خون عثمان کا بدلہ لیا جائیگا۔ (یعنی اہل شام ہمیشہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں وہ آپ کو قتل کر کے خون عثمان کا قصاص لیں گے) اور اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں آپ رضی اللہ عنہ کے بال پکڑ لیتا اور مکہ سے جانے نہ دیتا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری وجہ سے سرزمین مکہ کو لالہ زار کیا جائے اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ میں کسی اور جگہ پر قتل کر دیا جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے بھائی حسین رضی اللہ عنہ آپ مکہ میں ٹھہریں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہیں مگر کوفہ نہ جائیں۔ آپ نے فرمایا مجھے میرے والد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی تھی کہ مکہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا جائے گا جس سے اس کی حرمت پامال ہو جائے گی اور مجھے وہ مینڈھا بننا پسند نہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 163 صفۃ مخرج الحسین الی العراق مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر)

یہ مینڈھا بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا ان کی وجہ سے حجاج بن یوسف نے شہر مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ انہیں کعبہ کے اندر قتل کیا گیا اور لاش کو سولی پہ لٹکایا گیا۔ حضرت امام عالی مقام نے شہر مکہ چھوڑنے کا اس لئے فیصلہ کیا کہ آپ جانتے تھے اگر وہ مکہ میں رہے تو یزید مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرے گا اور اس بلد امین کی حرمت و تقدس کا بھی کچھ لحاظ نہیں کرے گا۔ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے ہوئے کہا آپ رضی اللہ عنہ کسی ریگستان میں چلے جائیں جہاں یزید آپ رضی اللہ عنہ تک آسانی سے پہنچ نہ سکے وہاں سے اپنے حمائتیوں سے رابطہ کریں اور کامیابی کا انتظار کریں۔ بعض صحابہ نے یہ عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ مکہ میں ٹھہر کر لوگوں کو اپنے گرد جمع کریں جب آپ رضی اللہ عنہ کو بھاری قوت حاصل ہو جائے تب یزید کے خلاف نکلیں مگر کوفہ نہ جائیں وہ اہل دغا ہیں۔

الغرض صحابہ کرام نے اپنی اپنی تجاویز دیں۔ کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ یزید نیک سیرت عادل خلیفہ ہے اس کے خلاف بغاوت کر کے آپ کیوں کبیرہ گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان کا آپ رضی اللہ عنہ کو حیلے بتانا کہ ایسا کرلیں اور ایسا کرلیں بتاتا ہے کہ وہ بھی یزید سے اسی قدر بیزار تھے جس قدر آپ رضی اللہ عنہ البتہ وہ سمجھتے تھے کہ طاقت نہ ہونے کی وجہ سے یزید کے خلاف نکلنا خلاف مصلحت ہے جیسا کہ امام ابن خلدون نے کہا۔

یزید نے ابن زیاد کو قتل حسین پر اکسایا

امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو ابن زیاد نے بڑی بے دردی سے شہید کیا۔ کوفیوں نے ان سے غداری کی۔ اور ابن زیاد کی صرف ایک دھمکی سے مرعوب ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ایک ہی دن میں یہ حال ہو گیا کہ جو کوئی ایک دن پہلے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے گھروں میں دعوتیں کر رہے تھے اب کوئی گھر میں انہیں پناہ دینے کو تیار نہ تھا۔ نتیجتاً آپ رضی اللہ عنہ کو ابن زیاد نے گرفتار کر کے خوفناک طریقے سے قتل کر دیا۔ قصر امارت کے اوپر لے جا کر آپ رضی اللہ عنہ کا سر قلم کر کے بازار میں پھینک دیا اور پیچھے ان کی لاش بھی پھینک دی ان کے میزبان ہانی بن عروہ کو بھی ایسے ہی قتل کیا اور دونوں کے سر یزید کے پاس بھیج دیے۔

یزید نے اس کا ذرا برا نہ منایا کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے عظیم المرتبت آدمی کو یوں بے دردی سے کیوں شہید کیا بلکہ بدلے میں اس نے ابن زیاد کو لکھا کہ عنقریب حسین بن علی رضی اللہ عنہ بھی تمہارے پاس کوفہ آنے والا ہے۔

وعندہ تعتق او تعود عبدا کما ترق العبید فقتله ابن زیاد و بعث براسه الیه

ترجمہ: اور ایسے ہی موقع پر تجھے آزاد کیا جائیگا۔ یا غلاموں کیطرح تمہیں واپس غلام بنالیا جائیگا۔ تو ابن زیاد نے یہ خط پا کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ان کا سر یزید کو بھیج دیا۔

(مجمع الزوائد جلد 10 صفحہ 196 باب مناقب الحسین بن علی علیہما السلام مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

یہ عبارت صاف صاف بتا رہی ہے کہ ابن زیاد نے یزید کا خط پا کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یزید اسے کیا کہہ رہا ہے۔ شاید ابن زیاد آپ سے کوئی نرم سلوک کرتا مگر اس خط نے اسے کھلی چھٹی دے دی اور اس نے آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی مکہ سے روانگی

خلاصہ یہ کہ اہل کوفہ کے پیہم اصرار کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے 10 ذی الحج کو مکہ مکرمہ سے عراق کا رخ کیا۔ راستے میں آپ رضی اللہ عنہ کو مشہور شاعر عرب فرزدق ملا آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کدھر سے آئے ہو؟ کہا کوفہ سے، پوچھا کوفہ کا کیا حال ہے؟ کہا اہل

کوفہ کے دل آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں اور تلواریں یزید کے ساتھ۔ پھر ایک مقام پر پہنچے جسے زرود کہا جاتا ہے وہاں آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ کوفہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی مسلم بن عقیل کو قتل کر دیا گیا ہے۔ خبر بتانے والے آدمی نے کہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے میزبان حانی بن عروہ کی لاشوں کو پاؤں میں رسی ڈال کر کوفہ کے بازاروں میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ آپ نے سن کر کئی مرتبہ کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن اور فرمایا اب ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں رہ گئی۔

یہ خبر سن کر حضرت مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا خدا کی قسم اب ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لے لیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ آگے چل دیے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ایک مقام پر پہنچ کر پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟ بتایا گیا ''کربلا''، فرمایا کرب و بلا یعنی دکھ اور مصیبت، ابھی آپ رضی اللہ عنہ کربلا ہی میں تھے کہ گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے عمرو بن سعد نے آ کر آپ کا راستہ روک لیا، آپ نے اسے فرمایا: میری طرف سے دو تجاویز ہیں تم ان میں سے کوئی بھی اختیار کر کے میرا راستہ چھوڑ دو۔ اول: مجھے واپس چلے جانے دو۔ دوم: مجھے کسی دور علاقے میں چلے جانے دو جہاں میں اپنی بقیہ زندگی گزار دوں۔ عمرو بن سعد نے آپ رضی اللہ عنہ کی تجاویز عبیداللہ بن زیاد تک پہنچائیں اس کی طرف سے جواب آیا ہرگز نہیں حسین رضی اللہ عنہ اس کے ہاتھ پر یزید کے حق میں بیعت کریں یا قتل کے لیے تیار ہو جائیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ اس کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد کا یہ حکم بھی آیا کہ حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کو پانی نہ ملنے پائے۔ تاکہ وہ مجبور ہو کر بیعت کریں مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار کر دیا۔

کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں بیعت یزید پر آمادہ ہو گئے تھے؟

آپ رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی عقبہ بن سنان سے ابومخنف نے روایت کیا ہے کہ میں نے مکہ سے روانگی سے شہادت حسین رضی اللہ عنہ تک سارا وقت امام عالی مقام کے ساتھ گزارا اور جو بھی بات انہوں نے فرمائی میں نے سنی۔ آگے کہا

انه لم يسئل ان يذهب الىٰ يزيد فيضع يده الىٰ يده ولاان يذهب الىٰ ثغر من الثغور۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ آپ یزید کے پاس چلے جائیں گے تاکہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیں نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ نے یہ مطالبہ کیا کہ اسلامی سرحدوں میں سے کسی سرحد پر چلے جائیں، آپ رضی اللہ عنہ نے صرف دو چیزوں کا مطالبہ کیا ایک یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ واپس چلے جائیں جہاں سے آئے تھے دوسرا یہ کہ خدا کی وسیع زمین میں کہیں دور جا کر ڈیرہ لگائیں۔ (تاریخ ابن جریر طبری جلد 3 صفحہ 312 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 413 ذکر سن 61ھ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 178 مطبوعہ دارالریان مصر)

اس سے واضح ہو گیا کہ جو یہ روایت ہے کہ امام عالی مقام نے کربلا میں کہہ دیا تھا کہ میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے

کو تیار ہوں تم مجھے سیدھا یزید کے پاس جانے دو غلط روایت ہے۔ آگے آنے والی مزید روایات بھی اس کی تردید کرتی ہیں۔

یہی تو امام عالی مقام نواسہ مصطفی ﷺ کی استقامت ہے کہ وہ باطل کے سامنے ڈٹ گئے سر کٹوا لیا مگر باطل کے آگے جھکایا نہیں۔

عمرو بن سعد امام حسین رضی اللہ عنہ کو مہلت دے رہا تھا تا کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں اور یوں اس کے ہاتھ آپ کے قتل سے رنگیں نہ ہوں وہ آپ سے لڑائی کرنے میں بہت ہچکچا رہا تھا۔ ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ تہدیدی حکم دے کر کوفہ سے بھیجا کہ جاؤ ابن سعد سے کہو حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کرے اگر وہ حکم نہ مانے تو اسے قتل کر کے اس کی جگہ تم امیر لشکر بنو اور حسین رضی اللہ عنہ کا کام تمام کرو۔ یہ حکم سن کر ابن سعد نے حملہ کا حکم دیا۔ جب کوفی فوج قریب آئی تو امام عالی مقام کی طرف سے حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں بیس آدمی ان کے سامنے آئے اور پوچھا کیا ماجرا ہے جواب ملا امیر کوفہ ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگ اس کا حکم مانو (یزید کی بیعت کرو) یا قتل کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت عباس نے کہا ٹھہرو میں اپنے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ہوں وہ گئے اور ماجرا سنایا اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے باقی ساتھی کوفیوں سے کہہ رہے تھے تم کتنے برے لوگ ہو کیا تم اپنے نبی ﷺ کی اہل بیت کو قتل کرو گے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان سے کہو آج کی رات ہمیں مہلت دو صبح دیکھ لیں گے کیا کرنا ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام ابن سعد کو پہنچایا۔ کوفی فوج کے بعض لوگوں نے کہا کوئی حرج نہیں رات انتظار کر لیتے ہیں۔ یہ نو اور دس محرم 61 ہجری کی درمیانی رات شب کربلا تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے جو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے چلے تھے فرمایا آج رات بہت تاریک ہے اس کے اندھیرے میں جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے اور خون بچا لے۔ یہ لوگ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور دوسرے ساتھیوں نے عرض کیا آپ رضی اللہ عنہ کے بعد ہمارا جینا کس کام کا ہے کیا ہم آپ رضی اللہ عنہ کو اس تکلیف میں چھوڑ کر چلے جائیں یہ نہیں ہو سکتا ہم آپ پر اپنی جان قربان کر دیں گے مگر ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ رات امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے دعاء و استغفار اور تلاوت قرآن پاک میں گزاری۔ ہر خیمے میں سے تلاوت کی آواز آ رہی تھی۔ اور کوفی لشکر کے گھوڑے خیمہ گاہ اہل بیت کے گرد دوڑ رہے تھے۔

میدان کربلا میں 10 محرم

دس محرم کا سورج طلوع ہوا تو جمعہ کا دن تھا۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو نماز فجر پڑھائی اور ابن سعد نے اپنے ساتھیوں کو، (گویا نماز میں جس آل محمد ﷺ پر وہ درود پڑھتے تھے اسی کو قتل کرنے کے لئے بے قرار بیٹھے

تھے) قافلہ اہل بیت کی تعداد 72 افراد تھی جن میں چالیس پیدل لڑنے والے تھے اور بتیس سوار، خواتین اس کے علاوہ تھیں۔ جب کہ یزیدی لشکر کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کی یوں صف بندی فرمائی کہ میمنہ پر زہیر بن قین کو اور میسرہ پر حبیب بن مطہر کو اور جھنڈا حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کو دیا۔ خیمہ گاہ کو اپنی پشت پر رکھا اور خیمہ گاہ کے پیچھے راتوں رات خندق کھود کر اس میں آگ جلا دی گئی تھی تاکہ کوئی دشمن پیچھے سے خیموں میں داخل ہو کر خواتین کو گزند نہ پہنچا سکے۔ اُدھر لشکر کوفی بھی صف بستہ ہو گیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے صف بندی کر کے لشکر اعداء کے سامنے اتمام حجت کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا جسے سب نے سنا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

کربلا میں خطبہ امام عالی مقام

اے اہل کوفہ محاسبہ کرو کیا تمہیں میرے جیسے آدمی کا قتل گوارا ہے؟ میں تمہارے نبی ﷺ کا نواسہ ہوں۔ آج دنیا میں میرے سوا کسی نبی کا نواسہ موجود نہیں۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میرے باپ ہیں جنت میں دو پروں سے اڑنے والے جعفر طیار رضی اللہ عنہ میرے چچا ہیں۔ سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ میرے باپ کے چچا ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا هٰذَانِ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ یہ دونوں نو جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اے اہل کوفہ! اگر تم میری باتوں کی تصدیق کرو تو حق یہی ہے اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے جھوٹ نہیں بولا لیکن تمہیں اگر شک ہو تو جاؤ جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، سہل بن سعد، زید بن ارقم اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے پوچھو۔ اے لوگو! میرا راستہ چھوڑ دو میں جہاں زمین میں جائے امن دیکھوں وہاں چلا جاؤں گا'' کوفیوں نے کہا اے حسین رضی اللہ عنہ تم یزید کے حکم پر کیوں نہیں اترتے (اسکی بیعت کیوں نہیں کر لیتے) آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

مَعَاذَاللهِ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ

ترجمہ: یعنی اللہ کی پناہ (کہ میں یزید کی بیعت کروں) میں اپنے اور تمہارے رب کی ہر متکبر حاکم سے پناہ مانگتا ہوں جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے آواز دے کر فرمایا او حجار بن الجبر، او قیس بن اشعث، او زید بن حارث کیا تم لوگوں نے مجھے خط پہ خط لکھ کر دعوت نہیں دی تھی؟ کیا تم نے مجھے نہیں کہا تھا کہ پھل پک چکے ہیں اور کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ آپ مسلح لشکر کی کمان کرنے کو جلد آجائیں۔ اب وہ تمہاری دعوت کہاں گئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم نے کوئی خط نہیں لکھا (یعنی خط لکھ کر بلانے والے آج آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف یزیدی لشکر میں آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ کیے بیٹھے تھے۔ اور اپنے خطوط کا بھی انکار کر رہے تھے کہ ابن زیاد ان سے بگڑ نہ جائے) آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ تم جھوٹ بولنے پر کتنے دلیر ہو۔ پھر آپ

رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! اگر تمہیں میرا آنا پسند نہیں تو مجھے واپس جانے دو، قیس بن اشعث کہنے لگا حسین رضی اللہ عنہ تم اپنے چچازاد بھائی یزید کی بات کیوں نہیں مان لیتے (اس کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے) آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَا وَاللّٰهِ لَا اُعْطِيهِمْ بِيَدِيْ اِعْطَاءَ الذَّلِيْلِ وَلَا اُقِرُّ لَهُمْ اِقْرَارَ الْعَبِيْدِ

ترجمہ: نہیں خدا کی قسم میں یزید کے ہاتھ میں کسی بے بس کی طرح ہاتھ نہ دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح اس کی غلامی کا اقرار کروں گا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 181 مطبوعہ دارالریان مصر، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 419 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت حر کا لشکر یزید کو چھوڑ کر لشکر حسین رضی اللہ عنہ میں آجانا

آپ رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے کوفی لشکر کے ایک سپہ سالار حر بن یزید پر بڑا اچھا اثر ہوا وہ لشکر یزید سے نکل کر لشکر حسین رضی اللہ عنہ میں آگئے اور کوفیوں سے مخاطب ہو کر بولے او ظالمو! تم پر ہلاکت ہو تم نواسہ رسول ﷺ کی کوئی بات بھی ماننے کو تیار نہیں ؟ اور کچھ نہیں تو تم انہیں یزید کے پاس جانے دو، خدا کی قسم وہ قتل حسین سے کم تر خدمت پر بھی تم سے راضی ہو جائیگا۔ حر کے بعض ساتھیوں نے اسے ملامت کی کہ تم نے کوفی لشکر کیوں چھوڑا حضرت حر نے جواب دیا میں جنت چھوڑ کر جہنم نہیں لے سکتا خواہ مجھے زندہ ہی جلا دیا جائے۔ حضرت حر نے لشکر کو یوں سمجھایا کہ ظالموں تم نے نواسہ رسول ﷺ کو خود دعوت دے کر بلایا تھا اب تم ان کے خون کے پیاسے ہو۔ تم نے ان پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے جس سے کتے اور خنزیر تو بلا روک ٹوک پانی پی رہے ہیں اور اہل بیت رسول ﷺ پیاس سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ اگر تم نے ذریت مصطفیٰ ﷺ کو پانی نہ پینے دیا تو سب سے بڑی پیاس والے دن (قیامت والے دن) خدا تمہیں کچھ نہیں پلائے گا۔ فرات سے یہود و نصاریٰ پانی پی رہے ہیں اور آل رسول ﷺ اس سے محروم ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 182 مطبوعہ دارالریان قاہرہ مصر۔ الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 421 ذکر مقتل الحسین رضی اللہ عنہ)

کیا آلِ رسول ﷺ پر کربلا میں پانی بند نہیں ہوا تھا؟

آج یزید کے کچھ خیر خواہ یہ ثابت کرتے پھرتے ہیں کہ کربلا میں آل رسول ﷺ پر پانی کا بند کیا جانا محض افسانہ ہے۔ وہ اپنی تائید میں ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ 10 محرم کو امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے کچھ ساتھیوں نے غسل کیا اور خوشبو لگائی۔ یہ روایت البدایہ میں بھی موجود ہے اگر پانی بند تھا تو غسل کیسے کیا گیا؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ چونکہ نہر فرات کے کنارے پر معرکہ کربلا ہوا تھا بہت ممکن تھا کہ کسی وقت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو اللہ نے پانی لے لینے کا موقع دے دیا ہو اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے غسل فرمایا ہو۔ تاہم یزیدی لشکر کا ارادہ آلِ رسول ﷺ کو پیاسا ہی مارنے کا تھا۔ اور متعدد

روایات جو ہم نے اوپر لکھی ہیں کیا صاف نہیں بتاتیں کہ آل رسول ﷺ پر پیاس کی بندش کی گئی تھی؟ ابھی پیچھے گزر چکا ہے کہ ابن زیاد نے ابن سعد کو سختی سے حکم دیا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کو فرات سے ہرگز پانی نہ لینے دیا جائے۔ پانی پر مکمل پہرہ بٹھا دو یہ روایت تاریخ کی تقریباً سبھی کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری میں ہے کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو پیغام بھیجا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں اور پانی کے درمیان حائل ہو جاؤ اور ایک قطرہ آب بھی مت لینے دو جیسے کے مظلوم و متقی عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں کیا گیا تھا چنانچہ پانچ سو افراد کا فرات پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا۔

وَحَالُوْبَيْنَ حُسَيْنٍ وَاَصْحَابِهٖ وَبَيْنَ الْمَاءِ اَنْ يُسْقَوْامَنْهُ قَطْرَةً وَذٰلِكَ قَبْلَ قَتْلِ الْحُسَيْنِ بَثَلَاثٍ

ترجمہ: اور وہ لوگ امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور پانی کے درمیان حائل ہو گئے اور ایک قطرہ انہیں نہیں لینے دیتے تھے اور یہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ سے تین روز پہلے کی بات ہے۔

(تاریخ ابن جریر طبری جلد 3 صفحہ 310 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد دونوں لشکروں سے مبارزت طلبی کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر بار اصحاب امام حسین رضی اللہ عنہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ کیونکہ وہ سخت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ اس طرح مبارزت طلبی میں یزیدی لشکر کے کئی اہم سپاہی ہلاک ہوئے۔ تب کوفی لشکر نے اجتماعی حملہ کا پروگرام بنایا عمرو بن سعد نے پانچ سو تیر اندازوں کو مقرر کیا انہوں نے اتنی کثیر تعداد میں تیر مارے کہ لشکر امام کی تمام سواریاں ڈھیر ہو گئیں اور وہ سب پیدل لڑنے پر مجبور ہو گئے اس دوران شمر بن ذی الجوشن نے جو قتل آل رسول ﷺ میں سب سے پیش پیش تھا ارادہ کیا کہ خیمہ گاہ اہل بیت کو آگ لگا دے اور اس نے کہا آگ لاؤ میں یہ خیمے اپنے اندر موجود افراد سمیت جلا دوں۔ تو کوفی لشکر ہی کے ایک سپاہی شبث بن ربعی (تاریخ بتاتی ہے کہ اس شخص نے بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ میں متعدد خطوط لکھے تھے) نے شمر سے کہا تم کتنے ذلیل اور بدترین انسان ہو کیا عورتوں کو مرعوب کر رہے ہو؟ یہی تمہاری مردانگی ہے؟ تو اس مردود ذلیل انسان کو حیا آ گئی اور واپس لوٹ گیا۔ اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا (بعض روایات میں ہے کہ شہر کوفہ سے جو قریب ہی تھا اذانِ جمعہ کی آوازیں آنے لگیں)

امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں آخری نماز ادا کرنا

لشکر حسینی کے میمنہ پر مقرر حبیب بن مطہر نے کوفی لشکر کو پکار کر کہا ہمیں نماز ظہر پڑھ لینے دو مگر یہ بات نہ مانی گئی تو امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے نماز ظہر صلوۃ خوف کی صورت میں ادا فرمائی۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 185 مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر)

صلوٰۃ خوف کا طریقہ قرآن میں یہ بتایا گیا ہے کہ لشکر کے چند لوگ امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے

مقابلے میں چلیں جائیں اور جو مقابلہ کر رہے تھے وہ آ کر امام کے پیچھے دوسری رکعت پڑھیں اور مقابلے میں چلے جائیں اور امام سلام کہہ کر اپنی نماز پوری کرلے۔ پھر دونوں گروہ باری باری آ کر اپنی دوسری رکعت پڑھ لیں۔

عوام میں جو مشہور ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے سجدے میں شہادت پائی میں نے اسے کسی معتبر تاریخ میں نہیں دیکھا ممکن ہے اسی صلوۃ خوف کو سجدے میں شہادت پر محمول کرلیا گیا ہو یا جب آپ زخمی ہو کر زمین پہ گرے تو آپ کی حالت اللہ نے سجدے والی کر دی ہو۔ تاہم یہ تو اندازہ ہو گیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو نماز سے کتنی محبت تھی کہ ہزاروں سپاہیوں پر مشتمل کوفی لشکر کے مقابلے میں صرف 72 افراد کو لے کر کھڑے ہیں مگر نماز سے پھر غافل نہیں ہیں بلکہ عین حالت لڑائی میں برستے تیروں اور چمکتی تلواروں کے سائے میں سجدۂ نماز ادا کر رہے ہیں۔

اس کے بعد یزیدی لشکر نے پرزور حملہ شروع کر دیا تو امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں جانیں لڑا دیں۔ اسی دوران حضرت حر شہید ہوئے۔ حبیب بن مطہر، زبیر بن قیس، نافع بن ہلال جملی، عبدالرحمان بن عروہ، عبداللہ بن عروہ اور عابس بن ابی شبیب رضی اللہ عنہم اور دیگر جاں نثارانِ اہل بیت نے جام شہادت نوش کیا اب تک ان لوگوں نے قربانی دی جو اہل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آئے تھے جب وہ سارے شہید ہو گئے تو پھر اہل بیت کی باری آئی۔ جب تک جان نثار زندہ تھے انہوں نے آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی۔

شہادت حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ

اہل بیت میں سب سے پہلے جس نے کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا وہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ تھے انکی والدہ لیلیٰ بنتِ ابی مرہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب وہ مقابلے کے لیے نکلے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

اَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ
نَحْنُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اَوْلٰى بِا لنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ: میں تو بیشک ہوں علی ابن حسین بن علی رب کعبہ کی قسم ہم تو ہیں اولاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (منظوم از مصنف)

آپ بار بار یہ رجزیہ شعر پڑھ رہے تھے اور اپنے لشکر کو ابھار رہے تھے۔ منقذ بن نعمان مردود سے نہ رہا گیا کہنے لگا اگر علی ابن حسین رضی اللہ عنہ یہی شعر پڑھتے میرے قریب سے گزرا اور میں نے اس کی ماں کو نہ رلایا (اسے قتل نہ کیا) تو سارے عرب کے گناہ میرے سر رہے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ یہی شعر پڑھتے ہوئے اس (ازلی بدبخت) کے قریب سے گزرے تو اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے سینے میں نیزہ مارا اور آپ رضی اللہ عنہ تڑپنے لگے کوفی لشکر تلواریں لے کر آپ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑا اور جسم مبارک کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

حمید بن مسلم اُزدی کہتے ہیں میرے کانوں نے سنا امام حسین شہادت علی اکبر رضی اللہ عنہ پر فرما رہے تھے۔ خدا اس قوم کو ہلاک کرے جنہوں نے اے بیٹا! تمہیں شہید کیا۔ یہ لوگ حکمِ خدا اور حرمت رسول ﷺ پامال کرنے میں کتنے دلیر ہیں؟ اتنے میں ایک عورت تیزی سے خیمے سے نکلی وہ پکار رہی تھی او میرے پیارے بھائی! او میرے پیارے بھائی! میں نے پوچھا یہ کون ہے بتایا گیا یہ زینب بنت فاطمہ بنت رسول ﷺ ہیں وہ آئیں اور بھتیجے کی لاش پر گر پڑیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں اٹھایا اور خیمے میں لے گئے۔ اور بیٹے کی لاش کو خیمے میں جا کر رکھ دیا۔ (تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 331)

حضرت قاسم بن امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابو مخنف (واقعہ کربلا کا راوی اول) کوفی لشکر کے ایک شخص حمید سے روایت کرتا ہے کہ ہماری طرف لشکر حسینی سے ایک نوجوان نکلا اس کا چہرہ بدر منیر جیسا تھا۔ قمیص اور تہبند میں ملبوس تھا اس کی جوتی کا ایک تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اس پر ایک شخص نے حملہ کرنا چاہا تو امیر لشکر عمرو بن سعد نے کہا میں خود اس پر حملہ کروں گا ابن سعد نے اس پر تلوار کی ضرب لگائی تو نوجوان کی چیخ نکلی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ پھرے شیر کی طرح گرجے اور ابن سعد پر ٹوٹ پڑے آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار کی ضرب لگائی جو اس نے اپنی کلائی پر روکنے کی کوشش کی جس سے کلائی کٹ گئی اور وہ چیخنے لگا۔ کوفی لشکر آگے بڑھا تا کہ اپنے امیر کو حسین رضی اللہ عنہ سے بچائے ایک ہجوم ہو گیا جب ہجوم ہٹا تو میں نے دیکھا اس نوجوان کا لاشہ تڑپ رہا ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ اس کے سر پر کھڑے فرما رہے ہیں جن لوگوں نے تجھے شہید کیا ان کی ہلاکت ہو۔ تیرے نانا جان (نبی ﷺ) ہی روز حشر میری طرف سے تیرے خون کا مطالبہ کریں گے۔ پھر آپ نے نوجوان کی لاش اٹھائی اور خیمے میں لے گئے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ نوجوان کون تھا؟ تو مجھے بتایا گیا وہ قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تھا۔ (البدایہ جلد 8 صفحہ 188)

حضرت قاسم بن حسن رضی اللہ عنہما کی شادی کربلا میں؟

نوحہ گر شیعہ ذاکرین اور ان کی نقل میں شیعہ نما سنی واعظین کربلا میں حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی شادی کا بڑے دردناک انداز میں ذکر کرتے ہیں مجھے کسی کتاب تاریخ میں اس شادی کا نام و نشان نہیں ملا۔ پتہ نہیں ان لوگوں نے یہ واقعہ کہاں سے نکالا ہے۔ اس بے اصل واقعہ کے بیان سے ان کا کیا مقصد ہے جھوٹی باتیں سنا کر لوگوں کو رلانے کے کیا معنی ہیں۔

حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابو مخنف ہانی بن ثبیت حضرمی سے روایت کرتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ شدید تھک گئے تھے آپ رضی اللہ عنہ اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھ گئے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کی اولاد میں سے ایک بچہ لایا گیا جسے آپ رضی اللہ عنہ نے جھولی میں بٹھا لیا اور

اس کے بوسے لینے لگے جیسے اسے الوداع کہہ رہے ہوں کہ بیٹا اب میرا وقت شہادت قریب آ گیا ہے اتنے میں بنی اسد کے ایک شخص نے تیر چلایا جو سیدھا آ کر بچے کو لگا اور اس کی جان نکل گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپ نے بچے کے خون سے چلو اٹھا کر آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا اے اللہ آج اگر تیری حکمت یہی ہے کہ تیرے آسمان سے ہماری مدد نہ آئے تو ہم اسی پر راضی ہیں۔ اس کو ہمارے لیے بہتر بنا دے (یعنی اس مصیبت پر ہمیں بہتر اجر عطا فرما) ظالموں سے تو ہی ہمارا انتقام لینے والا ہے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے پوتے امام جعفر بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اے بنو اسد! تمارے سر ہمارا اک قتل ہے تمہارے ایک آدمی نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بچے کو تیر مار کر شہید کیا۔ (طبری جلد 3 صفحہ 333)

حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل بیت اطہار کے دیگر نفوس قدسیہ نے بھی یکے بعد دیگر جام شہادت نوش فرمایا۔ جن میں امام مسلم بن عقیل کے بیٹے عبداللہ بن مسلم بن عقیل، امام مسلم کے بھائی عبدالرحمان بن عقیل اور جعفر بن عقیل رضی اللہ عنہ کے بھانجے عون اور محمد جو عبداللہ بن جعفر طیار کے بیٹے تھے شامل ہیں تمام شاہزادگان خانوادہ نبوت ایک ایک کر کے جنت الفردوس میں چلے گئے۔

اب امام حسین رضی اللہ عنہ کے صرف ایک بیمار بیٹے حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ رہ گئے وہ اس وقت نوعمر بھی تھے اور بیمار بھی۔ انہوں نے اجازت چاہی کہ وہ بھی خیمے سے نکل کر لڑیں مگر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی۔ دراصل قدرت کو یہ منظور تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی پشت سے اولاد رسول ﷺ کا سلسلہ تاقیامت قائم رہے اس لیے امام زین العابدین کو لڑائی میں شامل نہ کیا گیا۔ یہاں یہ نقطہ بھی قابل غور ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہی کو قدرت نے کیوں باقی رکھا جب کہ ان سے بھی چھوٹے شہزادے علی اصغر رضی اللہ عنہ کی شہادت اللہ نے منظور فرمالی۔ حکمت یہ تھی کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ شہر بانو رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے تھے اور وہ شاہ ایران یزدجرد کی بیٹی تھی۔ سیدنا عمر فاروق کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا اور شاہ ایران کی بیٹی اسیر بن کر مسجد نبوی میں لائی گئی تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شہزادی کے لیے امت مسلمہ میں اگر کوئی عالی نسب مرد شایانِ شان ہے تو وہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی ہوئی اور ان سے امام زین العابدین پیدا ہوئے گویا ان کا وجود خلافت فاروقی کی صداقت پر مہر تصدیق ہے۔ اگر خلافت غاصبانہ تھی تو اس میں حاصل ہونے والا مال غنیمت بھی جائز نہیں ہو سکتا بلکہ لوٹ مار اور دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہر بانو سے نکاح فرما کر خلافت فاروقی پر مہر خلافت لگائی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہوئے والی اولاد کو باقی رکھا تاکہ اس کی نسل سے جتنے سادات تاقیامت پیدا ہونگے وہ فاروق اعظم کی خلافت پر زبان حال سے مہر صداقت لگاتے رہیں گے بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ

اب میدان کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ رہ گئے ہیں۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ کے پایہ استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہیں آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ ہم یزید جیسے بدکردار انسان کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیں گے۔ خاندان جائے اور جان جاتی ہے تو جائے مگر دین کی آن رہ جائے۔

ہر بات میں ہے نورِ نبوت کی آہ و تاب
آئینہ رسول ہے سیرت حسین رضی اللہ عنہ کی
کٹوا دو سر جُھکاؤ نہ باطل کے سامنے
پیغام دے رہی ہے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی

امام حسین رضی اللہ عنہ کا وجود زخموں سے چور چور ہے۔ ایک شقی مالک بن بشیر نے آپ کے سر انور پر تلوار سے کاری ضرب لگائی تھی اور کافی خون بہہ گیا تھا مگر ابھی شیر خدا کے فرزند کی ہمت میں فرق نہ آیا تھا۔ آپ کو پیاس شدت سے ستا رہی تھی آپ نے چاہا کہ فرات سے دو گھونٹ پی لیں۔ جب نہر کے کنارے تک پہنچے اور چلو بھرنے لگے تو حصین بن تمیم نے تیر مارا جو آپ کی ٹھوڑی مبارک میں آ کر لگا جو آپ نے اپنے ہاتھ سے کھینچ کر نکالا اور آسمان کی طرف اچھال کر فرمایا اے اللہ! تو ہی ان دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے۔

اب ازلی بدبخت اور جہنم کے کتوں میں سے ایک سیاہ کتا شمر بن ذی الجوشن بیس گھڑسواروں کی جماعت لے کر آگے بڑھا اور خیمہ اہل بیت کو لوٹنے کا ارادہ تھا۔ امام عالی مقام نے فرمایا اگر آج تم اپنے دین سے دست بردار ہو گئے ہو اور روز حساب کا کچھ خوف تمہارے دلوں میں رہا تو کم از کم پردہ دار عورتوں سے تو کوئی تعرض نہ کرو اور نہ ہی خیمے میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ شمر نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ (مگر پھر ایسا نہ ہوا اور شہادت امام عالی مقام کے بعد خیمے لوٹ لیے گئے)

اب کوفی لشکر اکیلے امام عالی مقام پر حملہ آور ہے۔ آپ تلوار ذوالفقار کے ساتھ دائیں بائیں سے اپنا دفاع کر رہے ہیں اور جدھر رخ کرتے ہیں کوفی یوں دور بھاگتے ہیں جیسے بکریاں شیر سے، مگر زخموں سے چور اور سارے خاندان کی شہادت کے دکھ سے نڈھال سیدنا و مولانا امام حسین رضی اللہ عنہ آخر کب تک تنہا پورے لشکر کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے وجود مسعود پر نیزوں کے تینتیس اور تلواروں کے چونتیس زخم لگ چکے تھے۔ آخر زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں کندھے پر اس روز سے تلوار ماری کہ آپ لڑکھڑانے لگے۔ تو سنان بن ابی عمر نخعی نے آپ کے سینے میں نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اور دوزخی کتے شمر بن ذی الجوشن نے بڑھ کر جسم ناز نیں سے سر انور کاٹ لیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن

(البدایہ جلد 8 صفحہ 188-190 روایت ابی مخنف عن ہانی)

آسمان ۔ را حق بود
گر خوں ببارد برز میں
اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پر لاش جگر گوشہ بتول
اسلام کے لہو سے تیری پیاس بجھ گئی
سیراب کر گیا تجھے خونِ رگ رسول
بتا رہی ہے ہم کو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی
اسلام کی بقا کا یہ سرمدی اصول
سر کٹ کے چڑھ جائے تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے رسول خدا ﷺ پر کیا گزری؟

ایک صحابیہ سلمیٰ کہتی ہیں میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو وہ زاروزار رو رہی تھیں۔ میں نے کہا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ فرمانے لگیں میں نے آج خواب میں رسول خدا ﷺ کو دیکھا آپ کے سر اور داڑھی مبارک پر غبار پڑا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ کا یہ حال کیوں ہے؟ ارشاد فرمایا:

شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ آنِفًا

ترجمہ: میں نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا ماجریٰ ابھی دیکھا ہے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3771)

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے نصف النہار کے وقت خواب دیکھا۔

رأيتُ النبيَّ ﷺ أشعثَ أغبرَ بيدِهِ قارُورَةٌ فيها دمٌ۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ کے بال بکھرے ہیں اور چہرے پر غبار ہے۔ آپ کے ہاتھ میں شیشی ہے جس میں خون ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان! یہ کیا ہے؟ فرمایا: هٰذا دمُ الحسين واصحابِهٖ یہ حسین اور اسکے ساتھیوں کا خون ہے۔ لم أزلْ ألتقِطه منذُ اليوم میں آج سارا دن یہ خون جمع کرتا رہا ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے اس دن کا حساب لگایا تو یہ وہی دن تھا جس میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو قتل کیا گیا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ 283 مرویات ابن عباس رضی اللہ عنہما مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابن کثیر اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں تَفَرَّدَ بِهٖ احمد و اسنادہ قوی۔ یہ حدیث صرف امام احمد نے روایت کی ہے اور اس کی سند قوی ہے (البدایۃ جلد 8 صفحہ 202)

اور رسول پاک ﷺ کا یہ حال کیوں نہ ہوتا۔ مستدرک للحاکم میں ہے کہ ایک بار سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو جھٹکے کے ساتھ اٹھایا تو رسول اکرم ﷺ نے غصے سے فرمایا مهلاً یا ام الفضل ام فضل پرے ہٹ جاؤ۔ تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔ اندازہ فرمائیں دوستو! اگر امام حسین رضی اللہ عنہ کو ذرہ سختی سے اٹھایا جائے تو رسول اللہ ﷺ کو اتنی تکلیف ہوتی ہے تو جب ان کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے سر نیزے پر اٹھایا گیا اس وقت آپ پر کیا گزری ہوگی یہ وہ خود ہی جانتے ہیں۔

شہداء کربلا میں اہل بیت کے اسماء گرامی

سیدنا امام حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے اہل بیت میں سے تئیس افراد نے کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا جن میں کچھ سیدہ فاطمۃ الزہرہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اولاد اور خون رسول ﷺ سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں چھ یعنی جعفر، حسین، عباس، محمد، عثمان اور ابوبکر رضی اللہ عنہم۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے دو بھانجے عون اور محمد رضی اللہ عنہما اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تین جعفر، عبداللہ اور عبدالرحمان، جبکہ مسلم بن عقیل نے پہلے کوفہ میں جام شہادت نوش کیا، اب کربلا میں ان کے بیٹے عبداللہ بن مسلم بن عقیل اور بھتیجے محمد بن ابی سعید بن عقیل نے جام شہادت نوش کیا۔ اہل بیت رسول ﷺ کے علاوہ بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کے ان جاں نثاروں نے جو مکہ مکرمہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے تھے درجہ شہادت پایا۔ مجموعی طور پر شہداء کربلا کی تعداد 72 تھی۔ جب کہ کوفی لشکر کے 88 افراد ہلاک ہوئے اور خون رسول ﷺ سے ہاتھ رنگین کرنے کیوجہ سے جہنم کے سزاوار ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے اللہ نے ذلت والا عذاب تیار کیا ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت 57 پارہ 22)

بتائیے جن ظالموں نے آل محمد ﷺ کو کربلا میں پیاسے شہید کیا اور نواسہ مصطفیٰ ﷺ کو بے دردی سے ذبح کیا ان سے بڑھ کر خدا اور رسول ﷺ کو تکلیف دینے والا ظالم کون ہو سکتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جو شخص آل محمد ﷺ کا کربلا میں قتل عام کرنے میں پر جوش تھا وہ دوزخی کتا شمر بن ذی الجوشن ہے میں اسے بار بار دوزخی کتا اس لئے لکھ رہا ہوں کہ امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں محمد بن عمرو بن حسن سے حدیث روایت کی ہے کہ ہم کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے آپ

رضی اللہ عنہ نے شمر کی طرف دیکھ کر فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان سچ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں ایک کتے کو دیکھتا ہوں جو کالے اور سفید داغوں والا ہے اور میرے اہل بیت کے خون میں منہ مارتا ہے اور شمر کو برص کی بیماری تھی اور اس کے جسم پر برص کے داغ تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 190 مطبوعہ دارالریان مصر)

جو کوفی مارے گئے تھے ان کا جنازہ عمر بن سعد نے پڑھا اور انہیں دفنایا جب کہ سیدنا و مولانا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے سر جسموں سے کاٹ لئے گئے اور جسموں پر اس زور سے گھوڑے دوڑائے گئے کہ ان کی ہڈی پسلی ایک ہوگئی اور وہ زمین کے ساتھ مل گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 191 مطبوعہ دارالریان مصر، الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 433 مقتل الامام حسین رضی اللہ عنہ) خدا کی بے نیازی دیکھئے اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے ظالموں قاتلوں اور پرلے درجے کے مردودوں کا جنازہ پڑھا جا رہا تھا اور جن کے لئے محبوب خدا ﷺ جنت میں استقبال کر رہے تھے ان کی لاشے بے گور و کفن پڑے ہیں کوئی جنازہ بھی پڑھنے والا نہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اگلے دن قریب کی بستی کے لوگوں نے آ کر ان سر کٹی چور چور لاشوں کا جنازہ پڑھا اور دفنا دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 190 صفۃ مقتل الحسین مطبوعہ دارالریان مصر)

کربلا میں حضرت مولا علی المرتضیٰ کے بیٹے ابو بکر، عمر اور عثمان بھی شہید ہوئے:

شیعہ لوگ واقعہ کربلا کو بہت شد و مد سے بیان کرتے ہیں مگر اہل بیت رسول اللہ ﷺ میں سے جو لوگ کربلا میں شہید ہوئے ان کے نام نہیں بتاتے، کیونکہ اگر وہ ان کے نام بتا دیں تو ان کے مذہب کی عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو جائے، کربلا میں سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ کے چھ بیٹے امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ محرر مذہب شیعہ ملا باقر مجلسی نے ان کے یہ نام لکھے ہیں۔ عبداللہ بن علی جن کو ابو بکر کہا جاتا تھا، عمر بن علی، عثمان بن علی، جعفر بن علی، محمد بن علی اور ابراہیم بن علی رضی اللہ عنہم، سب سے قبل حضرت عقیل بن ابی طالب کے بیٹے عبدالرحمان اور عبداللہ شہید ہوئے، پھر حضرت جعفر کے بیٹے محمد نے جام شہادت نوش کیا پھر امام حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹوں عبداللہ اور قاسم نے جام شہادت نوش کیا، پھر مولیٰ علی المرتضیٰ کے بیٹے جو حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری بیویوں سے تھے، ایک ایک کر کے میدان میں گئے اور جام شہادت نوش کرتے گئے، ملا باقر مجلسی لکھتا ہے۔

پس برادران بزرگوار آں امام اخیار رخصت طلبید نداوّل فرزند حضرت امیر المؤمنین عبداللہ کہ او را ابو بکر مے گفتند قدم در میدان کارزار نہاد۔ اس کے بعد حضرت امام حسین کے برادران بزرگوار نے اجازت مانگی۔ سب سے پہلے حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کے بیٹے عبداللہ نے جنہیں ابو بکر کہتے تھے میدان میں قدم رکھا اور چند دشمنوں کو مار کر شربت شہادت پیا۔ و بعد از او برادر بزرگوار او عمر بن علی عزم میدان کرد و اوّل قاتل برادر خود را بہ جہنم فرستاد۔ ابو بکر کے بعد ان کے بھائی

عمر بن علی نے عزم میدان کیا سب سے پہلے انہوں نے اپنے بھائی کے قاتل کو جہنم پہنچایا۔ پھر صف منافقین پر حملہ کر کے انہیں کافی نقصان دیا تا آنکہ وہ بھی اپنے پدر بزرگوار (مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے پاس جنت میں پہنچ گئے۔

پس عثمان پسر امیر المؤمنین پائے در میدان سعادت نہاد، وخرمن عمر بسیارے از آں کافراں را بر باد داد۔ اس کے بعد امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کے بیٹے عثمان نے میدان سعادت میں قدم رکھا اور بہت سے کافروں کا خرمن عمر برباد کیا۔ آخر خولی نے تیر مارا جو ان کی پیشانی میں لگا اور وہ شہید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر صرف اکیس برس تھی۔ اس کے بعد جعفر بن علی جو انیس برس کے تھے میدان میں گئے اور شہید ہوئے، ان کے بعد عبد اللہ بن علی سامنے آئے ایک گروہ اشقیاء کو تیغ آبدار سے شربت مرگ پلایا آخر انہوں نے بھی جام شہادت نوش فرمایا پھر محمد بن علی میدان میں آئے خوب لڑے آخر قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص کی تلوار سے شہید ہو گئے۔

(چہاردہ معصوم باب پنجم فصل چہاردھم صفحہ 677 مطبوعہ مکتبہ انتشارات سرور تہران ایران)

سبحان اللہ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھے۔ اور میدان کربلا میں ان میں سے پہلے ابوبکر نکلے اور دین پر قربان ہوئے، پھر عمر نکلے اور جام شہادت نوش کیا پھر عثمان نکلے اور راہ حق میں شہادت پائی یعنی امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرزندان مولیٰ علی المرتضیٰ کو میدان کربلا میں ان کے ناموں کے حساب سے اسی ترتیب کے مطابق بھیجا جو خلفاء راشدین کی ترتیب خلافت ہے۔ اور یہ باتیں ملا باقر مجلسی لکھ رہا ہے جسے محرر مذہب شیعہ کہا جاتا ہے۔ اور شیعہ مورخ الحاج سید خراسانی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ اگر شیعہ مذہب کو مذہب مجلسی کہا جائے تو بیجا نہیں ہے۔

معلوم ہوا مولیٰ علی المرتضیٰ شیر خدا اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کو خلفاء راشدین سے گہرا پیار تھا۔ اس لیے ان کے ناموں پہ اپنے بیٹوں کے نام رکھے۔ آج کیا کوئی شیعہ اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ انہیں خلفاء راشدین سے بغض ہے پھر وہ کس منہ سے خود کو محبانِ علی المرتضیٰ کہتے ہیں۔ محبانِ علی المرتضیٰ اہل سنت ہیں جن کا بچہ بچہ ابوبکر و عمر و عثمان نام رکھتا ہے۔

اہل تشیع کے ہاں سب بڑے عالم شیخ مفید متوفی 413ھ جو صاحب نہج البلاغہ شیخ رضی کا استاذ ہے، نے بھی شہداء کربلا میں ابوبکر و عمر و عثمان کا نام لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے:

مَنْ قُتِلَ مع الحسين عليه السلام من اهل بيته سبعة عشر نفرًا

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے اہل بیت میں سے سترہ افراد شہید ہوئے۔

العباس و عبدالله و جعفر و عثمان بنو امير المؤمنين امهم ام البنين۔ و عبدالله

و ابوبکر ابناء امیر المؤمنین امهما لیلیٰ بنت مسعود و علی و عبداللہ ابنا الحسین
بن علی و القاسم و ابوبکر و عبداللہ بنو الحسن بن علی

جن میں سے بعض یہ ہیں عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان یہ مولیٰ علی المرتضیٰ کے بیٹے ہیں ان کی والدہ ام البنین ہے۔ اور عبداللہ و ابوبکر جو مولیٰ علی المرتضیٰ کے بیٹے ہیں اور ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ہے۔ اور علی و عبداللہ جو امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں اور قاسم و ابوبکر و عبداللہ جو امام حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

(الارشاد للشیخ المفید تاریخ السبط المغری فصل 5 مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام بھی ابوبکر تھا۔ جو کربلا میں شہید ہوئے ہم اہل تشیع سے کہتے ہیں کہ وہ ہمت سے کام لیں اور اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھا کریں اور خلفاء راشدین سے پیار سیکھیں۔ اس سے یہ درس بھی ملا کہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اہل بیت سے کوئی باغ فدک نہیں چھینا تھا، کوئی خلافت نہیں چھینی تھی اور جناب سیدہ خاتون جنت پہ کوئی دروازہ نہیں گرایا گیا اور کوئی حمل ضائع نہیں کیا گیا ورنہ ایسا ظلم کرنے والوں کے ناموں پہ بیٹوں کے نام نہ رکھے جاتے۔

بلکہ آگے چلیں کتب شیعہ سے ملتا ہے کہ سیدنا امام زین العابدین نے بھی اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا تھا۔

اہل تشیع کا بہت بڑا علامہ شیخ مفید کہ شیخ رضی اور شیخ مرتضیٰ جیسے شیعہ علماء اس کے شاگرد ہیں، لکھتا ہے کہ حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام کے بیٹے بیٹیوں کی کل تعداد پندرہ تھی سب سے افضل ام محمد باقر ہیں، ان کے علاوہ آپ کے بچوں کے نام یہ ہیں: عبداللہ، حسین، حسین، زید، عمر حسین اصغر، عبدالرحمان، سلیمان، علی، محمد، فاطمہ، علیہ اور ام کلثوم

(الارشاد للشیخ المفید تاریخ علی بن حسین السجاد علیہ السلام صفحہ 506 مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

گویا آئمہ اہل بیت کرام اپنے بیٹوں کے نام خلفاء راشدین کے ناموں پہ ہمیشہ رکھتے آئے ہیں۔

خیمہ اہل بیت رسول ﷺ پہ کوفیوں کی تاراج

شہادت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے بعد اہل کوفہ نے اہل بیت رسول ﷺ پر یلغار کر دی اور جو کچھ کسی کے ہاتھ لگا اٹھا لیا۔ حتیٰ کہ خواتین اہل بیت کے سروں سے چادریں بھی اتار لی گئی۔ ان کے ہاتھوں سے گلوں سے اور پیروں سے زیورات بھی اتار لئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ کتنا دلخراش واقعہ ہے جسے لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں نے پہلے اس نبی ﷺ کی آل کو قتل کیا پھر انکی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے پھر ان کے خیمے لوٹ لیے اور عصمت و عفت والی شہزادیوں سے چادریں چھین لیں جن کا سر کبھی چشم فلک نے ننگا نہیں دیکھا تھا۔

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہل بیت

عمرو بن سعد نے جب خیمہ اہل بیت کو یوں لٹتا دیکھا تو اس کو بھی افسوس ہوا۔ اس نے کہا یہ تم نے بہت برا کیا ہے ان خواتین کے نزدیک کوئی شخص مت جائے اور اس لڑکے کو کوئی شخص مت قتل کرے اس نے حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کر کے کہا اور جس نے بھی ان کے سامان سے کوئی چیز اٹھائی ہے وہ واپس کر دے۔ مگر کسی نے کچھ واپس نہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 190 حوالہ مذکورہ)

امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک نور سے چمک رہا تھا

خیمہ اہل بیت کے لٹ جانے کے بعد شہداء کربلا کے سر نیزوں پر اٹھا لیے گئے اور اہل بیت کی عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر بٹھالیا گیا اور انہیں کوفہ لے جایا گیا۔ سیدنا مولانا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا سر مبارک خولی بن یزید کے پاس تھا جب یہ لوگ کوفہ پہنچے تو رات ہوگئی تھی اور قصر امارت بند ہو گیا تھا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک گھر لے گیا اور اسے کپڑے دھونے والے بڑے برتن کے نیچے چھپا دیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا میں آج سارے زمانے کی عزت لے کر آیا ہوں عورت کہنے لگی تمہارا برا ہو لوگ اپنے گھر سونا چاندی لے کر آئے اور تم نواسہ رسول ﷺ کا سر مبارک لے کر آئے خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ وہ عورت کہتی ہے بخدا ساری رات اس برتن کے نیچے سے جس میں آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک رکھا ہوا تھا نور پھوٹتا نظر آتا رہا۔ (الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 434 مقتل الامام الحسین مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس جگہ البدایۃ میں لکھا ہے کہ اس عورت نے دیکھا رات بھر کوئی سفید پرندے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے گرد منڈلاتے رہے۔ (یعنی اللہ کے فرستادہ نوری فرشتے) (البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 192)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک دربار ابن زیاد میں

اگلے روز امیر کوفہ عبید اللہ بن زیاد نے دربار لگایا اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداء کے سر مبارک پیش کیے گئے۔ 72 سر قطار کی صورت میں اس کے سامنے پڑے تھے۔

مسند بزار میں حدیث ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی وہ چھڑی سے آپ رضی اللہ عنہ کے دندان مبارک پر مارنے لگا اور کہنے لگا یہ شخص خوبصورت تو بہت تھا۔ میں نے بے ضبط ہو کر کہا خدا کی قسم میں ضرور تیری برائی بیان کروں گا جہاں تو چھڑی مار رہا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہاں بوسے دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ میں بھی موجود ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 192 صفۃ مقتل الحسین رضی اللہ عنہ)

بلکہ بخاری شریف مناقب حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے باب میں بھی یہ حدیث آتی ہے دیکھئے بخاری جلد اول کتاب المناقب باب مناقب حسن وحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3748۔

ابومخنف نے حمید بن مسلم سے روایت کیا ہے کہ میں نے وہ منظر خود دیکھا جب میں ابن زیاد کے پاس آیا تو وہاں امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک پڑا تھا۔ اور وہ چھڑی سے ان کے ثنایا (سامنے کے دانتوں پر مار رہا تھا۔ تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے (بخاری ومسلم میں ان سے متعدد احادیث مروی ہیں) نے فرمایا ان دانتوں سے چھڑی اٹھالو اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان دندان مبارک کے بوسے لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر آہ بکا کرنے لگے ابن زیاد نے غصے سے کہا خدا تمہیں اور رلائے۔ خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم بوڑھے کھوسٹ ہو اور تمہاری عقل جاتی رہی ہے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اٹھ کر مجلس سے روتے ہوئے نکل آئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے کچھ الفاظ کہے اگر ابن زیاد انہیں سن لیتا تو ضرور انہیں قتل کر ڈالتا۔ وہ ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے فرمار ہے تھے اے گروہ عرب آج تم آزاد نہیں غلام ہو تم نے فاطمہ بنت رسول ﷺ کے لخت جگر کو قتل کیا اور ابن مرجانہ (ابن زیاد) کو امیر بنایا وہ تم میں سے اچھے لوگوں کو قتل کر رہا ہے اور بُروں کو غلام بنا کر رکھ رہا ہے۔ اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد 5 صفحہ 206 حدیث 5107 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ احادیث صاف بتا رہی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ پر شدید دکھ اور تکلیف تھی مگر ان میں سے اکثر زمانہ کے ساتھ بوڑھے ہو گئے تھے اور یزید کی جابر حکومت کے خلاف کھڑے ہونے اور لڑنے کی ان میں ہمت نہ تھی اور یوں بھی ان کی تعداد اس وقت زیادہ نہ تھی مٹھی بھر دنیا میں رہ گئے تھے اور جو تھے وہ بھی بوڑھے اور کمزور وناتواں تھے۔ ابومخنف روایت کرتا ہے کہ ابن زیاد نے سارے کوفہ کو جمع کیا پھر خطبہ دیتے ہوئے کہنے لگا اللہ نے مجھے حسین (رضی اللہ عنہ) پر فتح دی وہ لوگوں سے ان کی حکومت چھیننے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کے لیے نکلا تھا۔ اللہ نے اسے ہلاک کیا۔ تو ایک شخص عبداللہ بن عفیف ازدی اٹھا کہنے لگا او ابن زیاد تم پر ہلاکت ہو تم نبیوں کی اولاد کو قتل کر کے صدیقوں والا کلام کر رہے ہو؟ ابن زیاد نے جلاد کو کہا کہ اس کا سر قلم کرو تو اسے اسی وقت خاک وخون میں غلطان کر دیا گیا۔

اسیرانِ اہل بیت کی کوفہ سے شام روانگی

اس کے بعد سیدنا ومولانا حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء کربلا کے سروں اور قیدی عورتوں اور بچوں کو کوفہ کے بازاروں میں گھمایا گیا۔ کوفہ کی عورتیں اور مرد مکانوں کی چھتوں پہ چڑھ کر اس دردناک منظر کا نظارہ کرنے لگے اور رونے چلانے لگے انہوں نے دیکھا کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ان کی گردن کے پیچھے بندھے ہوئے ہیں اور مستورات اہل بیت اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہیں۔ تو اہل کوفہ نے نوحہ گری شروع کر دی آپ نے نحیف آواز میں کہا۔

"برمانوحہ وگریہ مےکنید پس کہ مرا کشتہ است"

آج تم ہم پر نوحہ خوانی کر رہے ہو بتاؤ تمہارے سوا ہمیں کس نے قتل کیا ہے؟

(چہاردہ معصوم ملا باقر مجلسی صفحہ 714 مطبوعہ انتشارات سرور تہران ایران)

سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا نے بھی اس وقت اہل کوفہ کے اس مکروہ گریہ کو دیکھ کر فرمایا تم نے اپنی عاقبت برباد کر لی ہے۔ تمہیں نے ہمیں قتل کیا اور خود ہی رو رہے ہو خدا کی قسم! تم زیادہ رویا کرو گے اور کم ہنسو گے۔

(احتجاج طبرسی مصنفہ مشہور شیعہ عالم ابو جعفر طبرسی جلد دوم صفحہ 29 مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

اہل تشیع کے مروجہ ماتم کی حرمت پہ اقوال ائمہ اہل بیت از کتب شیعہ

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ

ترجمہ: مومنہ عورتوں سے بیعت لی جائے کہ وہ بھلائی کے کسی کام میں یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کی مخالفت نہ کریں۔ (سورہ ممتحنہ آیت 12 پارہ 28)

اب یہاں کونسا بھلائی کا کام مراد ہے تو اس کی تفسیر میں امام جعفر صادق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے وصال سے قبل) اپنی بیٹی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اذا انا مت فلا تخمشی علی وجھا ولا تنشری علی شعرا ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علی نائحۃ ثم قال ھذا ھو المعروف الذی قال اللہ عز وجل

ترجمہ: یعنی اے میری بیٹی فاطمہ جب میرا وصال ہو جائے تو کسی عورت کو میرے اوپر چہرہ نہ پیٹنے دینا اور کسی کو بال نہ کھولنے دینا اور مجھ پہ واویلا مت پکارنا اور کسی نوحہ خوانی کرنے والی عورت کو مت بلانا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ہے وہ معروف جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔

(فروع کافی کتاب النکاح صفحہ 893 روایت 6420 مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

اس سے اگلی روایت یہ ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں: عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم بنت حارث نے رسول اللہ ﷺ سے اسی معروف کی تفسیر پوچھی، آپ نے فرمایا: اے عورتو کسی میت پہ چہرہ مت پیٹو، منہ نہ نوچو، بال نہ کھولو، گریبان نہ پھاڑو، کالے کپڑے نہ پہنو، اور واویلا مت کرو۔ (فروع کافی کتاب النکاح صفحہ 893 روایت 6421)

واقعہ کربلا کا شیعہ مورخ ابو مخنف لوط بن یحییٰ لکھتا ہے کہ جب امام عالی مقام اپنے تمام اہل بیت کی شہادت کے بعد خود میدان میں جانے لگے تو آپ نے اپنی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت فرمائی:

یا اختاہ اقسمتُ علیك بحقی فابرّی قسمی ،اذا انا قُتلت لا تشقی علی جیبا ولا تخمشی علی وجھا۔

ترجمہ: یعنی اے میری بہن میرا تم پہ جو حق ہے میں تجھے اس کی قسم دیتا ہوں کہ جب مجھے شہید کر دیا جائے تو مجھ پر کسی عورت کو گریبان نہ پھاڑنے دینا اور چہرہ نہ پیٹنے دینا۔ (مقتل ابی مخنف صفحہ 51 مکتبہ حیدریہ نجف اشرف)

شیخ مفید شیعہ نے اس میں یہ الفاظ بھی بڑھائے ہیں کہ فرمایا:

ولا تدعی بالویل والثبور

ترجمہ: کہ اے بہن میری شہادت پہ واویلا نہ مچانا۔ (الارشاد للشیخ المفید صفحہ 446 مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

کربلا میں شہادت سے قبل امام عالی مقام کی آخری وصیت از کتب شیعہ:

ملا باقر مجلسی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس آخری وصیت کو چہاردہ معصوم میں یوں بیان کیا ہے۔

پس وصیت فرمود اے خواہر گرامی تو را سوگند میدہم کہ چوں از تیغ اہل جفا بہ عالم بقا رحلت نمایم گریبان چاک مکیند، او را مخراشید و واویلا مگوئید، پس اہل بیت رانی الجملہ تسلّی نمودہ تہیہ سفر آخرت راست کرد،

چنانچہ امام عالی مقام نے وصیت فرمائی: اے معزز بہن! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ جب میں تیغ اہل جفا سے عالم بقا کی طرف رحلت کر جاؤں تو مجھ پر گریبان مت چاک کرنا، چہرہ مت چھیلنا (چہرہ نہ پیٹنا) اور واویلا مت کہنا، اس کے بعد آپ نے اپنے اہل خانہ کو مجموعی طور پر تسلی دی اور سفر آخرت کی تیاری کر لی۔

(چہاردہ معصوم باب پنجم وقائع کربلا صفحہ 653 مطبوعہ انتشارات سرور قم)

حیرت ہے آج شیعہ لوگ شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ پر گریبان پھاڑتے، سینہ پیٹتے زنجیر زنی کرتے اور وہ چیخ و پکار مچاتے ہیں کہ الامان، جبکہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت ہی یہ تھی کہ آپ کی شہادت پر ایسی کوئی حرکت مت کی جائے۔ جن کے سامنے آپ کی شہادت ہوئی انہیں اپ نے ماتم سے روک دیا حالانکہ انہیں اس شہادت کا جو غم ہوا اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تو آج چودہ صدیوں کے بعد کیا شیعہ لوگوں کا غم زیادہ بڑھ گیا ہے کہ انہیں ماتم کی اجازت دیدی جائے؟ ہرگز نہیں یہ لوگ ماتم کر کے روح امام حسین کو تکلیف پہنچاتے اور آپ کی وصیت کی دھجیاں اڑاتے ہیں انہیں کس طرح محبانِ حسین کہا جا سکتا ہے۔

کسی کی موت پر سوگ منانے سے ممانعت از کتب شیعہ:

شیعوں کے ہاں علم حدیث میں مثل امام مسلم شیخ ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق لکھتا ہے:

وقال الصادق علیه السلام لَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَحدّ اکثر من ثلاثةِ ایّامٍ الاّ المرأةِ علی زوجها حتّی تَنْقَضِیَ عِدَّتُهَا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا: کسی کے لیے جائز نہیں کہ (موت پر) تین دن سے زیادہ سوگ منائے، البتہ بیوی اپنے شوہر کے مرنے پر عدت کے اختتام تک سوگ کرے۔

(من لایحضرہ الفقیہ کتاب الطہارۃ صفحہ 63 روایت 550 مطبوعہ مکتبہ دار المجتبیٰ نجف اشرف عراق)

سوگ کرنا یہ ہے کہ آدمی اچھے کپڑے نہ پہنے، خوشبو اور تیل نہ لگائے اور زیب و زینت سے دور رہے۔ کسی کے مرنے پر خواہ باپ ہو بیٹا ہو یا کوئی قریبی عزیز تین دن سے زیادہ سوگ جائز نہیں۔ البتہ بیوہ عورت موت سے چار ماہ دس دن تک سوگ جاری رکھ سکتی ہے۔ اس پر اہل تشیع کا ہر سال شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ پر یکم سے دس محرم تک اظہار سوگ کے لیے کالے کپڑے پہننا اور ترک زینت کرنا حتی کہ مسکرانے پر پابندی کرنا چہ معنی دارد؟

میں نے یوٹیوب میں ایک شیعہ عالم کی تقریر سنی وہ کہہ رہا تھا خبردار کوئی مومن محرم کے پہلے عشرہ میں ہنسے، ادھر کربلا میں اہل بیت رسول پر قیامت گزر رہی ہے اور تم ہنس رہے ہو؟ مجھے حیرت ہوئی یہ کیا فہم اسلام ہے؟ اس طرح تو ہر اسلامی مہینہ میں امت پر کوئی نہ کوئی قیامت گزری ہے؟ ماہِ شوال میں غزوہ احد میں عم رسول سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کے ٹکڑے کیے گئے جسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ ضبط نہ کر سکے اور چشمان مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ مگر کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ حضور ﷺ ہر سال شہادتِ امیر حمزہ کا سوگ مناتے تھے جیسے شیعہ لوگ ہر سال محرم میں شہادت حسین کا سوگ مناتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کا وصال ساری امت کے لیے عظیم ترین صدمہ تھا مگر کیا صحابہ و اہل بیت ہر ربیع الاوّل میں آپ کا سوگ مناتے تھے؟ پھر عجیب بات ہے کہ دس محرم گزرتے ہی شیعہ لوگ ہنسنا مسکرانا شروع کر دیتے ہیں جبکہ دس محرم کے بعد شہداء کربلا کے سر نیزوں پہ چڑھا کر کوفہ و شام کی گلیوں میں پھرائے گئے اور نازنینانِ آل رسول کو قیدی بنا کر بازاروں میں گھمایا گیا۔ تب شیعہ ہنس رہے ہیں یہ کیا ماجرا ہے۔ سنیے، واقعہ کربلا کے یاد آنے پر بے اختیار آنسو نکل آنا علامتِ ایمان ہے، علامت حب رسول و آل رسول ہے ﷺ خود ہماری بھی یہی حالت ہے کہ آنسو ضبط نہیں ہوتے، مگر اس کے لیے چیخ و پکار، سینہ کوبی، زنجیر زنی اور دیگر خرافات کا کیا معنی ہے۔

بلکہ سیاہ کپڑے پہننے کو کتب شیعہ میں ویسے ہی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ صدوق مذکور کی ہی دوسری کتاب علل الشرائع ہے۔ اس میں ایک باب ہے العلة التی من اجلها لا تجوزُ الصلوٰةُ فی سواد کالے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا کیوں ناجائز ہے؟ اس میں پہلی روایت یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق سے پوچھا: کیا میں سیاہ ٹوپی میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا اس میں نماز نہ پڑھو، فانّها لباسُ اهل النار کیونکہ یہ اہل جہنم

کالباس ہے۔

اگلی روایت یہ ہے کہ امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر سے وہ اپنے والد حضرت امام زین العابدین سے وہ اپنے والد امام حسین سے اور وہ اپنے والد مولیٰ علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

لَا تَلْبِسُوا السَّوادَ فَانَّهُ لِبَاسُ فِرعونَ

سیاہ لباس مت پہنو یہ فرعون کالباس ہے۔

اس سے اگلی روایت یہ ہے کہ امام جعفر صادق کو عباسی خلیفہ سفاح نے بلایا انہوں نے اپنا کوٹ منگوایا جو ایک طرف سے سیاہ دوسری طرف سے سفید تھا۔ کہنے لگے میں اسے پہن رہا ہوں اگرچہ میں جانتا ہوں یہ کہ جہنم کالباس ہے۔ (یعنی تقیہ کے لیے پہن رہا ہوں) (علل الشرائع جلد 2 صفحہ 332_333 باب 56 موسسۃ الاعلمی بیروت)

نوحہ گری کی ممانعت از کتب شیعہ:

آج اہل تشیع کے سالانہ ماتم حسین میں نوحہ گری بھی شامل ہے ان کے ہاں نوحہ خوانی باقاعدہ فن ہے۔ نوحہ کیا ہے کسی کی موت پر ترنم کے ساتھ ماتمی اشعار پڑھنا تاکہ سننے والے خوب روئیں چلائیں۔ حالانکہ اللہ نے موت و مصیبت پر صبر کا حکم دیا ہے رونے والے کو تسلی دی جائے۔ اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کی جائے مگر جو شخص دردانگیز اشعار پڑھ کر لوگوں کی چیخیں نکلواتا ہے وہ رحمان کو ناراض اور شیطان کو خوش کرتا ہے اور کتب شیعہ میں نوحہ خوانی کی ممانعت پر آئمہ اہل بیت کے کثیر ارشادات موجود ہیں۔ مثلاً:

ملا باقر مجلسی نے عیون الاخبار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، آپ بہت رو رہے تھے، انہوں نے سبب پوچھا آپ نے فرمایا آج رات مجھے جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا میں نے مختلف عذابات دیکھے ان میں ایک یہ دیکھا کہ ایک عورت کتے کی شکل میں ہے آگ اس کی دبر میں داخل کر کے اس کے منہ سے نکالی جا رہی ہے اور فرشتے اس کے سر اور جسم پر آتشیں گرزیں مار رہے ہیں۔ پھر آپ نے ان عذابات کی تشریح کی۔ اور فرمایا: وہ عورت جو کتے کی صورت میں تھی اور آگ اس کی دبر میں داخل کر کے منہ سے نکالی جا رہی تھی وہ نوحہ خوانی کرتی تھی (یعنی اہل میت کو نوحہ سنا کر پیسے کماتی تھی۔)

(بحار الانوار جلد 18 تاریخ نبینا باب اثبات المعراج صفحہ 352 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں نوحہ گر ذاکروں سے کہتا ہوں کیا وہ اس عذاب کے سہنے کی تاب رکھتے ہیں؟ ہماری انگلی آگ کو چھو جائے تو ہماری چیخ نکل جاتی ہے اور جب دبر میں آگ کے گولے داخل کر کے منہ سے نکالے جائیں گے تو پھر کیا بنے گا؟

شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی سپہر نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا: **النیاحه من عمل الجاهلیة والغلول من جمر جهنم** نوحہ خوانی دور جاہلیت کا کام ہے اور مال مسلمین میں سے کچھ چرانا جہنم کا انگارہ ہے۔ الخ

(ناسخ التواریخ جلد 3 حالات پیغمبر خدا ﷺ صفحہ 194 مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران)

نوحہ گری اور نوحہ خوانی اسی لیے حرام ہے کہ اس میں احکام صبر کی مخالفت ہے۔ اور جس نے صبر ترک کر دیا وہ تعلیمات اہل بیت سے دور جا گرا۔

قارئین یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو لوگ محرم میں ہر سال غم حسین میں سینہ کوبی، زنجیر زنی اور نوحہ گری کی مجلس بپا کرتے ہیں ان کی تاریخ تاریخِ کوفہ ہی سے شروع ہوئی ہے۔ کوفہ ہی میں عبداللہ بن سبا یہودی نے لبادہ اسلام اوڑھ کر امامت علی کا عقیدہ مسلمانوں میں رائج کیا۔ یہ دور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بات ہے جس سے مسلمانوں میں انتشار کی وہ بنیاد پڑی کہ آج تک اختلافات کی آگ جل رہی ہے۔ آج امامت علی کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ کافر و منافق قرار دینے والے لوگ ہی محرم کے دنوں میں محفلیں لگاتے ہیں اور جن بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہ بہت ہی افسوس ناک ہیں۔ خدا سب کو ہدایت دے۔

کوفیوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر شہید کیا پھر انہی نے ماتم شروع کیا:

یہ نہایت تلخ اور دردناک حقیقت ہے کہ اہل کوفہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی، پھر انہوں نے غداری کر کے ابن زیاد کی بیعت کر لی اور امام عالی مقام کے مقابلہ میں آ کر کھڑے ہو گئے خطوط بھیجنے والے بھی ان میں موجود تھے۔ پھر واقعہ کربلا کے بعد جب امام زین العابدین اور خواتین اہل بیت کو قیدی بنا کر بازار کوفہ میں سے گزارا گیا تو اہل کوفہ مرد و زن نے چھتوں پر چڑھ کر ان کا نظارہ کیا اور وہ گریبان پھاڑنے اور ماتم کرنے لگے۔ تب امام زین العابدین اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہما نے ان پر سخت پھٹکار ڈالی اور بددعا دی کہ ہمیشہ یونہی چلاتے رہو گے۔ چند کتب شیعہ سے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

حذیم بن شریک اسدی کہتا ہے: جب حضرت علی بن حسین زین العابدین خواتین اہل بیت کے ساتھ کربلا سے (کوفہ) آئے جبکہ وہ مریض تھے تو **نسآء اهل المدینة یَنْتَدِبْنَ مُشَقَّقَاتِ الْجُیُوْبِ وَالرِّجَالِ مَعَهُنَّ یَبْکُوْنَ** اہل کوفہ کی خواتین دیکھ کر نوحہ کرنے لگیں انہوں نے اپنے گریبان پھاڑ لیے تھے۔ ان کے مرد بھی ان کے ساتھ گریہ و شیعون کر رہے تھے، حضرت زین العابدین بہت نحیف آواز کے ساتھ کہنے لگے:

اِنَّ هٰؤلاءِ یَبْکُوْنَ علینا فَمَنْ قَتَلَنَا غَیْرُهُمْ

بے شک یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں تو پھر ان کے سوا ہمیں کس نے قتل کیا ہے؟

تب حضرت زینب بنت علی بن طالب رضی اللہ عنہما نے اشارہ کیا کہ لوگو چپ کرو، پھر انہوں نے فرمایا اے اہل کوفہ اے دھوکہ باز و مکارو۔ اتبکون اخی؟ اَجَلْ وَاللهِ فَابْكُوْا فَاِنَّكُمْ احرىٰ بالبكاء فابكوا كثيراً و اضحكوا قليلاً۔

کیا تم میرے بھائی (امام حسین رضی اللہ عنہ) پر روتے ہو؟ تم رونے کے ہی لائق ہو، تو بہت رویا کرو تھوڑا ہنسو آگے فرمایا تم اس عار میں مبتلا ہوئے ہو جو تمہارے منہ سے کبھی ڈھل نہ سکے گی۔

(احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 304 خطبۂ زینب بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

بحار الانوار میں ملا باقر مجلسی کہتا ہے:

فجعَل اهلُ الكوفةِ يَنُوحُون وَيبكُونَ فقال عليٌّ بن الحسين اَتنُوحونَ و تبكون مِنْ اَجْلِنَا فَمَنْ قَتَلَنَا۔

اہل کوفہ نوحہ خوانی اور گریہ زاری کرنے لگے حضرت زین العابدین علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا: تم ہمارے غم میں روتے ہو؟ پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟ (بحار الانوار جلد 45 صفحہ 112 تاریخ الحسین بن علی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

چند صفحات بعد لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما نے بھی اہل کوفہ سے خطاب کیا۔ فَضَجَّ النَّاسُ بالبكاء والنوحِ و نَشَرَ النساۤء شعورَهُنَّ ووضعن التراب على رُءُوْسِهِنَّ و خَمَشْنَ وُجُوهَهُنَّ وَضَرَبْنَ خُدودَ هُنَّ و دَعون بالويلِ والثبور۔

لوگ (اہل کوفہ) زور زور سے رونے اور نوحہ خوانی کرنے لگے عورتوں نے بال کھول لیے، انہوں نے اپنے سروں پہ خاک ڈال لی، اپنے چہرے چھیل لیے، رخساروں کو پیٹا اور خوب واویلا مچایا۔

حضرت زین العابدین نے انہیں خاموش کرایا، پھر اپنا تعارف پیش کیا کہ میں علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جسے کنارہ فرات پہ پیاسا ذبح کیا گیا میں اس کا بیٹا ہوں جس کی حرمت پامال کی گئی جس کا مال لوٹا گیا اور اہل خانہ کو قیدی بنایا گیا۔ پھر فرمایا:

نَاشَدتُكُم اللهَ هل تَعْلَمُوْنَ اَنَّكُمْ كَتَبتُمْ اِلىٰ اَبِيْ و خَدَعْتُمُوهُ و اعطيتموهُ من انفسكم العهدَ و الميثاقَ و البيعةَ و قاتلتموه و خذلتموه۔

میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ تم نے میرے والد گرامی کو خطوط لکھے، پھر تم نے انہیں دھوکہ دیا تم نے ان کو عہد و میثاق دے رکھا تھا پھر تم نے ان سے جنگ کی اور انہیں رسوا کیا۔

(بحار الانوار جلد 45 صفحہ 112 تاریخ الحسین بن علی مطبوعہ داراحیاء العربی بیروت)

ملا باقر مجلسی ہی نے چہار دہ معصوم میں لکھا ہے:

سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی دوسری بیٹی ام کلثوم نے بازار کوفہ میں کوفیوں سے خطاب کیا فرمایا:

اے اہل کوفہ براحال شما و ناخوش باد روبہائے سما، بہ چہ سبب برادرم حسین را خواندید و اور ایاری نہ کردید و اورا بقتل آوردید

اے اہل کوفہ! تمہارا حال برا ہو تمہارے چہرے خراب ہوں آخر کس سبب سے تم نے میرے بھائی حسین کو بلایا، ان کی مدد نہ کی اور اسے قتل کر ڈالا۔

اہل کوفہ خروش و واویلاہ و احسرتاہ و صدائے نالہ و زاری و گریہ و سوگواری و نوحہ و خروش بہ فلک سیاہ پوس اسانیدند و زنان ایشاں موئے لم برسر پریشان کردند و خاک حسرت برفرق خود ریختند و روہائے خود را خراشیدند و طمانچہ بر رخسار خود مے زدند و اویلاہ و ثبورا مے گفتند، وحشتے شد کہ دیدہ روزگار ہرگز چناں ماتم نہ دیدہ بود۔

حضرت ام کلثوم کی باتیں سن کر اہل کوفہ نے ہائے حسرت و واویلا شروع کر دیا اور نوحہ خوانی و گریہ زاری کی صدائیں اس قدر بلند کیں جو فلک سیاہ پوش تک جا پہنچیں۔ اہل کوفہ کی عورتوں نے اپنے سر کے بال کھول لیے، اپنے سروں پہ خاک ڈال لی اپنے چہرے چھیل لیے۔ اپنے رخساروں پر طمانچے مارے، ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ چشم زمانہ نے ایسا ماتم کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ (چہار دہ معصوم باب پنجم فصل 15 مطبوعہ انتشارات سرور قم ایران)

ان حوالہ جات سے خوب واضح ہوگیا کہ اہل کوفہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط بھیج کر بلایا۔ جب آپ آگئے تو انہوں نے بیوفائی کر کے آپ کا مقابلہ کیا، پھر انہیں شدید احساس ندامت ہوا کہ ہم سے کتنی بڑی غلطی ہوئی، تو انہوں نے قافلہ اہل بیت کو دیکھ کر گریبان پھاڑے، رخسار پیٹے اور شدید آہ و بکا کی۔ گویا یہ تاریخ کا پہلا ماتم تھا جو قتل حسین رضی اللہ عنہ پر ہوا۔ یعنی بلاشبہ ماتم کا آغاز خود قاتلانِ امام حسین نے کیا اور وہ آج تک چلا آرہا ہے۔

کیا کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ بوقت شہادت گھوڑے پہ نکلے تھے؟

اہل تشیع یاد کربلا میں پورے پاکستان ہندوستان اور ایران وعراق میں دس محرم کو ذوالجناح نامی گھوڑا نکالتے ہیں، کہتے ہیں یہ گھوڑا اس گھوڑے کی شبیہہ ہے جس پر کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں نکلے تھے اسی گھوڑے سے آپ کو تیروں کی برسات کر کے نیچے گرایا گیا پھر زمین پہ آپ کو شہید کیا گیا۔ تو ہم اس کی مثل گھوڑا نکالتے ہیں تاکہ ہم دنیا کو یاد دلائیں کہ گھوڑا تو ہے مگر اس کا سوار شہید ہوگیا ہے۔ پھر وہ جس گھوڑے کو شبیہ ذوالجناح قرار دیتے ہیں اس کی حد درجہ تعظیم و تکریم بجالاتے ہیں۔ اس کے نیچے سے گزرتے ہیں۔ اس کے منہ سے پانی اور دودھ وغیرہ لگا کر اسے پیتے ہیں کیونکہ وہ ان کے نزدیک متبرک ہوگیا ہے۔ اور اگر گھوڑا اس میں ایک زوردار پھرڑ کا مار دے تو اس پانی کی برکت کو چار چاند لگ جاتے

ہیں۔اور آج یوٹیوب پہ ایسی ویڈیوز موجود ہیں کہ شیعہ لوگ اس گھوڑے کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ دفناتے ہیں۔ آگے چل کر اس کی قبر پہ فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب بھی شروع کر دیں گے۔

مگر تاریخ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا گھوڑے پر نکلنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پہلے میں نے کتب اہل سنت کو دیکھا تاریخ طبری، الکامل فی التاریخ، تاریخ ابن خلدون اور البدایہ میں اس چیز کا کہیں نام و نشان نہیں بلکہ سب کے نزدیک آپ پیدل نکلے ہیں۔آپ کسی سواری پر نہیں تھے۔پھر میں نے پرانی کتب شیعہ کو دیکھا، ان سے بھی یہی نظر آیا کہ آپ کا قافلہ اونٹوں پہ سفر کرتا ہوا کربلا گیا، وہاں انہوں نے اپنے اونٹ بٹھائے اور مزید بھی ہر طرف آپ کی اونٹنی کا ذکر ہے۔ گھوڑے کا نہیں، ہم کتب شیعہ میں سے چند حوالے پیش کرتے ہیں۔

جب امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے سوئے کوفہ روانہ ہوئے تو اس کا حال ذبح عظیم میں یوں ہے۔

فَاَخَذَ محمد بن الحنفیۃ زمام ناقتہٖ و قال یا اخی ما سبب ذلك

حضرت محمد بن حنفیہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور پوچھا آپ کیوں جا رہے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے خواب میں کوفہ کو جانے کا حکم فرمایا ہے۔(ذبح عظیم صفحہ 165 مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشریہ لاہور)

امام حسین رضی اللہ عنہ جب کربلا پہنچے تو فرمایا:

هذهٖ کربلا موضعُ کربٍ وبلاء هذا مَنَاخُ رِکَابِنَا و محطُّ رِحالِنَا و مُقْتَلُ رِجَالِنَا

یہ کربلا ہے یہ مقام کرب و بلاء ہے۔ یہاں ہمارے اونٹ بیٹھیں گے ہمارے کجاوے اتریں گے اور ہمارے مرد قتل ہونگے۔(کشف الغمہ فی المعرفتہ الائمہ جلد دوم صفحہ 47 فی مصرعہ و مقتلہ علیہ السلام مطبوعہ تبریز)

ابو مخنف لوط بن یحییٰ جو واقعہ کربلا کا سب سے پہلا راوی ہے لکھتا ہے کہ ۱۰ محرم کو امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے کوفی فوج سے (اونٹنی پر) خطاب کرتے ہوئے کہا اے شبث بن ربعی، اے کثیر بن شہاب! اے فلاں اے فلاں! کیا تم نے مجھے خطوط لکھ کر نہیں بلایا تھا؟ اب اگر تم خوش نہیں ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔قیس بن اشعث نے کہا تمہیں حکمِ ابن زیاد کو ماننا ہوگا (کہ بیعت کرلو) پھر جو چاہو گے ملے گا آپ نے فرمایا واللہ! میں ذلیل بن کر ہاتھ نہیں دوں گا نہ غلام بن کر اقرار کروں گا، آگے لکھا ہے۔

ثم اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ وَ اَمَرَ عقبۃَ بنَ سمعان اَنْ یَّعْقِلَهَا فَعَقَلَهَا بِفَاضِلِ ذِمامها

پھر آپ نے اپنی اونٹنی بٹھا دی اور عقبہ بن سمعان سے کہا اسے باندھ دو اس نے اسے لمبی نکیل کے ساتھ باندھ دیا۔(مقتل ابی مخنف صفحہ 55 مضایقۃ القوم للحسین، مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف)

یونہی اس سے چند صفحات قبل لکھا ہے کہ جب حر بن یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا راستہ روکا تو آپ کے غلام

طرماح نے خدمت سرانجام دی۔لوط بن یحییٰ کہتا ہے۔

فلما نظر الطِّرماحُ اَخذَ بزمامِ ناقة الحسينِ و انشأ يقول:يا نا قتي لا تجزعي من زجري و شمِّري قبل طلوعِ الفجرِ بخيرِ رُكبانٍ و خيرِ سفرٍ. حتّٰى تُحَلّٰى بكثيرِ الفخر

جب طرماح نے یہ دیکھا تو اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کی مہار تھام لی اور یہ شعر کہنے لگا: اے میری اونٹنی میرے ڈانٹنے سے پریشان نہ ہو اور طلوع فجر سے قبل سب سے اچھے سواروں اور سب سے بہتر مسافروں کو لیکر (واپس جانے کی) تیاری کرلے۔تاآنکہ تجھے فخر کا زیور پہنایا جائے۔

(مقتل ابی مخنف ملاقات الحرمع الحسین مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف)

ان تمام معتبر کتب شیعہ کے مطابق امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا اونٹنی تھی۔ پھر یہ گھوڑا نہ جانے کہاں سے آ گیا ہے۔

ہم شیعوں سے سوال کرتے ہیں تم جو گھوڑا نکالتے ہو اس پہ امام حسین سوار نہیں ہوئے نہ اس نے آپ کا زمانہ پایا ہے۔نہ کربلا گیا ہے۔ یہ پاکستانی ٹٹو ہے تم نے ازخود اسے شبیہ ذوالجناح قرار دیا ہے اب تم اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتے ہو۔جبکہ امام حسین کے نانا رسول اللہ ﷺ نے شب ہجرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر سواری فرمائی ہے۔تمہاری شیعہ کتب اس سے بھری پڑی ہیں۔مرزا محمد رفیع مشہدی حملہ حیدری میں اپنے اشعار میں لکھتا ہے:

(1) چوں رفتند چندیں براماں دشت قدومِ فلک سائے مجروح گشت

(2) ابوبکر آنجا بدوشش گرفت ولے زیں حدیث است جائے شگفت

(3) کہ درکس چنیں قوت آمد پدید کہ بارنبوت تواند کشید

(1) جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے صحراء میں اتنا سفر کیا تو رسول اللہ ﷺ کے وہ قدم مبارک زخمی ہو گئے جو سیر عرش کرتے ہیں۔

(2) تب ابوبکر نے آپ کو کندھوں پر پھر اٹھالیا مگر اس بات میں جائے تعجب ہے۔

(3) کہ ایک شخص میں اتنی قوت کیسے آ گئی کہ وہ بارنبوت کو اٹھالے؟

(حملہ حیدری در مناقب علی،صفحہ 28 مطبوعہ مکتبہ کتاب فروشی اسلامیہ بازار شیرازی تہران ایران)

اگر شبیہ مرکب حسین کی بے ادبی جائز نہیں تو خود مرکب رسول کی بے ادبی کیسے جائز ہے۔کہاں گھوڑا کہاں انسان، کہاں شبیہ کہاں حقیقت،کہاں سید الشہداء کہاں امام الانبیاء، پھر اہل تشیع کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہر وقت تبرا کرنا اور برا بولنا کس قدر بدنصیبی ہے۔

سر حسین رضی اللہ عنہ دربارِ یزید میں

بعد از اں اسیران اہل بیت کو دمشق بھیجا گیا۔ زہیر بن قیس اور شمر بن ذی الجوشن اس قافلے کو لے کر گئے اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو سرانور سمیت یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اسی طرح بندھے ہوئے تھے زہیر بن قیس نے کارکردگی پیش کرتے ہوئے کہا اے امیر المومنین آپ کو فتح مبارک ہو حسین بن علی رضی اللہ عنہما اپنے 72 ساتھیوں کے ساتھ ہمارے مقابلے میں نکلا ہم نے اسے آپ کی بیعت یا لڑائی کرنے کا اختیار دیا تو اس نے لڑائی پسند کی۔ چنانچہ ہم نے ان پر زور سے حملہ کیا اور وہ جانیں بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگنے لگے مگر ہم نے کسی کو زندہ نہیں چھوڑا اب انکی لاشیں برہنہ پڑی ہیں۔ (کوفیوں نے شہداء کے جسموں سے کپڑے بھی اتارے لیے تھے معاذ اللہ) سورج انہیں جھلسا رہا ہے اور ہوائیں ان پر خاک ڈال رہی ہیں اور درندے ان کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں یہ سن کر (اس شقی القلب) یزید کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئیں۔ اور کہنے لگا میں حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے بغیر بھی تمہاری خدمت سے راضی ہو سکتا تھا۔ اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے۔ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور حسین رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیتا۔

لیکن دربار یزید میں یہ واقعہ بھی دوبارہ پیش آیا کہ نواسہ رسول ﷺ کا سر یزید کے سامنے پڑا تھا۔ اور وہ ہاتھ کی چھڑی سے آپ رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر مارنے لگا اور یہ شعر پڑھنے لگا۔

یفلقن ھاما من رجال اعزۃ لینا وھم کانوا اعق ظلما۔

ترجمہ: تلواریں ان مردوں کے سر اتار رہی ہیں جو ہمارے لیے بہت عزیز بھی تھے مگر انہوں نے نافرمانی کی۔

حضرت ابو ہریرہ اسلمی صحابی رسول ﷺ وہاں موجود تھے فرمانے لگے تم حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر چھڑی مار رہے ہو جنہیں میں نے دیکھا کہ رسول خدا ﷺ بوسے لیتے تھے اے یزید! قیامت کے روز حسین بن علی رضی اللہ عنہما اس صورت میں آئیں گے کہ ان کے شفیع اللہ کے رسول ﷺ ہونگے اور تمہارا شفیع ابن زیاد ہوگا۔

بہر حال یزید نے مستورات اہل بیت اور بچوں کو چند افراد کی نگرانی میں مدینہ طیبہ بھجوا دیا اور یوں اس دردناک قصے کا اختتام ہوا۔

کیا یزید کو قتل حسین پر واقعتاً دکھ ہوا تھا یا نہیں؟

آج کے بعض خارجیت پسند مصنفین یہ ثابت کرنے کے لئے پورا زور صرف کر رہے ہیں کہ یزید کا قتل حسین سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ جب وہ اس سے باخبر ہوا تو نہایت افسوس کیا۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ محض دھوکہ وفریب ہے تاریخ کا منصفانہ مطالعہ یہی بتاتا ہے کہ یزید اس قتل میں پورا پورا ذمہ

دار ہے اور اسے اس قتل کا کچھ بھی افسوس نہ تھا بلکہ اس کی ذہنیت نہایت گھناؤنی اور منافقانہ تھی ابھی آپ نے پڑھا کہ جب اس دربار میں امام عالی مقام نواسہ رسول ﷺ کا سر انور رکھا گیا تو اس نے چھڑی سے آپ کے دندان مبارک پر چوٹیں لگائیں حضرت ابو ہریرہ اسلمی صحابی رسول یہ منظر دیکھ نہ سکے اور بے قرار ہو کر بولے یہ چھڑی اٹھالو ان دانتوں کو تو رسول اللہ ﷺ بوسے دیا کرتے تھے اگر یزید کو اس قتل کا دکھ ہوتا تو کیا وہ آپ کے سر مبارک کو چھڑیوں سے چوٹیں لگاتا؟

اس کی یہ حرکت بتاتی ہے کہ اسے اس قتل عظیم سے کچھ بھی دکھ نہ ہوا تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ جب خواتین اہل بیت رسول ﷺ یزید کے دربار میں پیش ہوئیں تو ایک شامی مرد نے یزید سے کہا یہ لڑکی مجھے دے دو۔ اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا یزید نے غضب ناک ہو کر کہا:

كَذَبْتَ وَاللهِ إِنَّ ذَلِكَ لِيْ

تم جھوٹ کہتے ہو۔ لہٰذا یہ میرے لیے ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللهَ ثُمَّ اَسْتَغْفِرُ اللهَ

یہ سن کر حضرت سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما نے تڑپ کر فرمایا: یزید یہ تیرے لیے جائز نہیں ہے کہ تو ہمیں لونڈیاں بنالے، ہاں اگر تم ہمارے دین سے نکل کر کوئی دین اختیار کرلو تو تمہاری مرضی، یہ سن کر یزید کو سخت طیش آیا، کہنے لگا: انما خرج من الدين ابوك واخوك، دین سے تمہارا باپ اور تمہارا بھائی نکلا ہے۔ سیدہ زینب نے پھر فرمایا میرے باپ اور میرے بھائی اور میرے نانا کا دین اختیار کر کے ہی تم خود کو مسلمان کہلانے کے حق دار ہو۔ (الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 438 مقتل الامام الحسین مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 194 مطبوعہ دار الریان مصر)

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ یزید عنید اہل بیت رسول ﷺ کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا تھا اس کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اور امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ دین سے نکل گئے تھے۔ اس لیے اس نے خواتین اہل بیت رسول ﷺ کو لونڈیاں بنالینا چاہا مگر سیدہ زینب کی دلیرانہ گفتگو نے ان کا منہ پھیر دیا یہ افسوس تھا اس کو قتل حسین رضی اللہ عنہ کا؟

قارئین! اندازہ فرمائیں جو شخص سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہو۔ اس کے اپنے ایمان کا کیا حال ہے امام المورخین امام ابن کثیر فرماتے ہیں یزید نے صرف دکھاوے کے لئے ابن زیاد پر قتل حسین کی وجہ سے لعنت کی، ولكن لم يعزله على ذلك ولا عاقبه ولا ارسل العتاب عليه مگر اسے معزول نہ کیا اسے کوئی سزا بھی نہ دی بلکہ ناراضگی کا خط تک نہ لکھا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 204 صفۃ مقتل الحسین رضی اللہ عنہ)

امام ابن اثیر تاریخ کامل میں فرماتے ہیں۔

وَلَمَّا وَصَلَ رَأْسُ الْحُسَيْنِ إِلَى يَزِيْدَ حَسُنَ حَالُ ابْنِ زِيَادٍ عِنْدَهٗ وَوَصَلَهٗ وَسَرَّهٗ مَا فَعَلَ

ثُمَّ لَمْ یَلْبَثْ اِلَّا یَسِیْرًا حَتّٰی بَلَغَهٗ بُغْضُ النَّاسِ لَهٗ وَلَعْنُهُمْ وَسَبُّهُمْ فَنَدِمَ عَلٰی قَتْلِ الْحُسَیْنِ۔

ترجمہ: جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس پہنچا تو ابن زیاد کا مقام و مرتبہ اس کے ہاں بہت اعلیٰ ہو گیا۔ اور اس پر اپنے اکرام میں اضافہ کر دیا اسے نوازا اور اس کے اس اقدام قتل حسین پر مسرور ہوا مگر کچھ ہی دیر بعد یزید کو خبریں ملنے لگیں کہ لوگ اس قتل کی وجہ سے اسے سخت برا جانتے ہیں اس پر لعنت کرتے ہیں گالیاں دیتے ہیں تو پھر اسے اس قتل پر ندامت محسوس ہوئی۔ (الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 439 حوالہ مذکورہ)

صاف پتہ چل گیا کہ یزید اس قتل میں پورا پورا شریک تھا، رہا اس کا آنسو بہانا تو یہ منافقت کے ٹسوے تھے وہ بہت منافق اور چالباز انسان تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس نے ابن زیاد کو امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کا حکم نہیں دیا تھا تو اس سے کسی کو انکار نہیں کہ اس نے ابن زیاد کو پہلے سے قتل حسین سے منع نہیں کیا تھا، بلکہ جب یزید کو پتہ چلا کہ امام حسین مکہ سے کوفہ کو چل پڑے ہیں تو اس نے ابن زیاد کو خط لکھا تھا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) تیرے پاس آ رہا ہے اور تم پر بہت بڑا امتحان آ پڑا ہے اب تم یا تو آزاد ہو جاؤ گے یا ہمیشہ کے لیے غلام بنا لیے جاؤ گے۔ تو ابن زیاد نے آپ کو قتل کر کے آپ کا سر یزید کو بھیج دیا تھا تاکہ ثابت کرے کہ وہ غلام نہیں آزاد ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 127 مطبوعہ دار الریان قاہرہ)

اگر یزید کے دل میں امام عالی مقام کے لیے ذرہ برابر بھی رحم ہوتا تو وہ ابن زیاد کو آپ سے نرمی کا معاملہ کرنے کی تاکید کرتا اور بتاتا کہ اسے اس کے والد امیر معاویہ امام حسین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کی وصیت کر گئے ہیں مگر اس نے ابن زیاد کو جو کچھ کہا وہ آپ کے سامنے ہے اس نے اسے امام عالی مقام کے خلاف ہر قسم کے اقدام کی کھلی چھٹی دے دی تھی تو پھر اس میں کیا شک رہ گیا کہ یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ کا براہ راست ذمہ دار اور مستحق نار ہے۔

قتل حسین کے بعد صحابہ کا یزید کے خلاف خروج

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ کا صحابہ کرام کو دکھ تو شدید تھا مگر اس کے خلاف خروج کی صورت میں انہیں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے تھے جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے ان کے دل میں یزید اور اس کے اعمال کے لیے شدید نفرت تھی مگر وہ خود کو بے بس پاتے تھے۔ بنو امیہ کی طاقت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کے خلاف کامیابی ممکن نہ تھی پھر امام عالی مقام کی شہادت اور شہداء کربلا کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک نے لوگوں کو مزید خوفزدہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشوں کے سر نیزوں پر اٹھائے گئے ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے سارے جہان سے معزز خواتین آل رسول ﷺ کو قیدی بنا کر شاہی درباروں میں گھمایا گیا جس کا تصور کر کے کلیجہ دہلنے لگتا ہے اس سفاکانہ وکافرانہ اقدام نے لوگوں کو سخت خوفزدہ کر دیا پیچھے گزر چکا ہے کہ ابن زیاد نے سر حسین رضی اللہ عنہ پر چھڑی سے چوٹیں لگائیں تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو شان اہل

بیت میں مشہور حدیث ثقلین کے راوی بھی ہیں اور بخاری ومسلم کے رواۃ میں سے ہیں غصے سے کھڑے ہو گئے دوسری روایت کے مطابق وہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ بھی برداشت نہ کر سکے اور ابن زیاد پر سخت نفریں کی ابن زیاد نے حضرت زید بن ارقم کو ڈانٹتے ہوئے کہا اگر تمہارے بڑھاپے کا خیال نہ ہوتا تو میں ابھی تمہاری گردن اڑا دیتا۔

تاہم صحابہ کرام تا دیر خاموش نہ رہ سکے اور یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حرمین شریفین مکہ و مدینہ منورہ میں جہاں صحابہ کرام کی اکثریت تھی لوگوں کو یزید کے خلاف دعوت دی اور امام کے ظالمانہ قتل کا بدلہ لینے کی ترغیب دلائی اسی طرح اہل مدینہ نے یزید کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جنہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا کے بیٹے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنایا انہوں نے یزید کے عامل عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ طیبہ سے نکالا بلکہ تمام بنوامیہ سے کہا کہ مدینہ طیبہ سے نکل جائیں صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت ان کے ساتھ تھی جن کی تعداد سینکڑوں میں تھی صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور امام زین العابدین نے ان کا ساتھ نہ دیا وہ کہتے تھے کہ اس طرح فتنہ پیدا ہوگا یزید کی بیعت توڑنے سے وہی کچھ ہوگا جو کربلا میں اہل بیت کے ساتھ ہوا اور واقعتا وہی کچھ ہوا۔

واقعہ کربلا کے بعد اہل مدینہ پر یزید کے مظالم

تو یزید نے مسلم بن عقبہ جیسے ظالم و متشدد آدمی کی کمان میں کئی ہزار افراد پر مشتمل لشکر بھیجا تا کہ اہل مدینہ کی بغاوت فرو کرے اس بد بخت نے آ کر مدینہ طیبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی خود اسے یزید نے حکم دے کر بھیجا تھا کہ تم جا کر اہل مدینہ سے کہو کہ وہ بغاوت سے باز آجائیں پھر انہیں تین دن کی مہلت دو۔ اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے لڑائی کرو۔

وَاِذَا ظَهَرْتَ عَلَيْهِمْ فَاَبِحِ الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثاً

ترجمہ: اور جب تم ان پر چڑھائی کر دو تو مدینہ کو تین دن تک اپنے لیے مباح کر لو۔

یعنی جو ہاتھ لگے لوٹ لو تین دن کے بعد اپنا ہاتھ روک لو مسلم بن عقبہ نے جا کر اسی طرح کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 222 صفۃ مقتل الحسین رضی اللہ عنہ)

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام کو امام حسین سے کس قدر محبت تھی ان کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے اٹھے مگر کامیاب نہ ہو سکے تاہم انہوں نے اپنی جانیں اس راہ میں دیدیں انہیں یزید کی بیعت کی طرف بلایا گیا جب تین دن تک اہل مدینہ نے یزید کی بیعت نہ کی تو مسلم بن عقبہ نے مدینۃ الرسول پر دھاوا بول دیا مدینہ سے باہر مقام حرہ پر شدید ترین لڑائی ہوئی امام زہری فرماتے ہیں۔

القتلیٰ یوم الحرۃ سبعۃ مأۃ من وجوہ الناس من المھاجرین والانصار

ترجمہ: جنگ حرہ میں قتل کے جانے والے لوگوں کی تعداد سات سو مہاجرین و انصار صحابہ میں سے معزز اور چیدہ لوگ تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 224 صفۃ مقتل الحسین رضی اللہ عنہ)

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے لیے شہادت امام عالی مقام کی خبر قطعی اچانک تھی مکہ سے نکلتے ہوئے صحابہ نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ اہل کوفہ کے پاس آپ نہ جائیں مگر آپ اہل کوفہ کے خطوط کے پیش نظر چلے گئے صحابہ کرام نہ گئے انہیں کوفیوں کی بے وفائی تو معلوم تھی مگر صحابہ کرام کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کو اس قدر جلدی قتل کر دیا جائے گا یہ واقعہ بہت اچانک اور بہت جلد ہو گیا صحابہ کرام مدد کو نہ پہنچ سکے اگر انہیں امام حسین کا کوئی خط مل جاتا کہ میں مشکل میں ہوں میری مدد کو آؤ تو ناممکن تھا کہ نواسہ رسول ﷺ کی مدد کے لیے صحابہ کرام نہ نکلتے جو ان کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے سات سو کی تعداد میں شہید ہو سکتے ہیں وہ مدد کے لیے کیوں نہیں آسکتے تھے۔

اس زمانہ میں ذرائع مواصلات و مراسلات بہت کم اور بہت سست تھے۔ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ محرم سن ہجری 60 کی پانچ یا چھ تاریخ کو کربلا پہنچے ہیں اور دس محرم کو آپ کو شہید کر دیا گیا صحابہ کرام تک کوئی پیغام کیسے پہنچ سکتا تھا۔

مکہ شریف پر یزید کی چڑھائی اور موت

صرف مدینہ کے صحابہ کرام کے ہی یہ جذبات نہ تھے اہل مکہ نے بھی واقعہ کربلا کے بعد بغاوت کی اور مسلم بن عقبہ نے مدینہ طیبہ میں لوٹ مار کرنے کے بعد مکہ شریف کا رخ کیا اور وہاں بھی کئی صحابہ شہید ہوئے جن میں حضرت مسعود بن محترم اور مصعب بن عبدالرحمان بن عوف نمایاں ہیں مکہ شریف پر بھی اس طرح چڑھائی کی گئی حتی کہ حرم کعبہ کو آگ لگا دی گئی کعبہ شریف کا غلاف جل گیا لکڑیاں جل گئیں کعبہ شریف پر پتھر برسائے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

یہ سب سیاہ کارنامے یزید کے منحوس دور میں ہوئے اس کا سارا دور اہل بیت رسول ﷺ اور مدینۃ الرسول اور کعبۃ اللہ کی عزت و حرمت کے پامال کرنے میں گزر گیا ابھی کعبہ شریف کے پردوں میں آگ لگی ہوئی تھی کہ ربیع الاول 64 ہجری میں یزید کی موت کی خبر مکہ شریف میں آگئی اور اس کا بھیجا ہوا ظالم و سفاک لشکر واپس شام بھاگ گیا اور ظلم و تشدد کی ایک تاریک رات ختم ہوئی۔

امام ابن کثیر اپنی رائے بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَقَدْ اَخْطَأَ يَزِيْدُ خَطَأً فَاحِشًا فِيْ قَوْلِهٖ لِمسلم بن عقبه ان يبيح المدينة ثلاثة ايامٍ

وهذا خطاءٌ كبيرٌ مع ما انضمَّ اليه مِن قتْلِ خلقٍ مِنَ الصَّحابةِ وَابْنَاءِهِمْ

ترجمہ: یزید نے یہ بہت بڑا جرم کیا جومسلم بن عقبہ کو تین دن تک مدینہ کو مباح کرنے کا حکم دیا یہ صریحاً بہت بڑا جرم ہے پھر اس کے ساتھ یہ جرم بھی شامل ہو گیا کہ صحابہ کرام اور انکی اولاد میں سے ایک بڑی خلقت قتل کر دی گئی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 225 صفۃ مقتل الحسین رضی اللہ عنہ)

صرف اسی پر بس نہیں چونکہ خود یزید نے مسلم بن عقبہ کی فوج کو کھلی چھٹی دیدی تھی کہ مدینہ تمہارے لیے تین دن تک مباح ہے جو مرضی کرو تو انہوں نے مدینہ طیبہ کی پاکدامن خواتین کے ساتھ بے پناہ جبر اً زنا کیا۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

وَلَدَتْ اَلْفُ امْرَأَةٍ منْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ بعد واقعة الْحَرَّةِ مِنْ غَيْرِ زَوْجٍ

ترجمہ: اہل مدینہ کی ایک ہزار عورت نے واقعہ حرہ کے بعد شادی کے بغیر حرامی بچے جنے۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن)

علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی متوفی 911ھ وفا الوفا میں فرماتے ہیں:

علامہ قرطبی نے بیان کیا کہ واقعہ حرہ میں ایک ہزار سات سو مہاجرین و انصار اور خیار تابعین کو قتل کیا گیا اور دیگر سب مردوں عورتوں بچوں کو ملا کر دس ہزار مسلمان شہید کیے گئے، جن میں سات سو قراء قرآن اور ستانوے قریشی لوگ تھے۔ ابن حزم نے بیان کیا ہے کہ ان دنوں مسجد رسول اللہ ﷺ میں گھوڑے باندھے گئے جو قبر انور اور منبر شریف (روضۃ من ریاض الجنۃ) میں پیشاب اور لید کرتے رہے۔ مسلم بن عقبہ نے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ یزید کی یوں بیعت کریں کہ وہ اس کے غلام ہیں خواہ انہیں آزاد کرے یا بیچ دے۔ یزید بن عبداللہ بن زمعہ نے کہا میں قرآن وسنت کے حکم کے مطابق بیعت کرتا ہوں تو انہیں باندھ کر ان کی گردن مار دی گئی۔

(وفاء الوفا باحوال دار المصطفیٰ جلد اول صفحہ 126 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سمہودی نے چند صفحات کے بعد لکھا ہے کہ ابن جوزی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مشہور تابعی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایام حرہ میں جب بھی نماز کا وقت آتا تو قبر رسول ﷺ سے اذان کی آواز آتی تھی، پھر اقامت کہی جاتی اور میں آگے بڑھ کر نماز پڑھ لیتا۔ اس وقت مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ (وہ مسجد میں کسی جگہ چھپے ہوئے تھے۔)

اس زمانے میں صحابہ کرام میں سے جس کی جان بچی اس نے کسی غار میں یا خفیہ مقام میں چھپ کر جان بچائی الغرض اہل مدینہ طیبہ پر وہ مظالم توڑے گئے کہ قلم لکھ نہیں سکتا اور یہ یزید کے واضح حکم کے ساتھ ہوا۔

اہل مدینہ کو ستانے والا شخص جہنمی اور ملعون ہے

1۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1۔ لا یکید اھل المدینہ احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء۔

ترجمہ: اہل مدینہ کے ساتھ جو شخص دجل و فریب کریگا وہ (نار جہنم میں) ایسے پگھلایا جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل المدینہ باب 7 حدیث 1877)

2۔ انہی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا یُرِیْدُ اَحَدٌ الْمَدِیْنَةَ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَهُ اللّٰهُ فِی النَّارِ ذوب الرصاص۔

ترجمہ: یعنی جو شخص بھی شہر مدینہ سے برائی کرنا چاہے گا اللہ اسے دوزخ میں یوں پگھلا دے گا جیسے چونا پانی میں۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ حدیث 3361)

3۔ سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ ظُلْمًا اَخَافَهُ اللّٰهُ وَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا۔

ترجمہ: جو شخص اہل مدینہ کو اپنے ظلم سے خوف زدہ کرے اللہ اسے روز قیامت خوف زدہ کردے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 55 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یزید پر لعنت کا جواز

چونکہ یہ تاریخ سے صریحاً ثابت ہے کہ خود یزید نے مدینہ میں تین دن تک لوٹ مار کرنے اور غارت گری کا حکم دیا تھا چنانچہ ابھی البدایہ کے حوالے سے پیچھے گزرا اور امام ابن اثیر بھی فرماتے ہیں۔ کہ یزید نے مسلم بن عقبہ سے کہا تھا:

فَاِذَا ظَهَرْتَ عَلَیْهِمْ فَاَبِحْهَا ثَلَاثًا۔

ترجمہ: جب تم اہل مدینہ پر حملہ کرو تو سارا مدینہ اپنے لیے تین دن تک مباح سمجھو۔

(الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 311)

اور ایسا ہی تاریخ طبری اور تاریخ ابن خلدون میں بھی ہے ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبد الملک بن مروان نے جو خود بنو امیہ کا اہم فرد تھا جب یزید کا یہ حکم سنا تو کہا کاش آج آسمان زمین پہ گر پڑتا یزید نے اتنا بڑا حکم دیا ہے۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتنہ گر امراء میں سے ایک امیر مدینہ طیبہ میں آیا۔ ان دنوں حضرت جابر

کی نظر جاتی رہی تھی۔ انہیں کہا گیا آپ کہیں آگے پیچھے ہو جائیں، آپ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ نکلے۔ آپ کو چلتے ہوئے ٹھوکر لگی، آپ کہنے لگے جو شخص رسول اللہ ﷺ کو ڈرائے اس کیلئے ہلاکت ہے۔ بیٹوں نے کہا حضور ﷺ تو فوت ہو گئے ہیں؟ حضرت جابر کہنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ نے فرمایا:

مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَقَدْ اَخَافَ مَا بَيْنَ جَنْبِيَّ

جس نے اہل مدینہ کو خوف زدہ کیا اس نے اس دل کو خوف زدہ کیا جو میرے پہلوؤں میں ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 354)

اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث ابھی گزر چکی ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کو خوف زدہ کرے اس پر اللہ اور فرشتے اور سب انسانوں کی لعنت ہے جب کہ یزید نے نہ صرف انہیں خوف زدہ کیا ہے بلکہ قریباً ایک ہزار افراد کو جن میں سات سو صحابہ کرام تھے شہید کر دیا اور ایک ہزار دختران شہر رسول سے جبراً زنا کیا گیا۔ کیا اب بھی یزید پر لعنت نہ کی جائے؟

امام ابن کثیر فرماتے ہیں امت کے متعدد ائمہ دین نے کھل کر یزید پر لعنت کی ہے ان میں امام احمد بن حنبل ہیں، محدث کبیر امام ابو یعلی ہیں، ان کے بیٹے ابو حسین ہیں اور امام ابن جوزی ہیں، امام ابن جوزی نے یزید پر لعنت کے جواز میں مستقل کتاب لکھی ہے اور جنہوں نے یزید پر لعنت سے توقف کیا وہ اس لیے ہے کہ یہ لعنت کا سلسلہ کہیں ان کے والد امیر معاویہ اور دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف نہ چلا جائے۔

مگر میں سمجھتا ہوں توقف کرنے والوں کا یہ استدلال قوی نہیں۔ یزید کی بدکرداریوں سے اس کے والد گرامی کا کوئی تعلق نہیں اور جب اس پر لعنت کی جائے تو وہ اسی پر رہے گی اور اس کی حرکتیں واقعتاً لعنت کے قابل ہیں۔

یاد رہے اہل مدینہ کو ستانے والا بھی ملعون ہے اور خدا اور رسول ﷺ کو اذیت دینے والا اس سے بھی بڑا ملعون ہے جس نے مدینہ والوں کو ستایا وہ حدیث کے مطابق ملعون ہے اور خدا اور رسول کو اذیت دینے والا قرآن کی زبان میں ملعون ہے اور اس پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اللہ نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہے۔ (سورۃ احزاب، آیت 57)

یزید نے آل رسول ﷺ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر اللہ اور اس کے رسول کو وہ ایذا دی جو کوئی کافر بھی نہیں دے سکتا اس لیے وہ قرآن و حدیث دونوں کی زبان میں ملعون ہے دنیا اور آخرت دونوں میں۔

بلاشبہ یزید نے ایسے اعمالِ بد کیے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ کی، سب فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت کا مستحق

ہے اس کا اپنے باپ کی وصیت کو بھول کر ابن زیاد کو امام حسین رضی اللہ عنہ پر تشدد روا رکھنے کی کھلی چھٹی دینا، پھر نواسہ رسول اور آل رسول پہ ظلم کے پہاڑ توڑنے والوں کو اس کا ان کے عہدوں پہ بحال رکھنا اور منافقت کے آنسو بہانا، پھر مسلم بن عقبہ جیسے شیطان کو مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا حکم دینا اور یزیدی فوج کے لیے مدینۃ الرسول کو تین دن تک کیلئے مباح قرار دینا، پھر یزیدی فوج کا کعبۃ اللہ کو آگ لگانا یہ ایسے گھناؤنے جرائم ہیں جن پر وہ اللہ کی لعنت کا یقینا حقدار ہے۔ اگر وہ اللہ کے ہاں ملعون نہیں ہے تو پھر دنیا میں کون ملعون ہے؟

مگر کیا ہمارے لیے یزید کا نام لیکر اس پہ لعنت کرنا جائز ہے؟ تو اس میں آئمہ دین کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ دوسرے آئمہ نے اس میں سکوت کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جواز لعنت کے لیے شریعت کا ایک ضابطہ ہے کسی مومن کا نام لیکر اس پہ لعنت جائز نہیں خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ، کسی کافر کا نام لیکر اس پہ لعنت جائز نہیں جب تک وہ زندہ ہو، کہ ممکن ہے وہ ایمان لے آئے اور اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں۔ ہاں جو کافر کفر پہ مر جائے اور اس کا کفر پر مرنا حتمی و یقینی ہو اس پہ لعنت جائز ہے جیسے وہ کفار جو میدان کارزار میں لڑتے ہوئے مارے جاتے ہیں وہ کفر کی حمایت اور اسلام سے مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے ان کا نام لیکر لعنت جائز ہے۔ اسی طرح جن کا کفر منصوص ہے جیسے فرعون، ہامان، قارون، ابولہب اور اس کی بیوی، ان کا نام لیکر ان پہ لعنت جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ: بے شک جو لوگ کفر کریں پھر وہ کفر پہ مر جائیں ان پہ اللہ کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔
(سورہ بقرہ آیت 161)

حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے کچھ کفار کا نام لیکر اور کچھ قبائل کا نام لیکر ان پہ لعنت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر بعد میں ایمان لائے، صحیح بخاری میں ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دعا کی۔

اللھم العن فلاناً وفلاناً وفلاناً

اے اللہ فلاں فلاں فلاں پہ لعنت فرما، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔

اے پیارے محبوب یہ آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ اللہ کی مرضی ہے کہ انہیں توفیق توبہ دیدے (ایمان

دیدے) یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ (سورہ آل عمران آیت 128)

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ آل عمران حدیث 4559)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روز اُحد فرمایا اے اللہ! ابوسفیان پہ لعنت فرما، اے اللہ! حارث بن ہشام پہ لعنت فرما، اے اللہ! صفوان بن امیہ پہ لعنت فرما تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: لیس لك من الامر شیئی الخ یعنی اے محبوب ﷺ یہ آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ اللہ ان کو توفیق دیدے یا عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں، تو اللہ نے ان کو توفیق توبہ دیدی، وہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام بہت اچھا ہوگیا۔

(جامع الترمذی کتاب التفسیر سورہ آل عمران حدیث 3004)

معلوم ہوا زندہ کافر پہ لعنت کرنا ممنوع ہے ہاں جب اس کا کفر پہ مرنا صریحاً معلوم ہو جائے تو اس کا نام لیکر اس پر لعنت کی جاسکتی ہے۔ البتہ نام لیے بغیر مطلقاً مجرموں پہ لعنت کرنا جائز ہے جیسے قرآن میں ہے فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ (آل عمران آیت 61) وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ اُولٰٓـئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡۤءُ الدَّارِ ۞ (سورہ رعد آیت 25)

یعنی یوں کہا جاسکتا ہے کہ جھوٹوں پہ اللہ کی لعنت، فسادیوں پہ اللہ کی لعنت، قطع رحمی کرنے والوں پہ اللہ کی لعنت، مگر نام لیکر کسی کافر پہ بھی لعنت جائز نہیں تا آنکہ اس کا کفر پر مرنا حتماً معلوم ہو، یہ وہ اصول ہیں جن پر سب آئمہ متفق ہیں۔ اب اختلاف یہ ہے کہ کیا یزید واقعتہً ایسا کافر ہے جس کا کفر پہ مرنا ظاہر و باہر اور حتمی معلوم ہے تو اس کا جواب واضح نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس کا جواب ہاں میں دیا اور کئی شوافع علماء نے بھی یزید کا نام لیکر اس پر لعنت کی ہے جیسے علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ متوفی 792ھ نے شرح عقائد نسفیہ میں فرمایا:

والحق ان رضاء یزید بقتل الحسین رضی اللہ واستبشارہ و اھانتہ اھل بیت النبی ﷺ مما تو اتر معناہ و ان کان تفاصیلہ آحاداً فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ فلعنۃ اللہ علیہ و علی انصارہ واعوانہ

حق یہ ہے کہ یزید کا قتل امام حسین رضی اللہ عنہ پہ راضی ہونا اس سے خوش ہونا اور اس کا اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا معنی متواتر ہے اگر چہ اس کی تفاصیل اخبار آحاد ہیں۔ تو ہم اسکی شان میں بلکہ اس کے عدم ایمان میں کوئی توقف نہیں رکھتے۔ اس پر اور اس کے مددگاروں اور بہی خواہوں پہ اللہ کی لعنت ہو۔

(شرح عقائد نسفیہ مع حاشیہ نبراس صفحہ 332 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

جبکہ دیگر علماء یزید کا نام لیکر اس پہ لعنت کرنے سے توقف کرتے ہیں۔ ہاں یہ کہنا سب کے نزدیک جائز ہے کہ

قاتلانِ امام حسین پہ لعنت، دشمنان آلِ رسول ﷺ پہ لعنت، کیونکہ اس میں کسی کا نام نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس جگہ تاویل کا احتمال ہو وہاں حکم کفر لگانا جائز نہیں، چونکہ بعض روایات ایسی بھی ہیں کہ یزید کو قتل امام حسین و آل رسول پہ دکھ ہوا، اس لیے حکم کفر لگانے اور لعنت سے توقف کرنا چاہیے۔ مدینہ طیبہ کو مباح قرار دینا اگر اس معنیٰ میں ہو کہ سب کچھ جائز ہے خواہ خواتین مدینہ سے زنا کیا جائے اور ان کا مال لوٹا جائے جیسا کہ یزیدی لشکر نے کیا تو یہ استحلالِ حرام ہے اس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر یہ معنیٰ ہو کہ بغاوت کرنے والوں کو سختی سے کچلا جائے تو پھر مفہوم دیگر ہے۔ اسی طرح کعبۃ اللہ پہ پتھر برسانا اور آگ لگانا اگر حکم یزید سے ہو تو یہ صریح کفر ہے۔ اور اگر یہ فوج کا اپنا فعل ہو تو صورت مختلف ہے۔ یونہی یزید کی طرف بعض اشعار منسوب ہیں جن میں اس نے کہا ہے کہ ہم نے بدر میں اپنے مارے جانے والے آباء کے قتل کا بدلہ لے لیا ہے؟ امام ابن کثیر فرماتے ہیں اگر یہ اشعار واقعۃً یزید کے ہیں تو اس کے کافر و ملعون ہونے میں کوئی شک نہیں، اور اگر کسی نے گھڑ کر اس کی طرف منسوب کیے ہیں تو ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ (البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 224) اس لیے لعنت سے توقف بہتر ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ملفوظات میں بہت خوب فرمایا کہ یزید پہ ہم خود لعنت کریں گے نہیں کسی کو روکیں گے نہیں۔

(ملفوظات صفحہ 172 مطبوعہ مکتبۃ المدینہ دعوت اسلامی کراچی)

یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ اختلاف یزید کے کافر ہونے اور اس پہ لعنت کے جواز میں ہے۔ رہا اس کا فاسق و فاجر ہونا تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ علامہ زبیری لکھتے ہیں کہ امام ابن حجر مکی کا یہی فتویٰ ہے کہ یزید پر لعنت نہ کی جائے اگرچہ وہ خبیث و فاسق تھا۔ (اتحاف سادۃ المتقین جلد 7 صفحہ 489 مطبوعہ مصر)

کیا یزید حدیث مدینہ قیصر کی وجہ سے پکا جنتی ہے؟

یزید کے ہی خواہ آج بھی موجود ہیں، وہ اسے جنتی ثابت کرنے پہ تلے ہوئے ہیں محمود احمد عباسی اور اس کے ہمنواؤں نے بخاری کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یزید کو جنتی قرار دینے کی کوشش کی۔ حدیث یہ ہے:

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِي يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوا۔

میری امت میں سے وہ پہلا گروہ جو سمندر میں جہاد کریں گے انہوں نے خود پر جنت واجب کرلی۔ ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ۔ وَاَنَا فِيْهِمْ کیا میں بھی ان میں ہونگی؟ آپ نے فرمایا و انت فیھم۔ تم ان میں سے ہوگی، کہتی ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِي يَغْزُوْنَ مدينةَ قيصر مغفورٌ لهم

میری امت میں سے وہ پہلا گروہ جو قیصر روم کے شہر پر حملہ کرے گا ان کے لیے بخشش ہے۔ ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ان میں سے ہوں؟ فرمایا: لا، تم ان میں سے نہیں ہو۔
(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فی قتال الروم حدیث 2924)

اس حدیث کے تحت امام بدر الدین عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
شہر قیصر قسطنطنیہ پر یزید بن معاویہ نے سن 52 ہجری میں حملہ کیا جس میں کثیر صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ (عمدۃ القاری جلد 14 صفحہ 277 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) امام احمد قسطلانی نے بھی یہی کہا ہے کہ شہر قیصر پر جس نے سب سے پہلے حملہ کیا وہ یزید بن معاویہ تھا، اس کے ساتھ اکابر صحابہ تھے جیسے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنھم یہ سن 52 ہجری کی بات ہے۔ (ارشاد الساری شرح بخاری جلد 6 صفحہ 408 مطبوعہ دار الکتب العمیہ بیروت)

جب خوارج کے استدلال کے مطابق اس حدیث کی روشنی میں یزید جنتی ہے تو اس کے خلاف خروج کرنے کی وجہ سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت خوارج کے ہاں مشکوک ہے۔ مگر ان کا استدلال سطحی اور بے بنیاد ہے۔ درج ذیل امور ملاحظہ ہوں۔

اس حدیث کا دوسرا مضمون جو خود صحیح بخاری میں چھ جگہ، صحیح مسلم میں دو جگہ اور ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ سب میں وارد ہے۔ اس سے مختلف ہے۔ وہ یوں ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ (وہ آپ کی رضاعی خالہ تھی) وہ آپ کو کھانا پیش کرتیں وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں ایک دن آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کو کھانا پیش کیا، پھر سر دھلایا، آپ ان کے ہاں آرام فرما ہوئے، پھر مسکراتے ہوئے اٹھے۔ کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ فرمایا: اُناسٌ من اُمَّتی عُرِضُوا علیَّ غزاۃً فی سبیل اللہ یر کبون ثبج ھذا البحر ملوکاً علی الاسِرَّۃِ

میری امت میں سے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد پہ نکلیں گے وہ اس سمندر کے بلند حصہ پہ سوار ہونگے۔ وہ مجھے یوں دکھائے گئے جیسے تختوں پہ بادشاہ بیٹھے ہوں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اُدْعُ اللہَ اَنَا یَجْعَلَنی منھم دعا فرمائیں اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے دعا کر دی، پھر آپ نے تکیہ پر سر انور رکھا اور سو گئے، پھر آپ بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کیوں مسکرائے ہیں؟ فرمایا: اُنَاسٌ من اُمّتی عُرِضُوا عَلَیَّ غزاۃً فی سبیلِ اللہ۔ میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اسی حالت میں ہونگے جیسے پہلے والے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

ﷺ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا: انتِ مِنَ الاَوَّلین تم پہلے گروہ میں سے ہو، چنانچہ حضرت ام حرام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں سمندری جہاد میں شریک ہوئیں وہ سمندر سے نکلتے ہوئے سواری پہ بیٹھیں سواری نے انہیں گرادیا اور وہ فوت ہوگئیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب 3 حدیث 2788، صحیح مسلم کتاب الامارۃ، حدیث 160، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب 9، سنن ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب 15، سنن نسائی کتاب الجہاد باب 40، سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد باب 10)

خلاصہ یہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے ام حرام رضی اللہ عنہا کو لشکروں کی بشارت دی جو جہاد کریں گے، پہلے لشکر کے بارے میں کہا اول جیش من امتی یغزون البحر وہ سمندر میں جنگ کریں گے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ وہ شاہِ قیصر کے شہر پہ حملہ کریں گے اور حضرت ام حرام سے فرمایا کہ وہ پہلے لشکر میں شامل ہونگی۔ اس لشکر کے بارے میں زبان رسالت نے یہ مژدہ سنایا قد اوجبوا انہوں نے اپنے لیے جنت واجب کرلی۔ جبکہ دوسرے لشکر کے بارے میں فرمایا کہ وہ شہر قیصر پہ حملہ کریں گے، ام حرام اس میں شامل نہ ہونگی اور ان کے لیے زبان رسالت نے جنت کا وعدہ نہیں فرمایا، اتنا کہا مغفورٌ لھم اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے سابقہ گناہ معاف کیے گئے جیسے حدیث میں ہے من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ

جس نے ماہ رمضان کے روزے ایمان و اخلاص کے ساتھ رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کیے گئے۔ اب تاریخ بتاتی ہے کہ عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں امیر شام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاریخ اسلام میں پہلی بار سمندر میں لڑائی کی اور شام کے قریب سمندر میں ایک جزیرہ قبرص پر حملہ کرکے اسے فتح کیا۔ یہ سن 28 ہجری کی بات ہے، چونکہ یہ سمندر میں لڑی جانے والی پہلی لڑائی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس میں شامل مجاہدین کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا۔ اس وقت یزید ایک روایت میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا اور دوسری روایت میں پیدا ہوگیا تھا۔ مگر شیر خوار بچہ۔ اس جنگ میں ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئیں واپسی پہ وہ سمندر سے نکلیں خچر پہ بیٹھیں، خچر نے انہیں زمین پہ گرایا، وہ گردن کے بل زمین پر گریں اور فوت ہوگئیں۔

جبکہ دوسرا لشکر سن 52 ہجری میں شہر قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا اس میں یزید بن معاویہ شامل تھا۔ اسی لشکر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مغفورٌ لھم اس سے اس کا جنتی ہونا ثابت نہیں ہوتا ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس لشکر میں شامل لوگوں کے سابقہ گناہ معاف ہوگئے۔

امام احمد قسطلانی صحیح بخاری کی حدیث مذکور رقم 2924 کے تحت فرماتے ہیں:

ام حرام رضی اللہ عنہا امارت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سن ہجری 28 میں سمندری سفر پہ گئیں۔ جب انہوں نے قبرص فتح

کیا، جب وہاں سے واپس آئیں تو سواری پہ چڑھتے ہوئے گر پڑیں ان کی گردن ٹوٹ گئی اور فوت ہوگئیں، جبکہ شہر قیصر پر سب سے پہلے یزید نے حملہ کیا اس لشکر میں عظیم صحابہ عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم شامل تھے، حضرت ابوایوب اس لڑائی میں فوت ہوئے۔

(ارشاد الساری جلد 6 صفحہ 408 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام بدر الدین عینی متوفی 855ھ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں صاحب المرآۃ نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یزید بن معاویہ سن 52ھ میں جنگ قسطنطنیہ میں شامل ہوا۔ کہتے ہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا لشکر سفیان بن عوف کی کمان میں قسطنطنیہ بھیجا، وہ بلادِ روم میں داخل ہوئے اس لشکر میں ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ میں کہتا ہوں اظہر یہ ہے کہ یہ جلیل القدر صحابہ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ ایسے جلیل القدر صحابہ اس کی کمان میں ہوں۔

(عمدۃ القاری جلد 14 صفحہ 278 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار سمندر میں جہاد کیا انہوں نے جزیرہ قبرص پہ حملہ کیا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کا عظیم لشکر تھا، یہ لڑائی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوئی۔ حضرت معاویہ اس لڑائی کے لیے پہلے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگتے رہے انہوں نے اجازت نہ دی، ان کا خیال تھا کہ اگر اس میں کامیابی نہ ملی تو ایک شخص بھی زندہ واپس نہ آئے گا، جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو حضرت امیر معاویہ نے ان سے اس لڑائی کے لیے اصرار کیا انہوں نے اجازت دیدی۔ وہ بڑا لشکر لیکر نکلے، مصر سے ان کی مدد کے لیے عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ بھی آ گئے گھمسان کی جنگ ہوئی اللہ نے غلبہ دیا، عظیم مال غنیمت ملا۔ بہت سے کفار قیدی ہوئے، جب لشکر وہاں سے واپس لوٹا تو ام حرام رضی اللہ عنہا خچر پہ سوار ہوئیں وہ بدکا، وہ گر پڑیں ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوت ہوگئیں، وہاں قبرص میں ان کی قبر ہے اہل قبرص اس قبر کی تعظیم کرتے اور اس کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کسی صالحہ عورت کی قبر ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 159 ذکر سن 28 فتح قبرص مطبوعہ دار الریان مصر)

اس جگہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی کہ جس لشکر کو انہوں نے بڑی کوشش اور اصرار سے تیار کیا اور پہلی بار سمندر میں لڑائی ہوئی اللہ کے سچے رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کے تمام مجاہدوں کے لیے جنت کا اعلان فرمایا تھا، جب اس کا ہر مجاہد جنتی ہے تو جس کی کوششوں سے لشکر تیار ہوا اور جو ان کا سپہ سالار تھا وہ تو جنت کے خصوصی اعلیٰ درجات کا حقدار ہے۔ آج تفضیلی فرقہ حدیث عمار بن یاسر یقتله، الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة و يدعونه الى

النار کی غلط تعبیر کرے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ جہنمی کہتے ہیں۔ایسے گمراہ لوگ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کو جہنمی کہنے کی وجہ سے خود جہنمی ہیں۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے تو زبان رسالت جنت کا وعدہ فرما رہی ہے۔

ایک اشتباہ کا ازالہ:

کہا جاتا ہے کہ چلو یزید کے لیے وعدۂ جنت نہ سہی وعدۂ بخشش تو ہے کیونکہ وہ حدیث میں مذکور دوسرے گروہ میں ہے جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مغفورٌ لھم ان کی بخشش کی گئی ہے۔اس کا جواب آئمہ شارحین صدیوں پہلے دے گئے ہیں۔

امام بدر الدین عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مھلب نے کہا: اس حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی منقبت ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے سمندر میں جہاد کیا۔اور اس میں ان کے بیٹے یزید کے لیے بھی منقبت ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے شہر قیصر قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔

میں کہتا ہوں اس میں یزید کے لیے کونسی منقبت ہے اس کا حال مشہور ہے اگر تم کہو کہ اس لشکر کے لیے مغفورٌ لھم فرمایا گیا ہے۔تو میں کہتا ہوں اس میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دلیل خصوص کے ساتھ اس سے نکل نہ جائے، کیونکہ اہل علم کے نزدیک مغفورٌ لھم کے الفاظ اس کے لیے ہیں جو اہلیتِ مغفرت رکھتا ہو، اسی لیے اگر کوئی شخص ان میں سے بعد میں مرتد ہو جائے تو وہ اس عموم کے تحت داخل نہیں ہے۔معلوم ہوا اس میں پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ مغفرت کا اہل بھی ہو۔(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب الجہاد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام احمد قسطلانی نے بھی بعینہ علامہ بدر الدین عینی والی گفتگو کی ہے۔آگے مزید فرماتے ہیں کہ امام سعد الدین تفتازانی نے فرمایا۔یزید نے جب قتل امام حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا اور جس شخص نے آپ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اس پہ راضی ہوا ان سب پر لعنت جائز ہے اور حق یہ ہے کہ قتل حسین (رضی اللہ عنہ) پر یزید کا راضی ہونا اور اس کا اھانت اھل بیت رسول ﷺ کا مرتکب ہونا تواتر معنوی سے ثابت ہے اگرچہ اس کی تفاصیل اخبار آحاد ہیں۔تو ہم اس کی شان میں بلکہ اس کے عدم ایمان میں کوئی شک نہیں رکھتے، اس پر اور اس کے مددگاروں اور حامی کاروں پہ لعنت ہے۔
(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد 6 صفحہ 408 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کا تاریخی انجام

واقعہ کربلا کے بعد اللہ کی بے آواز لاٹھی قاتلان حسین پر قہر خداوندی بن کر پڑی اور جس نے بھی واقعہ کربلا میں اہل بیت رسول ﷺ کو گزند پہنچایا تھا وہ قدرت کے انتقام سے نہ بچ سکا۔

یزید کا انجام

یزید اس حالت میں مرا کہ اس کے ہاتھ سینکڑوں صحابہ کرام کے قتل سے رنگین ہو چکے تھے اس کے واضح اور صریح حکم کے مطابق شہر رسول ﷺ مدینہ پاک کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی مدینۃ الرسول ﷺ اور مکہ مکرمہ کے باشندے یزیدی لشکر کے ہاتھوں کٹ مر رہے تھے مسجد نبوی اور کعبۃ اللہ کی حرمت پامال ہو چکی تھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گلی کوچے صحابہ کرام کے خون شہادت سے لالہ زار ہو چکے تھے۔ جس وقت یزیدی لشکر کعبۃ اللہ پر پتھر برسا رہا تھا اور مسجد حرام میں قتل وغارت کا بازار گرم کیے ہوئے تھا عین اس وقت میں یزید کی ہلاکت کی خبر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو پہنچی اور انہوں نے پکار کر یزیدی لشکر سے کہا او ظالمو! جس کے حکم پر تم یہ ظلم کر رہے ہو وہ ہلاک ہو گیا ہے تو ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ اسی وقت واپس دمشق کو بھاگ اٹھے۔ یہ 14 ربیع الاول 64ھ کی بات ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 228 مطبوعہ دارالریان)

الغرض یزید اہل مدینہ واہل حرم کی عزتیں اور جان ومال لوٹتا ہوا مرا اور گلے میں طوق لعنت ڈال کر دنیا سے رخصت ہوا اس کی زبان پر العطش العطش یعنی ہائے پیاس ہائے پیاس کی آوازیں تھیں جب خدا کسی کو ذلت سے مارنا چاہتا ہے تو اس سے ایسے ہی کام کرواتا ہے۔

اور ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ یزید بندر نچواتا تھا ایک دن وہ بندر نچا رہا تھا اسے بندر نے کاٹ لیا اور اسی سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

کوفہ میں مختار ثقفی کی حکومت کا قیام

یزید کی موت کے ساتھ ہی کوفہ سے اموی حکومت اٹھ گئی اور کچھ ہی عرصہ میں وہاں 66ھ کے آخر میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے قبضہ کر لیا وہ یہ نعرہ مار کر میدان میں آیا کہ نواسہ رسول حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو ان کے خاندان سمیت بے یار و مددگار قتل کیا گیا اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا شعار تھا: یا ثارۃ الحسین، ہائے خون حسین کا انتقام۔ تو سارا کوفہ اس کے گرد اکٹھا ہو گیا اور قصر امارت پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ ابن زیادہ جو مرگ یزید کے بعد دمشق چلا گیا تھا، کو حاکم وقت عبدالملک بن مروان نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ بھیج کر مختار کی قوت کا خاتمہ کرنے کے لیے بھیجا۔ کربلا میں امام حسین کا مقابلہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اس لشکر میں شامل تھی کیونکہ مختار کے کوفہ پر قابض ہوتے ہی یہ لوگ دمشق بھاگ گئے تھے اور اب مختار کا خاتمہ کرنے آئے تھے یوم عرفہ 66 ہجری کو کوفہ اور موصل کے مابین گھمسان کی جنگ ہوئی، ثقفی لشکر بے جگری سے لڑا شامی لشکر کو شکست ہوئی ہزاروں شامی قتل ہوئے اور پانچ سو گرفتار ہوئے ان میں سے دو سو چالیس کا کربلا میں

امام حسین کے خلاف جانا ثابت ہوا تو انہیں لائن میں کھڑا کر کے قتل کر دیا گیا۔

شمر لعین کا انجام

مختار ثقفی کے قابض کوفہ ہوتے ہی شمر بن ذی الجوشن بصرہ بھاگ گیا تھا اسی خبیث نے امام عالی مقام کا سر انور جسم سے جدا کیا تھا مختار نے اسے پکڑنے کے لیے مسلح دستہ بھیجا جنہوں نے اس پر قابو پا کر قتل کر ڈالا اور جسم کے ٹکڑے کر ڈالے یوں اس جہنمی کتے کو جہنم واصل کیا گیا پیچھے حدیث گذر چکی ہے کہ خود رسول پاک ﷺ نے فرمایا تھا میں ایک برص زدہ کتے کو دیکھتا ہوں وہ میرے اہل بیت کے خون میں منہ مار رہا ہے امام حسین نے کربلا میں شمر کو دیکھ کر فرمایا وہ کتا یہی ہے کیونکہ شمر کے جسم پر برص کے داغ تھے۔

اس کے بعد مختار نے کوفہ میں خطبہ دیا کہ آج بھی کوفہ میں آل محمد ﷺ کے قاتلوں کی ایک بڑی تعداد زندہ ہے میں اس وقت تک چین سے کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک زمین کو ان سے پاک نہ کرلوں چنانچہ کوفہ میں سخت پکڑ دھکڑ شروع ہوئی ایک خلق کثیر کو پکڑ پکڑ کر لایا گیا مختار کے سامنے انہیں کھڑا کیا جاتا وہ انہیں مختلف طریقوں سے اذیت ناک موت مار ڈالنے کا حکم دیتا بعض کو زندہ جلا دیا گیا بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں چھوڑ دیا گیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے اور بعض کو تیروں سے چھید چھید کر ہلاک کیا گیا ایک شخص مالک بن بشر کو لایا گیا مختار نے اسے کہا کیا تم ہی نے امام حسین کے سر سے عمامہ اتارا تھا؟ کہنے لگا ہم اس وقت مجبور تھے مختار نے کہا جن ہاتھوں سے اس نے نواسہ رسول کا عمامہ اتارا تھا وہ کاٹ دو اور ہاتھ اس کے دونوں پاؤں بھی کاٹ دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔

خولی بن یزید کا عبرت ناک انجام

اس ملعون نے امام عالی مقام کا سر انور جسم مبارک سے جدا کیے جانے کے بعد نیزے پہ اٹھا کر دربار ابن زیاد میں کوفہ پہنچایا تھا پیچھے گذر چکا ہے کہ جب 10 محرم 61 ہجری کو اسیران اہل بیت کو کوفہ لایا گیا تو رات ہو گئی تھی اور ابن زیاد کا قصر امارت بند ہو چکا تھا تو خولی ملعون سر انور کو اپنے گھر لے گیا اور بیوی کو بتایا کہ میں سارے زمانے کی عزت تمہارے پاس لایا ہوں جب اس نے سر انور اسے دکھایا تو اس کی چیخ نکل گئی وہ کہنے لگی او نامراد! لوگ گھروں میں سونا چاندی لاتے ہیں اور تم دختر رسول ﷺ کے جگر گوشہ کا سر لے آئے ہو خدا کی قسم! آج کے بعد میں اور تم ایک بستر پر کبھی نہیں لیٹیں گے تو خولی نے اپنی دوسری بیوی کے پاس رہنا شروع کر دیا۔

جب مختار ثقفی کی فوج نے خولی کے گھر کا محاصرہ کیا تو اس وقت اس کی وہ بیوی جس نے اس رات اس پر لعنت کی تھی

گھر میں موجود تھی سپاہیوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اسی نے دروازہ کھولا انہوں نے پوچھا خولی کہاں ہے وہ زبان سے کہنے لگی مجھے پتہ نہیں مگر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ گھر ہی میں ہے وہ گھر کے ایک خفیہ ٹھکانے میں چھپا بیٹھا تھا سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا اور دربار مختار ثقفی میں لے گئے مختار ثقفی نے کہا اسے زندہ جلا دو تو اسے زندہ جلا دیا گیا۔

جس شخص نے امام مسلم کے بیٹے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو قتل کیا تھا اس کا نام یزید بن ورقا تھا، اسے پکڑنے گئے تو اس نے لڑائی شروع کر دی ثقفی سپاہیوں نے اس پر تیروں اور پتھروں کی اتنی برسات کی کہ وہ ادھ مرا ہو کر گر پڑا ابھی اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی کہ سپاہیوں نے اسے اٹھایا اور جلتی آگ میں ڈال کر بھون دیا۔

عمرو بن سعد کا خوف ناک اور عبرت انگیز انجام

کربلا میں کوفی لشکر کا امیر یہی تھا اور حکومت حاصل کرنے کے لالچ میں اس نے آل رسول ﷺ کے خون سے دشت کربلا کو رنگین کیا یہ بد بخت انسان عظیم صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کا بیٹا ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سرور دو عالم ﷺ کی دعا نے متجاب الدعوات بنا دیا تھا وہ زبان سے جو کہتے تھے ہو جاتا تھا ، دلائل النبوۃ لابی نعیم میں آپ کی زود اثر دعاؤں کا لمبا تذکرہ موجود ہے اس راقم الحروف گناہگار نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے جو الحمدللہ چھپ گیا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زندگی کا واقعہ ہے کہ آپ کا غلام آپ کے پاس آیا اس کا خون اس کی پنڈلیوں پر بہہ رہا تھا آپ نے فرمایا تمہیں کس نے مارا ہے کہنے لگا آپ کے بیٹے عمرو نے آپ کی زبان سے نکل گیا۔

اللّٰھم اقتله واسل دمه

اے اللہ اسے قتل کر اور اس کا خون یونہی بہا۔ بس ان کی زبان سے جو نکل گیا وہ ہو گیا واقعہ کربلا کی پاداش میں مختار نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا یہ چھپتا پھرتا تھا مختار نے کہا حسین رضی اللہ عنہ کا خون اسے بھاگنے نہیں دے گا یہی ہوا ایک سپاہی ابو عمرہ اس کے پیچھے پڑ گیا اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ سپاہی نے پیچھے بھاگتے ہوئے تلوار سے اس کی گردن کا نشانہ لیا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دیے اور سر اٹھا کر مختار ثقفی کے پاس لے آیا اس وقت مختار کے دربار میں عمرو بن سعد کا بیٹا بھی گرفتار بیٹھا تھا۔ مختار نے اسے کہا اس سر کو پہچانتے ہو اس نے انا للہ پڑھا اور کہا ہاں جانتا ہوں اب اس کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں مختار نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو واقعتاً اب تمہیں زندہ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں پھر اس نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی کاٹ کر اس کے باپ کے ساتھ رکھ دو چنانچہ مختار ثقفی نے یہ دونوں سر حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس مدینہ طیبہ بھیج دیئے اور ساتھ خط بھی لکھا کہ اللہ نے آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔

جب دونوں باپ بیٹا کے سر مختار کے سامنے پڑے تھے تو اس نے کہا باپ کا سر امام حسین رضی اللہ عنہ کے بدلے میں ہے اور بیٹے کا سر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کے بدلے میں مگر پھر بھی برابری کیسے ہو سکتی ہے کہاں آل محمد ﷺ کہاں یہ خبیث؟

ابن زیاد کا وحشت ناک انجام

جیسا کہ پیچھے گذرا ہے ابن زیاد واقعہ کربلا کے بعد شام میں قیام پذیر ہو گیا تھا موت یزید کے بعد اس نے مصر میں اپنی خود مختار حکومت بنانا چاہی مگر کامیاب نہ ہو سکا پھر عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں 67 ہجری کے آغاز میں ابن زیاد دوسری بار شاہی حکومت کی طرف سے مختار کی قوت کا خاتمہ کرنے کے لیے قریباً اسی ہزار کا لشکر لے کر نکلا اور موصل سے پانچ مراحل پر دونوں لشکر باہم ٹکرائے مختار کی طرف سے ابراہیم بن اشتر نخعی صرف سات ہزار کے لشکر کے ساتھ لڑا ثقفی فوج کی تعداد بہت کم تھی مگر ابراہیم بن اشتر نے ان میں یہ بات دھرا دھرا کر بے حد جوش پیدا کر دیا تھا کہ دیکھو آج تمہارے مقابلے میں نواسہ رسول ﷺ کا قاتل کھڑا ہے اس نے آل رسول ﷺ کے ساتھ وہ ظلم کیا ہے جو فرعون نے بھی بنی اسرائیل کے ساتھ نہیں کیا تھا آگے بڑھو اور اس کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھاؤ اور رسول خدا ﷺ کی شفاعت کے حقدار بن جاؤ

چنانچہ ثقفی لشکر بہت بے جگری سے لڑا خود ابراہیم بن اشتر کا یہ حال تھا جس شامی پر اس کی تلوار پڑتی دو ٹکڑے کر کے رکھ دیتی آخر شامی فوج کے مقتولین کو پہچانا گیا تو ان میں ابن زیاد کی لاش بھی نکل آئی چنانچہ اس کا سر کاٹ کر مختار کے دربار میں کوفہ ارسال کر دیا گیا۔ خدا کی قدرت دیکھیں 10 محرم 61 ہجری کو امام عالی نے مقام کربلا میں جام شہادت نوش کیا اور 11 محرم کو ان کا سر ابن زیاد کے سامنے دربار کوفہ میں پیش کیا گیا اور صرف چھ برس بعد 10 محرم 67ھ کو موصل کے میدان میں ابن زیاد کے ٹکڑے ہو گئے اور 11 محرم 67ھ کو اس کا سر کوفہ کے اسی دربار میں مختار کے سامنے اسی جگہ پڑا تھا جہاں امام عالی مقام کا سر رکھا گیا تھا۔

واللہ عزیز ذو انتقام (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 227۔ 285 مطبوعہ دار الریان قاہرہ، مصر)

ابن زیاد کے سر میں سانپ داخل ہوتا ہے

عمارہ بن عمیرہ روایت کرتے ہیں جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو مسجد میں ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر کی صورت میں پھینک دیے گئے میں بھی قریب ہوا کہ دیکھوں تو لوگ چیخنے لگے (آگیا آگیا) تو وہ ایک سانپ تھا جو آیا اور سارے سروں میں سے پھرتا ہوا ابن زیاد کے سر تک پہنچا اور اس کے ناک میں داخل ہو گیا پھر تھوڑی دیر بعد وہ نکلا اور گم ہو گیا تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی آگیا آگیا تو وہ سانپ پھر آیا اور ابن زیاد کے نتھنوں میں

داخل ہوا اور نکل کر غائب ہوگیا یہ اس نے دو تین مرتبہ کیا۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3780)

البدایہ میں امام ابن کثیر نے ابواحمد حاکم کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب ابن مرجانہ (ابن زیاد) اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر مختار ثقفی کے سامنے پھینکے گئے تو ایک باریک سانپ آیا اور ابن زیاد کے منہ میں داخل ہوا اور نتھنے سے نکلا پھر اس کے نتھنے میں داخل ہو کر اس کے منہ میں سے نکلا اس طرح اس نے کئی بار کیا دوسرے کسی سر کو اس نے نہ چھیڑا۔

گویا اللہ نے بتا دیا کہ اس ملعون کے لیے ہم نے آخرت میں اس سے بھی بدتر عذابات تیار کر رکھے ہیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خلافت معاویہ و یزید نامی کتاب میں محمود احمد عباسی نے ابن زیاد کو اہل بیت کا ہمدرد ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور اس پر کئی صفحات سیاہ کیے ہیں میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر مختار کے زمانہ میں یہ عباسی صاحب تشریف فرما ہوتے تو ان کا حال بھی ابن زیاد سے مختلف نہ ہوتا کیونکہ انہوں نے انصاف و دیانت کے ساتھ ویسا ہی ظلم کیا ہے جیسا ابن زیاد نے کربلا میں آل رسول ﷺ سے کیا۔ پتہ نہیں اس سے انہیں کیا مفاد ملا ابن زیاد قتل حسین رضی اللہ عنہ میں کتنا ملوث تھا اس کا اندازہ تو اسی سے ہو جاتا ہے کہ خود یزید جسے عباسی نے مذکورہ کتاب کے ٹائٹل پر یزید رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے نے اپنا دامن بچانے کے لیے کہا تھا کہ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے میں نے اسے قتل حسین کا حکم نہیں دیا تھا اگر وہ قتل نہ کرتا اور میرے پاس لے آتا تو میں اس پر راضی ہو جاتا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 193 مطبوعہ دار الریان مصر)

تعجب ہے تمہارا یزید رضی اللہ عنہ تو ابن زیاد پر لعنت کر رہا ہے اور تم اس کا دفاع کر رہے ہو کچھ تو خوف خدا کرو بغض آل رسول ﷺ کی کوئی حد بھی ہے تمہارے سینے میں؟

یہاں پر ہم یہ فصل ختم کرتے ہیں جو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سوانح سے تعلق رکھتی ہے آگے دوسری فصل میں آپ کے فضائل و محامد ذکر کیے جائیں گے۔

دوسری فصل

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل

پہلے ہم وہ فضائل لائیں گے جو امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی مشترکہ فضیلت سے تعلق رکھتے ہیں بعد میں امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے انفرادی فضائل لکھے جائیں گے۔

حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے مشترکہ فضائل پہ چالیس احادیث

حدیث 1:

ابن ابی نعیم کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے خود سنا۔ ایک کوئی شخص ان سے سوال کر رہا تھا کہ محرم (احرام باندھنے والا) اگر مکھی مار دے تو کیا حکم ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہل عراق مجھ سے مکھی مارنے کا سوال کرتے ہیں اور انہوں نے نواسہ رسول امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا

ترجمہ: دنیا میں یہ دونوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) میرے پھول ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3746، جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3770)

یعنی جس طرح پھول میں حسن اور خوشبو محسوس ہوتی ہے، نبی اکرم ﷺ کو ان دونوں نواسوں سے جنت کا حسن اور وہاں کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ مولانا امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی ہمارے پھولوں کو مسل دے خراب کرے تو ہمیں غصہ آتا ہے، یونہی جن ظالموں نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما پر ظلم کیا انہوں نے قلب رسول خدا ﷺ کو دکھ پہنچایا۔

حدیث 2:

ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے خچر (جس کا نام شہباء تھا) پر رسول اکرم ﷺ کو بٹھایا اور اس کی لگام پکڑ کر چلنے کی خدمت انجام دی اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں خچر پر سوار تھے ایک آپ کے آگے دوسرا آپ کے پیچھے۔
(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 6260)

یعنی رسول اکرم ﷺ کو اپنے دونوں نواسوں سے اس قدر محبت تھی کہ دونوں کو اکثر اپنے جسم کے ساتھ چمٹا کر رکھتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

یعنی حسن وحسین دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3768)

امام ترمذی فرماتے ہیں ھذا صحیح حسن یہ حدیث صحیح حسن ہے:

معزز قارئین یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ جنت میں سارے ہی نوجوان ہونگے کوئی بوڑھا نہیں ہوگا تو معنی بن گیا کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما سب اہل جنت کے سردار ہیں تاہم اس سیادت سے جزوی اور اضافی سیادت مراد ہے یعنی راہ حق میں شہادت یا رسول اکرم ﷺ کی نظر میں محبوبیت کے حوالے سے یہ دونوں سب اہل جنت کے سردار ہیں تو یہ جزوی اور اضافی سیادت ہے ورنہ اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ اہل جنت میں کلی اور مطلق سیادت انبیاء کرام اور ان کے بعد خلفاء راشدین کو حاصل ہے۔ یعنی جنت میں کل انبیاء ورسل کے سردار نبی پاک ﷺ ہوں گے مقام نبوت کے بعد بزرگ تر صحابہ اور بوڑھے جنتیوں کے سردار حضرت ابوبکر وعمر ہوں گے، جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہوں گی اور جنتی نوجوانوں کے سردار امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما ہوں گے

بعض نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما ان لوگوں کے سردار ہیں جنہوں نے نوجوانی میں وفات پائی اور جنت کے حق دار ہوئے کیونکہ بوقت شہادت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی عمر بالترتیب سنتالیس اور ستاون برس تھی اور یہ عمر اگرچہ عموماً نوجوانی کی عمر شمار نہیں ہوتی، مگر یہ عمر بڑھاپے کے غالب آجانے کی عمر بھی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص صحت منداور توانا ہو تو وہ اس عمر میں بھی نوجوان ہی نظر آتا ہے، اور یہی حال حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا تھا۔

کیا باغی اہل جنت کا سردار ہوسکتا ہے؟

یہاں محمود احمد عباسی اور ان جیسے دوسرے خارجیت زدہ لوگوں کیلئے درسِ عبرت ہے جو امام عالی مقام کو باغی وتفرقہ باز قرار دیتے ہیں۔

کس قدر دکھ افسوس اور غیظ وغضب کی بات ہے کہ محمود احمد عباسی نے خلافت معاویہ و یزید میں صفحہ 20 سے صفحہ 23 تک وہ احادیث نقل کی ہیں جو باغیوں کے متعلق ہیں اور انہیں امام حسین کی شہادت پر فٹ کیا ہے (معاذ اللہ) جیسے حدیث ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے امیر کے خلاف خروج کرے وہ جاہلیت کی موت مرا (بخاری) اور حدیث ہے کہ جس نے اس امت کے نظام میں تفرقہ پیدا کیا تم اسے قتل کر دو خواہ وہ کوئی ہو (مسلم) اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو جس کی بعد میں بیعت کی گئی تھی اسے قتل کر دو کہ وہ تفرقہ پیدا کر رہا ہے۔ (بغوی)

محمود عباسی نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ یزید پر ساری امت متفق تھی اور امام حسین نے اس کے خلاف بغاوت کر کے جو جرم کیا اس کی سزا نبی اکرم ﷺ نے قتل مقرر کی ہے اور یہ موت شہادت نہیں بلکہ جاہلیت کی موت ہے۔

اَسۡتَغۡفِرُ اللہ ثُمَّ اَسۡتَغۡفِرُ اللہ۔

بلکہ اس سے بڑھ کر محمد دین بٹ نے رشید ابن رشید میں یہ بھی لکھ ڈالا کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوا۔ یعنی باغی کی شرعی سزا اس پر جاری کی گئی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر، کفر نباشد)

ہم دورحاضر کے ان خوارج سے پوچھنے کا یہ حق رکھتے ہیں کہ اے یزیدی فوج کے سپاہیو رسول اکرم ﷺ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا نام لے کر انہیں نہ صرف جنتی بلکہ نوجوانان جنت کا سردار قرار دے رہے ہیں اور امام ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے اور تم حدیثوں سے اپنا بے ڈھنگا استدلال کر کے انہیں جاہلیت کی موت مرنے والا قرار دے رہے ہو؟ کیا تمہارے دل میں خدا کا کچھ خوف نہیں قلب رسول ﷺ کو تکلیف دے کر تمہیں کونسی لذت حاصل ہوتی ہے؟

اس حدیث مبارک نے اس بات پر بھی مہر لگا دی کہ یزید عنید کی حکومت اسلامی حکومت نہ تھی اسی لیے اس کے خلاف جہاد کر کے امام حسین نوجوانانِ جنت کے سردار بن گئے وہ غیر شرعی غیر اسلامی اور ظالمانہ وسفاکانہ حکومت تھی جسے حدیث نبوی میں ملوکیتِ جبریہ کہا گیا ہے ورنہ بتائیے کہ اسلامی حکومت کے خلاف خروج کرنے والا نوجوانان جنت کا سردار کیسے قرار پایا۔

حدیث 3:

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا

ترجمہ: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3782)

حدیث 4:

حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا

اَلْحَسَنُ اَشْبَہُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَا بَیْنَ الصَّدْرِ اِلَی الرَّأْسِ وَ الْحُسَیْنُ اَشْبَہُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَا کَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ

ترجمہ: حسن رضی اللہ عنہ سینے سے لے کر سر تک رسول ﷺ سے مشابہ ہے اور حسین رضی اللہ عنہ سینے سے پاؤں تک آپ ﷺ کے ساتھ مشابہ ہے۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3779)

گویا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو جمع کیا جائے تو سراپائے حسن مصطفیٰ ﷺ بن جاتا ہے۔ اس مناسبت سے میرے لکھے چند اشعار ہیں جو اس کتاب کے شروع میں بھی درج ہیں۔ ؎

ذاتِ رسول پاک کا نقشہ حسن حسین
حسنِ رخِ رسول کا جلوہ حسن حسین
حق نے چلایا ان سے ہے نسل رسول کو
ذرّیت نبی کا ہیں منبع حسن حسین
جانِ نبی و قلبِ علی کا ہیں یہ قرار
دو غنچہ ہائے گلبُن زہرا حسن حسین
طیبؔ کو یاد رکھنا بروز جزا کہ ہے
ادنیٰ سا اک غلام تمہارا حسن حسین

امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

ایک سینے تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
خطِ توأم سے لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

حدیث 5:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا

مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِي

ترجمہ: جس نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ (سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ فضل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 143)

حدیث 6:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک رات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی ضرورت کے لیے گیا آپ باہر تشریف لائے میں نے محسوس کیا آپ نے اپنے کمبل میں کوئی چیز اٹھا رکھی ہے آپ نے کمبل ہٹایا تو حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کے پہلوؤں میں دبکے بیٹھے تھے تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا

ترجمہ: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان سے محبت رکھے تو ان سے بھی محبت رکھ۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3769)

ان احادیث مبارکہ کو خارجی لوگ نہیں پڑھتے اگر پڑھتے ہیں تو ان میں غور نہیں کرتے اگر غور کریں تو انہیں ہدایت نصیب ہو جائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے متعلق اپنی ساری امت کو جو تا قیامت آنے والی ہے یہ وصیت فرما رہے ہیں کہ اے مسلمانو! جو میرے ان دونواسوں سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے گا اور میں دعا کرتا ہوں جو ان سے محبت رکھے خدا اس سے محبت رکھے گا یہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات ہیں صرف ایک نانا کے اپنے نواسوں کیلئے نہیں آپ کا یہ الفاظ بولنا اسی لیے ہے کہ اللہ نے آپ کو آئندہ کے حالات سے آگاہ کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما آئندہ زندگی میں جادۂ حق سے کبھی اعراض نہیں کریں گے ان سے کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوگا جو اللہ کی محبت کے خلاف ہو۔ امام حسین پر بغاوت کا الزام رکھنا ان تمام احادیث صحیحہ سے صاف انکار کے مترادف ہے۔

حدیث 7:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ اِبْنَايَ مَنْ اَحَبَّهُمَا اَحَبَّنِيْ ومن احبنی اَحَبَّهُ اللهُ وَمَنْ اَحَبَّهُ اللهُ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَنِيْ اَبْغَضَهُ الله وَمَنْ اَبْغَضَهُ الله اَدْخَلَهُ النَّارَ

ترجمہ: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں میرے بیٹے ہیں جو ان سے محبت رکھے اس نے مجھ سے محبت رکھی اور میرے ساتھ محبت رکھنے والا اللہ سے محبت رکھنے والا ہے اور جو اللہ سے محبت رکھے اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور جس نے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے اور جو اللہ سے دشمنی رکھے اللہ اسے دوزخ میں ڈالے گا۔

(المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ جلد 3 صفحہ 181 حدیث 4776)

اس کے ساتھ آپ وہ حدیث بھی ملالیں جو آغاز کتاب میں گذر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی سیدہ فاطمہ اور حسین و حسن رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

حدیث 8:

أنا حرب لمن حاربكم وسلم لمن سالمكم۔

ترجمہ: میں اس کے ساتھ لڑنے والا ہوں جو تم سے لڑے اور اس سے صلح رکھنے والا ہوں جو تم سے صلح رکھے۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3870)

پھر ایک فیصلہ کریں کہ یزید، ابن زیاد، عمرو بن سعد، شمر، خولی بن یزید اور دوسرے تمام قاتلان حسین کا انجام کیا ہے؟ جس سے رسول خدا ﷺ اعلان جنگ فرمائیں اس کے مستحق نار ہونے میں کیا شک ہے اور جہنمی لوگوں کا دفاع کرنے والے لوگ بھی اللہ کے ہاں جہنمی ہیں۔ کیونکہ ارشاد رسول ﷺ ہے: المرء مع من احب، انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔

حدیث 9:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: أَيُّ اهلِ بيتِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ اپنے اہل بیت میں سے آپ کے نزدیک کون سب سے محبوب تر ہے؟ آپ نے فرمایا حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) اور آپ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے۔ أُدْعِي لِي إِبْنَيَّ۔ میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ فَيُشَمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا إِلَيه پھر آپ دونوں کو سونگھتے اور انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3772)

نبی اکرم ﷺ کا حسنین کریمین کو اپنے بیٹے کہہ کر بلانا اس لیے تھا کہ آپ کی نسل انہی دونوں نواسوں سے چلی انہی دونوں کو آیت مباہلہ میں اَبْنَاءَ نَا کہہ کر یاد کیا گیا۔ اس لیے حسنی و حسینی ساداتِ کرام کو اولادِ رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔ آپ

کا دونوں نواسوں کو سونگھنا اس لیے تھا کہ آپ نے انہیں اپنے پھول قرار دیا۔ یعنی جنتی پھول، ان سے آپ کو جنت کی خوشبو آتی تھی۔

حدیث 10:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اتنے میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما آ گئے ان پر سرخ قمیصیں تھیں وہ لڑکھڑتے ہوئے چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے دونوں کو اٹھالیا اور دونوں کو اپنے سامنے (زانوؤں پر) بٹھالیا۔ پھر فرمایا:

صَدَقَ اللہُ اِنَّمَا اَمْوَالُکُم و اولادُکُمْ فتنۃٌ نَظَرْتُ الٰی ھٰذینِ یَمْشِیَانِ وَیَعْثُرَانِ فَلَمْ اَصْبِرْ حتّٰی قَطَعتُ حدیثی وَرَفَعْتُھُمَا۔ اللہ نے سچ فرمایا ہے تمہاری اولاد اور تمہارے اموال آزمائش ہیں (سورہ تغابن آیت 15) میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ لڑکھڑاتے ہوئے آرہے ہیں، مجھ سے صبر نہ ہوا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنی بات کاٹ دی (خطبہ چھوڑ دیا) اور انہیں اٹھالیا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب الجمعۃ حدیث 1109، جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین حدیث 3774 سنن نسائی کتاب صلوٰۃ العیدین حدیث 1586)

یہ بہت ایمان افروز حدیث ہے۔ حسنین کریمین بچے تھے اور لڑکھڑا کر چل رہے تھے حضور ﷺ کو ڈر ہوا کہ گر نہ پڑیں۔ آپ نے خطبہ منقطع کر دیا، منبر سے اتر آئے، دونوں کو اُٹھایا منبر پر لے گئے اور اپنے زانوں پہ بٹھا کر خطبہ دینے لگے۔ جب آپ کو ان کی اتنی تکلیف گوارا نہیں تو جب کوفی شیعوں نے امام حسن مجتبیٰ کو مدائن شہر میں نیزہ مار کر زخمی کیا اور مال واسباب لوٹ لیا۔ جیسا کہ ہم پیچھے بتا آئے ہیں اور جب امام حسین رضی اللہ عنہ کو سواری سے گرایا گیا، آپ کو نیزہ مار کر بدبخت سنان بن عمرو نے زخمی کیا اور جہنمی کُتے شمر بن ذی الجوشن نے آپ کا سر تن سے جدا کیا اس وقت مکین گنبدِ خضریٰ ﷺ پر کیا قیامت گزری ہوگی، اسی لیے ابن عباس اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے آپ کو اس وقت خواب میں یوں دیکھا کہ آپ کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور چہرۂ انور پر غبار ہے اور ہاتھوں میں شیشی کے اندر خونِ حسین اُٹھایا ہوا ہے۔ کما ذکرناہُ سابقاً

حدیث 11:

یعلی بن مُنبہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک بار حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں ایک دوسرے سے تیز دوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف لپکے، آپ نے دونوں کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور فرمایا: اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَۃٌ مَجْبَنَۃٌ مَحْزَنَۃٌ۔ بے شک اولاد کی وجہ سے انسان بخل کرتا۔ سپر انداز ہوتا اور غم اٹھاتا ہے۔ (مستدرک جلد 3 باب

مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 4771) اس حدیث کا مفہوم آگے بیان ہوگا۔

حدیث 12:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی تو نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، فرمایا اَرُونِی اِبنِی مَا سَمَّیتُمُوہُ مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا میں نے اس کا نام حَرب (جنگجو) رکھا ہے۔ فرمایا: بَل هُوَ حَسَنٌ، نہیں اس کا نام حسن ہے۔ پھر جب حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے فرمایا اَرُونِی اِبنِی مَا سَمَّیتُمُوہُ مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے، فرمایا: بَل هُوَ حُسَینٌ نہیں بلکہ اس کا نام حسین ہے۔ پھر جب تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے فرمایا: اَرُونِی اِبنِی مَا سَمَّیتُمُوہُ مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا حرب، فرمایا بَل هُوَ مُحسِنٌ نہیں اسکا نام محسن ہے، پھر آپ نے فرمایا میں نے ان کے یہ نام ہارون علیہ السلام کے بیٹوں شبر شبیر اور مُشبر کے ناموں پہ رکھے ہیں۔ (مستدرک جلد 3 صفحہ 180 مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 4773)

اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے حسنین کریمین کو اپنے بیٹے قرار دیا تاکہ ان کی اولاد سے چلنے والی نسلیں اولادِ رسول اور ذریت مصطفیٰ ﷺ کہلائیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل تشیع کا یہ بہتان محض جھوٹ ہے کہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں محسن بطور جنین تھا، عمر بن خطاب نے ان کے پیٹ میں معاذ اللہ لات ماری اور ان کا حمل گرا دیا۔ محسن نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طاہرہ میں پیدا ہوئے آپ نے ان کا نام محسن رکھا مگر وہ چند ماہ جئے اور فوت ہو گئے۔ اس حدیث کو امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث 13:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے ایک کندھے پہ حسن کو دوسرے پہ حسین (رضی اللہ عنہما) کو سوار کر رکھا تھا۔ آپ کبھی اس کو چومتے تھے کبھی اس کو یونہی آپ ہمارے پاس آ گئے، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ان دونوں سے محبت رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نَعَم مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَن اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِي۔ ہاں، جو ان سے محبت رکھے اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(مستدرک جلد 3 مناقب الحسن والحسین صفحہ 182 حدیث 4777)

حدیث 14:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ حسنین (رضی اللہ عنہما) کے لیے پناہ کی دعا کرتے تھے، آپ یوں کہتے تھے: أُعِيذُ كُمَا بِكلماتِ الله التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شيطانٍ وَهَامَّةٍ وَمن كُلِّ عينٍ لَامَّةٍ۔ میں تم دونوں کو اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر وہم دلانے والے شیطان سے اور ہر گزند پہنچانے والی آنکھ سے، پھر آپ فرماتے ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے دونوں بیٹوں اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کو ایسے ہی پناہ کی دعا دیتے تھے۔ (مستدرک جلد 3 صفحہ 183 حدیث 4781)

اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ حسنین کریمین کو اسماعیل و اسحاق علیہما السلام سے مشابہت ہے جس طرح ان دونوں سے ابراہیم علیہ السلام کی نسل چلی یونہی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کی نسل چلی۔ اسی لیے ان دونوں کو سبطین کہا جاتا ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا الحسن الحسینُ سبطان من الاسباط حسن و حسین نسلوں میں سے دو نسلیں ہیں۔ (طبرانی)

حدیث 15:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز عشاء پڑھ رہے تھے اتنے میں حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) آگئے جب آپ سجدہ میں گئے تو وہ دونوں آپ کی پشت پر بیٹھ گئے جب آپ نے سر اُٹھایا تو انہیں بہت آہستہ سے زمین پر رکھا۔ آپ پھر سجدہ میں گئے تو وہ دونوں پھر سوار ہو گئے۔ نماز کے بعد آپ نے دونوں کو اپنے زانوؤں پہ بٹھالیا میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا کیا میں انہیں ان کی والدہ کے پاس نہ چھوڑ آؤں، آپ نے فرمایا: نہیں، تب ایک چمک پیدا ہوئی (بجلی چمکی) آپ نے دونوں سے فرمایا اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ وہ دونوں چمک میں چل پڑے اور گھر داخل ہو گئے، (مستدرک جلد 3 صفحہ 183 حدیث 4482)

اس حدیث کو امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں ہمارے لیے درس ہے کہ اگر ہم نماز پڑھ رہے ہوں اور ہمارے بچے آ کر ہم پر سوار ہو جائیں تو ہمیں برا نہیں منانا چاہیے نہ اہل خانہ کو ڈانٹنا چاہیے کہ کدھر ہو بچے کو کیوں نہیں سنبھالتی ہو، اس نے میری نماز خراب کر دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ ہمارے لیے نمونہ عمل ہے۔

حدیث 16:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما

آپ کی پشت پر سوار ہو جاتے ،لوگ اگر انہیں اتارنا چاہتے تو آپ انہیں اشارے سے روک دیتے۔ جب آپ نماز مکمل کر لیتے تو دونوں کو اپنی جھولی میں بٹھا لیتے۔ اور فرماتے ہیں۔ مَنۡ اَحَبَّنِیۡ فَلۡیُحِبَّ هٰذَیۡنِ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ ان سے بھی محبت رکھے۔

(مسندابی یعلی ،مسند عبداللہ بن مسعود صفحہ 919 حدیث 5014ھ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

حدیث 17:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لیے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَمَنۡ اَحَبَّهُمَا فَقَدۡ اَحَبَّنِیۡ۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور جس نے ان سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔

(مجمع الزوائد مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما جلد 9 صفحہ 183 مطبوعہ موسستہ المعارف بیروت)

حدیث 18:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر کھڑے ہوئے حسن یا حسین دونوں میں سے ایک آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اوپر چڑھ آؤ آپ نے ان کی انگلی پکڑ کر اٹھایا اور انہیں اپنے کندھے پر بٹھالیا۔ پھر دوسرا بچہ آ گیا آپ نے اسے بھی فرمایا اے میرے نور نظر! اوپر چڑھ آؤ۔ آپ نے اس کی انگلی پکڑی اور اسے اٹھا کر دوسرے کندھے پر بٹھالیا۔ آپ نے دونوں کو ان کی گردنوں سے پکڑ کر ان کے چہرے اپنے چہرے پہ رکھ لیے پھر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنۡ یُحِبُّهُمَا

اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان دونوں سے محبت رکھے تو اس سے بھی محبت رکھ۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد 3 صفحہ 49 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حدیث 19:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنۡ اَحَبَّ الۡحَسَنَ وَالۡحُسَیۡنَ فَقَدۡ اَحَبَّنِیۡ وَمَنۡ اَبۡغَضَهُمَا فَقَدۡ اَبۡغَضَنِیۡ

جس نے حسن وحسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے

بغض رکھا۔(طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 48 حدیث 2645)

حدیث 20:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَبْغِضْ مَنْ اَبْغَضَهُمَا۔

اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ۔(طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 49 حدیث 2601)

حدیث 21:

نصر بن علی نے حضرت علی بن جعفر سے، انہوں نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم سے، انہوں نے اپنے باپ امام جعفر صادق سے، انہوں نے اپنے باپ امام باقر سے، انہوں نے اپنے باپ امام زین العابدین علی بن حسین سے، انہوں نے اپنے باپ امام حسین سے اور انہوں نے اپنے باپ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ هٰذَینِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا کَانَ مَعِی فِی دَرَجَتِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ

جس شخص نے ان دونوں سے اور ان کے ماں باپ سے محبت رکھی وہ روز قیامت جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 3816)

یعنی ان نفوس قدسیہ سے محبت رکھنے والا شخص جنت میں رسول اللہ ﷺ کے درجہ میں بطور خادم اہل بیت ہوگا، جن سے محبت رکھتا تھا ان سے اسے قرب خاص حاصل ہوگا، جنت میں ایک درجہ میں ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مقام بھی ایک ہو۔

حدیث 22:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

مَنْ اَحَبَّهُمَا اَحْبَبْتُه، وَمَنْ اَحْبَبْتُه، اَحَبَّه، اللهُ وَمَنْ اَحَبَّه، اللهُ اَدْخَلَه، جَنَّاتِ النَّعِیمِ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا او بَغٰی عَلَیْهِمَا اَبْغَضْتُه، وَمَنْ اَبْغَضْتُه، اَبْغَضَه، اللهُ وَمَنْ اَبْغَضَه، اللهُ

اَدْخَلَهُ عَذَابَ جَهَنَّمَ وله عذابٌ مُقيمٌ

جس نے ان دونوں سے محبت رکھی اس سے میں محبت رکھتا ہوں اور جس سے میں محبت رکھوں اس سے اللہ محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ محبت رکھے اسے وہ جنت میں نعمتوں والے باغات میں داخل کرے گا، اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا یا ان پر ظلم کیا۔ میں اس سے بغض رکھتا ہوں جس سے میں بغض رکھوں اس سے اللہ بغض رکھتا ہے اور جس سے اللہ بغض رکھے اللہ اسے عذاب جہنم میں ڈالے گا اور اس کے لیے دائمی عذاب ہے۔

(مجمع الزاوئد بروایت طبرانی جلد 9 صفحہ 184 فضل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بغض رکھنے کا یہ معنی ہے کہ اس شخص پر اللہ و رسول سخت ناراض ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں قاتلان حسین اور ان کے طرف داروں کا انجام معلوم ہو رہا ہے، جب صرف بغض رکھنے والا جہنمی ہے تو قتل کرنے والا کتنا بڑا جہنمی ہوگا۔

حدیث 23:

اسحاق بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس مرض میں فوت ہوئے اس کے دوران مروان ان کی عیادت کو آیا۔ مروان نے ان سے کہا جب سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ (مدینہ میں) رہ رہے ہیں۔ میں نے آپ سے کوئی گلہ نہیں محسوس کیا۔ اِلا یہ کہ تم حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) سے بہت محبت رکھتے ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ضعف مرض کے باوجود) اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے، کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں۔ (قسم اٹھاتا ہوں) کہ ایک بار ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے، ہم گلی میں تھے آپ نے حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) کے رونے کی آواز سنی جبکہ وہ دونوں اپنی والدہ کے پاس تھے، آپ تیزی سے ان کی طرف (ان کے گھر کی طرف گئے) تا آنکہ میں نے سنا آپ نے فرمایا: مَا شَأْنُ اِبْنَيَّ میرے بیٹوں کا کیا معاملہ ہے؟ (وہ کیوں رو رہے ہیں) سیدہ فاطمہ نے فرمایا: انہیں پیاس لگی ہے، آپ ایک پرانے مشکیزے کی طرف لپکے، اس دن پانی کی قلت تھی۔ آپ نے فرمایا لوگو تم میں سے کسی کے پاس پانی ہے؟ سب نے اپنے اپنے توشہ دان کی طرف دیکھا مگر کسی کے ہاں قطرۂ آب نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نَاوِلِينِي اَحَدَهُمَا اے فاطمہ دونوں میں سے ایک بچہ مجھے پکڑاؤ، انہوں نے ایک بچہ پردہ کے پیچھے سے آپ کی طرف نکالا، اس وقت میں نے ان کی کلائیوں کی سفیدی دیکھی۔ آپ نے بچے کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ بچہ روئے جاتا تھا چپ نہیں کرتا تھا۔ آپ نے بچے کے منہ میں اپنی زبان مبارک ڈال دی، وہ اسے چوسنے لگا اور چپ ہوگیا، پھر میں نے اس کے رونے کی آواز نہ سنی۔ دوسرا بچہ یونہی روئے جا رہا تھا چپ نہیں کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: نَاوِلِيْنِي الآخَرَ۔

مجھے دوسرا بچہ بھی پکڑا دو۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا بچہ آپ کی طرف نکال دیا۔آپ نے اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ فرمایا دونوں بچے چپ ہو گئے۔کسی کی آواز نہیں آ رہی تھی۔تب آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ چلو چلیں، ہم دائیں بائیں نکل پڑے تا آنکہ بڑے راستہ پر آپ کے ساتھ مل گئے۔(یعنی حضور ﷺ اس وقت صحابہ کے ساتھ کسی سفر پہ روانہ ہو رہے تھے۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں ان دونوں سے محبت نہ رکھوں جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل دیکھا ہے؟

(طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 50_51 حدیث 2656 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قارئین کرام غور کریں حسنین کریمین کی پیاس رسول اکرم ﷺ پر کس قدر نا قابل برداشت ہے؟ پھر جب کربلا میں سیدنا امام عالی مقام امام حسین اور آپ کے اہل بیت پر تین دن تک پانی بند رہا اس وقت مکین گنبد خضریٰ ﷺ پر کیا گزری ہوگی۔اور اہل بیت رسول پہ پانی بند کرنے والوں پہ آپ کے غیظ وغضب کا کیا عالم ہوگا۔پھر جو ان کی طرف داری کرے اس کی بدبختی کا کیا ٹھکانہ ہے۔

حدیث 24:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا آپ (اکڑوں ہو کر) اپنے چار اعضاء (ہاتھوں اور گھٹنوں) پہ چل رہے تھے اور آپ کی پشت پر حسن وحسین رضی اللہ عنہما تھے اور فرما رہے تھے۔

نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمَا وَنِعْمَ الْعِدْلَانِ اَنْتُمَا

تمہارا اونٹ کیا ہی اچھا ہے اور تم برابر بیٹھنے والے کیا ہی اچھے سوار ہو۔(طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 52 حدیث 2621)

العدلانِ تثنیہ کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ ہے وہ دوشتر سوار جو اونٹ پر کجاوے میں دائیں بائیں یوں توازن سے بیٹھے ہوں کہ اونٹ کو ان کے بیٹھنے سے کوئی تکلیف نہ ہو بلکہ راحت ہو، تو عدلان کا معنیٰ عدل کرنے اور توازن درست رکھنے والے، گویا سید عالم ﷺ خوش ہو کر فرما رہے ہیں۔اے حسن وحسین! تم میری پشت پہ یوں بیٹھے ہو کہ مجھے مزا آ رہا ہے۔سبحان اللہ

حدیث 25:

یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ہمیں ایک جگہ کھانے پر بلایا گیا تھا، اتنے میں دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ راستہ میں کھیل رہے ہیں۔حضور ﷺ لوگوں کو چھوڑ کر ان کی طرف لپکے، آپ

دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر انہیں کبھی ادھر دوڑاتے کبھی اُدھر، آپ انہیں ہنسا رہے تھے تاکہ آنکہ آپ نے انہیں اٹھالیا، آپ نے ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا دوسرا ان کے سر پر، پھر آپ نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا اور انہیں بوسہ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حُسَیْنٌ مِنِّیْ و اَنَا مِنَ الْحسینِ اَحبَّ اللہُ مَنَ اَحبَّہ، اَلْحَسَنُ والحسینُ سبطانِ مِنَ الاسبَاطِ۔

حسین مجھ سے ہے میں سے ہوں، جو اس سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے، حسن وحسین نسلوں میں سے دو نسلیں ہیں۔ (طبرانی جلد 3 صفحہ 32 حدیث 2586)

اس ارشاد نبوی کا مفہوم یہ ہے کہ آقا ﷺ نے خبر غیب عطا فرمائی کہ ان دونوں سے میری دو نسلیں چلیں گی۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے چلنے والی نسلوں کو قرآن میں الاسباط کہا گیا۔ (والاسباط۔ بقرہ آیت 136) حسن وحسین سے بھی ویسی ہی دو نسلیں چلیں گی۔ اسباطِ بنی اسرائیل میں انبیاء آتے تھے سبطین رسول ﷺ میں اولیاء، اغواث اور علماء ربانیین آئیں گے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

حدیث 26:

یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما دوڑتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے آپ نے دونوں کو خود سے چمٹا لیا اور فرمایا۔

اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَۃٌ مَجْبَنَۃٌ

بیشک اولاد وجہ بخل اور وجہ بزدلی ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب 3 حدیث 3666)

اللہ تعالیٰ نے مجھے سنن ابن ماجہ کی عربی شرح اسعاف الحاجہ لکھنے کی توفیق دی ہے۔ میں نے اس حدیث کے تحت جو لکھا ہے وہ میں نے ابھی دیکھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک انسان اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہے پھر اپنے بچوں کی حاجات کا خیال کر کے صدقہ سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے یونہی وہ جہاد پہ جانا چاہتا ہے پھر بچوں کی ضروریات کا خیال کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ یہ معنیٰ ہے مبخلۃٌ مَجْبَنَۃٌ کا۔ مطلب یہ کہ اولاد بہت پیاری چیز ہے۔ ان سے محبت رکھو مگر اس قدر نہیں کہ صدقہ وجہاد چھوڑ دو۔ (اسعاف الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ صفحہ 605 مطبوعہ مکتبہ برھان القرآن دربار مارکیٹ لاہور)

حدیث 27:

حضرت عطا کہتے ہیں انہیں ایک صحابی نے بتایا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ یَضُمُّ اِلَیْہِ حَسَناً وَ

حُسَیناً۔ آپ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو خود سے چمٹا رکھا تھا اور آپ فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا

اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 369 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدیث 28:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَمَنْ اَحَبَّھُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ

اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور جس نے ان سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی، اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 184)

حدیث 29:

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، میں نے دیکھا حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے یا آپ کی جھولی میں کھیل رہے ہیں۔ میں نے کہا اَتُحِبُّھُمَا۔ کیا آپ ان دونوں سے محبت رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

وَ کَیْفَ لَا اُحِبُّھُمَا وَھُمَا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا اَشُمُّھُمَا

میں کیسے ان سے محبت نہ کروں وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔ میں انہیں سونگھتا ہوں۔

(مجمع الزوائد جلد 9 فضل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما صفحہ 184)

حدیث 30:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے رُوایت ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کے بطن مبارک پر کھیل رہے تھے میں نے عرض کیا۔ کیا آپ ان سے محبت رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

وَمَا لِی لَا اُحِبُّھُمَا وَھُمَا رَیْحَانَتَایَ

میں ان سے کیوں محبت نہ کروں وہ دونوں میرے پھول ہیں، اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 184 مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

حدیث 31:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ سجدہ میں ہوتے تو حضرت حسن یا حضرت حسین دونوں میں سے کوئی نبی اکرم ﷺ کی پشت پہ بیٹھ جاتے۔ آپ سجدے کو لمبا کر دیتے، آپ سے کہا جاتا ہے:

اَطَلْتَ السُّجُودَ فَيَقُوْلُ ارْتَحَلَنِي ابْنِي فَكَرِهْتُ اَنْ اُعَجِّلَه

آپ نے سجدہ کو لمبا کر دیا ہے، آپ فرماتے مجھ پر میرا بیٹا بیٹھ گیا تھا میں نے گوارا نہ کیا کہ اسے جلدی میں ڈالوں، اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ ہیں۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 184)

حدیث 32:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حسن و حسین دونوں رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر سوار ہیں۔ میں نے کہا: نِعْمَ الْفَرَسُ تَحْتَكُمْ تمہارا گھوڑا کیا ہی عمدہ ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے سن کر فرمایا: وَنِعْمَ الْفَارِسَانِ سوار بھی تو کیا ہی عمدہ ہیں۔ اسے ابویعلیٰ نے مسند کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 185)

حدیث 33:

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے، اتنے میں حسن و حسین دونوں یا دونوں میں سے کوئی آپ کی پشت مبارک پہ سوار ہو جاتے، جب آپ سر کو اٹھاتے تو ان کو ہاتھ سے پکڑ لیتے اور (نماز کے بعد) فرماتے۔ نِعْمَ الْمَطِيَّةُ مَطِيَّتُكُمَا تم دونوں کی سواری کیا ہی خوب ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی جلد 3 صفحہ 99 حدیث 3987 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) مجمع الزوائد میں امام نور الدین ہیثمی نے فرمایا اس کی اسناد حسن ہے۔

حدیث 34:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھی۔ آپ چوتھی رکعت میں تھے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما آ گئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی پشت پر بیٹھ گئے۔ جب آپ نے سلام کہا تو دونوں کو سامنے

بیٹھایا، پھر آپ نے حسن کو دائیں کندھے پہ اور حسین کو بائیں کندھے پر بٹھالیا۔ پھر فرمایا:
اے لوگو! کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ سب سے افضل نانا نانی کس کے ہیں کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کس کا چچا اور پھوپھی سب سے افضل ہیں۔ کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ کس کا ماموں اور خالہ سب سے بہتر ہیں؟ اور کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کس کے ماں باپ سب سے بہتر ہیں؟ پھر فرمایا:

هُمَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ جَدُّ هُمَا رَسُولُ الله ﷺ و جَدَّتُهُمَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَ أُمُّهُمَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رسولِ الله ﷺ وَ اَبُوهُمَا عليُّ بْن اَبِي طالبٍ رضى الله عنه وَ عَمُّهُمَا جَعْفَرُ بْنُ اَبِي طَالِبٍ وَ عَمَّتُهُمَا اُمُّ هانی بنتُ اَبی طالبٍ و خَالُهُمَا القاسِمُ بْنُ رَسُولِ الله ﷺ وخَالَاتُهُمَا زَيْنَبُ ورُقَيَّةُ وام كلثومٍ بَناتُ رسولِ الله ﷺ جَدُّ هُمَا فى الجنةِ وَجَدَّتُهُمَا فى الجنةِ وَ اَبُوْهُمَا فى الجنةِ و عَمُّهُمَا فى الجنةِ و عَمَّتُهُمَا فى الجنة و خَالَاتُهُمَا فى الجنة وهما فى الجنة ومَنْ اَحَبَّهُمَا فى الجنة۔

وہ حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) ان کا نانا رسول اللہ ﷺ ہیں، ان کی نانی خدیجہ بنت خُویلد ہے (رضی اللہ عنہا) ان کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ ان کا باپ علی بن ابی طالب ہے۔ (رضی اللہ عنہ) ان کا چچا جعفر بن ابی طالب ہے (رضی اللہ عنہ) ان کی پھوپھی ام ھانی بنت ابی طالب ہے (رضی اللہ عنہا) ان کا ماموں قاسم بن محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ ان کی خالائیں زینب، رقیہ اور ام کلثوم بناتِ رسول ﷺ ہیں، ان کا نانا جنت میں ہے۔ ان کا باپ جنت میں ہے ان کا چچا جنت میں ہے، ان کی پھوپھی جنت میں ہے، ان کی خالائیں جنت میں ہیں۔ وہ خود دونوں جنت میں ہیں اور جو ان دونوں سے محبت رکھے وہ جنت میں ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد 3 صفحہ 67 حدیث 2682) اسے طبرانی نے اوسط میں بھی روایت کیا ہے اور اسے ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے۔

یعنی ان دونوں شہزادوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی ہر نسبت عظیم تر ہے۔ نہ ان کے نانا جیسا کسی کا نانا ہے۔ نہ ان جیسی کسی کی نانی ہے۔ نہ ان جیسے کسی کے چچے پھوپھیاں، نہ ان جیسے کسی کے ماموں خالائیں ہیں اور نہ ان جیسے کسی کے ماں باپ ہیں۔

حدیث 35:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آ کر بتایا کہ حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) گم ہو گئے ہیں اس وقت دن بلند ہو رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اٹھو میرے بیٹوں کو ڈھونڈو، تو ہر آدمی کو جدھر سوجھا چل پڑا، میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آپ چلتے رہے تا

آ نکہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچے وہاں حسن وحسین دونوں ایک دوسرے سے چمٹے کھڑے تھے قریب ہی ایک بڑا سانپ اپنی دُم پہ کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے آگ کا شعلہ نکل رہا تھا، رسول اللہ ﷺ تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس نے آپ کی طرف دیکھا پھر تیزی سے بھاگتے ہوئے پتھروں میں داخل ہو گیا، آپ بچوں کے قریب گئے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور ان کے چہروں پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

بِاَبِیْ وَاُمِّیْ مَا اَکْرَمَکُمَا عَلَی اللہِ

تم پر میرے ماں باپ قربان! تم اللہ کے ہاں کتنے مکرم ہو پھر ان میں سے ایک کو اپنے ایک کندھے پر اور دوسرے کو دوسرے کندھے پہ بٹھالیا۔ میں نے دونوں سے عرض کیا:

طُوبَا کُمَا نِعْمَ الْمَطِیَّۃُ مَطِیَّتُکُمَا

مبارک ہو تمہیں۔ تم دونوں کی سواری کیا شان والی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَنِعْمَ الرَّاکِبَانِ ھُمَا واَبُوھُما خیرٌ منھما

یہ دونوں سوار بھی تو کیا شان والے ہیں۔ اور ان کا باپ ان سے بہتر ہے۔

(طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 65 حدیث 2677)

یعنی وہ سانپ کوئی شیطان جن تھا کیونکہ جنات و شیاطین سانپوں کی صورت میں رونما ہوتے ہیں۔ ایسے متعدد واقعات صحابہ نے دیکھے جو کتب حدیث میں آئے ہیں بلکہ امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ایک حدیث بھی لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ طیبہ میں جنات سانپوں کی صورت آنے لگے ہیں اگر تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو اسے کہو اگر تو جن ہے تو چلا جا، اگر وہ نہ جائے تو پھر اسے مارو، یعنی وہ کافر جن حسنین کریمین کو ڈرا رہا تھا۔ اور ممکن ہے کوئی نقصان بھی پہنچاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو ان کی مدد کے لیے بھیج دیا اور وہ آپ کو دیکھتے ہی بھاگ اٹھا اس لیے آپ نے فرمایا اے حسن وحسین! تم اللہ کے ہاں کتنے مکرم ہو کہ تمہاری مدد کے لیے امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ کو بھیجا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدد کیوں نہ کی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کردار میں یہ مثال قائم کرنا چاہتا تھا کہ مومن حق پہ قائم رہتا ہے خواہ اس کی جان چلی جائے، کربلا میں آپ کی مدد یہ کی گئی کہ آپ کو حق پر ڈٹنے اور اس راہ میں جان قربان کرنے کا حوصلہ دیا گیا۔

حدیث 36:

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے خود دیکھا۔

اَذَّنَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ حِیْنَ وُلِدَا وَاَمَرَبِہٖ

رسول اللہ ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت پر ان کے کان میں اذان کہی، اور اذان کہنے کا حکم فرمایا۔ (طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 31 حدیث 2579)

گویا امام حسین رضی اللہ عنہ کے کان میں رسول اللہ ﷺ نے اذان کہی تو وہ سب سے بے مثال اذان تھی۔ اس لیے امام حسین نے کربلا میں بے مثال سجدہ کر کے دکھادیا کہ جیسے نانا کی اذان کی مثال نہیں یونہی نواسے کی نماز کی مثال نہیں۔ یہ حدیث سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے۔ مگر وہاں صرف امام حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان کہے جانے کا ذکر ہے۔ بہر حال واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں بچوں میں کبھی فرق نہیں کیا اس لیے طبرانی کی حدیث والا مضمون درست ہے کہ آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما دونوں کے کان میں اذان کہی۔

حدیث 37:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں۔

عَقَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَين رضی الله عنهما بِكَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ

حضور ﷺ نے حسن و حسین دونوں کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کر کے عقیقہ کیا۔

(سنن ابوداؤد کتاب العقیقہ باب 4 حدیث 4224)

گویا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ذریعے امت کو تا قیامت عقیقہ کی سنت حاصل ہوئی۔ جیسے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے امت کو تیمم کی سہولت ملی کہ وہ اس کے نزول کا سبب بنیں، یونہی حسنین کریمین کے سبب سے سنتِ عقیقہ کا تحفہ امت کو حاصل ہوا۔ یہی نہیں بلکہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ذریعے چند دیگر سنتیں بھی امت کو ملیں، چنانچہ:

حدیث 38:

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو جنم دیا تو عرض کرنے لگیں یارسول اللہ ﷺ کیا میں اپنے بیٹے کی طرف سے عقیقہ نہ کروں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مگر تم اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے وزن برابر چاندی مساکین پر صدقہ کردو، پھر ان کے ہاں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے تو بھی انہوں نے اسی طرح کیا۔ (طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 30 حدیث 2576)

حدیث 39:

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) جنت کی بالیاں

ہیں۔ مگر لٹکنے والی بالیاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: جب اہل جنت جنت میں ٹھہر جائیں گے تو جنت کہے گی اے میرے رب تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے اپنے ارکان میں سے دو رکنوں کے ساتھ مزین کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَلَمْ اُزَیِّنْكَ بِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ کیا میں نے تمہیں حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ مزین نہیں کیا۔ اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس کا ایک راوی حمید بن علی ضعیف ہے۔ (باب فضائل میں ضعیف حدیث مقبول ہے) (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 187 فضل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما)

حدیث 40:

سیدہ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس مرض میں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اس میں وہ حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو لیکر آپ کے پاس حاضر ہوئیں کہنے لگیں یارسول اللہ ﷺ یہ آپ کے دونوں بیٹے حاضر ہیں انہیں کوئی چیز میراث میں دیدیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اما حَسَنٌ فله هَيْبَتي وسُؤْدُوي واما حسينٌ فله جَرأتي وجُودي۔

حسن کے لیے تو میری ہیبت اور سرداری ہے جبکہ حسین کے لیے میری جرأت اور سخاوت ہے۔

(مجمع الزوائد بروایت طبرانی جلد 3 صفحہ 188 باب فضل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما)

یعنی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمادیا کہ میں نے اپنے بیٹوں کے لیے مالی میراث نہیں چھوڑی بلکہ انہیں اپنے اوصاف جمیلہ اور اخلاق نبویہ کی میراث عطا فرمائی ہے یہی میراث انبیاء ہے۔

الحمدللہ اس کتاب میں فقیر حقیر نے پہلے سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چالیس احادیث جمع کیں اور اب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں چالیس احادیث مبارکہ جمع ہوگئی ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے چالیس احادیث جمع کر کے میری امت کو دیں میں اس کے لیے روز قیامت شفیع ہونگا۔ الحمد للہ میں اس سے قبل اپنی تفسیر برہان القرآن میں ختم نبوت پر اور فضائل درود پر چالیس چالیس احادیث جمع کر چکا ہوں۔ پھر میری کتاب ''افضیلت صدیق اکبر'' ہے اس میں بھی افضیلت صدیق اکبر پر چالیس احادیث جمع کی گئی ہیں علاوہ ازیں میرے تحریر کردہ دو رسائل مسیح موعود کی پہچان اور مہدی معہود کون ہے، میں بھی چالیس چالیس احادیث جمع کی گئی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ مجھے اپنے حبیب کریم ﷺ کی شفاعت کا حقدار بنائے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے انفرادی فضائل

آپ کے بعض فضائل قرآن کریم سے مستنبط ہیں اور بعض حدیث میں مذکور ہیں پہلے قرآنی فضائل لکھے جاتے ہیں۔

پہلی آیت: دین پر استقامت اور حسین رضی اللہ عنہ

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر ڈٹ گئے (اور مرضی رب کے خلاف کوئی سمجھوتہ نہ کیا) ان پر فرشتے یہ پیغام لے کر اترتے ہیں کہ تم کچھ خوف نہ رکھو اور مت غمگین ہو تمہیں اس جنت کی بشارت دی جاتی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم تمہارے مددگار ہیں اس دنیا میں اور آخرت میں اور تمہارے لیے جنت میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کا تمہارے دل تقاضا کریں گے اور تمہیں وہاں وہ کچھ ملے گا جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے یہ بخشنے والے مہربان رب کی طرف سے میزبانی ہے۔ (سورہ فصلت، آیت 30-32)

یہ آیات مقدسات سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت پر بے مثال روشنی ڈالتی ہیں، کیونکہ آپ کا یزید کے خلاف ڈٹ جانا، جان دے دینا مگر باطل کی اطاعت قبول نہ کرنا، راہ حق پر استقامت کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

دوسری طرف حسنین کریمین کا بیس سال تک حضرت امیر معاویہ کی بیعت کئے رکھنا اور اس پر قائم رہنا امیر معاویہ کے حق پر ہونے کی بین دلیل ہے۔ اگر شیعہ کہیں کہ حسنین کریمین نے تقیہ کر کے بیعت معاویہ کی تھی تو اس سے دونوں سردار نوجوانان جنت پر منافقت بزدلی اور ابن الوقت ہونے کا الزام آئیگا خدارا سوچیں یہ کتنی بڑی گستاخی ہے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی؟ اگر ایسا ہوتا تو آپ کربلا میں بھی تقیہ کر لیتے، سب کچھ قربان نہ کرتے پس یہاں پتا چلا حسنین کریمین کا بیس سال تک بیعت معاویہ پہ قائم رہنا ان کے صحابی رسول صاحب ایمان جنتی اور انکی حکومت کے حق ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ اور حضرت سیدنا امام حسین کا سب کچھ لٹا دینا لیکن یزید کی لحہ بھر کیلئے بھی بیعت نہ کرنا خود یزید کو بے ایمان، جہنمی، بدکردار اور اس کے باطل ہونے کو ثابت کرتی ہے شہزادگان پر تقیہ کا الزام غلط ہے۔

چشم فلک نے ایسا نظارہ کم ہی دیکھا ہوگا کہ ایک شخص تنہا ہزاروں کے آگے اپنے موقف پر ڈٹا ہے، وہ ہزاروں لوگ دنیوی لالچ میں ایک فاسق وفاجر شخص کی حمایت کر رہے ہیں اور تنہا ایک آدمی حمایت حق میں ان کے آگے سینہ سپر ہے اللہ فرماتا ہے شمع حق کے ایسے پروانوں پر خدا کے فرشتے تاقیامت رحمت کے پھول لے کر اترتے ہیں ان کی قبروں پر فرشتے تاقیامت رحمتیں لے کر اترتے رہیں گے اور انہیں جنت کی بشارتیں سناتے رہیں گے ان سرفروشان اسلام سے اللہ فرماتا ہے کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی۔

کیا اللہ نے کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کی؟

اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ خدا فرما رہا ہے ہم ان لوگوں کی دنیا و آخرت میں مدد کرتے ہیں مگر امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدد تو نہ کی گئی ورنہ ان کا سر نیزے پر نہ چڑھتا میں عرض کرتا ہوں کہ خدا نے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو کامیاب کیا اور یزید کو ناکام کیا کیوں کہ جھگڑا یہ تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کریں یزید کی کوشش تھی کہ حسین رضی اللہ عنہ میرے آگے جھکے مگر وہ انہیں جھکا نہ سکا۔ ان سے بیعت نہ لے سکا تو بتائیے کون کامیاب ہوا امام حسین یا یزید پلید؟ اس طرح اللہ تعالیٰ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو حق پر استقامت عطا فرما کر ان کی مدد کی۔

پھر یہ بھی اللہ کی مدد ہے کہ آج سارا زمانہ عظمت امام حسین کو سلام پیش کر رہا ہے، دنیائے اسلام کی لاکھوں کروڑوں مسجدوں کے منبر و محراب آپ کی عظمت و رفعت کے تذکروں سے گونج رہے ہیں ہر زبان میں آپ کی شان و عظمت پہ لاکھوں منقبتیں، قصیدے اور اشعار لکھے جا چکے ہیں اور ہمیشہ لکھے جاتے رہیں گے، مگر یزید عنید و عتید کا کوئی نام لینے والا نہیں۔ بلکہ سارے جہان میں اس کی مذمت کی جا رہی ہے، اس پہ پھٹکار پڑ رہی ہے۔ اس کا نام ایک ظالم و جابر اور فاسق و فاجر، کے طور پر لیا جا رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ امت کو درس جرأت دیتی اور ان کا خون گرماتی ہے کہ وقت کے ظالم و جابر حاکموں کے سامنے کس طرح کلمۂ حق کہنا چاہیے۔ یہی شروع سے طریقۂ انبیاء کرام رہا ہے۔ وہ وقت کے بڑے بڑے نمرودوں، شدادوں اور فرعونوں کے خلاف تنہا ڈٹ جاتے ہیں۔ سینکڑوں انبیاء کرام کو شہید کیا گیا۔ انہوں نے جان دیدی مگر باطل کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا۔ انہیں ہجرت کرنا پڑی۔ وہ اپنے ساتھیوں سمیت وطن سے بے وطن ہوتے رہے مگر باطل کے آگے نہ جھکے۔ پھر صحابہ کرام نے باطل کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں ہر ظلم و ستم سہا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا گیا کہ بے ہوش ہو گئے اور پورے چوبیس گھنٹے تک ہوش نہ آیا۔ جب ہوش آیا تو پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے، کہا گیا وہ ٹھیک ہیں، فرمایا جب وہ سلامت ہیں تو کسی مار کی کوئی تکلیف نہیں ہے، حضرت بلال حبشی، عمار بن یاسر، ان کے بوڑھے والدین اور دیگر صحابہ کرام نے کس طرح حق پر استقامت دکھائی امام عالی مقام نے کربلا میں ان تمام داستان ہائے عزم و استقامت کی یاد تازہ کی ہے۔ میرے لکھے ہوئے چند اشعار ہیں۔

حکم کتاب حق ہے مودت حسین کی
لازم ہے مومنوں پہ محبت حسین کی

کٹوا دو سر جھکاؤ نہ باطل کے سامنے
پیغام دے رہی ہے شہادت حسین کی

قرآن پڑھ رہے ہیں وہ نیزے کی نوک پر
ہے لازوال ایسی تلاوت حسین کی

تیغوں کے سائے میں ہے سجدہ ادا کیا
نازاں ہے جس پہ حق وہ عبادت حسین کی

طیبؔ درِ حسین سے جنت کی بھیک مانگ　　　　رب ہے حسین پاک کا جنت حسین کی

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خلافتِ راشدہ کی صداقت پر مہر لگا دی

یہاں یہ بات بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جان بچانے کے لیے ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت کی اگر وہ بیعت نہ کرتے تو ان کی گردن ماردی جاتی۔

ہم کہتے ہیں ایسا کہنے والے مولا علی شیر خدا کو معاذ اللہ بزدل بنا کر پیش کرتے ہیں ہمارا ان سے سوال ہے مولا علی شیر خدا کے بیٹے نے کربلا میں جان دیدی سارا کنبہ شہید کرا لیا مگر جھوٹی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ بتاؤ جس کا بیٹا اتنا بہادر ہے وہ خود کتنا بہادر ہوگا وہ جھوٹی حکومت کے آگے کیسے جھک سکتا تھا۔ یاد رکھیے امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہادری اور استقامت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی تربیت کا اثر ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حسین رضی اللہ عنہ پتی ہیں تو علی رضی اللہ عنہ پھول ہیں حسین شاخ ہے تو علی درخت ہے حسین ایک ورق ہے تو علی کتاب ہے امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں باطل کے آگے جھکنے کے بجائے گردن کٹوا کر بتا دیا کہ ہم اہل بیت خلفاء راشدین کو اگر برحق نہ سمجھتے تو ان کے آگے کبھی نہ جھکتے نہ ان کی بیعت کرتے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید میں فرق

یہاں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو لوگ سیدنا امیر معاویہ اور یزید کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں وہ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اور اہل بیت کے وفادار نہیں، حسنین کریمین نے امیر معاویہ کی بیعت کی اور یزید کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تفصیل پیچھے گذر چکی ہے لہٰذا ہمیں بھی آل رسول ﷺ کی اتباع میں یہ فرق یاد رکھنا پڑے گا جس سے اہل بیت کی صلح ہے اس سے ہماری صلح ہے جس سے ان کی جنگ ہے اس سے ہماری جنگ ہے الحمد للہ اہل سنت حقیقی معنوں میں غلامان اہل بیت ہیں۔

دوسری آیت: نماز اور صبر کے ساتھ استعانت اور حسین رضی اللہ عنہ

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝

ترجمہ: اے ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مشکلات میں اللہ کی مدد چاہو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 153 پارہ 2)

اس آیت کو بھی دیکھیں اور کربلا میں امام حسین کا صبر اور نماز بھی دیکھیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم فرمایا ہے کہ مصائب ومشکلات میں رضاء ونصرت الٰہی کے حصول کیلئے صبر اور نماز کا سہارا لیں امام حسین پر جتنی بڑی مصیبت کربلا میں آئی اس کی مثال نہیں اور جیسا صبر آپ نے کیا اور جس طرح نماز ادا کی وہ بھی بے مثال ہے۔

حضور مولا امام حسین رضی اللہ عنہ کا صبر

صبر ایسا کیا کہ جس کی مثال نہیں ۔سارا خاندان آپ کے سامنے شہید ہوا مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی آپ کی آنکھوں کے سامنے کوفیوں نے آپ کے نوجوان بیٹے علی اکبر رضی اللہ عنہ کے جسم نازنین کے ٹکڑے کیے تو آپ کی زبان پر صرف اتنے الفاظ آئے اے بیٹا تجھے قتل کرنے والے حرمت رسول پامال کرنے میں کتنے دلیر ہیں؟ آپ کی گود میں آپ کے معصوم ننھے بیٹے علی اصغر رضی اللہ عنہ کے حلقوم ناز میں تیر مارا گیا اور پیاسا بچہ باپ کی گود میں عظمت اسلام پر قربان ہو گیا اس وقت امام عالی مقام کی زبان پر اتنے ہی کلمات آئے کہ اے خدا اگر تو اسی طرح راضی ہے تو میں بھی اسی طرح راضی ہوں۔(تاریخ ابن جریر طبری جلد 3 صفحہ 333 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

صبر کی اس سے بڑی مثال کیا پیش کی جاسکتی ہے بیشک حسین بن علی رضی اللہ عنہما صابروں کا امام ہے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی نماز

کربلا میں نو اور دس محرم کی درمیانی رات میں خیمہ اہل بیت کے گرد کوفی لشکر ہاتھوں میں تلواریں لیے گھوڑے دوڑاتا پھرتا تھا، گویا ہر طرف موت رقص کر رہی تھی دس ہزار پر مشتمل کوفی لشکر ان بہتر (72) مسافران کربلا پر کسی وقت بھی حملہ کر سکتا تھا ایسے میں سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے ساری رات نوافل پڑھنے اور تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے گزاری چشم فلک نے ایسے نمازی کم ہی دیکھے ہونگے جو موت کی آغوش میں بھی نماز ادا کر رہے ہیں۔

اگلے دن جب لڑائی شروع ہوئی اور امام حسین نے دیکھا کہ نماز ظہر کا وقت کم ہو رہا ہے تو آپ نے عین لڑائی میں کوفی لشکر سے کہا کہ کوفیو کچھ دیر جنگ سے رک جاؤ ہمیں نماز ظہر پڑھ لینے دو مگر شیطان صفت کوفیوں پر کوئی اثر نہ ہوا تب آپ نے نماز خوف ادا فرمائی۔(البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 185 مقتل الحسین رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الریان قاہرہ مصر)

صلوٰۃ خوف کا طریقہ قرآن نے بیان فرمایا ہے کہ اسلامی لشکر کا ایک حصہ نماز پڑھے اور دوسرا حصہ دشمن کے سامنے کھڑا رہے جب پہلا حصہ نماز پڑھ لے تو وہ دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا حصہ نماز پڑھ لے۔

(سورہ النسآء آیت 102 پارہ 5)

قارئین اندازہ فرمائیں صرف بہتر افراد ہیں جو دین پر قربان ہونے کے لیے کھڑے ہیں ان میں سے متعدد شہید ہو چکے ہیں باقی بھی زخمی ہیں مگر بے جگری سے لڑ رہے ہیں اور دس ہزار یا بروایت پانچ ہزار کا لشکر ان پر حملہ آور ہے ایسے میں ان کا یوں نماز پڑھنا تاریخ اسلام اور تاریخ انسانیت کا بے مثال واقعہ ہے۔

گویا حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے قرآن پر عمل کر کے اس کی عملی تفسیر رقم کی مفسرین نے کاغذ کے صفحات پر پانی کی روشنائی

سے تفسیر قرآن لکھی ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ وہ مفسر قرآن ہے. جس نے صفحہ کربلا پر اپنے خون شہادت سے قرآن کی عملی تفسیر لکھی ہے کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

دشت بلا کو عرش کا زینہ بنادیا
جنگل کو مصطفی کا مدینہ بنادیا
ہر ذرے کو نجف کا نگینہ بنادیا
تو نے حسین مرنے کو جینا بنادیا
(رضی اللہ عنہ)

تاریخ کربلا میں بہت سی بے اصل باتیں رواج پا گئی ہیں جیسے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے دو بچوں کا کوفہ سے بھاگنا اور واپس کوفہ پہنچ جانا اور پھر ان کا ظلماً شہید ہونا یہ کہیں نہیں لکھا البتہ امام مسلم کے ایک بیٹے عبداللہ بن مسلم کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ضرور شہید ہوئے ہیں۔

یونہی کربلا میں حضرت قاسم بن حسن کی شادی کا تذکرہ بہت رو رو کر کیا جاتا ہے جو قطعی بے اصل ہے۔ واقعہ کربلا جن مستند تاریخی کتب اہل سنت میں آیا ہے وہ البدایہ، تاریخ ابن خلدون، تاریخ ابن جریر طبری اور الکامل فی التاریخ ہیں ان میں یہ واقعات کہیں نہیں لکھے۔ کتب شیعہ میں سے مقتل ابی مخنف سب سے پرانا تاریخی ماخذ ہے، ابن جریر طبری نے بھی اپنی تاریخ میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس نے بھی یہ واقعات نہیں لکھے۔ اس لیے یہ بے اصل ہیں اسی طرح صغریٰ کا خط بہت دردناک طریقہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی ایک بیٹی صغریٰ کو مدینہ چھوڑ گئے تھے وہ اپنے بابا کی راہ دیکھ کر روتی تھی اس نے آپ کو خط لکھا جو عین دس محرم کو کربلا میں پہنچا اس میں بہت دردناک مضمون تھا کہ بچی کہتی ہے میں کس طرح آپ کے انتظار میں بے قرار ہوں۔ مگر یہ لا یعنی بات ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سارے کنبہ کو ساتھ لے آئیں اور ایک بچی کو پیچھے بے سہارا چھوڑ دیں۔

حق یہ ہے کہ حضرت فاطمہ صغریٰ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور وہ کربلا میں آپ کے ساتھ موجود تھیں، مشہور شیعہ مؤرخ ابو منصور طبرسی نے لکھا ہے کہ جب قافلۂ اہل بیت کو کربلا سے کوفہ لایا گیا تو ان میں فاطمہ صغریٰ رضی اللہ عنہا بھی تھیں انہوں نے بھی بازار کوفہ میں اہل کوفہ کو مخاطب کر کے ان پر پھٹکار ڈالی تھی۔

(احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 202 موسسۃ الاعلمی بیروت)

دراصل شیعہ ذاکرین اور بعض جاہل سنی واعظین واقعہ کربلا کے ذریعے اپنی روزی روٹی چلاتے ہیں۔ وہ اس واقعہ میں رنگ آمیزی کے لیے ایسے جھوٹے واقعات کا سہارا لیتے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی چیخیں نکلوائیں، آج

یہ حال ہے کہ یکم محرم سے لیکر دس محرم تک دس خطبات کے لیے ایک ذاکر تیس لاکھ روپے تک وصول کرتا ہے یعنی روزانہ کے تین لاکھ روپے اگر وہ چیخیں نہ نکلوائے تو لوگ اسے تیس ہزار بھی نہ دیں۔

بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ بنو امیہ کی حکومت گرانے کیلئے بنو عباس نے واقعہ کربلا کا سہارا لیا۔ ابو مسلم خراسانی بہت بڑا خطیب تھا اس نے خطباء کی ایک جماعت تیار کی جو پوری سلطنتِ اسلامیہ میں ہر طرف پھیل گئی انہوں اس واقعہ کو یوں مرچ مصالحہ لگا کر پیش کیا کہ لوگ بنو امیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اس تحریک میں نعرہ یہ لگایا گیا کہ حکومت آلِ حسن وحسین کو ملنی چاہیے کیونکہ وہ وارثانِ شہداء کربلا ہیں۔ مگر جب بنو امیہ کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی تو بنو عباس نے آلِ حسن وحسین کو حکومت دینے کی بجائے خود حکومت سنبھال لی اور آلِ حسن وحسین کا قتل عام شروع کر دیا۔ حالانکہ حضرت نفس زکیہ یعنی محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم کے ہاتھ پر تمام خاندان بنو عباس نے باقاعدہ بیعت کی تھی، یعنی آل رسول ﷺ پر ایک کربلا نہیں کئی کربلائیں گزری ہیں۔ جب عباسیوں نے حسنی وحسینی سادات کا قتل عام شروع کیا تو اس وقت پیشوائے اہل سنت امام اعظم ابو حنیفہ اور سیدنا امام مالک رحمہا اللہ نے عباسیوں کے خلاف فتویٰ دیا جس کی پاداش میں دونوں اماموں پہ ظلم کے پہاڑ توڑے گئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے جیل میں زہر دے کر شہید کر دیا۔ الغرض واقعۂ کربلا میں شروع سے رنگ آمیزی کی جاتی رہی ہے اور کی جارہی ہے۔ جس کے پیچھے کبھی سیاسی مفادات رہے ہیں اور کبھی مالی، ہمیں چاہے کہ معتبر کتب تاریخ میں جو مرقوم ہے اسی پہ اکتفاء کریں خود اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر کسی واقعہ میں ڈالنا کسی طرح قابل ستائش نہیں ہے۔ یہ کذب بیانی ہے۔

یہ چیز مشہور ہے کہ سیدنا امام عالی مقام نے نماز ادا کرتے ہوئے حالت سجدہ میں جام شہادت نوش کیا۔ اگرچہ معتبر کتب تاریخ میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ تاہم چونکہ یہ بات عوام میں بہت مشہور ہے تو ممکن ہے اس کی کوئی اصل ہو۔ ہو سکتا ہے کہ جب بد بخت سنان بن عمرو نے آپ کو نیزہ مار کر زمین پہ گرایا اسوقت آپ کی حالت سجدہ والی ہوگئی ہو اور اسی حالت سجدہ میں جہنمی کتے شمر بن ذوالجوشن نے آپ کا سر انور کاٹ لیا ہو۔ اس لیے ہم اسے خود تو بیان نہیں کرتے مگر کسی کو منع بھی نہیں کرتے اور کرنا بھی نہیں چاہیے جو چیز ممکن ہے اور شروع سے بیان ہوتی آرہی ہے۔ اس سے انکار پر اصرار کی کیا ضرورت ہے۔ جو تاریخی باتیں بے ثبوت اور عقائد اہل سنت سے اور عقل وشعور کے متصادم ہیں ان کا رد ضرور کیا جائے مگر جو چیز ایسی نہیں اس کے رد پر اصرار بے مقصد ہے۔

تیسری آیت: مصائب سے امتحان اور صبر حسین رضی اللہ عنہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ خوف سے کچھ بھوک سے اور کچھ مال اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیں وہ لوگ کہ جب ان پر مصیبت آئے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی طرف لوٹنے والے ہیں انہی لوگوں پر اللہ کی طرف سے درود آتا ہے اور اور رحمت برستی ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورہ بقرہ آیت 155، 157 پارہ 2)

ان آیات مبارکہ کی روشنی میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا کردار دیکھیں کہ آپ کو خوف سے آزمایا گیا آپ کو بار بار دھمکی دی گئی کہ آپ نے اگر یزید کی بیعت نہ کی تو آپ کو جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے مگر جان کا خوف بھی آپ کو جادۂ حق سے نہ ہٹا سکا آپ کو بھوک اور پیاس سے آزمایا گیا آپ پر پانی بند کیا گیا آپ کے بچے پیاس سے ہلکان ہوئے مگر آپ رضاء مولا پر راضی رہے آپ کو مالوں اور جانوں کی کمی سے بھی آزمایا گیا آپ کا سارا کنبہ شہید کر دیا گیا بچے بھائی بھتیجے بھانجے اور بزرگ سبھی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے اور آپ کی شہادت کے بعد آپ کا خیمہ لوٹ لیا گیا عورتوں کے کانوں سے بالیاں نوچ لی گئیں ہاتھوں پیروں سے زیورات تک اتروا لیے گئے مگر خاتون جنت فاطمہ الزاہرا رضی اللہ عنہا کی گود میں پل کر جوان ہونے والوں نے تقدیر پر شکوہ نہ کیا اور صبر کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال پہلے تھی نہ بعد میں ہوگی تو یقیناً آل رسول ﷺ پر اللہ کی طرف سے درود کی برسات ہو رہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہے گی۔ ہر آن میں کروڑوں مسلمان دنیا کے مختلف اوقات کے مطابق پانچوں نمازیں ادا کر رہے ہیں اور ہر نماز میں آل رسول ﷺ پہ درود بھیجا جا رہا ہے

چوتھی آیت: جان دے کر جنت کی خریداری اور کردار حسین

اللہ رب العالمین کا ارشادِ ذیشان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے کہ بدلے میں ان کے لیے جنت ہے وہ راہ خدا میں لڑتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو تورات انجیل اور قرآن سب جگہ

لکھا گیا ہے اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا ہو تو اے وعدہ پورا کرنے والو تمہیں اس سودے پر مبارک ہو جو تم نے اللہ سے کیا یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ توبہ آیت 111 پارہ 11)

اللہ رب العزت اس آیت میں مومنوں سے سودا کر رہا ہے کہ اے مسلمانوں میری راہ میں مال قربان کرو اور جان کا نذرانہ پیش کرو یعنی میرے ہاتھ اپنے مال اور جانیں بیچ ڈالو تو بدلے میں جنت کی قیمت وصول کرلو۔ گویا شہادت کا بازار لگا ہوا ہے بازار میں ضروری نہیں کہ کوئی جتنا سودا لے کر آئے وہ سارا بک جائے جس کا سارا سودا بک جائے وہ بہت کامیاب تاجر ہوتا ہے امام عالی مقام بھی بازار شہادت کے ایسے کامیاب تاجر ثابت ہوئے کہ قدرت کے خریدار نے ان کا سارا سودا خرید لیا جتنے نفوس وہ اپنے ساتھ لائے تھے سب کی جانیں قبول ہو گئیں خدا فرماتا ہے ایسے جان نثارانِ اسلام کی تعریفیں ہم نے اپنی ساری کتابوں میں فرمائی ہیں ان کے تذکرے ہمیشہ سے جاری ہیں اور ہمیشہ تک جاری رہیں گے۔

پانچویں آیت: شہید کی زندگی اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا مقام

قرآن پاک فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تم ان کی زندگی کو سمجھتے نہیں۔ (سورہ البقرہ آیت 154 پارہ 2)

ایک اور جگہ اللہ یوں فرماتا ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کے متعلق جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں مت گمان کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو عطا فرمایا ہے اس پر وہ خوش ہیں اور جو ان کے پیچھے ابھی ان تک نہیں پہنچے (ابھی فوت نہیں ہوئے) انہیں (شہداء) بشارت سناتے ہیں کہ ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے اور وہ انہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کی بشارت سناتے ہیں اور یہ کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

(سورۃ آل عمران آیت 169۔171 پارہ 4)

ان آیات مقدسات میں اللہ نے راہ خداوندی میں شہادت پانے والوں کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے سے بالترتیب منع فرمایا ہے شہید کو مردہ کہو نہ مردہ سمجھو وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور خدا انہیں رزق عطا فرماتا ہے اور وہ بشارت سناتے ہیں کہ اے دنیا والوں ہم مرنہیں گئے ہم زندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت نعمتیں عطا فرمائی ہیں خدا کے قرآن نے ان کی بشارت دنیا والوں تک پہنچادی اگر ہر عام شہید کی یہ شان ہے تو سیدالشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام کیا ہوگا؟ امام حسین رضی اللہ عنہ قرآن کے فیصلے سے زندہ ہیں اور اللہ کے ہاں رزق حاصل فرمارہے ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم جائز نہیں

سیدنا امام عالی مقام کا ماتم شیعہ لوگوں کے نزدیک تمام فرائض سے بڑا فرض بن گیا ہے چاہے ان میں سے کوئی سارا سال نماز نہ پڑھے مگر سال بعد وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم ضرور کرتا ہے سینہ کوبی، نوحہ خوانی اور زنجیر زنی ماتم کی مروجہ صورتیں ہیں اس کے عدم جواز پر جہاں اور بہت سے دلائل ہیں وہاں یہ بھی بڑی دلیل ہے کہ ماتم مرجانیوالوں کا کیا جاتا ہے جن کی برزخی زندگی جسمانی زندگی سے بدتر ہوتی ہے وہ کفار و فاسقین ہیں مگر امام حسین رضی اللہ عنہ شہید بلکہ سیدالشہداء ہیں وہ زندہ ہیں ان کی برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے ان کی حیات گھٹی نہیں بڑھی ہے ان کا ماتم کرنا انہیں مردہ سمجھنے کے مترادف ہے اہل سنت کے نزدیک وہ زندہ ہیں اس لیے وہ ان کا ماتم نہیں کرتے ماتم تب کیا جاتا اگر ان کی زندگی کو نقصان ہوا ہوتا ان کی زندگی کو نقصان نہیں ہوا تو ماتم کیوں کیا جائے ہاں ایصال ثواب کرکے ان کے درجے میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے ماتم سے ان کے درجے میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ ؎

کافر ہے جو منکر ہے حیات شہداء کا
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

علمی لطیفہ، جہلاء کے گھر خط آیا

ایک شخص فوج میں بھرتی ہوگیا فوج لڑائی کے لیے کہیں دور بھیج دی گئی اس کے گھر والے بہت پریشان تھے کہ نہ جانے اس کے ساتھ کیا گزری ایک دن اچانک اس کی طرف سے تار آگئی (تار خط کو کہا جاتا ہے) اس کے گھر میں ماتم بپا ہوگیا کہ ہائے مرگیا جنگ میں مارا گیا وہ خط پڑھ نہیں سکتے تھے سخت جاہل تھے صرف خط دیکھ کر یہی سمجھے کہ اس کی موت کا خط ہی ہوسکتا ہے وہ ماتم کررہے تھے سینہ کوبی کررہے تھے اتنے میں وہاں سے ایک پڑھا لکھا آدمی گذرا کہنے لگا کیسا ماتم ہے کیسی سینہ کوبی ہے؟ معلوم ہوا ان کا نوجوان بیٹا جنگ پر گیا تھا وہاں سے تار آگئی ہے اس لیے چلا رہے ہیں اُس نے کہا دکھاؤ تو سہی تار میں کیا لکھا ہے جب اسے کھول کر پڑھا گیا تو لکھا تھا میرے پیارے

ابو جان میں خیریت سے ہوں میں نے بڑا کارنامہ کیا ہے اس لیے فوج میں میری ترقی ہوگئی ہے اور مجھے بڑی نعمتیں مل رہی ہیں۔

اس پڑھے لکھے آدمی نے ان جاہلوں سے کہا خدا تمہیں ہدایت ہی دے اس کا ماتم مت کرو وہ مرا نہیں گیا وہ زندہ ہے اور بڑی نعمتوں میں ہے۔

ہم چشم تصور سے دیکھتے ہیں کہ جیسے امام عالی مقام سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ بھی میدان کارزار میں تشریف لے گئے ان کی بھی تار آگئی کچھ لوگوں نے ماتم شروع کر دیا گلی میں سے اہل سنت کا گذر رہوا داتا علی ہجویری کا گذر رہوا، حضرت مجدد الف ثانی کا گذر رہوا، امام احمد رضا بریلوی کا گذر رہوا پوچھا کیسا ماتم ہے کہا امام حسین رضی اللہ عنہ کی تار آگئی ہے اس لیے ماتم کر رہے ہیں انہوں نے کہا دیکھو تو سہی تار میں کیا لکھا ہے دیکھا تو اس میں لکھا تھا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ۔ الخ

اس کا ترجمہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی زبان میں یوں کیا جاسکتا ہے کہ اے ہماری مسلمان قوم ہم اللہ کی راہ میں شہادت کا عظیم کارنامہ انجام دے کر حیات لازوال سے ہمکنار ہو گئے ہیں ہمیں مردہ نہ سمجھنا ہم زندہ ہیں اور اچھے اچھے رزق کھا رہے ہیں ہم خدا کی نعمتوں پر بڑے مسرور ہیں ہم تمہیں بشارت دیتے ہیں کہ ہم اللہ کی نعمتیں اور اس کا فضل لوٹ رہے ہیں اور اللہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ تار ختم ہوئی۔

اہل سنت نے تار دیکھ کر کہا خدا جاہلوں کو ہدایت دے حسین کا ماتم بند کرو وہ زندہ ہیں اور خدا کی نعمتوں میں بہاریں لوٹ رہے ہیں۔

اہل تشیع کی نہایت مشہور کتاب جس میں شیخ رضی شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات وملفوظات ومکتوبات کو ایک جگہ جمع کیا ہے، میں حضرت علی کا یہ ارشاد موجود ہے کہ فرمایا:

ينزل الصبر على قدر المصيبة ومن ضرب يده على فخذه عند المصيبة حبط عمله۔

ترجمہ: یعنی جس قدر کسی کی بڑی مصیبت ہوتی ہے اللہ اس کے لیے اتنا ہی بڑا صبر اتارتا ہے، اور جس نے مصیبت میں اپنی ران پہ (بے صبری کے ساتھ) ہاتھ مارا اس کا اجر ضائع ہوگیا۔ (یعنی مصیبت کے بدلے اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا) (نہج البلاغہ ملفوظ 144 صفحہ 694 مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل احادیث مصطفی ﷺ سے

1۔ حسین اور میں ایک چیز ہیں

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ اَحَبَّ اللهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ

ترجمہ: حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں اللہ اس سے بہت محبت رکھتا ہے جو حسین سے محبت رکھے حسین نسلوں میں سے ایک نسل ہے۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3775)

امام ترمذی نے فرمایا هذا حديث حسن یہ حدیث حسن ہے

اس حدیث کے تحت علامہ طیبی نے بڑا ہی عمدہ کلام فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں

كانه علم بنور الوحی ما سَيَحْدِثُ بينه وبين القوم فخصه بالذ كرو بين انهما كالشئی الواحد فی وجوب المحبة وحرمة التعرض والمحاربة

ترجمہ: گویا نبی اکرم ﷺ نے نور نبوت سے جان لیا کہ امام حسین اور لوگوں (یزیدیوں) کے درمیان کیا حالات پیدا ہو نگے (واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے) اس لیے نبی اکرم ﷺ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصی ذکر فرمایا اور بتایا کہ میں اور حسین ایک ہی چیز ہیں وہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں ہماری محبت یکساں واجب ہے اور ہم سے الجھنا اور لڑائی کرنا یکساں حرام ہے۔

(شرح علامہ طیبی علی مشکاۃ المصابیح جلد 11 صفحہ 304 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے جنگ کرنے والوں نے رسول خدا سے جنگ کی اور آپ کو شہید کرنے والوں نے دوسرے لفظوں میں خود رسول اکرم ﷺ کو خاکم بدھن شہید کیا تو اس حدیث رسول ﷺ کے آئینے میں یزید وابن زیاد اور ان کے حامی محمود عباسی جیسے مصنفین اپنا انجام دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ کہ حسین نسلوں میں سے ایک نسل ہے اس امر کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نسل پاک کا ایک بڑا حصہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے چلے گا یعنی یہ امر بھی آپ ﷺ کو بنور وحی معلوم ہوا گویا یہ ساری حدیث نور وحی کی بنیاد پر ہے یوں تو ہر حدیث ہی وحی الٰہی ہے مگر بعض احادیث سے نور وحی کی نورانی شعائیں صاف پھوٹتی نظر آتی ہیں یہ حدیث بھی ایسی ہی ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کو آقائے نامدار ﷺ نے سبط (نسل) فرما کر ان کو اولادِ یعقوب علیہ السلام سے تشبیہ دی جنہیں اللہ نے

قرآن میں (الاسباط) کے نام سے یاد فرمایا ہے گویا فرمایا کہ جس طرح حضرت یعقوب کی نسل ان کے بیٹوں سے چلی میری نسل میرے نواسوں سے چلے گی اور حسین بھی ان میں سے ایک ہے۔

2۔جس نے کسی جنتی کو دیکھنا ہو وہ حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے

عن جابر قال من سره ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فلینظر الی الحسین بن علی فانی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقوله

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا جسے یہ بات سرور دیتی ہے کہ وہ اہل جنت میں سے کوئی مرد دیکھے تو اسے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھ لینا چاہیے کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہی الفاظ سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 190 مناقب حسین بن علی رضی اللہ عنہما)

صاحب مجمع الزوائد امام نور دین ہیثمی فرماتے ہیں

رواه ابو یعلی ورجاله رجال الصحیح غیر الربیع بن سعد وهو ثقة

یعنی اس حدیث کے سارے راوی بخاری کے راوی ہیں سوا ربیع بن سعد کے اور وہ بھی ثقہ ہے اس حدیث نے بھی کس قدر واضح کر دیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ دنیا ہی میں چلتے پھرتے جنتی مرد تھے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا ہی میں انہیں جنت کی بشارت دے دی تھی ایک اعرابی آپ کی خدمت میں آیا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جنت میں چلا جاؤں فرمایا شرک نہ کرو نماز پڑھو زکوٰۃ دو روزے رکھو کہنے لگا میں اس سے کم کروں گا نہ زیادہ آپ نے فرمایا جسے جنتی دیکھنا ہو اسے دیکھ لو۔(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 343 مطبوعہ دار الفکر بیروت) اگر کوئی کہے کہ وہ صرف دس صحابی ہیں جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے ان کے سوا تو آپ نے کسی کو یہ بشارت نہیں دی تو ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ غلط ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر کئی صحابہ کو بھی جنت کی بشارت دی، مگر ان کو عشرہ مبشرہ میں اس لیے نہیں ڈالا گیا کہ عشرہ مبشرہ وہ دس خوش نصیب ہیں جن کو ایک مجلس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، اور یہ بھی صرف اعزازی خطاب ہے ورنہ ہر صحابی کو خود اللہ نے قرآن میں جنت کی بشارت سنادی ہے۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

اور اللہ نے ہر صحابی سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔(سورہ حدید آیت 10)

3۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کربلا کی مٹی دکھائی گئی

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرشتہ بارش نے اللہ سے اذن مانگا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائے اسے

اذن ملا تو وہ آیا نبی اکرم ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا دیکھنا دروازہ کھول کر ہمارے پاس کوئی نہ آئے ۔فرماتے ہیں حسین بن علی رضی اللہ عنہ آئے اور داخل ہونا چاہا سیدہ ام سلمہ نے منع فرمایا تو وہ بچوں کی طرح اُچھل پڑے اور زبردستی داخل ہو گئے اندر جا کر وہ کبھی نبی اکرم ﷺ کی پشت پر بیٹھتے کبھی کندھوں پر اور کبھی پہلوؤں پر، فرشتے نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ اس بچے سے بہت محبت رکھتے ہیں فرمایا ہاں کہنے لگا۔

اِنَّ اُمَّتَكَ سَتَقْتُلُه۔

آپ کی امت عنقریب اسے قتل کردے گی، پھر کہنے لگا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھاؤں جہاں اسے قتل کیا جائے گا اس نے زمین پر ہاتھ مارا اور سرخ رنگ کی مٹی نبی اکرم ﷺ کو دی سیدہ ام سلمہ نے وہ مٹی اپنے دوپٹے میں باندھ لی۔(مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 242)

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 190 میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو احمد بن حنبل، طبرانی، ابویعلیٰ اور بزار نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے ان سب اسانید میں عمارہ بن زاذان آتا ہے اسے محدثین کی جماعت نے ثقہ راوی قرار دیا ہے اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے وبقية رجاله رجال الصحيح اور باقی سارے راوی بخاری کے راوی ہیں۔)

4-حسین نہر فرات کے کنارے قتل کیا جائیگا (حدیث)

نجی حضرمی روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر میں تھے اور وہ آپ کو وضو کرایا کرتے تھے جب ارض نینوا کے بالمقابل گذرے اور آپ صفین کو جا رہے تھے تو فرمایا عبداللہ ٹھہر جاؤ یہ فرات کا کنارہ ہے میں نے عرض کیا اس کا کیا سبب ہے فرمایا ایک روز میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا دیکھا آپ کی آنکھیں برس رہی تھیں میں نے عرض کیا یانبی اللہ ﷺ کس نے آپ کو دکھ دیا ہے؟ آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں فرمایا:

ہاں! جبریل علیہ السلام میرے پاس ابھی آئے تھے اور بتایا

اِنَّ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِشَطِّ الْفُرَاتِ

ترجمہ: بے شک حسین کو فرات کے کنارے قتل کیا جائیگا پھر انہوں نے مجھے وہاں کی مٹی بھی دکھائی تو میں اپنی آنکھوں پر ضبط نہ کرسکا۔(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 190 مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت)

حدیث کے آگے لکھا ہے کہ اسے احمد بن حنبل ابویعلیٰ اور بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

5-اے جبریل کیا حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے والے مومن ہونگے؟

نبی اکرم ﷺ کا جبریل علیہ السلام سے سوال

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا تھا: لا تبکوا هذا الصبی یعنی الحسین اس بچے یعنی حسین کو رونے نہ دیا کرو۔ ایک دفعہ سیدہ اُم سلمہ کی باری تھی جبریل امین رسول پاک ﷺ کے پاس بیٹھے تھے (یہ بات ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے بعد میں خود بتائی ہوگی) آپ نے ام سلمہ سے فرمایا ہمارے پاس کوئی نہ آئے تو حسین بن علی رضی اللہ عنہ آگئے جب انہوں نے گھر میں رسول پاک ﷺ کو دیکھا تو اندر داخل ہونا چاہا ام سلمہ نے انہیں پکڑ لیا اور سینے سے لگا کر تسلی دلانے لگیں مگر ان کا رونا شدت اختیار کر گیا تو انہوں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ رسول پاک ﷺ کے پاس داخل ہو گئے اور آپ کی جھولی میں جا بیٹھے جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کی امت اسے قتل کر ڈالے گی آپ نے فرمایا:

يَقْتُلُوْنَه وَهُمْ مُؤْمِنُوْنَ بِیْ۔

کیا وہ اسے قتل کریں گے اور مجھ پر ایمان بھی رکھتے ہونگے جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں اس کے باوجود قتل کریں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس آئے آپ نے انہیں بتلایا میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کرے گی اس وقت صحابہ میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے وہ رسول پاک ﷺ کے پاس بات کرنے کا سب سے زیادہ حوصلہ رکھتے تھے وہ عرض کرنے لگے یا نبی اللہ ﷺ کیا وہ لوگ مومن کہلائیں گے؟ فرمایا ہاں اور یہ اس جگہ کی مٹی ہے اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا گیا ہے اگرچہ بعض میں کچھ ضعف بھی ہے۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 102 مناقب الحسین رضی اللہ عنہ)

6۔رسول اللہ ﷺ کی امام حسین رضی اللہ عنہ سے شدید محبت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہا: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔

وكان يُحِبُّه حُبًّا شديداً

حضور ﷺ حضرت امام حسین سے شدید محبت رکھتے تھے، پھر وہ کہنے لگے میں نے اپنی امی کے پاس جانا ہے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا میں ان کے ساتھ جاتا ہوں (چھوڑ آتا ہوں) فجاءتْ بَرْقَةٌ من السَّماءِ فَمَشیٰ فی ضَوءِها حتّی بلغ۔ تب آسمان سے بجلی چمکی جس کی روشنی میں وہ چلتے ہوئے گھر پہنچ گئے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 3 صفحہ 52 حدیث 2660 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضور ﷺ کا اپنے نواسہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ یوں شدید محبت رکھنا اسی لیے تھا کہ آپ جانتے تھے ان کو کیا مصائب و آلام پیش آنے والے ہیں۔

7۔رسول اللہ ﷺ کی امام حسین سے محبت کا ایک منظر:

ام المؤمنین زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کمرے میں گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ میں ان سے غافل ہوگئی، وہ آئے، نبی اکرم ﷺ کے بطن پاک پر چڑھ گئے اور پیشاب کرنے لگے، حضور ﷺ نیند سے بیدار ہوئے، میں نے لپک کر انہیں آپ کے پیٹ سے اتارنا چاہا، حضور ﷺ نے فرمایا: میرے بیٹے کو رہنے دو، جب وہ پیشاب کر چکے تو آپ نے پانی کا کوزہ لیکر اسے خود پر بہایا اور فرمایا بچے کے پیشاب پر پانی کا بہا دینا کافی ہے اور بچی کے پیشاب کو خوب دھونا چاہیے۔ پھر آپ اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور حضرت حسین کو کندھے پر اٹھالیا جب آپ رکوع و سجود میں جاتے تو انہیں اتار دیتے جب کھڑے ہوتے تو انہیں پھر سوار کر لیتے۔ نماز کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھا کر طویل دعا کی، جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج میں نے آپ کو ایسا عمل کرتے دیکھا ہے کہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے مجھے بتایا کہ میرا یہ بیٹا قتل کیا جائے گا۔ میں نے کہا مجھے وہ جگہ دکھاؤ تو وہ میرے پاس سرخ مٹی لائے۔ اسے طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے امام ابو بکر ہیثمی نے کہا کہ اس کے بعض روایوں کو میں نہیں جانتا۔

(مجمع الزاوئد جلد 9 صفحہ 191 مناقب الحسین بن علی علیہما السلام)

حضور ﷺ کا نماز میں امام حسین رضی اللہ عنہ کو بار بار کندھوں پہ اٹھانے کی صورت ممکن ہے ایسے ہو کہ وہ خود ہی سجدے میں آپ کے کندھے پر بیٹھ جاتے تھے اور آپ انہیں ایک ہاتھ سے تھام کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ نماز میں اتنی حرکت مانع صلوۃ نہیں۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ شارع ہیں آپ مختار ہیں آپ نے کچھ لوگوں کے ساتھ وہ خصوصی معاملات فرمائے جو آپ کی عمومی شریعت سے ہٹ کر تھے جیسے آپ نے ایک صحابی کے لیے روزہ توڑنے کا کفارہ معاف کر دیا۔ ایک صحابی کو صرف تین نمازوں کی اجازت دیدی۔ ایک صحابیہ کے لیے ڈھول بجانے کی اجازت دیدی۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے حرم میں قتل فرمایا۔ حج کے موقع پر آپ نے صحابہ کو طواف سے قبل عمرہ کا احرام کھول کر اسے حج میں تبدیل کرنے کی اجازت دی یہ وہ تمتع خاص تھا جو آپ نے صرف صحابہ کے لیے حلال فرمایا دوسری امت کے لیے حلال نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آپ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو نماز میں بار بار اٹھا کر کندھوں پہ رکھا اور اتارا تو یہ آپ کا اختیار ہے۔ کوئی شخص اسے اپنے لیے حجت نہیں بنا سکتا نہ کوئی مفتی اس کے جواز کا فتوی دے سکتا ہے۔

اسی حدیث مذکور سے ملتی جلتی ایک اور حدیث بھی ملاحظہ ہو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت حسین بن علی

رضی اللہ عنہما آئے ۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے ۔ (تشہد میں تھے) وہ آپ کی گردن سے چمٹ گئے ۔ جب آپ اٹھے تو انہیں بھی ساتھ اٹھالیا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے انہیں (قیام میں) پکڑے رکھا تا آنکہ آپ رکوع میں گئے (تو انہیں اتار دیا) (طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 51 حدیث 2657 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

8 ۔ نبی اکرم ﷺ نے کربلا کی مٹی حضرت ام سلمہ کو دی تھی:

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں حسن و حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیل رہے تھے اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، کہا: یا محمد إنّ أمّتك تقتُل ابنَكَ هٰذا اے محمد (ﷺ) بے شک آپ کی امت آپ کے اس بیٹے کو قتل کرے گی ۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے حضرت حسین کی طرف اشارہ کیا ۔ رسول اللہ ﷺ رو پڑے اور حضرت حسین کو سینے سے چمٹا لیا ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ام سلمہ! یہ مٹی تمہارے پاس امانت ہے ۔ آپ نے پہلے مٹی کو سونگھ کر فرمایا: وَيْحَ كَرْبٍ وَبَلاءٍ

کرب اور بلاء پر افسوس، پھر فرمایا: اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا قتل کر دیا گیا ہے ۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ابو وائل شقیق بن ام سلمہ کہتے ہیں:

حضرت ام سلمہ نے وہ مٹی ایک شیشی میں ڈال دی وہ اسے ہر روز دیکھتی تھیں اور فرماتی تھیں ایک بڑے دن یہ مٹی خون بن جائے گی ۔ (طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 108 حدیث 2817)

9 ۔ روز شہادتِ حسین بیت المقدس کے ہر پتھر کے نیچے خون نظر آیا:

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ مشہور راوی حدیث ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں:

لَمَّا قُتِلَ الحسينُ بُن عليٍّ رضى الله عنه لم يُرفَعْ حجرٌ ببيت المقْدَسِ إلاَّ وُجِدَ تحته دمٌ عَبيْطٌ

جب امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو قتل کیا گیا تو بیت المقدس میں جو بھی پتھر اُٹھایا جاتا اس کے نیچے سے گہرا خون نظر آتا تھا ۔ (طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 113 حدیث 2834)

امام نورالدین ہیثمی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

رجاله رجال الصحيح اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں ۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 199 مناقب الحسین رضی اللہ عنہ)

بیت المقدس وہ مقام ہے جہاں ہزاروں انبیاء کرام آسودہ خاک ہیں۔ابراہیم،اسحاق،یعقوب،یوسف،زکریا،یحییٰ، داؤد،سلیمان و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات مقدسہ سے یہ علاقہ آباد ہے۔ الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ (سورہ اسراء آیت 1) کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ مسجد اقصیٰ کے آس پاس مزارات انبیاء ہیں (درمنثور) شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ پر بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے خون کا نظر آنا دراصل وہاں مدفون ہزاروں انبیاء کرام کے غم والم کا ایک مظہر تھا۔گویا وہ اشکِ خونیں کے ساتھ رو رہے تھے اللہ نے اس کا مظہر دکھایا کبھی کبھی عالم غیب کے احوال کو عالم شہادت میں بعض نشانیوں سے دکھایا جاتا ہے۔عذاب قبر عالم غیب سے ہے مگر کبھی اس کے خارجی مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔یعنی انبیاء کرام رو رہے تھے کہ اتنا ظلم تو ان میں سے کسی کی آل کے ساتھ نہیں کیا گیا تھا جو امام الانبیاء ﷺ کی آل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

10۔شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ پر آسمان کا سات دن تک زرد رہنا:

عیسیٰ بن حارث کندی کہتے ہیں: جب امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو سات دن تک ہم یوں رہے کہ جب ہم نماز عصر ادا کرنے کے بعد سورج کی طرف دیکھتے (مراد دھوپ ہے) تو ہمیں دیواروں کی اطراف یوں لگتیں جیسے وہ زرد لحاف ہوں اور ہمیں یوں لگتا تھا کہ ستارے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔(طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 14 حدیث 3839)

یعنی دھوپ زرد ہوگئی تھی اور ماحول پہ زردی چھائی تھی۔دراصل جب زمین پر بڑا ظلم ہو تو آسمان یا فضا پر اس کے اثرات کا بسا اوقات ظہور ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اہل زمین کے مظالم کی وجہ سے بارشیں روک لیتا ہے۔اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا۔ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (سورہ روم آیت 41)

11۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا رونا نبی اکرم ﷺ کو برداشت نہیں تھا:

زیاد بن ابی زیاد کہتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے تشریف لائے، آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے قریب سے گزرے، آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی۔آپ نے فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمِيْ اَنَّ بُكَاءَهٗ يُؤْذِيْنِيْ

(اے فاطمہ) کیا تم نہیں جانتی ہو کہ حسین کا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔

(طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 116 حدیث 2847)

اندازہ کریں اگر امام حسین کا تھوڑا سا رونا سید عالم ﷺ کو یوں بے قرار کرتا اور اذیت دیتا ہے تو جب آپ پر تین دن تک پانی بند کیا گیا۔جب آپ کے سامنے آپ کی اولاد شہید کی گئی، اور جب آپ کے جسم مبارک کو نیزوں سے چھلنی کیا

گیا، جب آپ کا سر انور اتارا گیا اور جب آپ کے جسم نازنین پر گھوڑے دوڑائے گئے اس وقت آپ کا گریہ نہ سہنے والے کریم نانا محمد مصطفی ﷺ پر کیا قیامت گزری ہوگی، پھر جو بدبخت لوگ یزیدی کاروائیوں کی حمایت کرتے ہیں وہ حضور ﷺ کو کس قدر اذیت دیتا ہوگا اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا۝

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہے۔ (سورہ احزاب آیت 58)

12۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت کعب الاحبار کی پیش گوئی:

عمار دہنی کہتے ہیں مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، انہوں نے کہا: اس شخص (حضرت علی المرتضیٰ) کی اولاد میں سے ایک شخص اپنی جماعت کے ساتھ قتل ہوگا۔ اور ابھی ان کے گھوڑوں کا پسینہ خشک نہ ہوگا کہ وہ محمد مصطفی ﷺ کے پاس (جنت میں) پہنچ جائیں گے، اس کے بعد وہاں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے گزرے لوگوں نے کہا: اے ابو اسحاق کیا وہ یہ ہے؟ کہنے لگے: نہیں، پھر وہاں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ گزرے، لوگوں نے کہا: کیا وہ یہ ہے؟ کہنے لگے: ہاں۔ (طبرانی کبیر جلد 3 صفحہ 117 حدیث 2850)

حضرت کعب الاحبار نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں موجود تھے مگر ایمان نہ لاسکے پھر وہ عہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں اسلام لائے وہ تمام کتب سابقہ کے جاننے والے اور مشہور علماء یہود میں سے تھے، ان کے علم کی وجہ سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے استفادہ کرتے تھے، گویا شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے پاس خاص علم تھا جو انہیں کتب سابقہ سے حاصل ہوا تھا۔

یعنی شہادتِ امام حسین اور جنت میں آپ کے مقام کا تذکرہ پہلی کتب سماویہ میں بھی تھا، اور یہ حدیث مستند ہے امام نور الدین ہیثمی اس کے تحت فرماتے ہیں رجالہ ثقات اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 196 مناقب الحسین رضی اللہ عنہ)

باب ہفتم

تاقیامت موجود اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل

گذشتہ صفحات میں ہم۔ نے پہلے مولیٰ علی المرتضی، سیدہ فاطمۃ الزہراء، امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین مقتدیٰ رضی اللہ عنہم کے اجتماعی فضائل بیان کیے، پھر ان میں سے ہر ایک کے انفرادی فضائل لکھے ہیں اب ہم ان کی اولاد و ذریت کے فضائل بیان کرنا چاہتے ہیں جو حقیقت میں ذریت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

پہلی فضیلت: قرآن اور اہل بیت رسول قیامت تک، چشمۂ ہدایت ہیں

نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں جہاں حیاتِ انسانی کے باقی لازوال اصول بیان فرمائے وہاں قرآن اور اپنی اہل بیت کو اپنی دو یادگاریں قرار دیا جن سے آپ کی امت کو تاقیامت ہدایت اور برکت حاصل ہوتی رہے گی۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرفات والے دن حج کے دوران دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے میں نے سنا آپ یوں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے

یاایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی۔

ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت اور میری اہل بیت۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث 3786)

امام ترمذی فرماتے ہیں

وفی الباب عن ابی ذر و ابی سعید و زید بن ارقم و حذیفۃ بن اسید

ابوذر غفاری، ابوسعید خدری، زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے بھی اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں۔

قرآن و اہل بیت کو پکڑے رکھنے کا کیا مطلب ہے؟

امام کبیر شرف الدین حسین بن محمد طیبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح میں فرماتے ہیں:

مَعْنَى التَمَسُّكِ بِالْقُرْآنِ الْعَمَلُ بِمَافِيْهِ وَالتَّمَسُّكِ بِالْعِتْرَةِ مَحَبَّتُهُمْ وَالْاِ هْتَدآءُ بِهُدَاهُمْ وَ سِيْرَتِهِمْ

ترجمہ: قرآن سے تمسک کرنے کا مطلب ہے کہ اس میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے اس پر عمل کیا جائے اور عترت رسول ﷺ سے تمسک کا مطلب ہے کہ ان سے محبت کی جائے ان کی ہدایت اور سیرت سے ہدایت لی جائے۔

(طیبی شرح مشکوٰۃ جلد 11 صفحہ 298 مطبوعہ کراچی)

مشکوٰۃ کی شروح میں سب سے پہلی شرح یہ شرح الطیبی ہے دراصل امام اشرف الدین حسین بن محمد متوفی 742ھ نے اپنے عظیم شاگرد ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کو حکم دیا کہ ایک مجموعہ حدیث تیار کرو جس کی میں شرح لکھوں اور حدیث رسول کے معارف بیان کروں تو انہوں نے امام بغوی کی کتاب مصابیح السنہ میں اضافات وترمیمات کر کے نئی کتاب مشکوۃ المصابیح تیار کی جس پر علامہ طیبی نے شرح لکھی خدا کی قدرت ہے کہ شاگرد کی لکھی ہوئی مشکوٰۃ تو سارے عالم میں مشہور ہوگئی مگر استاد کی شرح پردہِ اخفا میں چلی گئی بہرحال مشکوٰۃ کی تمام شروح کے لیے طیبی ہی اصل ہے بلکہ دیگر کتب حدیث کے شارحین بھی شرح طیبی سے بے پناہ استفادہ کرتے ہیں یہ شروح کی ماں ہے۔

القصہ علامہ طیبی نے اہل بیت رسول ﷺ سے تمسک کا مطلب یہ بتایا ہے کہ ان سے محبت کی جائے اور ان کی نیک سیرت کو اپنایا جائے ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے بات مزید واضح کی ہے فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْاَ خْذِبِهِمْ اَلتَّمَسُّكُ بِمُحَبَّتِهِمْ وَ مُحَافَظَةُ حُرْمَتِهِمْ وَالْعَمَلُ بِرَوَايَتِهِمْ وَالْاِعْتِمَادُ عَلٰى مَقَالَتِهِمْ وَهُوَ لَايُنَافِيْ اَخْذَ السُّنَّةِ مِنْ غَيْرِ هِمْ لِقَوْلِه اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ۔

ترجمہ: اور اہل بیت کو پکڑے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے مضبوط محبت کی جائے ان کی حرمت و تعظیم کی پوری حفاظت کی جائے ان کی روایات پر عمل اور ان کے مقالات پر اعتماد کیا جائے لہٰذا یہ اس بات کی منافی نہیں کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے سے بھی سنت نبوی کا فیض لیا جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پالو گے۔

(المرقات شرح مشکوٰۃ جلد 11 صفحہ 385 مطبوعہ ملتان)

گویا قرآن سے تمسک کا مطلب تو اس پر عمل کرنا ٹھہرا جبکہ اہل بیت سے تمسک کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اہل بیت رسول ﷺ کا ان کی اس عظیم نسبت کی وجہ سے احترام کیا جائے دوسرا یہ کہ ان سے مروی احادیث پر عمل کیا جائے جیسا کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے لے کر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ تک ائمہ اہل بیت سے سینکڑوں ہزاروں احادیث نبویہ

مروی ہیں جوانہوں نے نسل درنسل اپنے آباء واجداد سے روایت کی ہیں جن میں علم وعمل اور حکمت وہدایت کے دریا موجزن ہیں ان پر عمل کیا جائے کیونکہ وہ رسول خدا کے ارشادات ہیں جو ان کے اہل بیت سے ہمیں معلوم ہوئے ہیں۔

یعنی اہل بیت اللہ اور رسول کے مقابلے میں کوئی الگ مرکزِ تقلید نہیں ہیں جیسا کہ شیعوں نے سمجھ لیا بلکہ ان کی اتباع خدا اور رسول ہی کی اتباع کی وجہ سے ہے لہٰذا اس سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ اگر ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے ہمیں ارشاد رسول حاصل ہو تو ہم اس پر بھی عمل کریں گے کہ وہ بھی ارشاد رسول ہے دوسرا یہ کہ اگر کوئی غالی شخص اہل بیت رسول کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کردے جو قرآن وحدیث کے واضح احکامات سے ٹکراتی ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائیگا جیسا کہ اہل تشیع نے اصول کافی سے لیکر وسائل الشیعہ تک اپنی کتابوں میں ائمہ اہل بیت کی طرف جھوٹی حدیثوں کے وہ طومار کھڑے کئے ہیں کہ الامان بلکہ بعض ایسی شرمناک باتیں ہیں کہ خدا کی پناہ خلاصہ یہ ہے کہ اصل اتباع واطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے بس لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اہل بیت کی اتباع یہ ہے کہ جو ارشاد رسول وہ بتائیں اس پر عمل کیا جائے۔

گناہگار راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ تمسک باہل البیت کو ان کی مرویات پر عمل پہ محمول کرنے سے اہل بیت کی خصوصیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ مرویات صحابہ پر عمل بھی اسی طرح ضروری ہے۔

اس لیے اہلِ بیت سے تمسک کا اصل مفہوم یہی ہے کہ ان کی اس عظیم نسبت کے سبب ان کا احترام کیا جائے اور ان سے محبت رکھی جائے۔

اس فضیلت میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو تاقیامت خاندان رسول ﷺ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان پر صدقہ حرام ہے خصوصاً وہ جن کی رگوں میں خون رسول دوڑ رہا ہے جیسا کہ آگے احادیث آرہی ہیں۔

یہ امر کہ اہلِ بیت سے تمسک کا مطلب ان کی محبت وتعظیم ہے اس پر مسلم شریف کی یہ حدیث بھی واضح دلالت کرتی ہے کہ

یزید بن حیان کہتے ہیں میں اور حصین سبرہ اور عمر بن مسلم ہم تینوں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور وہاں بیٹھ گئے۔ حصین کہنے لگا: اے حضرت زید رضی اللہ عنہ! آپ نے بڑی بھلائی پائی کہ آپ کو رسول خدا ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ کی حدیثیں سنیں آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور آپ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔

واقعتاً آپ نے بڑا مرتبہ حاصل کیا ہمیں کوئی ایسی بات سنائیں جو آپ نے رسولِ خدا ﷺ سے سنی ہو۔ آپ نے فرمایا: اے بھتیجے اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں باتیں پرانی ہوگئی ہیں اور جو کچھ رسولِ خدا کے ارشادات یاد تھے ان میں سے کچھ بھول گیا ہوں لہٰذا میں جو بتادوں وہ قبول کرلو مجھے زیادہ تکلیف نہ دو پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ بتانے لگے:

ایک روز (حجۃ الوداع سے واپسی پر) رسولِ کریم ﷺ نے ایک چشمہ پر ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہ چشمہ مکہ و مدینہ کے درمیان تھا اور خُم کے نام سے جانا جاتا تھا آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا: لوگو! میں ایک انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس اللہ کا پیادہ پیغامِ اجل لے آئے اور میں داعی اجل کو لبیک کہہ دوں تو یاد رکھو:

اَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو (ثقل) گراں قیمت چیزیں چھوڑ رہا ہوں جن میں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تو اللہ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے حجت بناؤ۔

نبی اکرم ﷺ کافی دیر تک قرآن پر عمل کرنے کی ترغیب دلاتے رہے اس کے بعد آپ نے دوسری چیز بتاتے ہوئے فرمایا:

وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ۔

ترجمہ: اور دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کا خوف یاد دلاتا ہوں۔

حصین بن سبرہ کہنے لگے: اے حضرت زید!

اَلَيْسَ نِسَآءُهٗ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ۔

کیا آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کے اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟

انہوں نے کہا:

نساءہ من اھل بیتہ ولکن اھل بیتہ من حرم الصدقۃ بعدہ۔

یعنی آپ کی بیویاں بھی آپ کی اہل بیت ہیں لیکن یہاں اہلِ بیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر آپ کے بعد (تاقیامت) صدقہ حرام کیا گیا ہے۔

حصین نے پوچھا: وہ کون لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام کیا گیا ہے؟ فرمایا:

ھم آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس۔

ترجمہ: وہ حضرت علی حضرت عقیل حضرت جعفر طیار اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی اولاد ہے۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۶۲۲۵)

اس حدیث مبارک کو دیکھیں اس میں نبی اکرم ﷺ نے قرآن اور اپنی اہلِ بیت کو ثقلین یعنی دو گراں قیمت سرمائے قرار دیا ہے جو آپ نے اپنی امت کے لیے چھوڑے۔ قرآن اور اہلِ بیت رسول۔ قرآن کے متعلق تو آپ نے

عمل کی ترغیب دلائی اور کثرت سے دلائی جب کہ اپنے اہلِ بیت کے متعلق یہی فرمایا کہ لوگو میں تمہیں ان کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں یعنی میرے ذریعے سے ان کا اللہ سے ایک تعلق ہے ان کی تعظیم کرو گے تو اللہ خوش ہوگا ان کی بے ادبی اور تحقیر سے اللہ ناراض ہوگا۔ صاف معلوم ہوا کہ اہلِ بیت سے تمسک کا مطلب ان کی تعظیم اور محبت ہے۔

لہٰذا وہ بحث از خود ختم ہوگئی جو محدث کامل حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ جیسے قرآن سے تمسک کا مطلب اس کی اتباع ہے اسی طرح اہلِ بیت سے تمسک بھی ان کی اتباع پر مبنی ہے۔ لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ حدیث میں اہلِ بیت سے یا تو بارہ ائمہ اہلِ بیت مراد ہیں یا وہ فقہاء و مجتہدین اور علماء و صالحین مراد ہیں جو سادات کرام میں گذرے ہیں یا موجود ہیں اس لیے کہ وہی لائق اتباع ہیں نہ کہ ہر سید اور اہلِ بیت رسول کا ہر فرد واجب الاتباع ہے کیونکہ بعض اہلِ بیت عمل کے اعتبار سے فسق و فجور میں بھی مبتلا ہیں اس پر علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الشرف المؤبد میں باادب لہجے میں ان پر رد فرمایا کہ حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں جو لفظ اہلِ بیت کو صرف ان کے فقہا و مجتہدین یا علماء سے خاص کرے اس کے بعد علامہ نبہانی علیہ الرحمہ نے طویل گفتگو فرمائی۔

مگر جب حدیث کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت رکھو تو میں ان کے فقہاء و مجتہدین اور صالحین کی کوئی قید نہ رہی جو بھی آلِ رسول ﷺ میں سے ہے اس کی اس نسبت کی وجہ سے اس کا احترام اور پیار لازم ہے۔ خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم، صالح ہو یا غیر صالح، حتیٰ کہ اگر وہ فاسق و فاجر مگر صحیح العقیدہ ہو تو اس سے نفرت جائز نہیں۔ اور اس کی نسبت سیادت کا احترام لازم ہے۔ البتہ اس کی اصلاح لازم ہے اگر اس سے قابل حد جرم صادر ہو تو اس پہ حد شرعی بھی نافذ ہوگی مگر مقصد اس کی بے ادبی نہ ہو بلکہ یہ مقصد ہو کہ شاہزادے کے پاؤں کو مٹی لگی ہے جسے ہم جھاڑ رہے ہیں۔ اس مفہوم کے مطابق حدیث بے غبار ہے کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

کیا سادات پر تنقید کی جا سکتی ہے؟

یعنی جب اہلِ بیت سے تمسک کا مطلب ان کی محبت و تعظیم ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں اس لیے کہ جو شخص بھی آلِ رسول اور اہلِ بیت نبی سے ہے اس کی تعظیم بہر حال واجب ہے اگر وہ خدانخواستہ بدکار و بدکردار ہے تو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اس سے باز آجائے اس پر تنقید بھی کی جا سکتی ہے مگر اصلاحی انداز میں تحقیر و تذلیل کے انداز میں نہیں کہ یہ اولادِ رسول کی تحقیر تصور کی جائے گی جو کفر تک پہنچا سکتی ہے اگر کسی سیدزادے سے کسی شخص پر زیادتی ہوئی ہے ظلم ہوا ہے تو وہ اس کے ازالے کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے مگر طیش میں آکر اگر اس نے کہہ دیا کہ یہ سید ہوتے ہی ایسے ہیں تو پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہوگیا اور عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہرا اگر سیدزادے سے لائق حد جرم ہوا اور عدالت میں ثابت ہوگیا تو اس پر شرعی حد جاری کی جائے گی مگر اس میں نیت یہی کی جائے گی کہ ہم ایک سید

زادے کو گناہوں سے بچا رہے ہیں۔

حدیث مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حرمت و توقیر ہر اس شخص کو حاصل ہے جو صدقہ لینے سے محروم ہے یعنی اس پر زکوٰۃ لینا حرام ہے، اور اہلِ بیت کو یہ شرف تاقیامت حاصل رہے گا۔

ایک اعتراض۔کیا سنیوں نے حدیث ثقلین پر عمل نہیں کیا؟

اہلِ تشیع عموماً یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اہلِ سنت نے حدیث ثقلین پر عمل نہیں کیا اور امام جعفر رضی اللہ عنہ و امام باقر رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اہلِ بیت کی اتباع کے بجائے ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے پیچھے لگ گئے۔ حدیث ثقلین پر عمل کا حق تو اہلِ تشیع نے ادا کیا ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں دامن اہلِ بیت ہے۔

جواب اول

(اہلِ بیت سے تمسک کا معنی ان کی محبت ہے نہ کہ ہر فرد اہلِ بیت کو مطاع ماننا)

قارئین کرام! شیعوں کا یہ اعتراض محض بے جا ہے دراصل شیعہ ہمیں اتباعِ اہلِ بیت کے جس مفہوم کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ سراسر بے دینی اور الحاد کا دوسرا نام ہے۔شیعوں نے اہلِ بیت میں بارہ (12) افراد کا ازخود انتخاب کر کے انہیں انبیاء کی طرح اللہ کی طرف سے منصوص امام قرار دیا ہے اور ان کی امامت کے منکر کو کافر قرار دے دیا ہے۔وہ بارہ (12) یہ ہیں: حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن، امام حسین، حضرت زین العابدین، حضرت امام باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام رضا، امام تقی، امام علی نقی، حضرت حسن عسکری اور امام مہدی۔شیعوں نے ان بارہ (12) کو انبیاء کی طرح معصوم اور منصوص من اللہ مانا ہے اور درپردہ اجرائے نبوت کی ایک صورت اختیار کی ہے اور جس طرح انہوں نے اہلِ بیت کی اتباع کی ہے اس کا حدیث ثقلین کے مفہوم سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ پیچھے بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن سے تمسک کا معنی اس پر عمل کرنا ہے اور اہلِ بیت سے تمسک کا مفہوم ان سے محبت رکھنا ہے اور الحمدللہ اہلِ سنت قرآن پر عمل بھی کرتے ہیں اور اہلِ بیت سے محبت بھی رکھتے ہیں۔اہلِ بیت سے تمسک کا معنی یہ نہیں کہ جو شخص بھی اہلِ بیت سے ہو اس کے ہر عمل کی اتباع کرو اس لیے کہ یہ ضروری نہیں کہ اہلِ بیت کا ہر شخص دین پر پوری طرح عمل کرتا ہو ان سے بشری تقاضوں کے تحت خلافِ شرع امور بھی سرزد ہو سکتے ہیں تو یہ معنی نہیں ہو سکتا کہ ہر سید کی اتباع کرو خواہ وہ جو کچھ کرے یا کہے کیونکہ اتباع صرف قرآن و سنت کی ہے تاہم بحیثیت اہلِ بیت ان کا ادب بہر حال لازم ہے اور یہی حدیث ثقلین کے مطابق اہلِ بیت سے تمسک ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ سنیوں نے ائمہ اہلِ بیت کی اتباع نہیں کی اور انہیں چھوڑ کر دوسرے اماموں کی اتباع میں پڑ گئے اس لیے کہ اتباع صرف قرآن کی ہے اور قرآن کی تشریح کے لیے سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔

ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی۔ (سورہ محمد، آیت 33)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ ۚ

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (سورۃ النساء آیت 80)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝31

ترجمہ: فرمادیں اے رسول کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ (سورۃ آل عمران آیت 31)

گویا اتباع اور اطاعت صرف قرآن کی ہے اور قرآن کی تشریح کے لیے حدیث رسول ہے کیوں کہ قرآن کی تشریح کے لیے اللہ نے اپنا رسول مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔

ترجمہ: تاکہ آپ لوگوں کو اس وحی کی وضاحت کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی۔ (سورۃ النحل آیت 44)

اللہ نے قرآن میں اللہ اور رسول کے بعد کسی اور کی اطاعت اور اتباع کا حکم نہیں دیا اس لیے حدیث ثقلین میں اتباع کا حکم صرف قرآن کے لیے ہے جبکہ اہلِ بیت کے لیے اتباع کا نہیں محبت کا حکم ہے یہ ہم ابھی دوسرے جواب میں واضح کر دیں گے کہ سنیوں نے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ کیوں اپنائی اور جعفری فقہ کیوں چھوڑی؟

سر دست آئیے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانِ فیض ترجمان سے فیصلہ کرواتے ہیں کہ حدیث ثقلین کا کیا معنی ہے اور قرآن سے تمسک کا کیا معنی ہے اور اہلِ بیت سے تمسک کا کیا معنی ہے؟ حضرت علی کا یہ ارشاد نہج البلاغہ میں یوں مذکور ہے:

الم اعمل فیکم بالثقل الاکبر و اترك فیکم الثقل الاصغر۔

ترجمہ: کیا میں نے تم میں ثقل اکبر (قرآن) پر عمل نہیں کیا اور تمہارے درمیان ثقل اصغر (اہلِ بیت) کو نہیں چھوڑا۔ (نہج البلاغہ خطبہ 87 صفحہ 120 مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل اور اتباع کا تعلق صرف قرآن سے قائم کیا ہے جبکہ ثقل اصغر یعنی اہلِ بیت کے لیے اتنا ہی فرمایا کہ اسے لوگوں میں باقی رکھا گیا ہے تاکہ ان سے رشتہ محبت جوڑ کر ہم اللہ اور اس کے رسول کا قرب حاصل کر لیں۔

شیعوں کا بہت بڑا علامہ کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی حضرت علی کے مذکورہ ارشاد کی وضاحت اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں یوں کرتا ہے:

والثقل الاكبر كتاب الله واشار بكونه اكبر الى انه الاصل المتبع المقتدى.

ترجمہ: اور ثقل اکبر اللہ کی کتاب ہے اور اس لیے اکبر کو حضرت علی نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اصل میں اتباع اور اقتداء صرف قرآن ہی کی ہے۔

(شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد 2 صفحہ 303 مطبوعہ دار الثقلین تہران ایران)

ایک اور جگہ نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے:

و عليكم بكتاب الله فانه الحبل المتين والنور المبين والشفاء النافع والرى الناقع والعصمة لِلْمتمسّك والنجا للمتعلق.

ترجمہ: اور تم پر اے لوگو اللہ کی کتاب کا پکڑنا ضروری ہے کہ وہی مضبوط رسی اور کھلا نور ہے اور وہی نافع شفاء اور مکمل سیرابی ہے، جو اس سے لپٹ جائے اس کے لیے عصمت ہے اور جو اس کا دامن تھام لے اس کے لیے نجات۔ (نہج البلاغہ خطبہ 156 صفحہ 219 مطبوعہ دار البلاغہ)

کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات کے بعد کسی شیعہ کو کوئی شک باقی رہ جاتا ہے کہ حدیث ثقلین میں اتباع کا حکم صرف قرآن کے لیے ہے۔

اس کے بعد شیعوں کے نزدیک دوسرے امام معصوم سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں آیئے ان کا ارشاد بھی سن لیں آپ نے تو کوئی شک رہنے ہی نہیں دیا۔ علامہ طبرسی شیعہ نقل کرتا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک بار خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں آپ نے اہلِ بیت پر زور دیتے ہوئے لوگوں سے پوچھا:

''کیا تم جانتے ہو کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا: اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اسے پکڑے رکھا تو گمراہ نہ ہو گے۔ كِتَابُ اللهِ وَ عِتْرَتِيْ اللہ کی کتاب اور میری عترت۔ پھر آپ نے قرآن کے متعلق فرمایا: لوگو قرآن کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو اس کے محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان رکھو۔ پھر اہلِ بیت کے متعلق فرمایا:

اجلوا اهل بيتى و عترتى ووالوا من والاهم و عادوا من عاداهم وانصروهم على من عاداهم.

ترجمہ: میرے اہلِ بیت عترت کا احترام کرو جو ان سے محبت رکھے تم اس سے محبت رکھو اور جو ان سے دشمنی کرے تم اس سے دشمنی کرو اور ان کے دشمن کے مقابلے میں ان کی مدد کرو۔

(احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ 406 موسسۃ الاعلمی بیروت)

یہ حدیث ثقلین کے وہ کلمات ہیں جو امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں ان کے ہوتے ہوئے بہت واضح ہوگیا کہ حدیث ثقلین میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ ہر اہلِ بیت کی اتباع کرو خواہ جو بھی کرے یا کہے بلکہ صرف ان سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ان کی اتباع انہی امور میں کی جائے گی جن میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کریں۔اگر کوئی سید صاحب کہیں شراب پیو یا فلاں خلافِ شریعت کام کرو تو ایسے گناہ کے لئے اس کے کسی حکم کی کوئی حیثیت نہیں ہر صورت عمل شریعت پر ہوگا۔

دوسرا جواب

شیعوں نے ائمہ اہلِ بیت کی روایات کو قابلِ عمل نہیں رہنے دیا اس لیے ہم اصول کافی و فروع کافی اور الاستبصار وغیرہ میں ائمہ اہلِ بیت کی طرف روایات کے ان طوماروں پر کچھ کان نہیں دھرتے جو شیعوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر ان کی طرف منسوب کیے ہیں اور ان پر اپنے مذہب اور اپنی فقہ کی بنیاد رکھی ہے۔یہ روایات اتنی غلیظ اور دل آزار ہیں کہ استغفر اللہ مثلاً دو شیعہ راوی حسین بن ثوید اور ابوسلمہ سراج روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر علیہ السلام ہر نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر ہمیشہ لعنت کرتے تھے:

فلان و فلان و فلان و معاویة یسمیھم و فلانة و فلانه و ھند و ام الحکم اخت معاویه.

ترجمہ: فلاں،فلاں،فلاں اور معاویہ اور فلانی اور فلانی اور ہند اور معاویہ کی بہن ام الحکم پر۔(نقل کفر،کفر نباشد)
(فروع کافی کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء بعد الصلوٰۃ جلد 3 صفحہ 342 مطبوعہ تہران)

ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ فلاں،فلاں اور فلاں سے مراد شیعوں نے ابوبکر صدیق،عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو مراد لیا ہے کیونکہ چوتھے نمبر پر امیر معاویہ کا ذکر اس امر کی واضح دلیل ہے اور فلانی اور فلانی عورت سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما مراد ہیں صرف شیعوں میں جرات نہیں کہ ان کا نام لے سکیں ورنہ اہلِ اسلام کے سامنے ان کا مکروہ چہرہ آشکار و بے نقاب ہو جائے ایسی گندی روایات شیعہ اپنی طرف سے گھڑ کر امام باقر،امام جعفر اور دیگر ائمہ اہلِ بیت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔اب مذکورہ بالا خبیث روایت سے حجت پکڑ کر شیعوں کے ملا کلینی نے فروع کافی میں یہ فقہی مسئلہ قائم کر دیا کہ ہر نماز کے بعد خلفاء راشدین پر امام جعفر کی اتباع میں لعنت کرنی چاہیے اور فقہ جعفریہ ایسی ہی غلیظ روایات کا مجموعہ ہے۔

اب بتائیے کیا ایسی فقہ اور اس کی ایسی روایات پر عمل کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ فقہ جو خلفاء راشدین پر لعنت کا سبق سکھائے خود قابل لعنت ہے کیونکہ خلفاء راشدین کی بیعت حضرت علی نے کی اور پھر حضرت علی ان کے مشیر و وزیر رہے اس

پر خود کتب شیعہ گواہ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے میرے والد ماجد کی عظیم تصنیف تحفہ جعفریہ وغیرہ۔ حقیقت میں فقہ جعفری فقہ اہل بیت نہیں ہے، بلکہ فقہ اہل تشیع ہے۔

اس طرح ایک اور روایت ملاحظہ کریں۔

جابر نے امام باقر سے روایت کیا ہے کہ قرآن کی اس آیت:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا۔

یعنی وہ لوگ کہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پوجتے ہیں وہ دوسرے تو ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔(سورۃ الحج آیت 73)

اس آیت میں اللہ کے سوا دوسروں کو پوجنے والوں سے مراد اول ثانی اور ثالث مراد ہیں۔

کذبوا رسول الله بقوله والوا علیا واتبعوه فعادوا علیا ولم یوالوه ودعوا الناس الی ولایة انفسهم۔

کیونکہ ان تینوں (اول، دوم اور سوم) نے رسول اللہ ﷺ کے قول کہ علی سے محبت کرو اور اس کی اتباع کرو کی مخالفت کرتے ہوئے علی سے دشمنی کی اور لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف دعوت دی۔

(تفسیر عیاشی مصنفہ منصور بن عیاش جلد 2 صفحہ 256 مطبوعہ کتاب فروشی اسلام، تہران ایران)

کون احمق یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہاں شیعوں نے اول، دوم اور سوم سے ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو مراد لیا ہے۔ جب اتنی خبیث روایات پر کسی فقہ کی بنیاد رکھی جائے تو مسلمان اسے کیسے تسلیم کر سکتے ہیں اس لیے اہلِ سنت نے فقہ جعفری چھوڑ کر فقہ حنفی وغیرہ کو سینے سے لگایا اور ایسی فقہ جعفری کو دور سے سلام کیا۔

امام جعفر صادق خود فرماتے تھے لوگو لا تقبلوا علینا حدیثا الا ما وافق القرآن والسنة۔ ہم اہلِ بیت کی طرف سے تمہیں جو حدیث قرآن وسنت کے موافق ملے اسے لے لو۔

پھر فرمایا: بے شک مغیرہ بن سعید نے میرے والد (امام باقر رضی اللہ عنہ) کے ساتھیوں کی کتابوں میں اپنی طرف سے روایتیں ڈال دیں خدا اس پر لعنت کرے۔

اسی طرح امام حسن عسکری کے سامنے امام جعفر کی طرف منسوب بہت سی احادیث پیش کی گئیں تو آپ نے ان سے انکار کیا اور فرمایا:

ان ابا الخطاب کذب علی ابی لعن الله ابا الخطاب۔

ترجمہ: بے شک ابوالخطاب (شیعہ) نے امام جعفر صادق کی طرف جھوٹی روایتیں منسوب کی ہیں خدا اس پر لعنت کرے۔ (رجال کشی صفحہ 195 مصنفہ محمد بن عمر کشی، مطبوعہ مکتبۃ العلامۃ المصطفوی، قاہرہ، مصر)

جواب سوم

ہم اہلِ سنت ائمہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے وہ روایات جو قرآن و سنت کے مطابق ہیں اور مذکورہ بالا ایسے کذاب راویوں کی دست برد سے محفوظ ہیں نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ وہ ہمارے لیے حکمت کے خزانوں کا درجہ رکھتی ہیں چنانچہ بخاری مسلم اور دیگر کتب صحاح وغیرہ میں حضرت علی امام حسن امام حسین اور دیگر ائمہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے مروی سینکڑوں احادیث و آثار موجود ہیں دس بارہ سال قبل ہندوستان کے ایک سنی عالم محمد بن محمد باقری کی مسند اہلِ بیت کے نام سے ایک کتاب لاہور سے چھپی تھی جو ہمارے ادارہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اس میں صحیح بخاری سے لے کر ابن ماجہ تک اور دار قطنی سے مستدرک تک اور کنز العمال سے ابن شاہین تک اہلِ سنت کی 83 کتب حدیث کا مطالعہ کر کے سولہ سو سے زائد وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو ائمہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور انہیں فقہی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے یہ قابل قدر کاوش ہے اور اس سے شیعوں کا یہ الزام قطعاً ختم ہوگیا ہے کہ سنی لوگ ائمہ اہلِ بیت سے بغض رکھتے ہیں اس لیے ان کے ارشادات کو نہ نقل کرتے ہیں نہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ صرف مسند احمد بن حنبل میں اہل بیت رسول ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔

اسی طرح امام طبرانی کی معجم کبیر کی جلد 3 اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اس میں صرف امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں یا ان دونوں سے مروی احادیث 340 ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس سے جو اہل بیت رسول ﷺ کے عظیم چشم و چراغ ہیں سے تنہا امام طبرانی نے دو ہزار چار سو اڑسٹھ (2468) احادیث روایت کی ہیں اسی طرح انہوں نے مولیٰ علی المرتضیٰ، سیدہ خاتون جنت، حضرت امیر حمزہ، حضرت عقیل، حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر افرادِ اہل بیت سے جو سینکڑوں احادیث روایت کی ہیں وہ اس کے سوا ہیں۔ اندازہ کریں یہ صرف امام طبرانی کی مرویات ہیں جو اہل بیت رسول ﷺ سے روایت کی گئی ہیں۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ آئمہ اہل سنت نے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے کتنی ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ اہل سنت نے ثقل اصغر اہل بیت رسول کی چھوڑ دیا کتنا بڑا جھوٹ ہے، دراصل شیعوں نے اہل بیت رسول کو صرف بارہ افراد میں منحصر کر دیا ہے وہ صرف انہی کے اقوال اور انہی کی روایات کو دلیل سمجھتے ہیں کسی اور کی وہ کوئی اہمیت ہی نہیں جانتے۔ جبکہ اہل سنت کے نزدیک آل رسول کا ہر فرد چمنستان رسالت کا پھول ہے۔ خواہ وہ بارہ آئمہ کرام ہوں، حضراتِ جعفر و عقیل ہوں، ابن عباس ہوں یا کوئی اور۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

دوسری فضیلت: قرآن اور اہلِ بیت رسول ﷺ حوضِ کوثر تک آدمی کا ساتھ دیں گے

عن زید بن ارقم قال قال رسول الله ﷺ اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللهِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ وَ عِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ وَ لَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰى یردا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَیْفَ تخلفونِیْ فِیْهِمَا۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ رہا ہوں اگر تم اسے پکڑے رکھو تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے وہ دو چیزیں ہیں ان میں سے ایک چیز دوسری سے بڑی ہے ایک اللہ کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکتی ہوئی رسی ہے اور دوسری میری عترت اور اہلِ بیت ہے اور یہ جدا نہیں ہوں گی تا آنکہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گی تو خیال رکھنا کہ میرے بعد ان سے تم کیا سلوک کرتے ہو۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب، مناقب اہل بیت النبی ﷺ حدیث 3788)

یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ اہلِ بیت سے مراد وہ سب لوگ ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی نسل مبارک میں تاقیامت چل رہے ہیں۔

یہاں ارشاد رسول ﷺ ولن یتفرقا یعنی قرآن اور اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ جدا نہیں ہوں گے تا آنکہ حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں۔ قابلِ غور ہے اس کا مفہوم طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو آدمی قرآن و اہلِ بیت سے وابستہ رہے گا تو یہ دونوں چیزیں بھی اس سے جدا نہیں ہوں گی تا آنکہ حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں گی اور نبی اکرم ﷺ سے جا کر شفاعت کریں گے کہ یا رسول اللہ ﷺ اس آدمی نے ہمارا دامن نہیں چھوڑا تو ہم بھی اسے نہیں چھوڑیں گے تا آنکہ اس کی بخشش ہو جائے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں:

فلا یفارقانه حتی یردا الحوض فشکرا صنیعه عند رسول الله ﷺ۔

ترجمہ: قرآن و اہلِ بیت اس آدمی کو نہ چھوڑیں گے تا آنکہ حوضِ کوثر تک جا پہنچیں گے اور رسولِ خدا کے پاس اس آدمی کے عمل کی تعریف کریں گے۔ (شرح طیبی علی المشکوۃ جلد 11 صفحہ 299)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ ایمان افروز حکمت بیان فرمائی ہے کہ اللہ نے فرمایا: اے نبی اکرم ﷺ آپ فرما دیں:

لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى ط

میں نے تمہیں جو قرآن پہنچایا ہے اس کے بدلہ میں اپنے اہلِ بیت کی محبت کے سوا کچھ نہیں مانگتا تو جو قرآن کی قدر کرے گا وہ اہلِ بیت سے بھی محبت رکھے گا۔ اس لیے قرآن اور اہلِ بیت بھی اس آدمی کا حشر تک ساتھ دیں گے اور حوضِ کوثر پر سید الانبیاء ﷺ سے شفاعت کروا کر اسے جنت میں لے جائیں گے۔ (ملخصاً)

(مرقات شرح مشکوۃ جلد 11 صفحہ 386 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

قرآن کا روزِ قیامت آدمی سے جدا نہ ہونا اور اس کی شفاعت کروانا بالکل ظاہر ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو آدمی سورۃ ملک پڑھا کرے یہ سورۃ روزِ قیامت اللہ سے اس آدمی کی مغفرت کے لیے جھگڑا کرے گی اور نہیں چھوڑے گی جب تک اس کی شفاعت نہ کروالے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

جبکہ اہلِ بیت رسول کا روزِ قیامت ساتھ نہ چھوڑنا بھی ظاہر ہے۔ اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ کو اپنی اس نسبت کی وجہ سے روزِ قیامت رسول کریم ﷺ کی خصوصی شفاعت نصیب ہوگی جیسا کہ آگے احادیث آ رہی ہیں تو اپنی مغفرت کے بعد وہ ان لوگوں کی سفارش کریں گے جنہوں نے ان سے دنیا میں محبت کی اور ان کی تعظیم بجالائے۔ حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے کہ ایک آدمی کو قیامت میں اذنِ جنت ہوگا وہ جنت کو جا رہا ہوگا کہ ایک آدمی اس کا دامن پکڑ کر کہے گا تم مجھے پہچانتے نہیں میں نے دنیا میں فلاں موقع پر تمہیں وضو کرایا تھا میری ابھی بخشش نہیں ہوئی تو وہ اس کی اللہ سے سفارش کرے گا کہ اے اللہ اس نے مجھے وضو کرایا تھا اگر یہ دوزخ میں گیا تو مجھے دکھ ہوگا اللہ اسے بھی بخش دے گا۔

جب ایک عام جنتی کا یہ مقام ہے کہ وضو کرانے والے کو مغفرت دلائے بغیر نہیں چھوڑتا تو اہلِ بیت رسول ﷺ اپنے چاہنے والوں کو کب چھوڑیں گے اور ایسی کثیر روایات و حکایات ہیں کہ جن لوگوں نے آلِ رسول ﷺ کی تعظیم کی اللہ نے انہیں اس کا بڑا اجر دیا اور اہلِ بیت نے اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو اس کا عظیم بدلہ دیا۔ یہاں وہ حکایات لکھنے کی گنجائش نہیں البتہ ایک حدیث مبارک یہاں لکھ دینا حکمت سے خالی نہیں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَنَعَ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ وُلْدِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَدًا فَلَمْ یُکَافِهٖ بِهَا فِی الدُّنْیَا فَعَلَیَّ مَکَافَاتُه غَدًا اِذَا لَقِیَنِیْ۔

ترجمہ: جس شخص نے اولادِ عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ احسان کیا اور وہ دنیا میں اس کا بدلہ نہ دے سکا تو روزِ قیامت جب وہ مجھے ملے گا تو اس کا بدلہ مجھ پر لازم ہوگا۔ (میں اس کا بدلہ دوں گا)

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 176 مناقب اہل بیت النبی ﷺ)

ثابت ہوا آلِ رسول ﷺ سے جو شخص محبت رکھتا ہے آلِ رسول قیامت کے دن اپنے نانا جان سید عالم ﷺ سے

اس کی سفارش کریں گے اور آپ ﷺ اس کا بدلہ ضرور عطا فرمائیں گے۔ یہی اس حدیث ثقلین کا مفہوم ہے کہ قرآن اور اہلِ بیت آدمی کا بدلہ دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے اور حوضِ کوثر پر رسول اکرم ﷺ کے دربار تک آدمی کا ساتھ دیں گے۔

تیسری فضیلت: اہلِ بیت رسول ﷺ کی مثال کشتی نوح جیسی ہے

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ وَمَن قَاتَلَنَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ كَمَنْ قَاتَلَ مَعَ الدَّجَّالِ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اہلِ بیت کی مثال کشتی نوح علیہ السلام جیسی ہے جو اس میں سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہوگیا اور جو شخص آخری زمانے میں ہم (اہلِ بیت) سے لڑے گا وہ ایسے ہے جیسے اس نے دجال کا ساتھی بن کر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) جنگ کی۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 171 بروایت بزار وطبرانی)

یہ حدیث مبارک بھی بتا رہی ہے کہ تا قیامت اہلِ بیت رسول کا احترام بہت ضروری ہے اور امت میں ان کی مثال کشتی نوح علیہ السلام جیسی ہے جو ان کی محبت میں زندہ رہے گا وہ اہلِ کشتی کی طرح نجات پائے گا اور جو ان سے عداوت رکھے گا وہ ہلاک ہوگا اور یہ سلسلہ روزِ حشر تک جاری رہے گا۔ اگر قربِ قیامت میں بھی کسی نے اہلِ بیتِ رسول سے دشمنی کی وہ دجال کا ساتھی شمار ہوگا۔ اس حدیث کی مزید تائید بھی دیکھیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سفينة نوح من رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 171 بحوالہ بزار وطبرانی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی جیسی ہے جو اس پر سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا اور جو ان سے دور ہوا وہ غرق ہوگیا۔

(3) عن ابی سعید الخدری قال سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّمَا مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي فِيْكُمْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ وَ اِنَّمَا مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي فِيْكُمْ مَثَلُ بَابِ حِطَّةٍ فِي بَنِي اِسْرَائِيْلَ مَنْ دَخَلَه غُفِرَلَه۔

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سنا نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے میرے اہل بیت کی مثال تو کشتی نوح علیہ السلام جیسی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا وہ غرق ہوگیا اور میرے اہلِ بیت کی مثال تو بنی اسرائیل کے دروازۂ بخشش کی طرح ہی ہے جو اس میں داخل ہوا اس کی بخشش ہوگئی۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 171 بحوالہ طبرانی اوسط وصغیر)

جیسے نوح علیہ السلام کی کشتی نجات کی علامت ہے جس نے بچنا ہو وہ اس میں آجائے اور جس نے ہلاک ہونا ہو وہ بے شک نہ آئے اسی طرح جو جنت میں جانا چاہتا ہے اسے اہلِ بیت کا دامن پکڑنا پڑے گا یعنی وہ دل میں ان کا ادب و احترام پیدا کرے ان کی خیر خواہی کرے کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اہلِ بیت کی دل شکنی ہو۔ کسی عاشق اہلِ بیت نے کہا ہے:

اے غرقۂ گناہ ز طوفان غم مترس
کشتیٔ نوح عصمتِ آلِ محمد است

اس حدیث کی اسناد میں بعض راویوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ تاہم یہ متعدد طرق سے مختلف صحابہ کرام سے مروی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری، عبداللہ بن زبیر اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم شامل ہیں تو یہ تعدد طرق بھی حدیث کا اسنادی ضعف ختم کر دیتا ہے اور حدیث لائق حجت بن جاتی ہے۔

یہاں ایک لطیف نقطہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اہلِ بیت کو کشتی نوح سے تشبیہ دی ہے اور اپنے صحابہ کرام کو ہدایت کے ستارے قرار دیا ہے۔ فرمایا:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ۔

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پالو گے۔

(لسان المیزان جلد 2 صفحہ 488 مکتبۃ الاعلمی بیروت)

اب جو لوگ کشتی میں سمندر کا سفر کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ کشتی کی سلامتی کا بھی خیال رکھیں اور ستاروں کو بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ کشتی ٹوٹی تو ڈوب جائیں گے ستاروں پہ نظر نہ رکھی تو منزل سے دور بھٹک جائیں گے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی آلِ پاک ہمارے لیے مثل کشتی ہیں اور صحابہ کرام ستاروں کی طرح۔ اگر کشتی حبِ آلِ رسول ﷺ میں سوار نہ ہوئے تو ہم بحر ضلالت میں ڈوب جائیں گے اور صحابہ کرام کی پاک سیرتوں کے چمکتے ستارے بھی ہم نے پیشِ نظر نہ رکھے تو گمراہی کے طوفانوں میں گھِر کر ساحل نجات تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اہلِ سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

یعنی الحمدللہ ہم اہلِ سنت نہ خارجی ہیں کہ حبِ اہلِ بیت والی ناؤ میں سوار نہ ہوں اور نہ رافضی ہیں کہ اصحاب حضور ﷺ والے نجم سے ہدایت نہ لیں۔ ہمارا بیڑا اللہ کے فضل سے پار ہے اور خارجیوں، رافضیوں کا بیڑا غرقِ منجدھار ہے۔

چوتھی فضیلت: میری رشتہ داری قیامت کو بھی کام آئے گی (حدیث)

یاد رہے روزِ قیامت کا عمومی اصول یہ ہے کہ خونی رشتے یا سسرالی رشتے کی وجہ سے کوئی کسی کا بھلا نہیں کرے گا۔ قرآن فرماتا ہے کہ اس دن انسان اپنے بھائی، اپنی ماں اور اپنے باپ سے دور بھاگے گا اور بیوی اور بچوں سے بھی دور بھاگے گا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾

جس دن انسان اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹے سے بھاگے گا، (سورہ عبس آیت 34۔36)

قیامت کو صرف ایمانی و روحانی رشتے کام آئیں گے اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ فرماتا ہے:

فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾

ترجمہ: تو اس دن ان کے درمیان کوئی نسب نہیں ہوگا اور نہ ہی نسب کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (وہاں صرف ایمان اور عمل کے متعلق پوچھا جائے گا) (سورہ المؤمنون، آیت 101)

مگر نبی اکرم ﷺ اور آپ کی اولاد سے جس شخص کی نسبی یا سسرالی یا دامادی رشتہ داری ہوگی وہ معتبر ہوگی اور اس رشتہ داری کا اسے فائدہ ہوگا اور یہ احترام رسول ﷺ کی وجہ سے ہوگا اللہ اپنے محبوب کا مقام بلند فرمائے گا۔ (چنانچہ چند احادیث پیش خدمت ہیں)

(1) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (اپنے دورِ خلافت میں) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اپنے لیے ان کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ مانگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ ابھی چھوٹی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا:

كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ۔

ترجمہ: ہر رشتہ داری اور نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا (فائدہ نہیں دے گا) مگر میری رشتہ داری اور میرا نسب نہیں کٹے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ حدیث سنانے کے بعد) کہا:

فَأَحْبَبْتُ أَنْ يَّكُوْنَ لِيْ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ سَبَبٌ وَّنَسَبٌ۔

ترجمہ: تو میں نے پسند کیا کہ رسول اکرم ﷺ سے میرا رشتہ اور نسب جڑ جائے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

زوجا عمكما۔

ترجمہ: اپنے چچا (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) سے یہ نکاح کر دو۔

انہوں نے کہا: وہ بااختیار عورت ہے اپنے لیے جو چاہے پسند کر سکتی ہے۔ (یعنی ہماری بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا اتنی چھوٹی بھی نہیں، بالغہ ہے اور بااختیار ہے اگر وہ چاہتی ہے تو آپ عمر فاروق سے اس کی شادی کر دیں نہیں چاہتی تو نہ کریں ہم سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟

فقام علی رضی اللہ عنہ مغضبًا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ غصے میں کھڑے ہو گئے۔

(کہ میرے بیٹوں نے مجھ پر یہ بات ڈال دی ہے خود اس معاملہ سے الگ کیوں ہوئے ہیں؟)

تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا:

لا صبر علی هجرانك یا ابتاه۔

ترجمہ: اے ابا جان آپ کی ناراضگی ہمیں برداشت نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا:

فزوجاه۔

تو پھر عمر فاروق سے شادی کر دو۔ (سنن کبریٰ، امام بیہقی جلد 7 کتاب النکاح صفحہ 114 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

یہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی سگی بہن تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر قریباً چودہ سال تھی اور عرب میں یہ رواج شروع سے اب تک آ رہا ہے کہ وہ کم عمر لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی اس کی بین دلیل ہے۔ البتہ ہمارے ہاں ہند و پاک میں یہ رواج کبھی نہیں رہا۔ اس لیے عموماً ایسی شادی کامیاب نہیں رہتی۔ بعض کامیاب بھی دیکھی گئی ہیں مگر عرب میں عموماً کامیاب رہتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس نکاح میں دلچسپی لینے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے رشتوں کی کمی نہیں۔ میں امیر المومنین ہوں مجھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آتا ہے کہ روزِ قیامت صرف میری رشتہ داری اور میرا نسب کام آئے گا۔

(2) ابن سعد عن انس بن عیاض عن جعفر بن محمد عن ابیه ان عمر خطب ام کلثوم الی علی فقال انما حبست بناتی علی بنی جعفر فقال زوجنیها فو الله ما علی ظهر

الارض رجل یرصد من کرامتہا ما ارصد قال قد فعلت فجاء عمر الی المہاجرین فقال زفونی فزفوہ فقالوا بمن تزوجت؟ قال بنت علی ان النبی ﷺ قال کل نسب و سبب سیقطع یوم القیامة الا نسبی و سببی و کنت قد صاھرت فاحببت ھذا ایضاً۔

ترجمہ: امام ابن سعد انس بن عیاض کے واسطے سے امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا۔ انہوں نے کہا: آپ بیٹی کا رشتہ مجھے ضرور دیں خدا کی قسم اس روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں جو آپ کی بیٹی کے ذریعے اس قدر فضیلت کا طلب گار ہو جس قدر میں ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا : ٹھیک ہے میں نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا۔ عمر فاروق مہاجرین صحابہ کرام کے پاس آئے اور کہا: مجھے شادی کی مبارک دو۔ انہوں نے مبارک دی اور پوچھا: آپ نے کس سے شادی کی ہے؟ فرمایا: دختر علی رضی اللہ عنہ سے بیشک نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ہر نسب اور ہر رشتہ قیامت میں کاٹ دیا جائے گا مگر میرا نسب اور رشتہ نہیں کٹے گا اور میں نے نبی اکرم ﷺ سے سسرالی رشتہ تو پہلے کر ہی رکھا تھا میں نے پسند کیا کہ یہ بھی کرلوں۔

(الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 4 صفحہ 492 کتاب النساء حرفِ کاف ام کلثوم مطبوعہ دار صادر بیروت)

(3) ابن اسحاق حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ مسجد نبوی میں اس مجلس میں تشریف لائے جو قبر نبوی ﷺ اور منبر شریف کے درمیان (رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّة) میں ہوتی تھی اور اس میں مہاجرین صحابہ کرام ہی بیٹھتے تھے اور کوئی نہیں بیٹھتا تھا تو تمام صحابہ نے (شادی کا سن کر) آپ کو برکت کی دعا دی۔ آپ نے فرمایا:

وَاللهِ مَا دَعَانِیْ اَلیٰ تَزْوِیْجِهَا اِلَّا اَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ كُلُّ نَسَبٍ وَّ سَبَبٍ مُنْقَطِعٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ الا ما كان مِنْ نَسَبِیْ وَسَبِبِیْ

ترجمہ: خدا کی قسم مجھے ام کلثوم سے نکاح کرنے کی طرف صرف اس چیز نے بلایا کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے ہر نسب اور رشتہ داری قیامت کو کٹ جائے گی مگر میرا نسب اور رشتہ نہیں کٹے گا۔

(سنن کبریٰ للبیہقی جلد 7 صفحہ 24 کتاب النکاح)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ خاندان اہل بیت یعنی سادات کرام اور اہل بیت رسول ﷺ کی یہ عظمت ہے کہ وہ نسب رسول ہیں اور یہ نسب ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق روز قیامت منقطع نہیں ہوگا۔ بلکہ فائدہ دے گا اللہ اس کی وجہ سے

سادات پر خصوصی نظر کرے گا۔

یاد رہے علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ شریف فرماتے ہیں نسب وہ رشتہ ہے جو آباء سے اولاد کو ملتا ہے، اور سبب اور صہر وہ رشتہ ہے جو نکاح اور شادی سے پیدا ہوتا ہے۔

تو حضرت عمر فاروق کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ ارشاد نبوی کل نسب سبب الخ نبی اکرم ﷺ کی بلا واسطہ اولاد سے خاص نہیں بلکہ اولاد در اولاد کو بھی شامل ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا اس معنی پر اور احادیث بھی دلالت کرتی ہیں چنانچہ

مسور بن مخرمہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن (مثنٰی) بن امام حسن ؓ نے ان سے ان کی بیٹی کا رشتہ طلب کرنے کے لیے آدمی بھیجا انہوں نے کہا حسن سے کہہ دو نماز عشاء پر ملیں گے تو بات ہو گی جب نماز عشاء پر ملاقات ہوئی تو حضرت مسور بن مخرمہ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد کہا خدا کی قسم آپکے نسبی رشتہ اور سسرالی تعلق سے بڑھ کر میرے لیے کوئی دوسرا نسب یا سسرالی رشتہ نہیں مگر رسول خدا ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

فاطمة مضغة منی یقبضنی ما قبضها ویبسطنی ما بسطها و ان الاسباب یوم القیامة تنقطع غیر نسبی و سببی و صهری

ترجمہ: فاطمہ ؓ میرے جسم کا حصہ ہے جو چیز اسے پریشان کرے وہ مجھے کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے خوش کرتی ہے۔ اور بے شک قیامت کے دن سب نسب ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسب میری رشتہ داری اور میرا سسرالی رشتہ روز قیامت منقطع نہیں ہو گا اور اے حسن آپ کے گھر میں حضرت فاطمہ ؓ کی بیٹی یعنی پوتی حضرت فاطمہ صغریٰ بنت امام حسین ؓ ہیں اب اگر میں آپ کو بیٹی دوں گا تو یہ چیز سیدہ فاطمہ کے لیے باعث تکلیف ہو گی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 223 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث مبارک نے بھی واضح کر دیا کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کی نسب مبارک میں ہیں یہ نسب روز قیامت منقطع نہیں ہو گا اور رسول اکرم ﷺ کی اس نسبت کی لاج رکھے گا صحابی رسول حضرت مسور بن مخرمہ ؓ کی رائے بھی اس حدیث کی روشنی میں یہی معلوم ہوئی کہ نسب رسول ﷺ کی فضیلت اخروی صرف نبی اکرم ﷺ کی بلا واسطہ اولاد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نسل در نسل چل رہی ہے اسی لیے تو وہ حضرت حسن بن حسن بن فاطمہ الزہرا بنت محمد رسول اللہ ﷺ یعنی حضور کی تیسری نسل کے لیے بھی یہ فضیلت ثابت کر رہے ہیں اب صحابہ کرام کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی چوتھی یا پانچویں نسل موجود نہیں تھی اگر ہوتی تو وہ اس کے لیے یہ فضیلت تسلیم کرتے الغرض واضح ہو گیا کہ نسب رسول ﷺ کی فضیلت تا قیامت اہل

بیت سول ﷺ کے لیے نسل در نسل ثابت ہے اور یہ فضلیت انہیں روز حشر فائدہ دے گی۔

پانچویں فضیلت، آل نبی پر تاقیامت صدقہ حرام ہے

1۔ حضرت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (جو نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبدالمطلب بن ربیعہ حارث اور فضل بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم دونوں نبی اکرم ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو یا رسول اللہ ﷺ ہمیں زکوۃ کی وصولی پر عامل مقرر فرمادیں اتنے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آئے اور وہ کہنے لگے یاد رکھو نبی اکرم ﷺ تم دونوں میں سے کسی کو صدقات پر عامل نہیں بنائیں گے بہر حال عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں اور فضل بن عباس دونوں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے (اور اپنا مقصد عرض کیا) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمحمد وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

ترجمہ: یہ صدقہ (زکوۃ) لوگوں کی میل ہی تو ہے اور یہ محمد اور آل محمد ﷺ کیلئے حلال نہیں۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب 51 حدیث 2481)

اس حدیث کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی فضل بن عباس اور دوسرے بھائی ربیعہ حارث کے بیٹے عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ پر عامل نہ بنایا تاکہ زکوٰۃ کے مال سے دور رہیں اور یہ فرمایا آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں گویا آپ کے چچوں کی اولاد اور آگے ان کی اولاد سب آل رسول ہیں اور ان پر زکوٰۃ حرام ہے۔

اہل بیت رسول کون ہیں؟

پیچھے حدیث ثقلین میں گذر چکا ہے کہ صحابی رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہل بیت رسول وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے پوچھا گیا وہ کون ہیں جن پر صدقہ حرام ہے فرمایا آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم (مسلم شریف فضائل علی) حضرت زید نے حضرت حارث کی آل کا نام نہیں لیا مگر جو حدیث ابھی ہم نے لکھی ہے اس کے مطابق آل حارث پہ بھی صدقہ حرام ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابولہب کو چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ کے باقی چچاؤں کی اولاد پر صدقہ حرام ہے۔ (مرقات شرح مشکوۃ جلد 4 صفحہ 122 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یاد رہے نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کے وقت آپ کے چار چچے موجود تھے، ان میں سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایمان لائے، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہ ہوئی آپ کی صرف ایک لڑکی تھی اس لیے آپ کی نسل نہ چلی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسل چلی تو وہ آل رسول اور اہل بیت رسول کہلائے اور ان پر صدقہ حرام ہوا، ابولہب اور اس کی

نرینہ اولاد کفر پر ڈٹی رہی اور اسی حالت میں مر گئے صرف اس کی ایک بیٹی درہ اسلام لائی (آگے اس کا ذکر آرہا ہے) اس لیے ابولہب اور اسکی اولاد اہل بیت رسول اور آل رسول نہ کہلائے جب کہ ابوطالب کے متعلق اظہر روایات یہی ہیں کہ انہوں نے قبول اسلام نہ کیا اور بعض علماء کے نزدیک مستور قرار پائے اور علمائے کرام کا ایک گروہ ان کے صاحب ایمان ہونے کا قائل ہے، ہر ایک کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں مگر ان کی ساری اولاد حضرت علی، حضرت جعفر طیار اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم اصحاب رسول ﷺ میں شامل ہوئے اس لیے وہ سب اور ان کی اولاد آل رسول اور اہل بیت رسول کے ناموں سے مشرف ہوئے اور ان سب پر صدقہ حرام ہوا اس کے علاوہ آپ کے چچاؤں میں سے حارث بن عبدالمطلب کی ساری اولاد نے اسلام قبول کیا جن میں ربیعہ بن حارث اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ملتا ہے اس لیے آل حارث کو بھی آل رسول اور اہل بیت رسول میں شمار کیا گیا ہے ان پانچ چچاؤں کے علاوہ آپ ﷺ کے سات چچے اور بھی تھے۔ زبیر، ضرار، مقوم، حجل، غیداق، حجل، قثم اور غلخال (مواہب لدنیہ جلد 12 صفحہ 102 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت) مگر یہ سب ظہور اسلام سے قبل فوت ہو گئے۔ اور ان میں سے کسی کی اولاد کا ذکر بھی کتابوں میں نہیں ملتا اس لیے ان میں سے کوئی بھی اہل بیت میں داخل نہیں۔

2۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بچپن میں صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کخ کخ جس کا معنی ہے اسے پھینک دو پھینک دو پھر فرمایا:

اما شعرت انا لا ناکل الصدقة

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ ہم (اہل بیت) صدقہ نہیں کھاتے۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب 60 حدیث 1491)

3۔ حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا آپ کے پاس حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے انہوں نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھائی آپ نے ان کے ہاتھ سے وہ چھین لی اور فرمایا:

اما علمت انه لا تحل لنا الصدقة۔

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ ہم (اہل بیت) کے لیے صدقے حلال نہیں۔

(سنن دارمی جلد اول صفحہ 382 کتاب الزکوۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

4۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا تو آپ پوچھتے اهدية ام صدقة یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو فرماتے تم کھاؤ خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا ہدیہ ہے تو ہمارے ساتھ تناول فرمالیتے۔

(بخاری کتاب الھبۃ باب 7، جامع الترمذی کتاب الزکوۃ باب 25 سنن نسائی کتاب الزکوۃ باب 98)

یاد رہے آخری حدیث میں جیسے کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے اور ہدیہ قبول فرما لیتے تھے ایسے ہی آپ کی اہل بیت کے لیے بھی صدقات واجبہ (جیسے زکوٰۃ فطرانہ عشر وغیرہ) حرام ہیں اور صدقات نافلہ حلال ہیں کیونکہ وہ ہدیہ کے مفہوم میں ہوتے ہیں انہیں زکوۃ سے مشابہت کی وجہ سے مجازاً صدقہ کہا جاتا ہے۔

آل رسول پر صدقہ حرام ہونے کی حکمتیں:

اگر کہا جائے کہ اہل بیت پر صدقہ حرام اور ہدیہ حلال ہونے کی کیا وجہ ہے تو ہم عرض کرتے ہیں کہ علماء نے اس کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔

صدقہ (یعنی زکوۃ فطرانہ وغیرہ) کا بدلہ ثواب کی صورت میں صرف آخرت میں ملتا ہے کیونکہ وہ خاص عبادت ہے جب کہ ہدیہ کا بدلہ اس دنیا میں جوابی ہدیہ کی صورت میں دیا جا سکتا ہے۔ نبی و آل نبی پر ہدیہ اس لیے جائز ہے کہ وہ اس کا بدلہ دے کر احسان کے بوجھ سے آزاد ہو سکتے ہیں مگر صدقہ کا احسان وہ ہے۔ جس کا بوجھ اتارا نہیں جا سکتا اور اللہ کو پسند نہیں کہ وہ اپنے محبوب اور اس کی آل کو ہمیشہ کے لیے کسی کا احسان مند اور ممنون منت دیکھے۔

صدقہ قبول کرنے میں ایک طرح کی خفت اور خجالت ہے کیونکہ وہ مفلسوں اور ناداروں کا حق ہے اسی لیے زکوٰۃ فطرانہ اور عشر وغیرہ مالدار نہیں کھا سکتا صرف غریب ہی کھا سکتا ہے جب کہ ہدیہ قبول کرنے میں ایسی خفت نہیں کیونکہ ہدیہ کا معنیٰ تحفہ ہے اور تحائف و ہدیات تو ہر طبقہ کے لوگ ایک دوسرے کو دیتے رہتے ہیں خواہ وہ امرا ہوں یا غرباء گویا اللہ کو اپنے محبوب کے لیے ان کی شان کے خلاف کوئی معاملہ پسند نہیں، اسی طرح آپ کی آل بھی اللہ کے ہاں اسقدر معزز و محترم ہے کہ صدقہ قبول کر کے ان کا خفت اٹھانا اللہ کو گوارا نہیں۔

صدقہ مال کے لیے ایسے ہے جیسے کپڑے کے لیے صابن اور صدقہ کے ذریعے نکالا جانے والا مال وہ میل ہے جو سارے مال میں سے نکالی جاتی ہے اسی کو نبی اکرم ﷺ نے انما ھی اوساخ الناس فرمایا اور اللہ کو پسند نہیں کہ آل رسول ﷺ کے لیے میل کچیل جائز رکھی جائے جب کہ ہدیہ مال کے لیے ایسے ہے جیسے کپڑے کے لیے خوشبو۔

دعوت فکر:

اس جگہ مقام دعوتِ فکر ہے۔ جب سادات کرام کے لیے صدقہ حرام ہے یعنی ان کو زکوۃ، عشر، فطرانہ و دیگر صدقہ واجبہ نہیں دیا جا سکتا تو جو سادات نادار و فقراء ہیں اگر ہم ہدیہ و تحفہ کی صورت میں ان کی مدد نہ کریں تو ان کے لئے یہ زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ خود ان کے پاس کچھ ہے نہیں اور زکوٰۃ انہیں لگتی نہیں اور وہ عظمت والے لوگ ہیں مانگ بھی نہیں سکتے۔ تو پھر آس پاس رہنے والے اہل اسلام پر لازم ہے کہ ہدایا و تحائف کے ذریعے ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت

کریں۔ ہم اپنے رشتہ داروں کو لمبے لمبے تحائف دیتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کا ہمیں کچھ خیال ہی نہیں۔ یہ بھی عجیب ہے کہ اکثر ہم ان سادات کو تحائف پیش کرتے ہیں جو گدی نشیں ہیں، کسی سلسلہ کے پیرومرشد ہیں اور ان کے پاس لوگوں کے نذرانوں کا مال اس قدر جمع ہو چکا ہے کہ ان کے لیے سنبھالنا مشکل ہے۔ حتیٰ کہ گدی نشینی پر ان کے مابین جھگڑے ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے نذرانوں کے مال سے آگے اپنی بڑی بڑی تجارتیں شروع کر رکھی ہیں وہ بڑی (Businesses) اور (Propeties) کے مالک ہیں، میں نہیں کہتا کہ انہیں ہدیہ وتحفہ دینا جائز نہیں، مگر یہ تو سوچیے کہ لاکھوں وہ ساداتِ کرام ہیں جو نانِ جویں کو ترس رہے ہیں۔ کیا ان کا یہی قصور ہے کہ وہ کسی بڑے آستانے کے گدی نشیں نہیں ہیں؟ بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ اہل اسلام ایسے Funds بنائیں جو خصوصاً حاجت مند سادات کرام کے لیے ہوں بلکہ ہر مسلم ریاست کو ایسے سرکاری فنڈز جاری کرنا چاہئیں کہ سادات کرام کے پاس کوئی خصوصی Sadat Card ہو جس کے ذریعے وہ ہر ماہ بنک سے مقرر فنڈ نکال سکیں یا انہیں تجارت اور سرکاری نوکری کے خصوصی مواقع مہیا کیے جائیں جب انہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی تو دیگر ذرائع سے ان کی اعانت ہمارا ایمانی فرض ہے۔ اسی طرح ہم زکوٰۃ سے ہٹ کر جو پیسہ حاجت مند لوگوں کو دیتے ہیں اس میں حاجت مند اولادِ رسول ﷺ کو سب سے مقدم رکھیں۔ یعنی ہر حاجت مند کی مدد کریں اور سادات کا خاص خیال رکھیں کیونکہ اس میں دوہرا ثواب ہے حاجت مند کی اعانت اور آلِ رسول اللہ ﷺ سے محبت۔

چھٹی فضیلت: سادات کرام بنت رسول ﷺ کی اولاد ہونے کے باوجود اولادِ رسول ﷺ کہلاتے ہیں

دنیا کا عام دستور یہ ہے کہ ہر آدمی کی نسل اس کی نرینہ اولاد سے چلتی ہے بیٹیوں سے نہیں اگر کسی کی بیٹیاں ہوں اور بیٹا کوئی نہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ اس کی نسل ختم ہوگئی ہے چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ کے سارے بیٹے فوت ہوگئے تو کفار نے کہا: معاذاللہ محمد ﷺ کی نسل ختم ہوگئی ہے یہ ابتر ہیں یعنی نسل بریدہ تو اللہ نے اس کے جواب میں سورۃ کوثر نازل فرمائی اور فرمایا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿٣﴾ بے شک آپ کا دشمن ہی ابتر ہے کہ حقیقی ابتر وہ ہے جس کا ذکر ختم ہو جائے جب کہ آپ کا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا۔ دین ہمیشہ باقی رہے گا اور آپ کے دشمن طوقِ لعنت گلے میں ڈال کر دنیا سے دفعان ہو جائیں گے اور شرعی قانونِ وراثت بھی یہی کہتا ہے کہ مرنے والے کا بیٹا اور اس کی اولاد در اولاد کے لیے میراث میں حصہ مقرر ہے اور علم الفرائض کے مطابق جب ذوی الفروض موجود نہ ہوں اور دیگر وراث موجود نہ ہوں تو وہ عصبہ اولیٰ بھی ہیں یعنی ساری جائیدا کے وہ ورثاء بن جاتے ہیں جب کہ مرنے والے کی بیٹی کی اولاد کے لیے حصہ مقرر نہیں کیا گیا اس لیے وہ ذوی الفروض میں سے نہیں بلکہ ذوی الارحام میں سے ہیں اور وہ عصبہ بھی نہیں یعنی باقی ورثاء کی عدم موجودگی میں وہ سارے مال کے وارث

نہیں ٹھہرتے بلکہ ذوی الغروض نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو ذوی الفروض کے مقام پر کھڑا کر کے وہی حصہ دیا جائے گا جو ذوی الفروض کو دیا جاتا ہے اس کی تفصیل کیلئے سراجیہ مع شریفیہ باب ذوی الارحام صفحہ 95 تا 99 پڑھا جائے۔

یوں بھی اللہ قرآن میں فرماتا ہے:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

یعنی اولاد کو ان کے باپوں کے نام ہی سے پکارو کہ جس شخص کا کوئی بیٹا ہو اس شخص کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے اس لیے دنیا میں ہر کسی کو باپ کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے البتہ آخرت میں ہر کسی کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔

مگر نبی اکرم ﷺ کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ آپ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو اولادِ رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔ آپ کو اللہ نے یوں تو چار بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں مگر آپ کی نسل مبارک یعنی اولاد در اولاد کا سلسلہ صرف آپ کی بیٹی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہی سے چلا۔ آپ کے بیٹے چاروں ہی بچپن میں فوت ہو گئے۔ خود قرآن نے کہا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

بیٹیاں چاروں بڑی ہوئیں سب کی شادی ہوئی مگر حضرت خاتونِ جنت کے علاوہ باقی تین میں سے صرف حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں دو بچے ہوئے مگر وہ بھی کسی نسل کو چھوڑے بغیر فوت ہو گئے۔ حضرت زینب کے ہاں ایک بیٹا ہوا جو بچپن میں فوت ہو گیا۔ ایک بیٹی ہوئی یعنی سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا وہ بڑی ہوئیں ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد شادی کی مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی تفصیل کے لیے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ دیکھیں اس طرح آپ کی باقی تینوں بیٹیاں بھی بغیر اولاد وصال فرما گئیں۔

الغرض صرف اور صرف حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا ہیں جن سے نبی اکرم ﷺ کا خون مبارک نسل در نسل آگے منتقل ہوا اور پوری دنیا میں پھیل گیا۔ آج الحمد للہ دنیا میں ساداتِ کرام موجود ہیں اور ان کو اولادِ رسول ہی کہا جاتا ہے یہ ان کا خصوصی اعزاز ہے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا ہے۔

اگر کوئی اس کا انکار کرے تو قرآن و حدیث کی روشنی میں ہم اس کے حق میں چند دلائل پیش کر رہے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

(1) وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد میں سے حضرت داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) ہیں اور ہم محسنین کو یہی جزا دیتے ہیں اور آپ کی ذریت میں سے زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس (علیہ السلام) بھی اور وہ

سب صالحین میں سے ہیں۔ (سورۃ انعام آیت 85 پارہ 7)

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ ان کا نسب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ صرف سیدہ مریم کے واسطے ہی سے ملتا ہے۔ اگر انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ خصوصیت دی گئی کہ وہ صرف اپنی والدہ کی نسبت سے ذریت ابراہیم ہیں تو امت محمدیہ میں سے اولادِ فاطمۃ الزہرا کو اسی نسبت کے ساتھ اولادِ رسول اور ذریت نبی کیوں نہیں کہا جا سکتا اور یہ خصوصیت ان کے لیے کیوں نہیں مانی جا سکتی؟

(2) عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول كل ولد فان عَصَبَتُهُمْ لابيهم ما خلا ولد فاطمه فانی انا ابوهم و عَصَبَتُهم۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ہر اولاد کا عصبہ (ان کی نسبت) اس کے باپ کی طرف ہوتی ہے سوا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے کیونکہ میں ان کا باپ ہوں اور ان کا عصبہ ہوں۔ (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر جلد 13 صفحہ 624 کتاب الفضائل)

لفظ عصبة کی تحقیق

عربی لغت میں عصبة باپ کی طرف سے رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ (المنجد، مصباح اللغات)

جیسے دادا، چچا، بھائی وغیرہ اور علم فروض کی اصطلاح میں عصبہ کسی میت کے ان ورثاء کو کہتے ہیں جن کی نسبت میت کی طرف کسی عورت کے ذریعے نہ ہو۔ چنانچہ علم میراث کی مشہور کتاب سراجیہ میں امام محمد بن عبد الرشید سجاوندی فرماتے ہیں:

اما العصبة بنفسه فكل ذكر لا تدخل فی نسبته الى الميت انثى۔

ترجمہ: عصبہ بنفسہ ہر وہ مرد وارث ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔ (جیسے بیٹا، بیٹے کا بیٹا، بھائی، باپ، دادا وغیرہ)

اس کی شرح شریفیہ میں عالم ربانی امام سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان دخلت الانثى فی نسبته اليه لم يكن عصبة .... كاب الام و ابن البنت۔

ترجمہ: اگر وارث کی میت کے ساتھ نسبت میں عورت داخل ہو تو وہ عصبہ نہیں ہوتا جیسے نانا اور نواسہ۔

(سراجیہ مع شریفیہ صفحہ 37 باب العصبات)

یہی چیز نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہر آدمی کے عصبات وہ ہوتے ہیں جو اس کے باپ کی طرف سے اس کے رشتہ دار ہوں مگر میری بیٹی فاطمہ کی اولاد کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ان کا نانا ہونے کے باوجود ان کا باپ بھی ہوں اور ان کا عصبہ بھی یعنی میں انہیں یہ اعزاز بخش رہا ہوں کہ وہ میرے عصبہ ہیں اور میں ان کا عصبہ ہوں وہ میرے

لیے سگی اولاد کی طرح ہیں اور میں ان کے لیے سگے باپ کی طرح ہوں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ نبی اکرم ﷺ اور اولادِ فاطمہ کا باہم عصبہ ہونا اس معنی میں نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے مالی وارث ہیں اس لیے کہ انبیاء کرام کسی کے نہ مالی وارث ہوتے ہیں نہ ان کا کوئی مالی وارث ہوتا ہے ان کا عصبہ ہونا صرف اعزازی ہے۔ نبی اکرم ﷺ انہیں اپنی رحمت وشفقت سے اپنی سگی اولاد کا درجہ عطا فرمارہے ہیں۔ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جتنی اولاد تاقیامت چل رہی ہے یہ اولادِ رسول ہے اور یہ بہت بڑی عظمت ہے۔

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ و ان اللہ تعالیٰ جعل ذریتی فی صلب علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: بے شک اللہ نے ہر نبی کی ذریت اس کی اپنی پشت میں رکھی ہے مگر بیشک اللہ نے میری ذریت علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھی ہے۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 175 باب فضائل اہل بیت النبی ﷺ بحوالہ طبرانی)

اس حدیث کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساری اولاد کو سرکار اپنی اولاد قرار دے رہے ہیں تو یہ بھی ایک پہلو سے درست ہے کیونکہ پیچھے پانچویں فضیلت میں بتایا جاچکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساری اولاد تاقیامت اہلِ بیت میں سے ہے اور ان پر صدقہ حرام ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اسی اولاد کو اپنی ذریت سے تعبیر فرمارہے ہیں جو بطن فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ہے تو یہ زیادہ اولیٰ ہے اس سے پہلے والی حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ اولادِ فاطمہ کا میں باپ اور عصبہ ہوں۔

ساتویں فضیلت: اہلِ بیت کو تکلیف دینے سے رسولِ خدا کو تکلیف ہوتی ہے

چونکہ اہلِ بیت رسول خاندانِ مصطفیٰ ﷺ ہے اس لیے انہیں تکلیف دینا خود رسول خدا کو تکلیف دینے کے برابر ہے اور جو اللہ و رسول کو تکلیف دے اس کے لیے قرآن کہتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت 57 پارہ 22)

اس بارہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح رسولِ خدا ﷺ کو اس معاملہ سے تکلیف محسوس ہوتی ہے اور آپ افسردہ ہوتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق، حضرت عمار اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تینوں سے یہ حدیث مروی ہے کہ ابولہب کی بیٹی درہ (مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئی تو رافع بن لیلیٰ کے گھر اتری۔ بنی زریق کی کچھ عورتیں اس کے پاس آ کر بیٹھیں، کہنے لگیں تم اس ابولہب کی بیٹی ہو جس کے حق میں اللہ نے تبت یدا ابی لھب (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں) والی سورت اتاری ہے تمہیں ہجرت سے کیا فائدہ ہوگا؟ درہ یہ سن کر رسول کریم ﷺ کے پاس آئی اور رو پڑی اور عورتوں نے جو کچھ کہا تھا وہ بتایا۔ آپ نے اسے چپ کرایا اور فرمایا: تم بیٹھو میں ابھی آیا۔ آپ اٹھے مسجد میں جا کر لوگوں کو نمازِ ظہر پڑھائی پھر تھوڑی دیر کے لیے منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

ایہا الناس مالی اوذی فی اھلی فو اللہ ان شفاعتی تنال قرابتی۔

ترجمہ: اے لوگو! کیا وجہ کہ مجھے میرے قریبیوں کے سبب ستایا جاتا ہے خدا کی قسم میرے قریبیوں کو میری شفاعت ضرور ملے گی۔ (کنز العمال بحوالہ دیلمی جلد 13 صفحہ 644 فضائل اہل بیت النبی ﷺ)

اندازہ کیجئے اگر ابولہب کی بیٹی کو تکلیف دینے سے رسولِ خدا کو تکلیف ہوتی ہے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے کسی کو تکلیف دی جائے تو آپ ﷺ کی تکلیف کا کیا عالم ہوگا؟

اس حدیث میں لفظ اہل سے اہلِ بیت مراد نہیں یہاں یہ لفظ بمعنی اقربا ہے کسی شخص کے قریبی رشتہ داروں کو بھی اس کے اہل کہا جاتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ ابولہب کی اولاد اہلِ بیت رسول میں شامل نہیں۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ ابولہب کے کفر پر قائم رہنے کے سبب وہ اور اس کی اولاد اس عظمت سے محروم ہو گئے نہ ان پر صدقہ حرام ہے خواہ وہ ایمان لے آئیں۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے خاندان کا کوئی بھی فرد اگر ستایا جائے تو آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اسے کوئی ناحق بات کہی جائے تو اس سے آپ کا دل دکھتا ہے یوں تو کسی بھی شخص کا آپ کے کسی امتی کو برا کہنا آپ کے لیے باعث تکلیف ہے مگر اپنے خاندان اور اپنے خونی رشتہ داروں کا ستایا جانا آپ کے لیے دوہرا ضرر رساں اور باعث آزار ہے۔

(2) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کچھ لوگوں کے پاس بیٹھے تو انہوں نے گفتگو روک لی۔ (بات کرتے کرتے چپ ہو گئے) آپ نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کے پاس میرے اہلِ بیت میں سے کوئی شخص بیٹھ جائے تو وہ بات روک لیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لا یدخل قلب امرئٍ الایمان حتی یحبھم للہ ولقرابتھم منی۔

ترجمہ: اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی آدمی کے دل میں ایمان تب تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ میرے اہلِ بیت سے اللہ کی رضا اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کرے۔

(کنز العمال بحوالہ ابن عساکر جلد 13 صفحہ 242)

یعنی وہ لوگ کوئی ایسی گفتگو کر رہے تھے جو حضرت عباس کے حق میں نہیں جاتی تھی اسی لیے آپ کو دیکھ کر وہ چپ ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ کو اتنی بات بھی ناگوار گذری اور مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اہلِ بیت کے لیے باعث تکلیف کوئی قول وفعل آپ کے لیے کس قدر باعث تشویش ہو سکتا ہے اور آپ اس سے کتنے رنجیدہ ہوں گے۔

اور ایسے کئی واقعات سیرت ہائے بزرگانِ دین میں لکھے ہیں کہ خاندانِ سادات میں سے کسی کو ستایا گیا تو خواب میں نبی اکرم ﷺ کو سخت ناراض پایا گیا۔ اس مختصر کتاب میں ان واقعات کے لکھنے کی گنجائش نہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں آلِ رسول سے ہمیشہ ادب کا معاملہ عطا فرمائے۔

آٹھویں فضیلت: اہلِ بیت کو خصوصی شفاعت حاصل ہوگی

جو لوگ رسول اکرم ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کا آخرت میں خصوصی مقام ہوگا اور یہ نسبت ان کے کام آئے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں روزِ قیامت سب سے پہلے اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا۔ اس کے بعد باقی لوگوں کی پھر پیچھے گذر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت ہر نسب اور ہر رشتہ اور سسرالی و دامادی تعلق ختم ہو جائے گا مگر میرا نسب، میرا سبب اور میرا سسرالی رشتہ ختم نہیں ہوگا تو جو لوگ تا قیامت آپ کی نسب میں سے ہیں ان کا یہ تعلق اور یہ نسبت اللہ کے ہاں مقبول ہوگی اور اس کے ثمرات ظاہر ہوں گے۔

خصوصاً وہ لوگ جو حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ہیں حسنی یا حسینی سید ہیں اور ان کی رگوں میں رسولِ اکرم ﷺ کے جسد مقدس کا خون دوڑ رہا ہے یہ بہت بڑی نسبت کے حامل ہیں۔ یہاں وہ حدیث قابل ذکر ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روزِ احد جب رسولِ اکرم ﷺ کے چہرۂ انور سے خون بہنے لگا تو میرے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ اس مقام پر رکھ دیا (جہاں سے خون نکل رہا تھا اور اسے نگل گئے) بعض لوگوں نے اس پر کلام کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے خون سے یوں لگاؤ رکھے گا اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(مدارج النبوۃ جلد 2 غزوۂ احد صفحہ 21)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک بار رسول اکرم ﷺ کے جسم اطہر سے نکلنے والا خون پی لیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا تھا:

لا تمسك النار۔

ترجمہ: تجھے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔ (کنز العمال جلد 13 صفحہ 469 حدیث 37223 بحوالہ ابن عساکر و رجالہ ثقات)

اندازہ فرمائیں اگر کسی کے پیٹ میں عارضی طور پر جسمِ رسول ﷺ کا خون چلا جائے تو نبی اکرم ﷺ اسے جنت کی

بشارت سناتے ہیں تو جس کی رگوں میں مستقلاً خونِ رسول ہو اس کی عظمت کا کیا کہنا۔

اولادِ رسول ﷺ ہونا شفاعتِ نبوی کا قوی ترین سبب ہے

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خصوصی شفاعت کے بھی ہزار ہا درجات ہیں کیونکہ شفاعت کس سبب سے کی جائے؟ وہ اسباب بھی ہزار ہا ہیں جتنا سبب قوی ہوگا شفاعت بھی اتنی قوی ہوگی۔

میرے نزدیک اولادِ رسول ہونا تمام اسباب میں سے قوی ترین سبب ہے کیونکہ اس سبب کو زوال نہیں سوا کفر کے۔ جبکہ باقی اسباب اعمال سے بھی ضائع ہو سکتے ہیں بعض بڑے گناہ نیکیوں کو زائل کر دیتے ہیں اور بعض بڑی نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾

مگر نسب رسول وہ سبب ہے جو زائل نہیں ہو سکتا اسے صرف کفر زائل کر دیتا ہے۔ اللہ سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین!

صحابہ کرام کے بے ادب سید کا انجام

جو لوگ شیعیت میں اتنے بڑھ گئے کہ صحابہ کرام کو معاذ اللہ گالیاں بکتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب انبیاء سے افضل مانتے ہیں اور تحریفِ قرآن کے قائل ہیں وہ خواہ سید ہوں یا غیر سید وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اگر وہ سید ہیں تو اس کفری عقیدہ نے ان کا نسب منقطع کر دیا ہے۔ انہیں اولادِ رسول ہونا کام نہ دے گا۔ ابولہب کو عم رسول ہونا کام نہ آ سکا۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

سگ اصحاب کہف روزے چند صحبتِ صالحاں گرفت مردم شد
پسر نوح بابداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

لیکن اگر اس کی بدعقیدگی حد کفر تک نہیں پہنچی تو اس کا نسب قائم ہے اسے شفاعت نبوی مل سکتی ہے اور گناہوں کی معافی مل سکتی کیونکہ فسق بہر حال فسق ہے خواہ وہ عملی ہو یا اعتقادی اس کی معافی ممکن ہے کہ وہ کفر نہیں۔

یہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے اللہ ہمیں اس پر قائم رکھے۔

و صلی اللہ علی حبیبہٖ خیر خلقہ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

بابِ ششم

ازواج رسول ﷺ امہات المؤمنین کے فضائل

جب ہماری اس کتاب کا موضوع اور نام عظمتِ اہل بیت رسول ﷺ ہے تو اہل بیت رسول ﷺ میں آپ کی ازواج مطہرات بھی شامل ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کا ذکرِ خیر بھی کتاب کا حصہ ہو اس لیے ہم نے یہ باب بھی قائم کیا ہے۔ اصل میں ازواج رسول ﷺ اہل بیتِ زوجیت ہیں، جبکہ مولیٰ علی المرتضیٰ، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم یہ چاروں نفوسِ قدسیہ اہل بیتِ مودت ہیں ان سے محبت وعقیدت رکھنے کے بارے میں خصوصی ارشاداتِ نبویہ وارد ہیں۔ اور ایک وہ اہل بیت جنہیں اولادِ رسول ﷺ کہا جاتا ہے اور جن پر صدقہ حرام ہے وہ اہل بیت ذریت ہیں۔ بہرحال ہم اس باب کی چند فصول بناتے ہیں، فصل اوّل میں ازواج رسول ﷺ کے اجتماعی فضائل ہیں۔ اور اگلی فصلوں میں ان کے انفرادی فضائل آئیں گے، ان شاء اللہ العزیز

فصل اوّل:

ازواج رسول ﷺ کے اجتماعی فضائل

پہلی فضیلت: ان کے کے حق میں آیتِ تطہیر کا نزول:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝۔

اے ازواج رسول (ﷺ) تم اپنے گھروں میں قیام رکھو اور پرانی جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر باہر نہ نکلو،

نماز قائم رکھو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاؤ۔ اے اہل بیت رسول! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر برائی دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے، اے ازواج رسول! تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور حکمت کی تلاوت ہوتی ہے اسے یاد رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ لطف و کرم کرنے والا خبر رکھنے والا ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت 34،33)

ان آیات میں اولاً ازواج رسول اللہ ﷺ کو زیب و زینت کے ساتھ باہر نکلنے سے ممانعت اور نماز و زکوٰۃ و دیگر احکام کی بجاآوری کا حکم فرمایا گیا اس میں خطاب تو بظاہر ازواج رسول ﷺ کو ہے مگر ان کے ذریعے ساری امت مسلمہ کی خواتین کو سنانا مقصود ہے کہ ان احکام کی بجاآوری کرو اور بے پردگی سے دور رہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ازواج رسول! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر رجس یعنی ہر ناپاکی و برائی اور شیطانی و نفسانی صفت سے پاک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تاکہ تمہیں یوں پاک کر دیا جائے جیسے پاک کرنے کا حق ہے۔ اس کے بعد ازواج رسول ﷺ کو کتاب و حکمت یعنی قرآن و سنت کے پڑھنے پڑھانے کا حکم فرمایا گیا۔

الغرض یہ آیات اوّل و آخر ازواج رسول ﷺ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اور ہر زبان میں لفظ اہل بیت (یعنی گھر والے) بیوی ہی کے بولا جاتا ہے خود نص قرآن اس پر دال ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

ابراہیم (علیہ السلام) کی بیوی (حضرت سارہ رضی اللہ عنہا) نے کہا کیا میں بچہ جنوں گی جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر (ابراہیم علیہ السلام) بھی بوڑھے ہیں؟ فرشتوں نے کہا: اے اہل بیتِ رسول! کیا آپ اللہ کے حکم پہ تعجب کر رہی ہیں؟ آپ پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں بے شک اللہ تعالیٰ حمد اور بزرگی والا ہے۔ (سورہ ہود آیت 72۔73)

یعنی القرآن يُفَسِّرُ بعض القرآن کے مطابق خوب وضاحت ہوگئی کہ جیسے آیتِ سورۃ ہود میں زوجہ ابراہیم علیہ السلام کو اَهْلَ الْبَيْت کہا گیا ہے یونہی آیت سورۃ الاحزاب میں ازواج رسول ﷺ کو اَهْلَ الْبَيْت قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں آیات میں جمع مذکر حاضر کے صیغے (وبرکاته، عَلَيْكُمْ، عَنْكُمُ الرِّجْسَ اور وَ يُطَهِّرَكُمْ) اس لیے ہیں کہ لفظ اہل جمع مذکر کے معنیٰ میں ہے اور قرآن میں ہر جگہ اس کے لیے ضمائر جمع مذکر لائی گئی ہیں جیسے:

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے اہل بیت (بیوی) سے کہا ٹھہرو! مجھے کوئی آگ نظر پڑی ہے۔ شائد میں تمہارے لیے اس میں سے کوئی چنگاری لے آؤں (سورہ طٰہٰ آیت 10)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۝۲۹

جب موسیٰ (علیہ السلام) نے (قیام مدین کی) مدت پوری کرلی اور اپنے اہل بیت (بیوی) کو ساتھ لیکر (سوئے مصر) چلے تو کوہِ طور کی طرف سے انہوں نے آگ محسوس کی۔ آپ نے اپنے اہل بیت سے فرمایا: ٹھہرو میں نے آگ محسوس کی ہے۔ شائد میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کی چنگاری لے آؤں تاکہ تپش حاصل کرسکو۔ (سورہ قصص آیت 29)

ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کو آپ کی اہل یعنی اہل بیت قرار دیا گیا ہے اور لفظ اہل کی وجہ سے بیوی کے لیے جمع مذکر کے صیغے بولے گئے ہیں، جیسے امْكُثُوْۤا، اٰتِیْكُمْ لَعَلَّكُمْ اور تَصْطَلُوْنَ، اسی طرح لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۝ میں ازواج رسول ﷺ کے لئے طہارت و پاکیزگی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔

اسی لیے حبر امت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نزلت فی نسآء النبی ﷺ خاصۃً

یہ آیت تطہیر ازواج رسول ﷺ کے حق میں خصوصاً اتری ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد 9 صفحہ 132 حدیث 17675) اور حضرت عکرمہ تابعی فرماتے تھے میں مباہلہ کرنے کیلیے تیار ہوں کہ یہ آیت ازواج رسول ﷺ ہی کے حق میں اتری ہے۔ (ابن ابی حاتم حوالہ مذکورہ) اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ ہر زوجہ مطہرہ کے حجرہ پر گئے اور آواز دے کر کہا السلام علیکم اَهْلَ الْبَیْتِ ورحمۃ اللہ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب حدیث 4793)

اس جگہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اہل بیت رسول یعنی امہات المؤمنین سے اللہ نے ہر رجس یعنی ہر بری خصلت دور کر دی ہے تو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ پر جنگ جمل کے حوالہ سے کوئی اعتراض کرنا اپنے ایمان کے ضائع کرنے کے برابر ہے۔ آئمہ دین نے زیادہ سے زیادہ اسے خطاء اجتہادی سے تعبیر کیا ہے جیسے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ میں اور حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں فرمایا ہے:

ہاں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم سید عالم ﷺ نے دعا کر کے مولیٰ علی المرتضیٰ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے مصداق اور شانِ تطہیر میں داخل کیا۔ اس کتاب کے شروع میں ہم یہ بات

وضاحت سے لکھ آئے ہیں، امام قرطبی، امام آلوسی، امام رازی اور دیگر آئمہ مفسرین نے آیت تطہیر کے تحت یہی بیان فرمایا ہے:

ازواج رسول ﷺ کا بدخوابی سے پاک ہونا:

چونکہ ازواج رسول ﷺ سے اللہ نے ہر رجس یعنی شیطانی اثر دور کر دیا ہے اس لیے جن خوش نصیب خواتین کا ازواج رسول ہونا علم الٰہی میں تھا انہیں منصب زوجیت کے ملنے سے قبل ہی اللہ نے بدخوابی یعنی برے اور شیطانی خواب سے محفوظ کر دیا تھا۔ چنانچہ

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں، کہنے لگیں یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ حق کہنے سے حیا نہیں فرماتا، جب عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَآءَ ہاں جب وہ (خواب سے اٹھ کر اپنے کپڑوں پر) پانی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حیاء سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ وہ کہنے لگیں یارسول اللہ ﷺ! اَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا ہاتھ خاک میں ملے، آخر بچہ اپنی ماں کی شکل پہ کیوں جاتا ہے؟ (اسی لیے کہ اس میں ماں کا پانی غالب آ جاتا ہے)

(صحیح بخاری کتاب العالم باب 50 حدیث 130، صحیح مسلم کتاب الحیض حدیث 32)

یعنی ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس تصور ہی سے ناآشنا تھیں کہ عورت کو بھی شیطانی خواب آ سکتا ہے۔ اس طرح صحیح مسلم میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا کہ کیا احتلام کی وجہ سے عورت پہ غسل آتا ہے؟ تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

اُفٍّ لَكِ أَتَرَى الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ

تم پر افسوس کیا عورت ایسا خواب دیکھ سکتی ہے؟ (صحیح مسلم کتاب الحیض حدیث 714)

ایک جگہ مسلم میں یہ حدیث بھی ہے کہ ایک عورت کے ایسے سوال پر ازواج رسول ﷺ ہنس پڑیں۔ (عمدۃ القاری جلد 2 صفحہ 321) معلوم ہوا تمام ازواج مطہرات کو اللہ نے ابتداء ہی سے بدخوابی سے محفوظ رکھا تھا۔ یہ ان کے لیے وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کا جلوہ ہے۔

یعنی قرب رسول ﷺ کی وجہ سے ازواج رسول ﷺ پر پرتو نور نبوت پڑتا ہے۔ خود انبیاء کرام شیطانی خواب سے پاک ہیں اس لیے ان کا خواب وحی الٰہی ہے شیطان ان کے خواب میں نہیں آ سکتا اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے جب خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا تو اگلے دن بیٹے کو چھری کے نیچے رکھ لیا اور بیٹے نے بھی کہا قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا

تُؤْمَرُ ۥ اے اباجان! جو حکم خداوندی ہے اسے پورا کیجئے۔ (سورہ صافات آیت 102)

لہٰذا نور نبوت کے قرب خاص نے ازواج مطہرات کے خواب بھی شیطانی اثرات سے پاک کر دیئے۔

دوسری فضیلت: ازواج رسول ﷺ امہات المومنین ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

نبی اکرم (ﷺ) مومنوں کی جانوں سے بڑھ کر ان سے قریب تر ہیں۔ اور آپ کی ازواج پاک مومنوں کی مائیں ہیں۔ (سورہ احزاب آیت 6)

چونکہ رسول اللہ ﷺ بحیثیت رسول تمام مومنوں کے لیے روحانی و ایمانی باپ ہیں اس لیے آپ کی ازواج تمام امت کے لیے روحانی و ایمانی مائیں ہیں۔ ہر مومن پر لازم ہے کہ ازواج مطہرات کا یوں احترام کرے جیسے وہ اپنی سگی ماں کا احترام کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر، جسمانی ماں صرف اپنے چند بچوں کی ماں ہوتی ہے جبکہ ازواج رسول ﷺ ساری امت کی ایمانی مائیں ہیں۔ اور ایمانی رشتے جسمانی رشتوں سے کہیں بڑھ کر مقدس و معظم ہیں۔ جیسے کوئی شخص اپنی سگی ماں کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا یونہی ایک سچا مومن ازواج رسول ﷺ کے بارے میں کوئی بری بات نہیں سن سکتا۔ پھر افسوس ہے روافض پر وہ خود کو مومنین بھی کہتے ہیں اور امہات المومنین کو برا بھی کہتے بلکہ معاذ اللہ لعنتیں بھیجتے ہیں۔ کیا انہیں کچھ حیا نہیں؟ مگر کیا کریں حیا تو ایمان کا شعبہ ہے۔

چونکہ ازواج رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد کسی مومن کے لئے کسی زوجہ رسول ﷺ سے نکاح کو حرام قرار دیا، فرمایا:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۝

تمہارے لیے جائز نہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کو ایذاء دو نہ یہ جائز ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ (سورہ احزاب آیت 53)

اس جگہ ہمارے ہاں برطانیہ میں ایک مولانا صاحب نے نیا شگوفہ چھوڑا ہے کہ ازواج مطہرات صرف مومن مردوں کی مائیں ہیں۔ مومنہ عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔ کیونکہ المؤمنین اور امھاتھم صیغہ ہائے مذکر ہیں۔ مگر یہ بہت کمزور بلکہ غلط استدلال ہے قرآن کریم میں عموماً مذکر صیغوں میں عورتیں شامل ہوتی ہیں جیسے اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ۔ لا تقربوا الزنا۔ لا تقربوا الفواحش۔ انعمت علیھم وغیرہ،

تو کیا ان احکام میں عورتیں شامل نہیں ہیں؟ پھر پہلے کہا گیا اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ آگے کہا گیا وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ، تو کیا نبی اکرم ﷺ کی قربت اور اختیار صرف مومن مردوں کے لیے ہے؟ کیا اس میں عورتیں شامل نہیں ہیں؟ جب ہیں تو آگے وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ سے عورتیں کیسے مستثنیٰ ہوگئیں؟

اس جگہ عبداللہ بن عباس سے یہ قراءت مروی ہے۔ وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمۡ

یعنی حضور ﷺ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ ان کے باپ ہیں۔ (سنن بیہقی، حاکم، ابن مردویہ) اب سوال ہے۔ جب حضور ﷺ کی اُبوّت مسلمان مردوں عورتوں سب کو شامل ہے تو آپ کی ازواج کی اُمومت صرف مردوں سے کیسے خاص ہوگئی۔

البتہ اس جگہ ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت سے فرمایا: میں صرف مومن مردوں کی ماں ہوں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ (سنن بیہقی جلد 7 صفحہ 70) تو اوّلاً اسکی سند کمزور ہے اس کی سند یوں ہے۔ اخبرنا علی بن احمد بن عبدان انبأنا احمد بن عبیدِ ثنا ابن ابی قماش ثنا ابن عائشة ثنا ابو عوانة عن فراس عن عامر عن مسروق عن عائشة

اس سند میں احمد بن عبید کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا وہ روایت میں عمدہ نہیں ہے۔ حاکم نے کہا اس کی اکثر روایات قابل حجت نہیں ہیں اور مشائخ اس کی مرویات سے سکوت کرتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد 1 صفحہ 43، راوی 103)

دوسری بات یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات بطور اظہار عجز فرمائی ہے۔ اور اظہار عجز کو حقیقت پہ محمول نہیں کیا جاتا اگر ایک بہت بڑا عالم کہے میں تو نرا جاہل ہوں تو یہ اس کا عجز ہے۔ اب اگر کوئی اسے واقعی جاہل سمجھنے لگے تو وہ خود بہت بڑا جاہل ہے۔

تیسری فضیلت، ازواج رسول ﷺ دنیا کو چھوڑ کر دامن رسول سے لپٹ گئیں:

ارشاد خداوندی ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَهَا فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا ۝ وَاِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝

اے نبی اکرم (ﷺ) آپ اپنی ازواج سے فرما دیں اگر تم حیاتِ دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دنیا دیتا ہوں اور تمہیں بہتر طریقہ کے ساتھ اپنے نکاح سے فارغ کر دیتا ہوں اور اگر تم

اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے اجر عظیم تیار کیا ہے۔ (سورہ احزاب آیت 28۔29)

ان آیاتِ قرآنیہ کا شان نزول یہ ہے کہ ازواج رسول ﷺ نے ایک بار آپ سے گھر کا کچھ خرچہ مانگا۔ کیونکہ آپ نے قصداً فقر اختیار کر رکھا تھا۔ بسا اوقات کئی دنوں تک ازواج رسول ﷺ کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو ازواج مطہرات کا خرچہ مانگنا پسند نہ آیا آپ نے ان سے ایک ماہ تک علیحدگی فرمالی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیات مقدسہ مذکورہ نازل فرمائیں اور آپ سے فرمایا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار عطا فرمائیں اگر وہ مال چاہتی ہیں تو آپ انہیں مال دیدیں اور ساتھ میں نکاح سے بھی آزاد کر دیں اور اگر وہ اللہ و رسول کی رضا اور دار آخرت کی نعمتیں چاہتی ہیں تو پھر اسی فقر و فاقہ پر صبر کر لیں اللہ نے ان کے لیے جنت کی بہاریں تیار کر رکھی ہیں۔

صحیح بخاری میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں تو آپ نے سب سے قبل مجھ سے بات کی۔ فرمایا: میں تم سے ایک بات کہتا ہوں تم جلدی نہ کرو اس بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کرلو، آپ جانتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ سے فرقت برداشت نہیں کر سکتے، پھر آپ نے مجھے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا الخ

میں نے عرض کیا: کیا میں اس بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ (کہ مجھے دنیا چاہیے یا قربت رسول چاہیے؟) میں اللہ و رسول اور دار آخرت کو پسند رکھتی ہوں۔ اس کے بعد تمام ازواج رسول نے میری پیروی کی۔ (جو میں نے کہا انہوں نے کہا)

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب حدیث 4786، جامع الترمذی کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب حدیث 3204)

چنانچہ جب ازواج رسول ﷺ فقر و فاقہ پر صبر کر کے دامن رسول ﷺ سے لپٹ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔

اے پیارے محبوب (ﷺ) اس کے بعد آپ کے لیے مزید عورتوں سے نکاح حلال نہیں نہ یہ حلال ہے کہ آپ ان کی جگہ دوسری ازواج لے آئیں خواہ ان کا حسن آپ کو بھائے۔ (سورۃ الاحزاب آیت 52)

یعنی آپ کو حکم فرمایا گیا کہ ازواج رسول ﷺ کے اس عظیم صبر، استقامت، محبت رسول اور شانِ وفاداری کا یہ صلہ ہے کہ آپ ان پر مزید کوئی بیوی گھر میں نہ لائیں گے نہ ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی دوسری عورت سے نکاح

کریں گے۔ اب یہی آپ کی ازواج ہیں۔ چنانچہ اسوقت آپ کی زوجیت میں نو(9) ازواج پاک تھیں پانچ قریش میں سے اور چار غیر قریش سے۔ قریش سے یہ تھیں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، ام المؤمنین حفصہ، ام المؤمنین سودۃ بنتِ زمعہ، ام المؤمنین ام سلمہ اور ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنھن، جبکہ غیر قریش سے یہ تھیں ام المؤمنین زینب بنتِ جحش، ام المؤمنین صفیہ بنت حُیی اور ام المؤمنین جویریہ بنت حارث اور ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنھن

بعض احادیث میں ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آخر میں آپ کو اختیار دیدیا تھا کہ آپ جس عورت سے چاہیں نکاح فرمائیں مگر آپ نے اپنی ازواج کے مہر و وفا کے صلہ میں کسی دیگر عورت سے نکاح نہ فرمایا: چنانچہ آپ کے وصال کے وقت یہی نو(9) ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں موجود تھیں۔

چوتھی فضیلت، ازواج مطہرات تمام امت کی خواتین سے افضل ہیں:

ارشاد رب العالمین ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؀ :

اے ازواج رسول (ﷺ) تم اپنے مرتبہ میں کسی عورت جیسی نہیں ہو (سب سے افضل ہو) اگر تم تقویٰ اختیار کرو، لہٰذا اپنی بات میں لوچ نہ رکھو ورنہ وہ شخص طمع کرے گا جس کے دل میں مرض ہے اور ہمیشہ بھلائی والی بات کہو۔ (سورہ احزاب آیت 32)

اس آیت میں ازواج رسول ﷺ کو تمام عورتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اگر وہ تقویٰ کریں اور یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ تمام ازواج رسول سب سے بہتر تقویٰ والی ہیں۔ یہ قید اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہے اگر میں تمہارا باپ ہوں تو میرا حکم مانو یعنی جب میں بلاشبہ تمہارا باپ ہوں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے۔

تاہم اس عموم سے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا مستثنیٰ ہیں کثیر احادیث صحیحہ کے مطابق وہ تمام نسآء عالمین سے افضل ہیں۔ اور بعض احادیث کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ تمام نسآء اہل جنت کی سردار ہیں، احادیث ہم پیچھے ان کے فضائل میں لکھ آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

پانچویں فضیلت: ازواج رسول ﷺ جنت میں بھی آپ کی ازواج ہونگی:

ازواج رسول ﷺ کو اجازت نہ دی گئی کہ وہ آپ کے وصال کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کریں۔ اس کی ایک وجہ ان کا امہات المؤمنین ہونا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جو عورت شوہر کے وصال کے بعد دوسرے مرد سے نکاح

کرے اور اسی کے نکاح میں فوت ہو وہ جنت میں دوسرے مرد کے ساتھ اٹھائی جائیگی اور اگر دوسرا شوہر فوت ہوگیا یا اس نے طلاق دیدی تو اسے اختیار دیا جائیگا کہ ان دونوں میں سے جس کے ساتھ رہنا پسند کرے۔ اور جو عورت شوہر کے وصال کے بعد کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے وہ جنت میں اپنے شوہر کے ساتھ ہی ہوگی، کیونکہ وہی اس کا ایک شوہر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا چاہی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے طلاق نہ دیں مجھے اپنے نکاح میں رکھیں تاکہ میں جنت میں آپ کی زوجیت میں رہوں میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کرتی ہوں۔ چنانچہ آپ نے طلاق کا ارادہ چھوڑ دیا اور انہیں اپنے نکاح ہی میں رکھا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے انہیں طلاق دیدی تھی پھر ان کی اس گزارش کی وجہ سے رجوع فرمالیا۔

(مدارج النبوۃ جلد 3 صفحہ 406 تذکرہ امہات المومنین مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور)

فصل دوم:

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

آپ کے حالاتِ زندگی:

امام ابن اثیر جزری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قُصی قریشیہ اسدیہ ہیں۔ قُصی میں ان کا نسب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے نبی اکرم ﷺ کا نسب مبارک یہ ہے۔ محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی، آپ نبی اکرم ﷺ کی سب سے پہلی زوجہ ہیں۔ اور باجماع مسلمین آپ ساری مخلوق میں حضور ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں۔ اسلام لانے میں کوئی آپ سے مقدم نہیں مرد نہ عورت۔

پہلے آپ کا نکاح ابوہالہ ہند بن نباش بن زرارہ کے ساتھ تھا، جب وہ فوت ہوئے تو آپ کا نکاح عتیق بن عابد بن عبداللہ سے ہوا۔ پھر ان کے وصال کے بعد آپ رسول اللہ ﷺ کے عقد مبارک میں آئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے آپ سے نکاح فرمایا تو آپ کی عمر پچیس برس تھی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس، یعنی وہ عمر میں آپ سے پندرہ برس بڑی تھیں۔

بقول ابن اسحاق رسول اللہ ﷺ سے آپ کی شادی کا سبب یہ ہوا کہ آپ تاجرہ تھیں اللہ نے آپ کو مال اور شرف دے رکھا تھا۔ آپ لوگوں کو مال تجارت دے کر دوسرے ممالک میں بھیجا کرتی تھیں۔ (اہل مکہ ان دنوں تجارت میں دلچسپی رکھتے تھے، شام، مصر یمن وغیرہ سے مال خرید کر لاتے اور مکہ میں بیچتے اور مکہ سے مال لیجا کر دوسرے ممالک میں فروخت کرتے۔ جب سیدہ خدیجہ نے رسول اللہ ﷺ کی صداقت، امانت اور دیانت کا شہرہ سنا تو انہوں نے آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ ان کا مال لیکر بغرض تجارت شام جائیں، انہوں نے کہا کہ دوسروں کو تجارت میں سے جو حصہ دیتی ہیں آپ کو ان سے بڑھ کر دیں گی۔ انہوں نے اپنا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ کر دیا آپ نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ آپ ان کا مال لیکر میسرہ کے ساتھ شام روانہ ہوئے، وہاں ایک راہب کے معبد کے قریب آپ نے ایک درخت کے نیچے ڈیرہ لگایا۔ (روایات کے مطابق راہب کا نام نسطورا تھا) وہ راہب میسرہ سے پوچھنے لگا: مَنْ هٰذا الرجُل الَّذی تحْتَ هٰذِهِ الشَّجَرةِ

اس درخت کے نیچے کون شخص بیٹھا ہے؟ میسرہ نے کہا هٰذا الرجُل من قریشٍ من اهلِ الحَرَمِ یہ شخص قریش سے اہل حرم سے ہے۔ راہب کہنے لگا۔ مَا نَزَلَ تحتَ هَذِهِ الشَّجَرةِ الا نبیٌّ۔ اس درخت کے نیچے کوئی نبی ہی اترتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد حضرت خدیجہ کا مال بیچا اور جو چاہا خریدا۔ پھر آپ مکہ کو واپس ہوئے، آپ نے سارا مال لا کر حضرت خدیجہ کو دیا اور نفع پہلے سے دو نا تھا، میسرہ نے حضرت خدیجہ کو راہب کا قول بتایا۔ وہ بہت دانا اور معاملہ فہم خاتون تھیں اور اللہ انہیں بڑی کرامت سے نوازنے والا تھا۔ جب میسرہ نے انہیں نے یہ خبر دی اور آپ کی دیانت و امانت سے آگاہ کیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا: میں آپ سے نکاح کی رغبت رکھتی ہوں آپ میرے قرابت دار ہیں قوم میں شرافت رکھتے ہیں اور آپ کا خلق وراست گوئی معروف ہے۔ حضرت خدیجہ خواتین قریش میں نسب، شرافت اور مال کے لحاظ سے ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کے پیغام کو اپنے چچاؤں کے سامنے رکھا۔ یوں حضور ﷺ سے ان کا نکاح ہوا، پھر اعلان نبوت اور نزول وحی سے قبل ان سے رسول اللہ ﷺ کی یہ اولاد پیدا ہوئی، زینب، ام کلثوم، فاطمہ، رقیہ، قاسم، طیب، طاہر، قاسم، طیب اور طاہر تو ظہور اسلام سے قبل ہی فوت ہو گئے۔ قاسم سے آپ اپنی کنیت بناتے تھے۔ جبکہ آپ کی صاحبزادیاں بڑی ہوئیں انہوں نے دور اسلام پایا، وہ اسلام لائیں انہوں نے ہجرت کی اور آپ کی اتباع اپنائی۔ (اسد الغابہ فی المعرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 81۔82 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

میں نے الحمد للہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر مفصل کتاب لکھی ہے۔ میں نے اس میں حضور ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لیکر شام جانا، کثیر منافع حاصل کرنا پھر آپ کی ان سے شادی، اولاد اور دیگر خانگی احوال لکھے ہیں وہ میں یہاں نقل کرتا ہوں ان میں تفصیلی معلومات ہیں۔

یہی حدیث حضرت نفیسہ سے امام ابونعیم نے مختلف الفاظ سے روایت کی ہے اصل مفہوم قریباً یکساں ہے۔ امام ابونعیم اصفہانی اپنی سند کے ساتھ حضرت نفیسہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس ہوئی تو آپ کا لقب الامین کے سوا کچھ نہ تھا کیونکہ آپ میں تمام خصالِ خیر (اخلاق حسنہ) جمع ہو گئے تھے، آپ سے ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے میں نادار آدمی ہوں، زمانہ ہم پر سخت ہوگیا ہے اور برے دنوں نے گھیر رکھا ہے ہمارے پاس کوئی پونجی ہے نہ تجارت، تمہاری قوم کا یہ قافلۂ تجارت شام جانے کو تیار ہے۔ خدیجہ بنت خویلد تمہاری قوم کے لوگوں کو تجارت کے لیے بھیج رہی ہے وہ تجارت کریں گے اور نفع کمائیں گے، اگر تم بھی جا کر ان سے بات کرو تو وہ جلد تمہاری بات مانیں گی اور دوسرے لوگوں پر تمہیں ترجیح دیں گی کیونکہ وہ تمہاری طہارت کے بارہ میں سن چکی ہیں۔ مجھے تمہارا شام جانا پسند تو نہیں، کیونکہ میں تمہارے بارے میں یہود سے ڈرتا ہوں۔ (کیونکہ گزشتہ سفر شام میں یہود نے آپ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تھی) مگر ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

حضرت خدیجہ تجارت کرتی تھیں بڑے شرف، مال کثیر اور تجارت کی مالکہ تھیں۔ وہ شام کی طرف تجارتی قافلے بھیجتی تھیں، ان کا قافلہ باقی سارے قریش کے قافلہ کے برابر ہوتا تھا، وہ کسی شخص کو اجرت پر لے لیتی تھیں اور اسے اپنا مال مضاربت پر دیتی تھیں (یعنی مال ایک آدمی کا خرید و فروخت دوسرے کی اور نفع کی باہم تقسیم) قریش سب تجارت پیشہ تھے، جو تاجر نہ تھا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ ارضِ مکہ وادی غیر ذی زرع ہے یہاں کھیتی باڑی نہیں ہے اس لیے لوگ تجارت پیشہ ہو گئے) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا کہ خدیجہ مجھے اس بارے میں پیغام بھیجے؟ (اس سے نبی کریم ﷺ کی خود داری، دنیا سے بے رغبتی اور حکمت و دانائی کا پتہ چلتا ہے اور یہ اعلانِ نبوت سے پہلے کی باتیں ہیں) ابوطالب نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے سوا کسی اور کو یہ کام دیدے گی اور تم ناکامی دیکھو گے، تو دونوں یہ گفتگو کر کے الگ ہو گئے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تک آپ کی اپنے چچا سے یہ گفتگو پہنچ گئی۔ اور اس سے پہلے ان کو آپ کی سچائی، امانت داری اور حسن اخلاق سے آگاہی ہو چکی تھی۔ وہ کہنے لگیں میرا انہیں خیال تھا کہ وہ یہ چاہتے ہیں تو انہوں نے آپ کو بلایا۔ کہنے لگیں: میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ مجھے آپ کی گفتگو پہنچی ہے اور میں آپ کی امانت داری اور حسن اخلاق سے بھی آگاہ ہوں۔ میں آپ کی قوم کو جو معاوضہ دیتی ہوں آپ کو اس سے دوگنا دونگی، رسول اللہ ﷺ نے حامی بھر لی۔ پھر آپ ابوطالب سے ملے، انہوں نے کہا: اللہ نے تمہاری طرف یہ رزق بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ سفر پہ نکلے، شام پہنچے۔ دونوں بازار بصریٰ میں ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھے جو راہبوں میں سے ایک راہب کے گرجا کے قریب تھا جسے نسطورا کہتے تھے۔

وہ راہب میسرہ سے ملاوہ اسے جانتا تھا۔ کہنے لگا: اے میسرہ! یہ کون ہیں جو اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھے ہیں؟ اس نے کہا یہ قوم قریش میں حرم کا ایک باشندہ ہیں۔ راہب نے کہا:

مانزل تحت ھذہ الشجرۃ قط الانبیؑ

اس درخت کے نیچے کبھی کوئی نہیں بیٹھا سوا کسی نبی کے، (یعنی یہ بیٹھنے والے نبی ہی ہو سکتے ہیں)

پھر اس نے کہا: کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ میسرہ نے کہا: ہاں یہ سرخی انکی آنکھوں میں ہمیشہ رہتی ہے۔ کبھی جاتی نہیں۔

قَالَ الرَّاهِبُ هٰذَا هُوَ وَهُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِيَآءِ وَيَالَيْتَنِيْ اَنِّيْ اَدْرَكْتُهٗ حِيْنَ يُؤْمَرُ لِخُرُوْجِ

راہب نے کہا: یہ وہی ہیں (نبی ہیں) اور یہ سب انبیاء میں سے آخری ہیں۔ اور کاش میں وہ زمانہ پاؤں جب ان کو نکلنے کا حکم ہوگا۔ (اعلان نبوت کا حکم ہوگا۔)

میسرہ نے یہ بات دل میں بٹھالی۔ پھر رسول اللہ ﷺ بازارِ بصریٰ میں گئے۔ جو سامان لے کر آئے تھے وہ فروخت کیا اور کچھ خریدا، وہاں ایک آدمی سے کسی سودے میں تکرار ہوا، اس نے آپ سے کہا! میں لات وعُزّیٰ کی قسم اٹھاتا ہوں، آپ نے فرمایا میں نے کبھی ان کی قسم نہیں اُٹھائی، میں ان کے پاس سے منہ پھیر کر گزر جاتا ہوں۔ اس آدمی نے کہا تمہاری بات ہی درست ہے پھر اس نے میسرہ سے کہا وہ اس کو تنہائی میں لے گیا تھا کہ اے میسرہ یہ نبی ہیں۔ اور اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ وہی ہیں ہمارے علماء اپنی کتب میں ان کا حلیہ لکھا پاتے ہیں۔ میسرہ نے یہ بات بات بھی یاد رکھ لی، پھر سارا قافلہ واپس آ گیا۔ اور میسرہ دیکھتا تھا کہ جب دوپہر ہو اور گرمی شدت اختیار کرے تو دو فرشتے (پرندوں کی صورت میں) آپ کو سورج کی تمازت سے بچاتے ہیں۔ جبکہ آپ اونٹ پر محوسفر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ تجارت کا مال لائے اور اس میں سے دوگنا زائد نفع ہوا جو پہلے ہوتا تھا۔ اور حضرت خدیجہ نے بھی آپ سے جو معاوضہ طے کیا تھا اس سے آپ کو دوگنا دیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصفہانی جلد اول صفحہ 222،219 حدیث 110)

سچی تجارت سنتِ مصطفی ﷺ ہے:

الغرض نبی اکرم ﷺ کا سفر تجارت بتاتا ہے کہ سچی تجارت بھی نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ اور سچی تجارت جو جھوٹ کی آمیزش سے پاک ہو بہت بابرکت ہے۔ یہ چیز نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے ثابت فرمائی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پہلے دوسرے لوگوں کو مال تجارت دیکر بھیجتی تھیں، مگر ان کی تجارت میں وہ برکت نہ ہوتی جو آقا ﷺ کی تجارت میں ہوئی، فرق یہی تھا کہ آپ نے صداقت و امانت والی تجارت فرمائی اور سچی تجارت اگر کافر کرے تو اسے بھی برکت حاصل ہوتی ہے، آج اہل یورپ و امریکہ اس لیے بھی دنیا میں غالب قومیں ہیں کہ وہ داخلی اور خارجی سطح پر اپنی تجارت کو مستحکم

اصولوں پہ قائم رکھتے ہیں۔ جس کو انٹی کا مال طے کرتے ہیں وہی خریدار تک پہنچاتے ہیں، اور اگر مال میں کوئی عیب ہوتو اسے چھپاتے نہیں بتادیتے ہیں اس طرح ان کا مال زیادہ سیل ہوتا ہے مگر افسوس کہ اکثر مسلمانوں کا حال اس معاملہ میں کمزور ہے اس لیے آج امت مسلمہ خسارے میں ہے۔

سچی تجارت سے ایک مسلمان کو جہاں دنیا میں اموال کی برکت ملتی ہے وہاں آخرت میں جنت کے اندر اعلیٰ منزل بھی ملتی ہے۔ حدیث نبوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الْاَمِيْنُ الصَّدُوْقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّهَدَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَة

یعنی امانت دار، سچا مسلمان تاجر روز قیامت شہیدوں کے ساتھ (جنت میں) ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب التجارات باب الحث علی المکاسب حدیث 2139)

نبی اکرم ﷺ کی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی:

جب رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ کا مال تجارت شام لیکر گئے اور اتنا نفع لے کر آئے جو پہلے کبھی کوئی نہیں لایا تھا پھر ان کے غلام میسرہ نے آپ میں جو علاماتِ نبوت دیکھیں وہ آ کر انہیں بتائیں کہ کس طرح نسطورا راہب نے آپ کی نبوت پر گواہی دی تھی۔ پھر ایک اور آدمی نے بھی آپ کی نبوت بیان کی تھی اور آپ پر دو فرشتوں کا سایہ کرنا بتایا کہ بلکہ خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے تو ان تمام باتوں نے حضرت خدیجہ کے دل میں حضور ﷺ کے لیے بے پناہ عقیدت و احترام پیدا کردیا اور وہ آپ کے اخلاقِ حسنہ کی گرویدہ ہوگئیں۔ وہ بیوہ تھیں، چند بچے بھی تھے اور چاہتی تھیں کہ کوئی بااخلاق، امانت دار، باوفا انسان مل جائے تو اس سے شادی کرلیں، جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے تصور سے بھی زیادہ پیکرِ اخلاق پایا تو انہوں نے آپ کو پیغام نکاح بھجوایا۔

اس کے علاوہ آپ نے جانا کہ اللہ رب العزت آپ کو عظیم منصب پہ فائز فرمانے والا ہے جو منصب نبوت ہے اس لیے بھی آپ کے ساتھ شادی کا خیال ان کے دل میں آیا۔

نکاح سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضور ﷺ سے آگاہ تھیں:

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت سے مذکور ہے کہ انہوں نے کہا:

حضرت خدیجہ بنت خُویلد نے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد عزّیٰ سے (جو ان کا چچا زاد بھائی تھا اور اس نے عیسائیت اختیار کرلی تھی اور سابقہ آسمانی کتابوں کا جاننے والا تھا) ذکر کیا اور اسے بتایا جو ان کے غلام میسرہ نے انہیں راہب کا قول بتایا تھا (کہ محمد ﷺ نبی ہیں) اور یہ بھی بتایا کہ دو فرشتے ان پر سایہ کرتے تھے، ورقہ نے کہا:

لَئِنْ كَانَ هٰذَا حَقًّا يَا خَدِيْجَةُ اِنَّ مُحَمَّداً لَنَبِيُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَقَدْ عَرَفْتُ اِنَّهٗ كَائِنٌ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ نَبِيٌّ يُنْتَظَرُ هٰذَا زَمَانُهٗ اَوْ كَمَا قَالَ۔

اے خدیجہ! اگر یہ باتیں سچی ہیں تو بے شک محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس امت کا ایک نبی ہے جس کا انتظار ہے اور یہی اس کے ظہور کا زمانہ ہے۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل آپ کے ظہور کا شدت سے انتظار کرنے لگا اور کہتا تھا حتیٰ متیٰ آخر وہ کب تشریف لائیں گے؟ ورقہ بن نوفل نے اس بارے میں اشعار کہے۔ جن کا خلاصہ ہے کہ اے دل تو کسی کی یاد میں بہت تڑپتا ہے۔ اس غم کے ساتھ جو آنسو رلاتا ہے۔ خدیجہ وصف پہ وصف بتا رہی ہے۔ خدیجہ میرا انتظار طویل ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ شہر مکہ میں وہ خبر نمودار ہوئی جو راہبوں نے بتائی ہے کہ محمد (ﷺ) ہم میں قائد بن کر آئیں گے اور اپنے مخالفین سے لڑائی کریں گے، ان شہروں میں اس نور کی چمک نکلے گی جو انسانوں کو گمراہی سے بچائے گی۔ جو ان سے دشمنی کرے گا خسارات پائے گا جو ان سے صلح کرے گا فتوحات پائے گا اے کاش جب یہ باتیں ہوں تو میں زندہ ہوں تو میں سب سے پہلے اس دین سے داخل ہوں گا جسے قریش ناپسند کریں گے۔

(سیرت ابن ہشام حدیث تزویج رسول اللہ ﷺ خدیجہ صفحہ 88 مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

امام محمد یوسف صالحی فرماتے ہیں:

ابن اسحاق نے المبتدأ میں فرمایا ہے: قریش کی عورتیں کوئی عید (خوشی کا دن) مناتی تھیں وہ اس دن مسجد (مسجد حرام) میں جمع ہوتیں، ایک بار وہ مسجد میں جمع تھیں، ایک یہودی ان کے پاس سے گزرا اس نے کہا:

يَا مَعْشَرَ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اِنَّهٗ يُوْشِكُ فِيْكُنَّ نَبِيٌّ فَاَيُّكُنَّ اِسْتَطَاعَتْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ فِرَاشاً فَلْتَفْعَلْ

اے گروہِ زنانِ قریش! عنقریب تم میں ایک نبی آنے والا ہے، تو تم سب میں جو عورت اس کی بیوی بن سکے وہ بنے۔

عورتوں نے اسے کنکر مارے، برا کہا اور اس کو جھڑکا، حضرت خدیجہ نے اس کے قول کو دل میں اتار لیا۔ اور جس طرح عورتوں نے اسے جھڑکا تھا ایسا کچھ نہ کہا اور وہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی، پھر جب میسرہ نے ان کو وہ ساری نشانیاں بتائیں اور جو آپ نے خود دیکھیں تو فرمایا:

اِنْ كَانَ مَا قَالَهُ الْيَهُوْدِيُّ حَقًّا مَا ذٰلِكَ اِلَّا هٰذَا

اس یہودی نے جو کہا تھا اگر وہ سچ تھا تو وہ نبی یہی ہو سکتا ہے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 163 باب 14 فی نکاحہ ﷺ خدیجہ)

یعنی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آقائے دو عالم ﷺ میں جو علاماتِ نبوت اور کردار کی بلندیاں دیکھیں انہوں نے انہیں اس پہ مجبور کر دیا کہ وہ آپ کو پیغام نکاح بھیجیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کو اپنی غلامی میں لے لیں۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کا رشتہ کیسے طے ہوا؟

امام محمد بن سعد نے (صحابیہ رسول ﷺ) نفیسہ بنتِ مشھد (ان کو امام ابونعیم اور امام ابن اثیر نے نفیسہ بنت اُمیہ لکھا ہے سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں حضرت خدیجہ بنتِ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بہت دانا، مضبوط قوتِ فیصلہ اور بڑی شرافت والی عورت تھیں اس کے علاوہ اللہ نے انہیں مال و دولت کی کثرت بھی دے رکھی تھی۔ وہ ان دنوں قریش میں نسب کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ، شرافت میں سب سے عظیم اور مال میں سب سے کثرت والی خاتون تھیں، سب قوم والے ان سے نکاح کے متمنی تھے اگر وہ قادر ہوتے، بہت لوگوں نے انہیں پیغام نکاح بھیجا اور بہت سا مال (بصورتِ مہر) پیش کیا تھا۔ (مگر انہوں نے توجہ نہ دی۔)

حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے راز حاصل کرنے کیلئے بھیجا جبکہ محمد (ﷺ) شام سے قافلہ لیکر واپس آ گئے تھے۔ میں نے آپ سے کہا: اے محمد (ﷺ) آپ کو شادی کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس مال نہیں جسکے ساتھ شادی کروں، میں نے کہا: اگر آپ کو مال سے نیاز کر دیا جائے اور ایسی عورت سے شادی کا کہا جائے جو جمال، مال، شرافت اور کفاءت (ہم پلہ ہونے) کی صفات رکھتی ہو تو کیا آپ قبول کریں گے؟ آپ نے فرمایا: وہ کون ہے؟ میں نے کہا: خدیجہ، آپ نے فرمایا: وہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہتی ہیں: میں نے کہا: یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تیار ہوں، میں واپس گئی، میں نے حضرت خدیجہ کو ساری بات بتائی، انہوں نے آپ کو پیغام بھیجا کہ فلاں وقت آپ (بارات لیکر) آ جائیں۔ پھر انہوں نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلا بھیجا تا کہ وہ ان کی شادی کریں، وہ آ گیا، اور ادھر نبی اکرم ﷺ اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف لے آئے۔ تو ان میں سے کسی نے آپ کا نکاح کیا۔ (خطبۂ نکاح پڑھا) عمرو بن اسد نے کہا: واقعۃً یہ وہ نوجوان ہے جس کے رشتہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے شادی کی تب آپ کی عمر پچیس برس تھی اور حضرت خدیجہ چالیس برس کی تھیں (وہ واقعہ فیل سے پندرہ سال قبل پیدا ہوئیں)

ابوطالب اور ورقہ بن نوفل کا خطبۂ نکاح پڑھنا:

امام نورالدین حلبی فرماتے ہیں: ابوالحسن بن فارس و دیگر اہل سیر رحمہم اللہ بتاتے ہیں کہ ابوطالب نے نبی اکرم ﷺ کے نکاح پر خطبہ کہا:

''اللہ کی سب حمد ہے جس نے ہمیں ذریت ابراہیم علیہ السلام، نسل اسماعیل علیہ السلام اور معدنِ معد و مضر میں سے اُٹھایا، ہمیں اس نے اپنے گھر کے نگران اور اپنے حرم کے قائدین بنایا۔ ہمیں محفوظ گھر اور پرامن حرم میں بسایا اور لوگوں پر ہماری حکومت کا سکّہ چلایا۔ پھر فرمایا:

اِنَّ ابنَ اخی هذا محمدَ بنَ عبدِاللهِ لا يُوازَنُ بِهٖ رَجُلٌ بِهٖ شَرَفاً وَ نَبْلاً و فَضْلاً و عَقْلاً

بے شک میرے اس بھتیجے محمد بن عبداللہ کا یہ مقام ہے کہ کوئی مرد شرافت، نجابت، فضیلت اور علم و حکمت میں اس کے ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔

پھر فرمایا: مال اگر تھوڑا بھی ہو تو پرواہ نہیں، مال تو ڈھلتا سایہ، بہتا مایہ اور واپس کیا جانے والا ادھار سرمایہ ہے۔ واللہ میرا بھتیجا وہ ہے جس کی خبر بہت بڑی اور جس کا مرتبہ بڑا جلیل ہے۔ اس نے تمہاری معزز خاتون خدیجہ کو پیغام نکاح دیا اور تمام مؤجل و معجّل مہر بارہ اوقیہ مقرر کیا۔

ابوطالب کے خطبہ کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے اٹھ کر خطبہ کہا: اللہ کی حمد ہے جس نے ہمیں وہ مقام بخشا جو (اے ابوطالب) آپ نے بتایا ہے اور وہ انعام دیا جو آپ نے گنوایا ہے، ہم عرب کے سردار و قائدین ہیں۔ اور تم لوگ بھی اس کے اہل ہو، عرب تمہاری فضیلت سے انکار نہیں کرسکتا اور تمہاری شرافت سے منہ نہیں موڑ سکتا، تو اے گروہِ قریش گواہ رہو! میں نے خدیجہ بنتِ خویلد کا محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے نکاح کردیا اور ساتھ میں مہر کا ذکر کیا۔ جواب میں ابوطالب نے بھی کہا اے گروہِ قریش گواہ رہو میں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا نکاح خدیجہ بنتِ خویلد سے کردیا۔ پھر انہوں نے ایک اونٹ اور دوسری روایت کے مطابق دو اونٹ پر ولیمہ کیا۔ اور سب لوگوں کو کھانا کھلایا۔ حضرت خدیجہ نے بچیوں سے کہا کہ وہ اچھلیں کودیں اور دف بجائیں ابوطالب بھی اس پر بے حد خوش ہوئے اور کہا اللہ کی سب حمد ہے کہ اس نے ہم سے تکلیف دور کی اور پریشانیاں ہٹادیں۔

(سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ 201 باب تزویجہ خدیجۃ بنت خویلد)

اس سے مراد چھوٹی نابالغ بچیاں ہیں، ان کی اچھل کود اور دف کوبی سے ان رسوم بدعیہ کا جواز نہیں بنایا جاسکتا جو آج بعض لوگ شادیوں کے موقع پر ناچ گانا کرتے اور بے حیائی پھیلاتے ہیں اور شادی پہ دف بجانے کی شرعاً اجازت ہے تاکہ شادی کا اعلان ہو، مگر ڈھول بجانے گھنگھرو چھنکانے اور فلمی گانے چلانے کی اجازت نہیں ہے یہ سب حرام کام ہیں۔

حضرت خدیجہ کے باپ کو شراب پلانے والی روایت کا رد:

اس جگہ کتابوں میں ایک روایت ہے کہ حضرت خدیجہ کا والد خویلد بن اسد اس نکاح پر خوش نہیں تھا، تو انہوں نے

اسے ڈھیر ساری شراب پلا دی وہ مدہوش ہوگیا اس دوران نکاح پڑھا گیا، بوڑھے پر ایک حلہ ڈالدیا گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگا یہ حلّہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ تمہارے داماد محمد (ﷺ) نے تمہیں پہنایا ہے۔ وہ غصہ میں آیا اس نے تلوار اٹھالی، بنو ہاشم نے بھی اسلحہ اٹھالیا اور کہنے لگے ہمیں تو اس نکاح کی کوئی رغبت نہ تھی۔ مگر اس کے بعد سب نے صلح کرلی۔
(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ 106)

مگر یہ روایت سراسر غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا باپ خویلد بن اسد حرب الفجار سے قبل فوت ہو چکا تھا اس لیے محدثین نے اس روایت کا رد کیا ہے۔ چند نصوص ملاحظہ ہوں۔

امام محمد بن سعد اپنی سند کے ساتھ عن محمد بن عمر عن محمد بن عبداللہ بن سلم، عن ابیہ، عن محمد بن جبیر بن مطعم اور عن ابی الزناد عن ابن عروۃ عن ابیہ، عن عائشہ اور عن ابن ابی حبیبہ عن داؤد بن الحصین بن عکرمہ عن ابن عباس روایت کرتے ہیں۔ کہ محمد بن جبیر بن مطعم، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم تینوں نے فرمایا:

حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت خدیجہ کا نکاح کیا جبکہ انکا باپ حرب الفجار سے قبل فوت ہوگیا تھا۔

امام محمد بن سعد نے ایک اور سند کے ساتھ عن ہشام بن محمد بن سائب کلبی، عن ابیہ، عن ابی صالح عن ابن عباس سے روایت کیا کہ ابن عباس نے کہا: عمرو بن اسد بن عبد العزیٰ بن قُصی نے خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم ﷺ سے کیا: وہ اس دن بہت بوڑھے تھے اور اسد کی اولاد میں سے اس دن ان کے سوا کوئی زندہ نہ تھا (حضرت خدیجہ کا والد بھی زندہ نہ تھا) اور عمرو بن اسد کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔
(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد اول صفحہ 105 ذکر تزویج رسول اللہ ﷺ خدیجۃ بنت خویلد)

امام محمد بن سعد فرماتے ہیں: محمد بن عمر (واقدی) نے کہا: یہ شراب پلانے والی ساری روایت ہمارے نزدیک غلط ہے، ہمارے نزدیک جو چیز محقق اور اہل علم سے محفوظ طریقہ کے ساتھ مروی ہے یہ کہ حضرت خدیجہ کا باپ خویلد بن اسد حرب فجار سے قبل فوت ہوگیا تھا اور ان کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا۔
(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ 106)

پھر دیکھیے کہ کسی شخص کو شراب پلا کر مدہوش کرنا اور یوں جعل سازی سے کام لینا، ایسے کام پر وہ ذات کیسے خوش ہو سکتی ہے جسے سر پر تاج نبوت سجایا جانے والا ہے تو یقیناً یہ ایک غلط روایت ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ سے نبی اکرم ﷺ کے چار بیٹے چار بیٹیاں:

امام احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ متوفی 458ھ اپنی سند کے ساتھ امام ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں

نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے نکاح کیا تو آپ پر نزول وحی سے قبل ان کے بطن سے آپ کی یہ اولاد ہوئی۔ زینب، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ، قاسم، طاہر اور طیب ان میں سے قاسم، طاہر اور طیب (تینوں بیٹے) اسلام سے قبل فوت ہو گئے۔ اور قاسم کے ساتھ آپ اپنی کنیت فرماتے تھے۔ جبکہ آپ کی بیٹیاں زندہ رہیں۔ انہوں نے دور اسلام پایا، وہ اسلام لائیں اور انہوں نے ہجرت کی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 3 صفحہ 69 باب ماجاء فی تزوج رسول اللہ ﷺ بخدیجۃ)

امام محمد بن سعد نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے ہاں اظہار نبوت سے قبل مکہ میں سب سے پہلا بیٹا قاسم پیدا ہوا، اس سے آپ کنیت فرماتے تھے۔ (یعنی آپ کو ابو القاسم کہا جاتا ہے) پھر آپ کے لیے زینب پیدا ہوئیں، پھر رقیہ پھر فاطمہ، پھر ام کلثوم، پھر دور اسلام میں عبداللہ پیدا ہوئے انہی کو طیب کہا جاتا ہے، پھر طاہر ہوئے، ان سب کی والدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی ہیں۔ حضرت خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ، بن اصم بن ھرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوی ہے۔ حضور ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے فوت ہونے والے قاسم، پھر مکہ میں عبداللہ کا وصال ہوا۔ اس لیے (ظہور اسلام کے بعد) عاص بن وائل نے کہا۔ (جو حضرت عمرو بن العاص کا والد تھا) کہ محمد (ﷺ) کے بیٹے فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے یہ ابتر ہے (نسل بریدہ ہے) تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۔ بے شک آپ کا دشمن نسل بریدہ ہے۔ (سورۃ الکوثر) (طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ 106 ذکر اولاد رسول اللہ ﷺ)

امام ابن اسحاق نے بھی السیرۃ النبویہ میں یہی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ساری اولاد نزول وحی سے پہلے پیدا ہوئی جو یہ ہے۔ زینب، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ، قاسم، طیب، طاہر، ان میں قاسم طیب اور طاہر (تینوں بیٹے) دور اسلام سے پہلے فوت ہو گئے اور قاسم سے آپ کنیت فرماتے تھے۔ جبکہ آپ کی بیٹیوں نے دور اسلام پایا، انہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور ایمان لا کر آپ کی اتباع اپنائی۔ (السیرۃ النبویہ لابن اسحاق صفحہ 130 حدیث خدیجہ بنت خویلد)

ان تمام روایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ مجموعی طور پر نبی اکرم ﷺ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ تین بیٹے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے، پھر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے مدینہ طیبہ میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جبکہ آپ کی چاروں بیٹیاں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہی پیدا ہوئیں۔ لہٰذا مجموعی طور آپ کی اولاد امجاد آٹھ ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد پہلے شوہروں سے:

امام نور الدین حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے پہلے دو آدمیوں سے نکاح کیا۔ ان میں پہلا عتیق بن عابد تھا۔ اس سے ان کے ہاں ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ھند تھا، وہ محمد

بن صفی مخزومی کی ماں ہے۔ دوسرا شوہر ابو ھالہ تھا اسے ھند بھی کہتے تھے (ھند مذکر و مونث دونوں کا نام ہوتا تھا) اس سے ان کے ہاں پہلا بیٹا ہوا جس کا نام ھالہ تھا۔ دوسرے بیٹے کا نام ھند تھا اسے ھند بن ھند کہتے تھے۔ وہ کہا کرتا تھا۔ میں اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے بھائی اور اپنی بہن کے لحاظ سے سب سے مکرم ہوں، میرے (سوتیلے) باپ رسول اللہ ﷺ ہیں، میری والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ ہیں میرا بھائی قاسم ہے اور میری بہن حضرت فاطمہ ہیں (رضی اللہ عنہا) یہ ھند جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معیت سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔ سھیلی نے لکھا ہے کہ وہ بصری میں طاعون سے فوت ہوئے تھے۔ اس دن طاعون سے ستر ہزار (یعنی کئی ہزار) افراد مر گئے لوگ اپنے اپنے جنازوں میں لگ گئے اور ان کی طرف توجہ نہ رہی، تو ان کے گھر والوں نے ندبہ کرتے ہوئے کہا: ہائے ھند! ہائے ھند، ہائے پروردۂ رسول خدا ﷺ تو لوگ سب جنازے چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس قدر ہجوم ہو گیا کہ لوگ انہیں اپنی انگلیوں کے پوروں پہ اٹھا رہے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پروردہ بیٹے کی تعظیم کے لیے تھا۔

(سیرتِ حلبیہ جلد اول صفحہ 204، باب تزوجہ خدیجۃ بنت خویلد)

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام:

جب رسول اکرم ﷺ پر نزول وحی کا زمانہ قریب آیا تو اللہ نے آپ کی توجہ دنیا سے ہٹا کے عبادت کی طرف اور تنہائی میں جا کر اللہ کو یاد کرنے کی طرف مائل کر دی، چنانچہ آپ غار حراء سے جا کر محو عبادت رہنے لگے، بسا اوقات وہاں آپ پورا پورا ہفتہ قیام فرماتے۔ کبھی پورا ماہ بھی گزرا، اس دوران ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کھانا لیکر غار حرا میں جاتیں۔ آپ کو محو عبادت دیکھتیں تو کھانا پاس رکھ کر چلی آتیں، کئی بار ایسا ہوا کہ تین دن کے بعد دوبارہ وہاں گئیں تو دیکھا کہ کھانا اسی طرح پڑا ہے اور آپ محو عبادت ہیں یہ اس شان کا اظہار ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ اَبِیتُ ھو یطعمنی و یسقینی میں راتیں یوں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے (طعام محبت) کھلاتا اور (جام الفت) پلاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم باب 20، صحیح مسلم کتاب الصیام حدیث 57)

پھر ایک دن آپ غار حراء میں محو عبادت تھے کہ جبریل امین علیہ السلام آپ پر نازل ہوئے، صحیح بخاری کی حدیث 3 کا خلاصہ یہ ہے کہ اس موقع پر سورۂ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝، جب آپ یہ آیات لیکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر آئے تو آپ پر کپکپی طاری تھی۔ فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو۔ مجھے چادر اوڑھا دو، جب آپ کی طبیعت پرسکون ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہ کو سارا واقعہ سنایا، وہ کہنے لگیں اللہ آپ کو غم میں ہرگز نہیں ڈالے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بے سہاروں کو سہارا دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لیے مستعد رہتے ہیں۔ پھر وہ آپ کو لیکر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، اس نے کہا یہ وہی وحی ہے جو

موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب بدا الوحی حدیث 3)

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ پر سب سے پہلے ایمان لائیں۔ آپ جب بھی لوگوں سے تکذیب و انکار پر مشتمل باتیں سن کر پریشان ہوتے تو حضرت خدیجہ الکبریٰ آپ کا غم بانٹتی تھیں۔
(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 83)

وفاتِ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

یہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ سن بعثت دس میں نبی اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب اور ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا آگے پیچھے وصال ہوا۔ درمیان میں چند دن کا وقفہ تھا۔ ابو طالب کا وصال پہلے ہوا اور حضرت ام المؤمنین کا بعد میں۔ دونوں کو مکہ کے مشرقی علاقہ حُجون میں دفن کیا گیا جہاں آج مکہ کا مشہور قبرستان جنۃ المعلیٰ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو لحد میں اپنے ہاتھوں سے اتارا اس وقت ان کی عمر بقول امام نور الدین حلبی علیہ الرحمہ 65 برس تھی اور یہ درست ہے کیونکہ آپ رسول اکرم ﷺ سے پندرہ سال بڑی تھیں نکاح کے وقت حضور سید المرسلین ﷺ کی عمر مبارک 25 برس تھی اور ان کی عمر 40 برس۔ یوں اعلان نبوت کے وقت آپ 40 برس کے تھے اور وہ 55 برس کی اور بعثت سے دس سال بعد ان کا وصال ہوا تو ان کی عمر اس وقت 65 برس ہی بنتی ہے۔

نماز جنازہ کب شروع ہوئی؟

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی، اس لیے کہ ابھی نماز جنازہ جاری نہیں کی گئی تھی۔ روایات کے مطابق نماز جنازہ ہجرت کے فوراً بعد جاری ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ کے ورودِ مدینہ طیبہ سے ایک ماہ قبل حضرت براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں وصال ہو گیا تھا۔ آقا ﷺ جب تشریف لائے تو آپ نے اپنے صحابہ کے ساتھ ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد اوّل صفحہ 366)

گویا یہ پہلی نماز جنازہ تھی جو حضور ﷺ نے پڑھی مگر اس میں میت سامنے نہ تھی۔ بلکہ قبر پر نماز پڑھی گئی، ہجرت کے بعد جو پہلا مسلمان شخص فوت ہوا وہ اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے جو سن ہجری اوّل کے ماہ شوال میں فوت ہوئے یعنی ہجرت کے آٹھ ماہ بعد ان کا وصال ہوا کیونکہ ہجرت ربیع الاوّل میں ہوئی تھی۔ چنانچہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ پر باقاعدہ طور پر پہلی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بہ السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ 489)

مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل جو پہلا مسلمان فوت ہوا وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں اور ایک روایت میں حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان تھے جو مکہ میں فوت ہوئے۔ بہر حال

ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ کیونکہ ابھی اس کا اجراء نہیں ہوا تھا۔ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ عروہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں و کانت توفیّت خدیجة قبل ان تفرض الصلوٰة۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نماز جنازہ کی فرضیت سے قبل فوت ہوئی تھیں۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد 2 صفحہ 352)

محمد بن عمر اسلمی کہتے ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال دس رمضان المبارک سن بعثت دس میں ہوا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سن بعثت دس میں بنو ہاشم کے شعب ابی طالب سے خروج کے فوراً بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ (سبل الھدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 434، باب 29 فی وفاة السیدة خدیجہ رضی اللہ عنہا)

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعض فضائل:

(1) مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَآئِهَا مَرْيَمُ وَ خَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا اپنی عورتوں (نسآء بنی اسرائیل) میں سب سے بہتر ہیں اور خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی عورتوں (نسآء اہل اسلام) میں سب سے بہتر ہیں۔

(بخاری شریف کتاب مناقب الانصار حدیث 3815۔ مسلم شریف کتاب فضائل الصحابہ حدیث 69 رقم مسلسل 6271)

(2) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ کی ازواج میں سے کسی پر مجھے وہ رشک نہ آیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آیا، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ مگر نبی اکرم ﷺ ان کا ذکر خیر اکثر کرتے رہتے تھے۔

کئی بار رسول اکرم ﷺ بکری ذبح کرتے پھر اس کے گوشت کے ٹکڑے بناتے اور انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں بھجوا دیتے۔ کئی بار میں آپ سے کہتی گویا دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی نہیں ہے آپ فرماتے، خدیجہ ایسے تھی اور ایسے تھی (اس میں یہ خوبی تھی یہ خوبی تھی) اور میری اولاد بھی اسی سے تھی۔

(بخاری شریف کتاب مناقب الانصار حدیث 3818)

(3) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں۔ جبریل امین نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ خدیجہ آپ کے پاس ایک برتن میں سالن یا کھانا یا مشروب (راوی کو لفظ کا شک ہے) لے کر آ رہی ہیں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیں۔ (سبحان اللہ رب اپنی بندی کو سلام بھیج رہا ہے) اور انہیں جنت میں ایک محل کی بشارت دیدیں جو موتیوں سے بنا ہے اس میں کوئی شور ہے نہ کوئی تکلیف۔ (بخاری شریف کتاب مناقب الانصار حدیث 3819، مسلم شریف کتاب فضائل الصحابہ حدیث 71 رقم مسلسل 6273)

(4) حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا

لَمْ يَتَزَوَّجِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلٰى خَدِيجَةَ حَتّٰى مَاتَتْ

نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی تاآنکہ ان کا وصال ہوگیا۔ (صحیح مسلم شریف کتاب فضائل الصحابہ حدیث 77 رقم مسلسل 6281)

حضور ﷺ نے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پچیس برس گزارے اور اس دوران کسی دوسری عورت سے شادی نہ کی، تاآنکہ ان کا وصال ہوگیا تب آپ نے متعدد خواتین سے شادی فرمائی اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا متعدد شادیاں کرنا حَظِّ نفس کے لیے نہیں بلکہ دیگر مقاصد رفیعہ کے لیے تھا جو اپنے مقام پر بیان ہونگے، اگر حَظِّ نفس مقصود ہوتا تو آپ جوانی میں زیادہ شادیاں کرتے، مگر جوانی آپ نے اپنے سے پندرہ برس زیادہ عمر والی ایک خاتون کے ساتھ گزاردی جس کے پاس پہلے بھی کئی بچے تھے۔

(5) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ گھر سے نکلتے تاآنکہ حضرت خدیجہ کا تذکرہ فرماتے اور ان کی تعریف وتوصیف سناتے۔ ایک بار آپ نے ان کا ذکر کیا تو مجھے عورتوں والی غیرت نے پکڑ لیا۔ میں نے عرض کیا: وہ ایک بوڑھی خاتون ہی تو تھیں۔ اللہ نے آپ کو ان سے بہتر بیویاں عطا فرمادی ہیں۔ آپ کو شدید غصہ آیا حتی کہ غضب سے آپ کے ماتھے کے بال حرکت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ مجھے اللہ نے خدیجہ سے بہتر کوئی بیوی نہیں دی، جب لوگوں نے کفر کیا تو وہ ایمان لائی، جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو اس نے میری تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے محروم رکھا تو اس نے اپنے مال سے میری مدد کی اور جب میرے پاس اولاد نہ تھی تو اللہ نے اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا: آئندہ میں ان کا ذکر ایسے کبھی نہیں کروں گی۔

وصال ابوطالب وحضرتِ خدیجہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کی تنہائی وپریشانی:

وفادار ومددگار چچا ابوطالب اور وفاشعار وغمگسار بیوی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دونوں ہستیوں کا ایک ساتھ اٹھ جانا اس سے نبی اکرم سید عالم ﷺ مغموم رہتے تھے تو قدرت نے اس غم کی کیفیت کو دور کرنے کے لئے اسباب بنائے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہا

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضور ﷺ کا نکاح سب سے پہلے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا۔ ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے آپ نے شادی نہیں فرمائی۔ ان کے سوا آپ کا نکاح سب بیوہ عورتوں کے ساتھ ہوا۔

بیوہ عورتوں کے ساتھ آپ کے نکاح کرنے کا مقصد انہیں سہارا دینا اور ان کی مدد کرنا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا متعدد خواتین سے شادی کرنا حَظِّ نفس کے لیے نہ تھا۔ اگر حَظِّ نفس کے لیے ہوتا تو آپ کنواری عورتوں سے شادی کرتے۔ اس میں یہ درس ہے کہ بیوہ عورت سے شادی کو ناپسند نہ جانا جائے۔ ہمارے ہاں بیوگی کو ایک عیب سمجھ لیا گیا ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے حضور ﷺ کی شادی کا ایک مقصد حضرت صدیق اکبر کو ان کی وفاؤں کا صلہ اور اعزاز عطا فرمانا بھی تھا آگے اس کی تفصیل آتی ہے۔

حضرت خدیجہ کے بعد آپ کا جناب عائشہ صدیقہ و حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

جب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا اور آقائے دو عالم ﷺ مغموم رہتے تھے تو قدرت نے اسباب بنائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہو گیا۔ حضرت سودہ کی تو رخصتی بھی ساتھ ہی ہو گئی، مگر جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی فوراً نہ ہوئی بلکہ تین سال بعد جب ہجرت ہوئی تو مدینہ طیبہ پہنچ کر ان کی رخصتی عمل میں لائی گئی۔ یوں آپ کی ازدواجی و خانگی زندگی میں آنے والا خلا بہت حد تک پُر ہو گیا۔
حضرت سیدہ سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پہلے ان کے چچازاد سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے تھا۔ دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر دونوں واپس آ گئے۔ اسکے بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ مکہ میں فوت ہو گئے۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہوئی تو انہی دنوں جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔

چنانچہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا کی کوششوں سے سیدہ عائشہ صدیقہ و سیدہ سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہما دونوں سے آقائے دو جہاں ﷺ کا یکے بعد دیگرے نکاح ہوا جس کی تفصیل درج ذیل طویل حدیث سے ہوتی ہے ہم جو مجمع الزوائد سے نقل کر رہے ہیں۔

امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی 807ھ فرماتے ہیں۔ ابوسلمہ و یحییٰ بن عبدالرحمان بن حالب دونوں روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی خولہ بنتِ حکیم رضی

اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ۔ اَلَا تَزَوَّجُ
آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے فرمایا: کس سے؟ عرض کیا: اگر آپ چاہیں تو کنواری عورت سے شادی فرما سکتے ہیں، چاہیں تو بیوہ سے، فرمایا: کنواری کون؟ عرض کیا:

بِنْتُ اَحَبِّ خَلْقِ اللهِ عَلَيْكَ عائشةُ بنتُ ابی بکرٍ

اس شخص کی بیٹی جو آپ کو اللہ کی مخلوق میں سب سے محبوب ہے یعنی عائشہ بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا۔

آپ نے فرمایا: اور بیوہ عورت کون ہے؟ حضرت خولہ نے عرض کیا سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا جو آپ پر ایمان لائی ہیں اور آپ کے دین کی پیروکار ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو جاؤ ان دونوں کے ہاں میرا ذکر کرو، حضرت خولہ پہلے ام رومان رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں (جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہا کی بیوی اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں) کہا: اے ام رومان! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کیسی عظیم خیر و برکت کا فیصلہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگیں: وہ کیا ہے؟ کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے تاکہ میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں آپ کا پیغام نکاح تم تک پہنچاؤں، وہ کہنے لگیں، ابھی ٹھہرو ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) آتے ہیں۔ جب وہ آئے تو حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: اے ابو بکر! اللہ نے آپ کے لیے کیسی عظیم بھلائی اور برکت کا ارادہ فرمایا ہے پوچھا: وہ کیا؟ کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے آپ کے پاس عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے، وہ کہنے لگے:

وَهَلْ تَصْلُحُ لَه، اِنَّمَا هِيَ اِبْنَةُ اَخِيْهِ۔

کیا عائشہ آپ کے لیے جائز ہے؟ وہ تو ان کے بھائی کی بیٹی ہے؟
تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ سے یہی بات کہی، آپ نے فرمایا: واپس جاؤ۔ ان سے کہو:

اَنَا اَخُوْكَ وَاَنْتَ اَخِي فِي الاسْلَامِ وَانتَكَ تَصْلُحُ

میں تمہارا اور تم میرے اسلامی بھائی ہو، تمہاری بیٹی کا نکاح مجھ سے ہو سکتا ہے۔ میں واپس گئی، میں نے ان سے یہی بات کہی۔ حضرت ابو بکر فرمانے لگے: ذرا ٹھہرو پھر وہ باہر چلے گئے، حضرت ام رومان نے کہا: دراصل مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے (جبیر بن معظم رضی اللہ عنہ) کے لیے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا رشتہ مانگا تھا۔ اور ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) جب کسی سے وعدہ کر لیں تو واللہ وہ کبھی اس کے خلاف نہیں کرتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی کے پاس گئے، ان سے بات کی مگر وہ کسی نتیجہ تک نہ پہنچی۔ وہ وہاں سے یوں واپس آئے کہ ان کے دل سے اللہ نے ان کے بارہ میں رشتہ کا خیال نکال دیا تھا۔ انہوں نے خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا اُدْعِيْ لِيْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ جاؤ نبی اکرم ﷺ کو میرے گھر بلا لاؤ۔ وہ گئیں، آپ کو آگاہ کیا اور یوں حضرت ابو بکر نے آپ سے بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس وقت حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس تھی۔ (اس عمر میں نکاح کیوں ہوا یہ ہم آگے بتائیں گے)

حضرت خولہ اس کے بعد (فوراً یا چند دن ٹھہر کر) سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کیا ہی خیر و برکت کا فیصلہ فرمایا ہے؟ کہنے لگیں وہ کیا؟ کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ وہ آپ کو پیغام نکاح دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگیں: مجھے یہ پسند ہے کہ تم میرے باپ کے پاس جاؤ اور اس سے یہ بات کہو، وہ بہت بوڑھا آدمی تھا۔ اسے بڑھاپے نے آلیا تھا۔ اسی لیے وہ حج پر نہیں جا سکا تھا (ان دنوں موسم حج تھا) حضرت خولہ اس کے پاس گئیں، اور اسے دور جاہلیت کا سلام کہا (شائد وہ اسلام نہیں لایا تھا، اسی لیے فہرست صحابہ میں حضرت سودہ کے والد زمعہ بن قیس بن عبد شمس کا کہیں نام نہیں ہے اس لیے حضرت خولہ نے اسے دین اسلام والا سلام نہ کہا بلکہ دور جاہلیت کا سلام کہا۔) وہ کہنے لگا: کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں خولہ بنتِ حکیم، کہنے لگا: کیا بات ہے؟ کہا: مجھے محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ (رسول اللہ نہ کہا کیونکہ وہ اس بات کو مانتا نہ تھا) وہ سودہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے پیغام نکاح دے رہے ہیں۔ کہنے لگا: كُفُوٌ كَرِيْمٌ یہ تو بڑے پائے کا معزز رشتہ ہے۔ تو تمہاری سہیلی (سودہ رضی اللہ عنہا) کیا کہتی ہے؟ کہا وہ تو یہ رشتہ پسند رکھتی ہے، کہنے لگا: تو پھر جاؤ انہیں بلا لاؤ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں آئے اور انہوں نے نکاح کر دیا۔

اس کے بعد حضرت سودہ کا بھائی عبد بن زمعہ آ گیا وہ حج کر کے لوٹ رہا تھا۔ وہ اپنے سر میں مٹی ڈالنے لگا۔ (اسے یہ رشتہ پسند نہ آیا کیونکہ وہ ابھی اسلام نہیں لایا تھا۔) پھر اسلام لانے کے بعد عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس دن بہت احمق تھا جب میں نے اپنے سر پہ مٹی ڈالی تھی کہ سودہ بنت زمعہ سے نبی اکرم ﷺ کی شادی کیوں ہوئی ہے الخ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد جلد 9 صفحہ 228۔ 229 باب فضل عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا مطبوعہ موسستہ المعارف بیروت)

یہ واقعہ مذکورہ امام بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اختصاراً روایت کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ جلد 2 صفحہ 411)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کم عمری میں نکاح کیوں ہوا؟

یہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ صرف نکاح تھا اس میں رخصتی نہ تھی۔ رخصتی تین سال بعد مدینہ طیبہ میں جا کر ہوئی اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو (9) برس تھی۔ یعنی والدین نے تب رخصتی کی جب وہ جانتے تھے کہ وہ حد بلوغ میں داخل ہو گئی ہیں۔ اور خطۂ عرب چونکہ موسمی اعتبار سے گرم تر ہے، اس لیے وہاں لڑکیاں جلد بالغہ ہو جاتی ہیں۔ عرب تو گرم خطہ ہے، یہاں برطانیہ میں (جہاں بیٹھ کر میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں، محمد طیب غفرلہ) آئے دن اخبارات میں ایسے واقعات آتے رہتے

ہیں کہ آٹھ سال اور نو (9) سال کی لڑکیوں کو (Pregnancy) حمل ہوگیا یعنی وہ حد بلوغ کو پہنچ گئی تھیں تب ہی حمل ہوا۔ اگر برطانیہ سرد ملک کا یہ عالم ہے تو عرب جیسے گرم تر خطہ میں اسے کیوں کر بعید از قیاس سمجھا جاتا ہے۔ وہاں اس کا وقوع زیادہ متوقع ہے۔

پھر جب والدین اپنی خوشی سے رشتہ کر رہے ہیں اور اسے اپنے لیے عظیم سعادت سمجھتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ سے یہ تعلق حاصل ہوگیا۔ تو اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ دشمنانِ اسلام محض اپنے تعصب اور بغض کے سبب اس پر سوالات اٹھاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کی خدمات جلیلہ کے عوض انہیں یہ اعزاز عطا فرمایا کہ ان سے یہ تعلق قائم کر دیا۔ ورنہ اس کے علاوہ آپ نے کسی کم عمر لڑکی سے تو کیا کسی کنواری عورت سے بھی شادی نہیں کی۔ آپ کی تمام دوسری شادیاں بیوہ عورتوں کے ساتھ تھیں جو عمر میں آپ سے برابر تھیں یا آپ سے بھی بڑی عمر والی تھیں بلکہ آپ نے خانگی زندگی کا اکثر حصہ اور وہ بھی جوانی کا حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزارا جو آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اس لیے دشمنانِ اسلام کا آپ کی سیرتِ طیبہ پہ ناگفتہ بہ سوالات اٹھانا محض اور محض بغض و کینہ ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ سے آپ کی شادی کا مقصد حضرت صدیق اکبر کو ایک اعزاز عطا فرمانے کے سوا کچھ نہ تھا۔

شادی سے قبل حضرت عائشہ صدیقہ کی تصویر کا دو بار آپ پر آسمان سے اترنا:

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

اُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَينِ اَرَىٰ اَنَّكِ فِي سَرَقَةِ حَرِيرٍ و يَقُوْلُ هٰذِهٖ اِمْرَأَتُكَ فَاَكْشِفُ فَاِذَا هِيَ اَنْتِ، فَقُلْتُ اِنْ يَكُ هذا منْ عِندِ اللهِ يُمْضِهٖ

تم مجھے خواب میں دو بار دکھائی گئی تھی میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم (تمہاری تصویر) ایک ریشمی کپڑے میں ہے۔ کہنے والا کہہ رہا ہے۔ یہ آپ کی بیوی ہے۔ میں کپڑا ہٹاتا ہوں تو اس میں تم ہو (تمہاری شبیہ ہے) میں کہتا ہوں اگر یہ اللہ کی طرف سے (نکاح کا اشارہ) ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا۔ (صحیح بخاری شریف کتاب مناقب الانصار حدیث 3895، کتاب النکاح حدیث 5125،5078، کتاب التعبیر حدیث 7012،7011، صحیح مسلم شریف کتاب فضائل الصحابہ حدیث 79 مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 41)

سبحان اللہ یہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظیم فضیلت ہے کہ اللہ نے بذریعہ فرشتہ اپنے حبیب کریم ﷺ کو ان کی تصویر خواب میں ریشمی کپڑے میں ملفوف کر کے دکھائی۔ اور نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے، یعنی اللہ نے آپ کو دکھایا کہ میں آپ کے نکاح میں اس خوش نصیب خاتون کو لانے والا ہوں جس کے ذریعہ آپ کے دین کا بڑا

حصہ امت تک پہنچے گا۔

اقدی اور حاکم نے حضرت عروہ کے آزاد کردہ غلام حبیب سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں جب حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ کو ان پر بہت غم ہوا، تب جبریل علیہ السلام حضرت عائشہ (کی تصویر) اٹھالائے۔ اور فرمایا۔

هٰذِهٖ تَذْهَبُ بَعْضَ حُزْنَكَ وَاِنَّ فِيْهَا لَخَلَفاً مِنْ خَدِيْجَةَ

یہ خاتون آپ کا کچھ غم دور کردے گی اور حضرت خدیجہ کی جانشین ثابت ہوگی۔

ابویعلیٰ، بزار، ابن ابی عمر العدنی اور حاکم نے اسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ نکاح نہ فرمایا تاآنکہ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس میری تصویر لے کر آئے۔

رخصتی ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

قبل ہجرت کے احوال میں ہم لکھ آئے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ نے اسوقت نکاح فرمایا جب ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ یہ ہجرت سے تین برس قبل کی بات ہے اس وقت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس تھی، پھر ہجرت کے چند ماہ بعد سالِ ہجری اوّل میں ان کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سال اور کچھ ماہ تھی۔ وہ اس وقت حد بلوغ میں داخل ہوگئی تھیں، یہ نکاح حکم الٰہی کے ساتھ تھا بلکہ رسول کا ہر کام اللہ کی طرف سے ہوتا ہے وماینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحیٰ۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے خانہ رسول خدا ﷺ میں قریباً نو برس گزارے۔ نو برس کی عمر ہی میں اس گھر آئی تھیں۔ اسی لیے احادیث کے مطابق وصال نبوی کے وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ان سے نکاح فرمایا تو وہ چھ برس کی تھیں اور جب انہیں آپ کے ہاں بھیجا گیا۔ تب وہ نو برس کی تھی اور وہ آپ کے پاس نو برس رہیں۔ (بخاری شریف کتاب النکاح باب 39 باب النکاح الرجل ولدہٗ الصغار حدیث 5133۔5134)

یہی حدیث صحیح مسلم کتاب النکاح میں ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ ابْنَةُ ثَمَانَ عَشَرَةَ جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ اٹھارہ برس کی تھیں۔

رخصتی کا واقعہ:

حضرت عروہ ہی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، آپ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے

مجھ سے چھ برس کی عمر میں نکاح کیا اور نو برس کی عمر میں مجھے اپنے گھر بلایا۔ کہتی ہیں جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو میں ایک ماہ کے لیے بیمار پڑ گئی، میرے بال جم کر گچھا بن گئے، ایک دن (میری والدہ) ام رومان میرے پاس آئی میں اس وقت جھولے میں بیٹھی تھی۔ میرے ساتھ میری سہیلیاں بھی تھیں۔ والدہ نے مجھے چیخ کر بلایا۔ میں ان کے پاس گئی، مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا چاہتی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر کے دروازہ پہ لا کھڑا کیا میں نے کہا کیا ہے کیا ہے؟ میرا سانس بلند ہو گیا۔ انہوں نے مجھے ایک گھر میں داخل کیا وہاں کچھ انصاری عورتیں تھیں انہوں نے کہا خیر و برکت ہو اور اچھی قسمت ہو، میری والدہ نے مجھے ان کے سپرد کیا۔ انہوں نے میرا سر دھویا اور میرا حال درست کیا۔ پھر اچانک دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد کیا:

(صحیح مسلم شریف کتاب النکاح باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ حدیث 1422 رقم مسلسل 3479)

کم سنی میں حضرت عائشہ سے نکاح پر مخالفین کا اعتراض:

پچھلے دنوں ہالینڈ کے رکن پارلیمنٹ گیرٹ وِلڈر (Garit Wilder) نے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات پر اعتراض دوہرائے اور ان کی شان میں گستاخانہ خاکوں کے مقابلہ کا اعلان کیا تب دنیا بھر میں احتجاج ہوا بلکہ اسے متنبہ کیا گیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو اس کا نتیجہ خون خرابے کی صورت میں نکل سکتا ہے جس میں تمہاری جان بھی جا سکتی ہے تب اسے ہوش آیا کہ میں کدھر جا رہا ہوں اور اس نے اس مقابلہ کا اعلان واپس لے لیا، اس نے حضور ﷺ پر بڑا اعتراض یہی کیا کہ ایک چھ سالہ بچی سے شادی کی اور نو سال کی عمر میں اسے بیوی بنا کر گھر لے آیا یہ کس قانون کے تحت جائز ہے؟

جواب اوّل:

ہم کہتے ہیں چھ سال کی عمر میں محض زبانی شادی میں کیا اعتراض ہے وہ تو اس سے پہلے بھی کی جا سکتی ہے، محدثین وفقہاء نے حضور ﷺ کے اس عمل سے استدلال کیا کہ چھوٹی بچی یا بچے کا باپ بلوغت سے قبل ان کی شادی جس کے ساتھ چاہے کر سکتا ہے جب کہ امام بخاری نے اس پر عنوان قائم کیا باب النکاح الرجل ولدہ الصغار اور امام مسلم نے یہ عنوان بنایا باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ۔ امام ابو داوٗد نے یوں عنوان لکھا باب فی تزویج الصغار اور ابن ماجہ کا یہ عنوان ہے۔ باب نکاح الصغار یزوجھن الآباء، الغرض یہ ایک قانونی اور فقہی مسئلہ ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

رہا نو سال کی عمر میں سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خانۂ رسول ﷺ میں رخصتی تو ظاہر ہے والدین نے جب انہیں حد بلوغ میں داخل پایا تو ان کی رخصتی کر دی۔ اور ہر معاملہ کو اس کے ماحول کے مطابق لینا چاہیے۔ جب خود لڑکیوں

کو اعتراض ہے نہ ان کے والدین کو تو باہر سے کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ عرب میں ظہور اسلام سے قبل بھی کم عمر لڑکیوں سے بڑوں کی شادی کچھ معیوب نہیں جانی جاتی تھی اور آج بھی نہیں جانی جاتی. جس کو شک ہو وہ سعودی عرب، یمن، قطر، بحرین اور عرب امارات وغیرہ میں چند دن گزار آئے اسے سب واضح ہو جائے گا۔ اس پر خود کم سن لڑکیوں کو کوئی اعتراض ہے نہ ان کے والدین کو اور نو سال کی عمر میں لڑکی کا بلوغ کچھ جائے تعجب نہیں ۔ سرزمین عرب کا موسم گرم ہے جس سے فشار خون میں تیزی آتی ہے اور لڑکیاں دیگر ممالک کی نسبت جلد بالغ ہو جاتی ہیں۔

جواب دوم: جناب عائشہ صدیقہ کا نکاح حضرت صدیق اکبر کی خواہش پر ہوا:

پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم ﷺ کی خواہش پر نہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر ہوا۔ ان کو تمنا ہوئی کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ان کا یہ تعلق قائم ہو جائے ۔ اگر اعتراض کرنا ہے تو حضرت صدیق پر کرو، اور ان پر کس منہ سے اعتراض کیا جائے گا وہ باپ ہیں ۔ کیا باپ سے بڑھ کر بھی کوئی اولاد کی ہمدردی کر سکتا ہے؟

اس جگہ تاریخ آئمہ سے حوالہ پیش کرنا از حد مفید ہے جو اہل تشیع کے مشہور عالم علی حیدر نقوی کی تحریر ہے۔ اہل تشیع جناب صدیق اکبر کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے ۔ مگر علی حیدر نقوی قدرے منصف مزاج واقع ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں سن بعثت 10 میں جب حضرت خدیجہ انتقال کر چکیں تو ان کی جدائی پر آنحضرت ﷺ کو بڑا صدمہ ہوا، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر جناب عائشہ کو آنحضرت کی خدمت میں لائے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ، یہ بچی آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔ غرض آپ نے حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا۔ مگر زفاف (رخصتی) کی نوبت نہیں آئی۔ جب آنحضرت ہجرت کر کے مدینہ آئے اور ابوبکر بھی وہاں پہنچ گئے تو انہوں نے آنحضرت سے پوچھا: اے رسول خدا آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں لے جاتے؟ فرمایا ابھی مہر کا روپیہ (مال) نہیں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ابا جان نے آنحضرت کو بارہ اوقیہ (مہر ادا کرنے کو) دیا، تب آنحضرت نے اسے ہمارے ہاں بھیجا۔

(تاریخ ائمہ صفحہ 147 مطبوعہ کتب خانہ نجف اشرف لاہور)

سیدہ عائشہ صدیقہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی والہانہ محبت:

احادیث میں یہ بات کثرت سے آئی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ تمام ازواج مطہرات میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بہت زیادہ محبت اور لگاؤ رکھتے تھے، چونکہ وہ کم عمری میں زینتِ کاشانہ نبوی بن گئی تھیں، اس لیے آپ مدینہ طیبہ کی چھوٹی لڑکیوں کو اُن کے ساتھ کھیلنے کے مواقع فراہم کرتے تھے۔

(1) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ہاں بچیوں کے ساتھ کھیلتی تھی۔ میری ساتھی لڑکیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو وہ وہاں سے دائیں بائیں ہٹنے کی کوشش کرتیں تب آپ انہیں خود میری طرف بھیجتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتی رہتیں۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب 81 حدیث 6129، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث 6287)

(2) رسول اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ کے گڑیوں سے کھیلنے سے محظوظ ہوتے تھے ایک بار آپ نے ان کے کھلونوں میں پروں والا گھوڑا دیکھا تو فرمایا فرسٌ لہ جناحانِ؟ گھوڑے کے دو پر؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا، کیا آپ نے نہیں سنا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے؟ رسول اللہ ﷺ مسکرا پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں نظر آئیں، (سنن ابوداؤد کتاب الادب باب اللعب بالبنات حدیث 4932)

(3) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر پہ گئی میں اس وقت چھوٹی لڑکی تھی، مجھ پہ گوشت نہیں آیا تھا اور وزن کم تھا، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہا تم سب آگے چلے جاؤ، وہ آگے چلے گئے پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: تَعَالَیْ حَتّٰی اُسَابِقَکِ آؤ میں تم سے دوڑ میں مقابلہ کروں میں نے دوڑ لگائی اور میں آپ سے آگے نکل گئی، آپ خاموش ہو گئے تا آنکہ جب مجھ پر گوشت چڑھ آیا اور وزن بڑھ گیا تو پھر میں ایک بار آپ کے ساتھ سفر پہ نکلی۔ آپ نے لوگوں سے کہا تم آگے چلے جاؤ، وہ آگے چلے گئے، آپ نے فرمایا آؤ دوڑ لگائیں میں نے دوڑ لگائی اور آپ مجھ سے آگے نکل گئے۔ آپ مسکرانے لگے اور فرمایا۔ ھٰذہ بتِلْکَ یہ اس کا بدلہ ہے،

(مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 364 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(4) ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ ام المؤمنین سودہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں طلاق دیدیں گے۔ وہ عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے طلاق نہ دیں، مجھے اپنے نکاح میں رکھیں۔ وَاجْعَلْ یَوْمِی لعائشۃ اور میرا دن عائشہ کو دیدیں۔ آپ نے ایسے ہی کیا، تب یہ آیت اتری: فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا (جامع الترمذی کتاب التفسیر سورۃ النسآء حدیث 3040)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا اپنا دن جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کرنا بتاتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو سب ازواج پاک سے محبوب تر ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ دیگر ازواج کے ہاں ایک دن ٹھہرتے تھے اور جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو دن۔ یوں انہیں حضور ﷺ کے ساتھ معیت اور قرب کے لمحے سب مخلوق سے زیادہ حاصل ہوئے۔ پھر ان کی ریس کون کر سکتا ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا اپنا دن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کرنا شیعہ مفسرین نے بھی لکھا ہے اور

یہ کہ اسی موقع پر یہ آیت اتری فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط
(تفسیر منہج الصادقین جلد 3 صفحہ 123 مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ۔تفسیر مجمع البیان جلد 8 صفحہ 173 موسسۃ الاعلمی بیروت)

(5) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط۔

تم اپنی بیویوں کے درمیان مکمل عدل نہیں کر سکتے خواہ تمہیں اس کی حرص ہو۔ تو ایک بیوی کی طرف یوں مکمل نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔ (سورہ نسآء آیت 129)

ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ آپ ان کے ساتھ دوسری تمام ازواج سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔ (درمنثور جلد 2 صفحہ 412 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)

معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا تم اپنی بیویوں کے درمیان کھانا پینا رہنا سہنا برابر کر سکتے ہو مگر محبت برابر نہیں رکھ سکتے کیونکہ دل پہ اختیار نہیں۔ اسی مفہوم میں یہ حدیث ہے۔

(6) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج میں عادلانہ تقسیم فرماتے تھے اور یہ فرماتے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسَمِي فِيْمَآ اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَآ اَمْلِكُ

اے اللہ میری یہ تقسیم ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، مگر جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس میں تو مجھ پر پکڑ نہ فرما۔ (یعنی دلی محبت)

(سنن ابوداؤد کتاب النکاح حدیث 2134، سنن نسائی کتاب النکاح باب 2، سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب 47)

آپ کا یہ ارشاد حضرت عائشہ صدیقہ ہی کے بارے میں تھا کہ اے اللہ مجھے جو عائشہ کے ساتھ دوسری ازواج سے زیادہ محبت ہے اس پر میرا مواخذہ نہ ہو، کیونکہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ حضور ﷺ کو حضرت عائشہ سے زیادہ محبت چند وجوہ سے تھی، وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ جناب صدیق اکبر کی وفائیں اور قربانیاں رسول اللہ ﷺ کو ان کی لختِ جگر کی طرف مائل کرتی تھیں۔ وہ علم و فراست اور فقاہت میں سب ازواج مطہرات سے لائق تھیں یہ چیز بھی فرط محبت کا سبب تھی۔ پھر ان کے کم سن ہونے کی وجہ سے بھی آپ ان کی دلداری زیادہ کرتے تھے تا کہ وہ تفاوت عمر کو محسوس نہ کریں۔

(7) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو بھی

میں جان جاتا ہوں اور جب تم ناخوش ہوتی ہو تو بھی میں جان جاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: آپ کیسے جان جاتے ہیں؟ فرمایا: جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو:

لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ مجھے رب محمد ﷺ کی قسم، اور جب تم ناراض ہو تو کہتی ہو: لَا وَرَبِّ ابراھیمَ مجھے رب ابراہیم (علیہ السلام) کی قسم، کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: واللہ یارسول اللہ ما اَھْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ۔ اللہ کی قسم! یارسول اللہ ﷺ میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔ (دل میں محبت موجود ہوتی ہے)

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب 109 حدیث 5228، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل عائشہ ام المومنین حدیث 6285)

(8) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے انہیں لشکر ذات السلاسل کا امیر بنا کر بھیجا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْكَ۔ آپ کو سب لوگوں میں کون محبوب تر ہے؟ فرمایا: عَائِشَةُ: میں نے کہا مردوں میں سے کون سب سے محبوب تر ہے؟ فرمایا اَبُوْھَا، عائشہ کا باپ میں نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا: عمر بن الخطاب، پھر آپ نے کئی لوگوں کے نام گنوائے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ حدیث 3662 جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث 3885)

(9) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ازواج رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو رسول اکرم ﷺ کے پاس بھیجا انہوں نے حاضری کی اجازت چاہی اس وقت آپ میرے ساتھ بستر میں لیٹے ہوئے تھے، آپ نے انہیں اجازت دی، وہ عرض کرنے لگیں یارسول اللہ ﷺ مجھے آپ کی ازواج نے بھیجا ہے وہ آپ سے تقاضا کرتی ہیں کہ ابو قحافہ کی بیٹی (پوتی) کے بارے میں ان سے عدل کیا جائے، میں خاموشی سے سن رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَیْ بُنَیَّةُ اَلَسْتِ تُحِبِّیْنَ مَا اُحِبُّ اے میری پیاری بیٹی! جس سے میں محبت رکھوں کیا تم اس سے محبت نہیں رکھو گی؟ انہوں نے عرض کیا: بلٰی کیوں نہیں، میں اس سے ضرور محبت رکھوں گی، آپ نے فرمایا: فَاَحِبِّی ھٰذِہٖ پھر تم اس سے (عائشہ سے) محبت رکھو (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضل عائشہ ام المومنین حدیث 6290)

اس سے مشابہ یہ حدیث بھی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے تو میں رو رہی تھی، فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے کہا: مجھے جناب فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے سخت الفاظ کہے ہیں۔ آپ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، فرمایا: کیا تم نے عائشہ کو سخت بولا ہے، کہنے لگیں: ہاں یارسول اللہ ﷺ! (کیونکہ حضرت فاطمہ عمر میں حضرت عائشہ سے قریباً پانچ چھ برس بڑی تھیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلَیْسَ تُحِبِّیْنَ مَنْ اُحِبُّ جس سے میں محبت رکھوں کیا تم اس سے محبت نہیں رکھو گی؟

انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں: فرمایا: وَ تُبْغِضِیْنَ مَنْ اُبْغِضُ اور جس سے میں بغض رکھوں کیا تم اس سے

بغض نہیں رکھو گی، انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: فَاِنِّی اُحِبُّ عائِشَةَ فَاَحِبِّیهَا۔ میں عائشہ سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو، حضرت فاطمہ عرض کرنے لگیں۔ آئندہ میں حضرت عائشہ کو کوئی ایسا لفظ نہیں کہوں گی جو انہیں تکلیف دے۔ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور بزار نے بھی مختصراً۔ اس کی سند میں مجالد ہے اور وہ حسن الحدیث ہے، جبکہ اس کے باقی تمام رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 240 مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعض خصوصی فضائل:

(1) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: یا عائشُ هذا جبریل یُقرِئكِ السلام اے عائش (آپ نے ازراہِ محبت لفظ عائشہ کو عائش کہا) یہ جبریل علیہ السلام تمہیں سلام کہتے ہیں، میں نے کہا علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضرت جبریل پر بھی سلام ہو اللہ کی رحمت و برکات ہوں، جو آپ دیکھتے ہیں وہ میں نہیں دیکھ سکتی، (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث 3768)

(2) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں میں کئی کامل ہوئے ہیں۔ اور عورتوں میں سے صرف مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کاملہ ہوئی ہیں (یہ آپ نے گزشتہ امتوں کے بارے میں فرمایا) مزید فرمایا: وَفَضْلُ عائشَةَ علی النساءِ کَفَضْلِ الثریدِ علی سائرِ الطعام۔ سب عورتوں پر عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت یوں ہے جیسے ثرید کھانے کی فضیلت تمام کھانوں پر،

(صحیح بخاری کتاب الفضائل حدیث 3769، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضل عائشۃ)

ثرید یہ ہے کہ روٹی کے ٹکڑے کر کے گرم شوربہ میں ڈال دیے جائیں پھر انہیں ہاتھ یا چمچ کے ساتھ کھایا جائے یہاں النساء سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔ یعنی جو ازواج مطہرات اس وقت موجود تھیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان پر برتر قرار دیا، ورنہ فضیلت میں ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مطلقاً تمام ازواج مطہرات سے افضل ہیں۔

(3) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ انہوں نے (اپنی بہن) اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار عاریۃً لیا تھا وہ گم ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے (حالتِ سفر میں) لوگوں کو ہار کے ڈھونڈھنے کو بھیجا، ایسے میں نماز کا وقت آ گیا لوگوں نے بغیر وضوء نماز پڑھی، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مشکل کا ذکر کیا۔ اللہ نے اس موقع پر آیت تیمم نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن حُضیر کہنے لگے (اے حضرت عائشہ!) اللہ آپ کو جزائے خیر دے، اللہ کی قسم جب بھی آپ پر کوئی مسئلہ بنتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کوئی خیر اتارتا اور مسلمانوں کو اس میں برکت سے نوازتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث 3773)

یعنی آج جو امتِ مسلمہ کو سہولتِ تیمم حاصل ہے اس کا نزول حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے ہوا اور صحابہ کرام نے اس کے ذریعے ان کی تعریف فرمائی اور اس واقعہ کو شیعہ مورخ مرزا محمد تقی ایرانی نے بھی لکھا ہے اور حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔

(ناسخ التواریخ حالاتِ پیغمبر ﷺ جلد 2 صفحہ 68 مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

(4) حضرت عروہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگ اپنے تحائف (بارگاہِ رسول ﷺ میں بھیجنے) کے لیے یومِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کرتے تھے۔ (کہ جس دن آپ ان کے گھر ہوں اس دن اشیاء خورد و نوش یا دیگر تحائف بھیجے جائیں)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: میری ساتھی عورتیں (ازواج رسول ﷺ) جمع ہوئیں، انہوں نے (ام المؤمنین) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے ام سلمہ! لوگ تحائف کے لیے یوم عائشہ کا انتخاب کرتے ہیں جبکہ ہمیں بھی بھلائی کی ویسے ہی ضرورت ہے جیسے عائشہ کو۔ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر عرض کرو کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ آپ کے پاس تحائف بھیجا کریں خواہ آپ جہاں بھی ہوں، کہتی ہیں: ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کا ذکر کیا، وہ کہتی ہیں: یہ سن کر آپ نے اس بات سے اعراض کیا۔ پھر جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے اس بات کو دوسری یا تیسری بار دوہرایا، تب آپ نے فرمایا:

یا اُمَّ سلمۃَ لا تُؤذِینی فی عَائِشۃَ فَإنَّہ، وَاللہِ مَا نَزَلَ عَلَیَّ الوحیُ وَانَا فی لحافِ امرأۃٍ منکُنَّ غَیْرِھَا۔

اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں ایذاء نہ دو، اللہ کی قسم جب میں تم میں سے کسی کے لحاف میں لیٹا ہوں تو مجھ پر وحی نہیں اترتی، سوا عائشہ کے (اس کے لحاف میں وحی اترتی ہے)

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث 3775، جامع الترمذی حدیث 3879)

یعنی حضور ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا عائشہ کا مقابلہ نہ کرو تمہیں یہ اعتراض ہے کہ لوگ تمہارے گھروں میں تحائفِ دنیا کیوں نہیں بھیجتے۔ جبکہ اللہ رب العزت بھی اپنا کلام صرف لحافِ عائشہ میں اتارتا ہے تم میں سے کسی کے لحاف میں نہیں۔

(5) رسول اللہ ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے والہانہ محبت کا ثمر تھا کہ جب آپ پر مرض وصال طاری ہوا تو آپ نے تمام ازواج سے اجازت لیکر حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں مستقل سکونت اختیار فرمائی، چنانچہ:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر مرض طاری ہوا تو آپ تمام ازواج کے

ہاں گئے اور فرماتے تھے: اَیْنَ اَنَا غَداً اَیْنَ اَنَا غَدًا میں کل کہاں ہونگا میں کل کہاں ہونگا آپ کی حرص (یعنی شدید خواہش) تھی کہ آپ خانہ عائشہ صدیقہ میں ٹھہر جائیں، حضرت عائشہ فرماتی تھیں پھر جب میری باری آئی تو آپ وہیں ٹھہر گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الفضائل باب فضل عائشۃ رضی اللہ عنہا حدیث 3774)

صحیح بخاری میں ایک جگہ یہ الفاظ بھی ہیں کہ فرمایا: قَبَضَهُ اللهُ بين صدري و نحري و دُفِنَ في بيتي۔ آپ میرے سینے پر فوت ہوئے اور میرے گھر میں دفن کیے گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1389)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ ظاہرہ کے آخری ایام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارے، انہیں ایام وصال میں آپ کی خدمت و تیمارداری کا خاص موقع میسر آیا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی جھولی میں وصال فرمایا:

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کسی چیز کے لیے بیقرار تھے۔ فرماتے تھے میں آج کہاں ہوں، میں کل کہاں ہونگا، آپ یوم عائشہ کا شدت سے انتظار کر رہے تھے، پھر جب میرا دن آیا تو آپ وہیں ٹھہر گئے اور قَبَضَه' اللهُ بَيْنَ صَدْرِي وَ نَحْرِيْ اللہ نے میرے سینے اور چھاتی کے درمیان آپ کو وصال عطا فرمایا: (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل عائشہ ام المؤمنین حدیث 6292)

(6) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں سے یہ عظیم فضیلت ہے کہ جب اُن پر منافقین نے بہتان رکھا تو اللہ رب العزۃ نے ان کی براءت کے لیے قرآن کریم میں بائیس آیات نازل فرمائیں یعنی سورہ نور کی آیت 4 سے آیت 26 قریباً تین رکوعات نازل ہوئے، آخری آیت میں تو اللہ رب العزت نے عظمت سیدہ عائشہ کے بیان میں حد کر دی فرمایا:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۟

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے مناسب ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے۔ جبکہ پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے مناسب ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے وہ لوگ اس جرم سے پاک ہیں جو منافقین کہتے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور عزت والی روزی ہے۔ (جنتی نعمتیں)

(سورہ نور آیت 26)

اس آیت میں بتایا گیا کہ جب سید الانبیاء ﷺ سے بڑھ کر کوئی پاک نہیں ہے تو آپ کی ازواج مطہرات بھی آپ کی شان کے لائق ہر برائی سے پاک ہیں۔ پھر اللہ نے اس آیت میں حضرت عائشہ صدیقہ کی براءت بھی بتائی ہے اور ان کے لیے مغفرت اور جنتی نعمتوں کی نوید بھی سنائی ہے۔

میرے والد گرامی شیخ الحدیث محقق اسلام علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام آیا تو خانہ زلیخا میں سے ایک شیر خوار بچے نے گواہی دی۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا (سورہ یوسف آیت 26) پھر حضرت سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر الزام آیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے عہد مادر میں ان کی براءت بتائی۔ (قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿سورہ مریم آیت 30﴾)

مگر جب زوجہ سید الانبیاء پر الزام آیا تو کسی مخلوق نے نہیں خود خالق نے ان کی برأت میں قرآن اتارا، کیونکہ معاملہ حرمتِ محمد مصطفی ﷺ کا ہے۔

(7) حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا آپ میرے لیے دعا فرمائیں اللہ مجھے جنت میں آپ کی ازواج میں سے رکھے، آپ نے فرمایا اگر تم یہ مرتبہ چاہتی ہو تو کل کے لیے کھانا بچا کر نہ رکھو اور جب تک کپڑے کو پیوند لگا کر پہنا جا سکتا ہے اسے ضائع نہ کرو۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس ارشاد نبوی ﷺ کو دل و جان سے پکڑ لیا۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (جو آپ کے بھانجے تھے) کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ کو (ایک دن میں) ستر ہزار دراہم صدقہ کرتے دیکھا حالانکہ ان کی قمیص میں پیوند لگا ہوا تھا۔ ایک بار امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اُن کے لیے ایک لاکھ دراہم بھیجے۔ انہوں نے وہ اسی دن فقراء و اقارب میں بانٹ دیے ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ حالانکہ اس دن وہ روزہ سے تھیں اور شام کھانے کیلئے کچھ نہ بچایا۔ باندی عرض کرنے لگی اگر آپ ایک درہم روٹی خریدنے کیلئے بچا لیتیں تو اچھا تھا، فرمایا: مجھے یاد نہیں رہا۔ اگر تم یاد دلا دیتیں تو میں بچا لیتی۔

(مدارج النبوۃ تذکرۃ امہات المؤمنین جلد 3 صفحہ 414)

(8) وصال نبوی کے وقت آپ کے لعاب سے ان کے لعاب کا مل جانا:

سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہ اختصاص بھی ہے کہ وقتِ وصالِ رسول اکرم ﷺ میں آپ کے لعاب سے حضرت عائشہ صدیقہ کا لعاب باہم مل گیا اور وہ اس پر فخر کرتی تھیں۔ چنانچہ

حضرت عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عبدالرحمان بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کی خدمت میں (وقتِ وصالِ نبوی میں) حاضر ہوئے ان کے پاس مسواک تھی جسے وہ استعمال کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا، میں نے ان سے کہا اے عبدالرحمان! مجھے اپنی مسواک دو،

انہوں نے وہ مجھے دی، میں نے اسے پہلے توڑا (یعنی کسی سخت چیز سے اس کا سر نرم کیا، ممکن ہے اس کی دوسری طرف کو تیار کیا ہو) پھر میں نے اسے دانتوں سے چبایا اور اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اسے اپنے دانتوں پہ رگڑا اس وقت آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (اور سیدہ عائشہ آپ کو پیچھے سے سہارا دیکر بیٹھی ہوئی تھیں۔)

(صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب 9 حدیث 890)

ایک اور جگہ صحیح بخاری میں یوں ہے کہ آپ فرماتی ہیں:

تُوفِّیَ النبیُّ ﷺ فِی بَیْتِی وَنَوْبَتِی وَبَیْنَ سَحْرِی وَنحرِی وجَمَعَ اللهُ بَیْنَ رِیقِی وَرِیْقِهٖ

نبی اکرم ﷺ میرے گھر میں میری باری میں میرے سینے پر فوت ہوئے اور اللہ نے میرے اور آپ کے لعاب کو جمع کر دیا، آگے بتایا کہ عبدالرحمان مسواک لے کرائے آپ اسے چبا نہ سکے۔ میں نے اسے چبایا پھر آپ کو پیش کیا۔

(صحیح بخاری کتاب فرض الخمس حدیث 3100)

بہر حال یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں مختلف الفاظ کے ساتھ قریباً گیارہ بار آئی ہے۔ گویا آج جو گنبد خضریٰ اور مواجہہ شریف ہے یہ حقیقت میں حجرۂ عائشہ صدیقہ ہے، رضی اللہ عنہا

اس جگہ شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی سپہر نے بھی لکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر مرض وصال کا حملہ شدت اختیار کر گیا تو آپ نے اپنی ازواج سے فرمایا:

اگر میخواہید درخانۂ عائشہ باشم وہمہ گاں درآنجا مرا پرستاری کنید۔ یعنی اگر تم پسند کرو تو میں خانۂ عائشہ (صدیقہ) میں ٹھہر جاؤں اور تم وہیں میری مزاج پرسی کر لیا کرو، تو سب نے کہا درست ہے۔ اس وقت آپ حضرت میمونہ کے گھر تھے۔ آگے مرزا تقی کہتا ہے:

رسول خدا از خانۂ میمونہ بیروں شد یکدست بردوش علی و دست دیگر بردوش فضل بن عباس داشت و پائے مبارک را برزمیں میکشید و بدینگونہ تا خانۂ عائشہ آمد۔

یعنی رسول خدا ﷺ خانۂ میمونہ رضی اللہ عنہا سے باہر نکلے۔ آپ نے ایک ہاتھ دوشِ علی المرتضیٰ پر اور دوسرا ہاتھ دوشِ فضل بن عباس پر رکھا ہوا تھا۔ اور آپ اپنے پاؤں مبارک زمین پر گھسیٹ رہے تھے اس طرح آپ خانۂ عائشہ صدیقہ تک پہنچے۔ (ناسخ التواریخ احوال پیغمبر جلد 4 صفحہ 117 مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران)

(9) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت:

جناب سیدہ عائشہ صدیقہ کو تفسیر قرآن، احادیث نبویہ اور مسائل فقہیہ وشرعیہ پر خوب عبور اور کنٹرول تھا۔ صحابہ کرام اُن کے علم سے خوب استفادہ کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ کی خانگی زندگی کے اکثر احوال اور معمولات انہی کے ذریعے امت

تک پہنچے ہیں اور امت ان سے فیضیاب ہو رہی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

مَا اَشْکَلَ عَلَینَا اَصحابِ رسولِ الله ﷺ حدیثٌ قطُّ فَسَئَلْنَا عائشةَ اِلاَّ وَجَدْنا عِندَھا مِنهُ عِلماً

ہم اصحاب رسول ﷺ پر جب بھی کوئی معاملہ مشکل ہوا پھر ہم نے اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو ہمیں اس بارے میں ان سے ضرور بڑا علم حاصل ہوا۔

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث 3883)

حضرت عروہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

مارَأَیتُ اَحَدًا اَعْلَم بِفِقْهٍ ولا طِبٍّ ولا بِشِعْرٍ من عائشةَ

میں نے کسی کو فقہ، طب اور عربی شاعری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ علم والا نہیں پایا۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 189 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) بے شک صفا و مروہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو فہم قرآن کے حوالہ سے ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ

جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان چکر لگائے۔

(سورہ بقرہ آیت 158)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اگر میں صفا و مروہ میں سعی نہ کروں تو بھی مجھ پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا، کہ صفا و مروہ میں سعی پر کوئی گناہ نہیں ہے (یعنی یہ کچھ ضروری بھی نہیں ہے) حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا بات یہ ہے کہ دور جاہلیت میں صفا و مروہ پر دو بت نصب تھے، جب اسلام آیا تو صحابہ کرام نے کہا ہم تو ان بتوں کے درمیان چکر نہیں لگائیں گے تب اللہ نے فرمایا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں حرج نہیں ہے۔ (خواہ وہاں بت ہیں) سیدہ عائشہ صدیقہ نے مزید فرمایا اے عروہ! اگر وہ معنی ہوتا جو تم کہتے ہو تو یوں فرمایا جاتا۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ لَّا یَّطَّوَّفَ بِهِمَا یعنی حج و عمرہ کرنے والے پر صفا و مروہ میں سعی نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عروہ کہنے لگے۔ یہ تو واقعی بڑا علم ہے۔

(درمنثور بروایت مسلم، ترمذی، بیہقی وغیرہ جلد 1 صفحہ 292 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے قریباً اڑھائی ہزار احادیث نبویہ مروی ہیں، جن میں سے ایک سو چوہتر

(174) بخاری ومسلم کی متفق علیہ ہیں۔جبکہ صرف بخاری میں 54اور صرف مسلم میں 67ہیں۔

حضرت مسروق (تابعی) رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا حضرت عائشہ علم فرائض (علم میراث) کو بھی بہتر جانتی تھیں؟ وہ کہنے لگے :اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔لقد رَایتُ مَشَیخة اصحابِ محمدٍ ﷺ یَسئَلُونَہا عنِ الفرائِضِ .میں نے بزرگ صحابہ کرام کو دیکھا ہے وہ حضرت عائشہ سے احکام میراث پوچھتے تھے،اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 245)

حضرت امام زہری (تبع تابعی) فرماتے ہیں۔

لَوْجُمِعَ علمُ نِساءِ هٰذِہِ الاُمّةِ فِیهِنَّ ازواجُ النبی ﷺ کان علمُ عائشةَ اکثرَ مِنْ علمِهِنَّ۔

اگر اس امت کی تمام خواتین جن میں ازواج رسول اللہ ﷺ بھی ہوں، کا علم جمع کیا جائے تو علم عائشہ صدیقہ ان سب کے علم سے بڑھ کر ہے اسے طبرانی نے مرسلاً روایت کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

(مجمع الزائد جلد 9 صفحہ 246)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلام کرتے ہوئے جو ہیبت آئی وہ کسی سے نہ آئی، مجھے ان کا کلام سن کر کلام رسول خدا ﷺ یاد آرہا تھا۔(مجمع الزوائد حوالہ مذکورہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وصال:

آپ بروز منگل 17 رمضان المبارک سن ہجری 58 میں فوت ہوئیں۔آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کی تدفین رات کے وقت کی جائے،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، آپ کی تدفین ان لوگوں نے کی، حضرت زبیر بن عوام کے دو بیٹے عبداللہ اور عروہ، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، عبداللہ بن محمد بن ابوبکر صدیق اور عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابوبکر صدیق۔یعنی آپ کے بھتیجوں اور بھانجوں نے آپ کی تدفین میں شمولیت کی۔وفات کے وقت آپ کی عمر 67 برس تھی۔جبکہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت آپ 18 برس کی تھیں۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 189 دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس سے اس غلیظ پراپیگنڈہ کی تردید ہو جاتی ہے جو بعض اہل تشیع پھیلاتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ کے حکم سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک گڑھے میں گرا کر مار دیا گیا اور اوپر سے پتھر پھینک کر زمین برابر کر دی گئی،کوئی جنازہ ہوا نہ تدفین، معاذاللہ ثم معاذاللہ۔

فصل چہارم:

ام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا:

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کا نسب یہ ہے حفصہ بن عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن فرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی، اور کعب بن لوی نبی اکرم ﷺ کے نسب مبارک میں آٹھویں جد پاک ہیں، آپ کا نسب پاک یہ ہے محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی

امام عزالدین بن اثیر جزری متوفی 630ھ فرماتے ہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی والدہ زینب بنتِ مظعون رضی اللہ عنہا ہیں جو مشہور صحابی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابی ہیں السابقون الاولون میں سے ہیں۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں سب سے پہلے فوت ہوئے، ان کی قبر پہ حضور ﷺ نے خود پتھر رکھا پھر جب آپ کے بیٹے ابراہیم فوت ہوئے تو آپ نے انہیں حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا اور فرمایا: اِلْحَقْ بِالسَّلَفِ الصَّالِحِ۔ صالح پیش رو کے ساتھ جا ملو۔)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا مہاجرات میں سے ہیں۔ پہلے ان کا نکاح خُنیس بن حُذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جو بدری صحابی ہیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے، ان کے وصال پر جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا تذکرہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا۔ (یعنی انہیں یہ رشتہ پیش کیا، حضرت ابوبکر نے کوئی جواب نہ دیا، حضرت عمر کو غصب آیا، پھر انہوں نے حضرت حفصہ کا تذکرہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا، کیونکہ انہی دنوں ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول ﷺ فوت ہوئی تھیں، حضرت عثمان نے کہا میں ابھی نکاح کا ارادہ نہیں رکھتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت عثمان کے بارے میں شکایت کی (کہ میں نے انہیں رشتہ پیش کیا اور انہوں نے انکار کیا) رسول اللہ ﷺ نے (کیا خوب) فرمایا:

یتزوج حفصةَ من هو خيرٌ من عثمان ویتزوج عثمانُ من هو خيرٌ من حفصة۔

حفصہ سے وہ نکاح کرے گا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان اس سے نکاح کرے گا جو حفصہ سے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب فرمایا اور آپ سے ان کا نکاح ہوگیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) سے ملے اور کہا: تم اپنے دل میں میرے بارے میں غصہ نہ

رکھو، اصل میں رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) حفصہ کا ذکر کیا تھا۔ (ان سے نکاح کی خواہش بتائی تھی) اور میں رسول اللہ ﷺ کے راز کو افشاء نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ (حضرت) حفصہ سے نکاح نہ کرنے والے ہوتے تو میں ضرور ان سے نکاح کرتا۔

اکثر علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے سن ہجری تین میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا بعض نے سن دو کا ذکر بھی کیا ہے۔ حضرت حفصہ سے نکاح سیدہ عائشہ صدیقہ کے بعد ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی تھی پھر جبریل علیہ السلام نے آپ کو بحکم خداوندی فرمایا کہ آپ حفصہ سے رجوع کرلیں وہ بہت روزہ رکھنے والی اور رات بھر عبادت کرنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہونگی۔

موسیٰ بن علی بن رباح نے اپنے باپ سے، انہوں نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو ایک طلاق دی، جب حضرت عمر کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے سر پہ خاک ڈال لی، اور کہنے لگے: اب اللہ کو عمر کی اور اس کی بیٹی کی کیا پرواہ ہوگی، تب جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ پہ نازل ہوئے اور عرض کیا:

اِن اللهَ یَأمُرُكَ اَنْ تُراجِعَ حَفْصَةَ بنتَ عُمَرَ رَحمةً لعمرَ

بے شک اللہ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ حفصہ بنت عمر سے رجوع فرمالیں کیونکہ اللہ عمر پہ رحمت فرمانے والا ہے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 68 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور یہ کہ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی عبادت اللہ کے ہاں کس قدر مقبول ہے۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت حدیث:

آپ سے حدیث کا ایک معتبر ذخیرہ مروی ہے، چنانچہ امام طبرانی نے معجم کبیر میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے ایک سو احادیث روایت کی ہیں، جبکہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں آپ سے 43 احادیث نبویہ کو روایت کیا ہے، یونہی امام ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ نے اپنی مسند میں آپ سے 32 احادیث نبویہ کو روایت کیا ہے۔ اور تخریج کے مطابق یہ احادیث صحیح بخاری سے سنن ابن ماجہ تک اور موطا امام مالک سے سنن بیہقی تک تمام کتب حدیث میں پھیلی ہوئی ہیں آپ کی مروی احادیث میں سے چار وہ ہیں جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں اور چھ صحیح مسلم میں ہیں۔

سیدہ حفصہ کی وفات امارت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی سن وفات میں اختلاف ہے سن ہجری 41،45 اور 47 مختلف اقوال ہیں، وفات وقت ان کی عمر 60 برس تھی۔

فصل پنجم:

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھیں۔ ام سلمہ ان کی کنیت ہے۔ اصل نام ہند ہے۔ ان کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کی سگی پھوپھی بَرّہ بنتِ عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ جب وہ غزوۂ احد میں ہجری تین میں فوت ہوئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ سے نکاح فرمایا۔ ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد میں شدید زخمی ہوگئے تھے پھر وہ صحت یاب ہوگئے اور مزید ایک غزوہ میں گئے وہاں ان کے زخم پھر ہرے ہوگئے اور ان کا وصال ہوگیا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا دردناک واقعہ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تمام ہجرتوں میں شامل ہوئیں پہلے انہوں نے اپنے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہونے والی دونوں ہجرتوں میں شمولیت کی۔ پھر مکہ واپس آگئیں اور جب تمام مکی مسلمانوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو وہ اس میں بھی شامل تھیں۔

امام ابن اثیر جزری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں جب میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا عزم کیا تو مجھے اونٹ پر بٹھایا اور میرے ساتھ میرے بیٹے سلمہ کو بھی بٹھا دیا۔ اور خود وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل پڑے، انہیں میرے خاندان بنو مغیرہ نے دیکھ لیا، وہ سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ہم تجھے تو نہیں روک سکتے، مگر ہماری بیٹی کو تم اپنے ساتھ کیسے لیجا سکتے ہو۔ ہم تجھے اجازت نہیں دیں گے کہ اسے جہاں چاہو لیجاؤ، انہوں نے ان کے ہاتھ سے نکیل چھین لیں۔ مجھے ان سے الگ کر دیا۔ تب ابوسلمہ کے خاندان والے بھی غضب میں آ گئے، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: جب تم نے ہمارے آدمی سے اس کی بیوی کو الگ کر دیا ہے تو ہم اپنے بیٹے کو اس عورت کے ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، دونوں قبیلوں نے میرے بیٹے سلمہ کو ادھر اُدھر کھینچا اسی کھینچا تانی میں بچے کا بازو نکل گیا۔ ابوسلمہ کے خاندان بنو عبدالاسد والے میرے بیٹے کو چھین کر لے گئے اور مجھے میرے گھر والوں یعنی بنو مغیرہ نے اپنے ہاں قید کر دیا۔ ابوسلمہ کو انہوں نے چھوڑ دیا، وہ اکیلے ہی مدینہ طیبہ کی طرف چل نکلے اور وہاں جا پہنچے۔ مجھ سے میرا شوہر بھی دور کر دیا گیا اور میرا بیٹا بھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں ہر روز صبح اُٹھتی اور (مدینہ طیبہ کو جانے والے راستہ پر) مقام ابطح میں

جا بیٹھتی۔ وہاں بیٹھے روتی رہتی شام کو گھر آ جاتی، یونہی ایک سال گزر گیا۔ آخر میرے چچازاد لوگوں میں سے ایک آدمی میرے پاس سے گزرا اس نے میرا حال زار دیکھا، اسے مجھ پر رحم آیا اس نے میرے خاندان والوں سے کہا تم اس مسکینہ پر کیوں ظلم کر رہے ہو؟ تم نے اسے اس کے شوہر سے بھی دور کر دیا اور اس کے بچے سے بھی، تب انہوں نے مجھے کہا: اگر تم چاہتی ہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، اس وقت بنوعبدالاسد نے میرا بیٹا مجھے لوٹا دیا۔ میں اپنے اونٹ پر بیٹھ گئی، بیٹے کو میں نے اپنی جھولی میں رکھ لیا۔ میں مدینہ طیبہ کی طرف نکل کھڑی ہوئی۔ میرے ساتھ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی نہ تھا، میں دل میں سوچتی تھی کاش میرے شوہر کو پتہ چلے اور مجھے لیجائے میں جب مقام تنعیم پہنچی تو مجھے عثمان بن طلحہ ملا۔ (یہ عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ بعد میں اسلام لائے یہ کلید بردارِ کعبہ تھے۔)

کہنے لگے: اے بنتِ ابی امیہ کدھر جا رہی ہو؟ میں نے کہا: میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں، کہنے لگا: کیا تمہارے ساتھ بھی کوئی ہے؟ میں نے کہا: واللہ کوئی نہیں، بس اللہ ہے اور یہ میرا بیٹا، اس نے کہا: واللہ تمہارا یوں اکیلا جانا ٹھیک نہیں۔ اس نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی، وہ میرے ساتھ چل پڑا اللہ کی قسم میں نے اس سے بڑھ کر نیک خصلت انسان کوئی نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی منزل پر پہنچتا تو میرے اونٹ کو بٹھا دیتا، پھر مجھ سے الگ ہو کر کسی درخت کے نیچے جا بیٹھتا، اور وہیں آرام کر لیتا، جب چلنے کا وقت آتا تو میرے اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل پڑتا۔ وہ اسی طرح کرتا رہا تا آنکہ مجھے مدینہ لے آیا، جب اسے بنوعمرو بن عوف کی بستی نظر آئی۔ (یعنی بستی قبا) تو کہنے لگا۔ تمہارا شوہر اسی بستی میں ہے۔ (کیونکہ اکثر مہاجرین پہلے قبا میں آ کر ٹھہرے تھے، خود نبی اکرم ﷺ بھی پہلے قبا میں آئے تھے) میں اللہ کا نام لیکر بستی میں داخل ہو گئی اور عثمان بن طلحہ وہیں سے واپس مکہ لوٹ گیا۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: اسلام کی وجہ سے جیسی مصیبت ابوسلمہ کے اہل و عیال پر آئی کسی پر نہ آئی تھی اور میں نے عثمان بن طلحہ سے بڑھ کر کوئی نیک خصلت انسان نہیں دیکھا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 329_330)

اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت باہمت، بہادر، بلند حوصلہ اور نہایت پختہ ارادہ والی خاتون تھیں۔ انہوں نے ہر مشکل کا مقابلہ کیا مگر ہمت نہیں ہاری۔ آخر اللہ نے ان پر باب فتوحات کھول دیا۔

جب وہ اپنے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئیں تو وہاں ان کے ہاں دو بیٹے سلمہ اور عمر اور ایک بیٹی ذرّہ پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ طیبہ آ کر ان کے ہاں ایک بیٹی زینب کا تولد ہوا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے شادی:

امام ابویعلیٰ موصلی متوفی 307ھ اپنی سند کے ساتھ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو مصیبت آئے تو وہ یوں کہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللّٰھم اِنّی اَحۡتَسِبُ مُصیبتی فَأَجُرۡنی فیھا وَاَبدلۡنی بھا خیراً منھا۔

اللہ کے نام سے جو سب سے مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے اللہ میں اپنی اس مصیبت پر صبر کرتا ہوں مجھے اس پر اجر دے اور اس کا بدلہ اس سے بہتر عطا فرما، پھر جب میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے یہ دعا مانگی۔ جب میں یہ کہنے لگی وابدلنی خیراً منھا۔ (مجھے اس کا بدلہ اس سے بہتر عطا فرما) تو میں کہنے لگی: وَمَنۡ خَیرٌ من ابی سلمۃ، ابوسلمہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ میں سوچنے لگی، آخر میں نے یہ دعا شروع کر دی۔

اس کے بعد جب ان کی عدت ختم ہوئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں پیغام نکاح دیا، انہوں نے رد کر دیا۔ انہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا انہوں نے رد کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیغام بھیجا تو وہ کہنے لگیں۔ رسول خدا ﷺ کے لیے مرحبا ہے اور جو ان کا پیغام لایا ہے اس کے لیے بھی مرحبا ہے۔ آپ کی بارگاہ میں میرا اسلام کہو اور میرا پیغام دو کہ میں غصہ والی عورت ہوں (کہیں شادی کے بعد کوئی بے ادبی نہ کر دوں) پھر میرے ساتھ بچے بھی ہیں۔ اور میرا کوئی ولی حاضر نہیں (جو میرا نکاح کرے) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہارا کہنا ہے کہ تم غصہ والی ہو تو میں دعا کرتا ہوں اللہ تمہارا غصہ ختم کر دے، تم کہتی ہو کہ میرے ساتھ بچے ہیں تو اللہ تمہارے بچوں کے لیے کافی ہے۔ (یعنی اللہ و رسول تمہارے بچوں کی ذمہ داری لیتے ہیں) اور تمہارے اولیاء اگر موجود نہیں تو کوئی بات نہیں اگر کوئی موجود ہوتا تو ضرور مجھ پر راضی ہوتا، تب انہوں نے اپنے بیٹے عمر سے کہا کہ چلو تم ہی میرے ولی بنو اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کرو۔ تو ان کا بیٹا ولی بنا اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے اُن کا نکاح کیا تب آپ نے ان سے فرمایا میں نے تمہاری رشتہ کی فلاں بہن کو جہیز میں دو مٹکے دو برتن اور ایک تکیہ دیا تھا وہی تمہیں دوں گا اور جب ان کا رسول اللہ ﷺ سے نکاح ہوا اس وقت ان کی گود میں ان کی بیٹی زینب تھی جو دودھ پیتی تھی۔ (مسند ابی یعلی، مسند ام سلمہ رضی اللہ عنہا صفحہ 1241 حدیث 6901 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث کے مختلف حصے صحاح ستہ میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں (دیکھیے صحیح مسلم حدیث 918، سنن ابو داؤد حدیث 3119، جامع ترمذی حدیث 3511، مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 291، موطاء امام مالک حدیث 42)

امام احمد قسطلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بے حد حسن و جمال والی عورتوں میں سے تھیں، ان سے رسول اللہ ﷺ نے ماہ شوال میں نکاح فرمایا یعنی اُسی سال میں جس میں ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔ (مواہب لدنیہ جلد 2 صفحہ 85)

جس طرح ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم سے محبت تھی اور بات کرنے کا سلیقہ بہت خوب جانتی تھیں، یونہی ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی علم دوست تھیں اسی لیے ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ احادیث نبویہ مروی ہیں۔ اسی لیے عطاء فرماتے ہیں کہ ازواج رسول ﷺ کے دو گروہ تھے ایک میں حضرت عائشہ صدیقہ، سیدہ حفصہ، سیدہ سودہ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنھن تھیں ان کی سردار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں، دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ، سیدہ ام حبیبہ، حضرت جویریہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنھن تھیں۔ ان کی سردار حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں (مدارج النبوۃ تذکرہ امہات المؤمنین جلد 3 صفحہ 420)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے تھوڑا عرصہ قبل رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ام المؤمنین زینب بنت خُزیمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تھا، ان کا حجرہ خالی تھا، اس لیے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اسی حجرہ میں ٹھہرایا گیا، (مدارج)

اہل سیر کے مطابق سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ازواج مطہرات میں سب کے بعد ہوا، وہ واقعہ کربلا کے وقت موجود تھیں جس کی دلیل وہ حدیث ترمذی ہے کہ راوی رزین کہتا ہے میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا وہ رو رہی تھیں میں نے ماجرا پوچھا فرمانے لگیں میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آپ کے چہرۂ انور اور داڑھی مبارک پر غبار تھا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا شَہِدْتُ قتلَ الحسین آنفاً میں نے ابھی قتل حسین (رضی اللہ عنہ) دیکھا ہے۔ (جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث 3771)

اس لحاظ سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے طویل عمر پائی، وہ اعلان نبوت کے وقت موجود تھیں، اسی لیے اس کے پانچ برس بعد جب پہلی ہجرت حبشہ ہوئی تو وہ اس میں اپنے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئیں۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے 84 برس عمر پائی، بہر حال وہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوئیں ان کی نماز جنازہ ایک قول کے مطابق حضرت ابوہریرہ نے اور دوسری روایت میں سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، یہی دوسرا قول معتبر ہے، کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا سے ایک برس قبل یعنی سن 59ھ میں فوت ہو گئے تھے، وہ خود دعا کرتے تھے اے اللہ! مجھے سن ساٹھ سے قبل اٹھالے وہ جانتے تھے کہ سن ساٹھ میں بہت خونیں واقعات ہونے والے ہیں جیسے واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے 378 احادیث نبویہ مروی ہیں جن میں سے بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث 13 ہیں جبکہ صرف بخاری میں 3 اور صرف مسلم میں 13 ہیں۔ باقی دیگر کتب حدیث میں مروی ہیں۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث میں سے ایک بڑی تعداد فضائل اہل بیت رسول اللہ ﷺ پہ مشتمل ہے، یعنی مولیٰ علی المرتضیٰ، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے فضائل کو انہوں نے بکثرت روایت کیا ہے حدیث رداء بھی ان سے متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے۔

فصل ششم:

ام المؤمنین سیدہ سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا:

ام المؤمنین سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا قریشیہ ہیں اور لُوی بن غالب میں ان کا نسب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ان کا نسب یہ ہے۔سودہ بنتِ زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدوَد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔ جبکہ لوی نسب رسول ﷺ میں نویں نمبر پر آتے ہیں۔محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مُرۃ بن کعب بن لوی،گویا حضور ﷺ لُوی کے بیٹے کعب کی نسل سے ہیں اور سیدہ سودہ لوی کے دوسرے بیٹے عامر کی نسل سے ہیں،اسی لیے ان کو عامریہ قریشیہ لکھا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا پہلے سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔جو سھیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں (یہ وہی سہیل بن عمرو ہیں جو حدیبیہ میں قریش کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تھے اور انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب معاملہ سہل ہو گیا ہے کیونکہ سہیل آیا ہے۔) سیدہ سودہ اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں شریک ہوئیں۔پھر ایک قول میں ان کے خاوند وہیں حبشہ میں فوت ہوئے تھے اور دوسرے قول میں واپس مکہ آ کر،اور یہی قوی ہے۔(مواہب)

مروی ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ سے مکہ واپس آئیں تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے ان کی گردن پہ قدم رکھا ہے۔انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ کو بتایا انہوں نے کہا: اگر تم سچ کہتی ہو تو پھر میں جلد دنیا سے اٹھ جاؤں گا اور رسول اللہ ﷺ تم سے شادی کریں گے، پھر دوبارہ انہوں نے ایسا ہی خواب دیکھا کہ چاند ان کی جھولی میں آ گرا ہے۔تب بھی ان کے شوہر نے ایسی ہی تعبیر کہی، چنانچہ جلد ہی وہ بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔(مدارج)

ایک قول میں رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت سودہ ہی سے عقد کیا اور دوسرے قول میں سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا دراصل دونوں نکاح ایک ہی زمانہ میں ہوئے اس لیے دونوں میں تقدم و تأخر کا اختلاف ہے۔اسے یوں بھی دور کیا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے نکاح تو سیدہ عائشہ صدیقہ کے ساتھ ہوا مگر ان کی رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی، جبکہ سیدہ سودہ رضی

اللہ عنہا کی رخصتی مکہ میں ہوگئی تھی۔ تو ایک نکاح میں اول ہیں دوسری رخصتی میں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

مدینہ طیبہ میں آ کر کوئی ایسا سبب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کو جب خوف ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں طلاق دیدیں گے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے طلاق نہ دیں میں اپنا دن حضرت عائشہ کے لیے وقف کرتی ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے ہی کیا تب یہ آیت نازل ہوئی: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا، اگر بیوی کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رخی کا ڈر ہو تو دونوں پہ کوئی گناہ نہیں کہ باہم صلح کرلیں۔ (سورہ نسآء آیت 128) (جامع الترمذی کتاب التفسیر سورۃ النسآء حدیث 3040)

امام نورالدین ہیثمی لکھتے ہیں:

عبدالرحمان بن سابط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ، رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بلایا تاکہ وہ اس پر گواہ بنیں۔ تب انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ

مالی رغبةٌ فی الدنیا اِلاَّ لِاُحشَرَ یومَ القیامةِ فی اَزواجِكَ فیکونَ لی من الثوابِ مالهن.

مجھے دنیا میں کوئی رغبت نہیں ہے میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ روز قیامت آپ کی ازواج میں اٹھائی جاؤں اور میرے لیے بھی وہی درجہ ہو جو دیگر ازواج کے لیے ہے۔ اسے طبرانی نے مرسلاً روایت کیا ہے اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 249 باب ماجاء فی سودۃ زوجۃ النبی ﷺ)

یہ بات شیعہ مفسرین نے بھی سورہ نسآء کی آیت مذکورہ کے تحت ذکر کی ہے، جس کا معنی یہ ہوا کہ تمام ازواج مطہرات آخرت میں بھی ازواج رسول ﷺ ہیں۔ اس لیے بعض غالی رافضیوں کا سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کو ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی وجہ سے لعن طعن کرنا (معاذاللہ) محض الحاد بددینی اور شدید گمراہی ہے۔ بلکہ عذاب الٰہی کو پکارنے کے مترادف ہے۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا وصال:

ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج رسول ﷺ میں دراز قد اور فربہ جسامت والی تھیں۔ ان کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں وہ سن ۵۴ ھ میں فوت ہوئیں۔ دوسرے قول میں وہ خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ

عنہ کے آخر میں فوت ہوئیں۔ بقول امام احمد قسطلانی یہی قول قوی تر ہے اسے امام بخاری علیہ الرحمہ نے تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے۔ گویا ان کا جنازہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا، کیونکہ وہ وصال نبوی کے بعد مدینہ طیبہ سے باہر نہیں نکلیں، دیگر ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حج کے لیے جاتی رہیں۔ پہلے حضرت عمر فاروق نے انہیں حج سے روکا تھا بعد میں اجازت دیدی مگر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الاسلام کر لیا تھا۔ اب میرا جنازہ ہی گھر سے نکلے گا۔ ایک قول میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بھی یہی عمل اپنایا۔

چونکہ حضرت سودہ دراز قد اور فربہ جسامت رکھتی تھیں، اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ ان کے جنازہ پر ایک مسہری (ڈولی نما پردہ) کو رکھا جائے اور ان کا جنازہ رات میں اُٹھایا جائے حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ احادیث مروی ہیں ایک صحیح بخاری میں ہے دوسری باقی صحاح ستہ میں (مدارج النبوۃ تذکرہ امہات المؤمنین)

فصل ہفتم:

حضرت ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا نسب یہ ہے، ام حبیبہ بنت ابوسفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور عبد مناف رسول اللہ ﷺ کے نسب میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ یعنی محمد رسول اللہ (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، گویا ازواج مطہرات میں ان کا نسب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے قریب تر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی:

امام ابن اثیر جزری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابتداء اسلام میں ایمان لائیں، پھر انہوں نے اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں ان کے ہاں ان کی بیٹی حبیبہ پیدا ہوئی اس لیے انہیں ام حبیبہ کہا جاتا ہے۔ ورنہ ان کا اصل نام رملہ ہے۔ اللہ کی شان! ان کا شوہر عبیداللہ حبشہ جا کر عیسائی ہو گیا اور کچھ ہی عرصہ میں عیسائیت پہ مر گیا۔ حضرت ام حبیبہ (غریب الوطنی میں) اکیلی رہ گئیں۔ (گویا ان پر کوہِ رنج و غم ٹوٹ پڑا) تب رسول اللہ ﷺ نے انہیں شاہِ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ کے ذریعے پیغام نکاح بھیجا، حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں، ایک دن اچانک شاہ حبشہ کی لونڈی جو ابرھہ کہلاتی اور بادشاہ کے کپڑے اور تیل وغیرہ کے مہیا کرنے پر مامور تھی، میرے پاس آئی اس نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے اسے

اجازت دی، وہ کہنے لگی: بادشاہ نے تمہارے لیے پیغام دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں ان کا پیغام آیا ہے۔ میں نے لونڈی سے کہا اللہ تمہیں خوش رکھے۔ وہ یہ بھی کہنے لگی: بادشاہ کہتا ہے تم اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دو جو تمہارا نکاح کرے، میں نے (مہاجرین میں سے) خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا اور انہیں اپنا وکیل مقرر کیا۔ میں نے ابرھہ کو خوش ہو کر اپنے چاندی کے کنگن اور سونے کی انگوٹھیاں جو میں نے پہن رکھی تھیں، دیدیں، کیونکہ اس نے مجھے یہ بشارت سنائی تھی، جب رات ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور وہاں موجود دوسرے مسلمانوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر نجاشی نے خطبہ کہا اللہ کی حمد وثنا کہی۔ اس کے بعد کہا امابعد! رسول اللہ ﷺ نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنتِ ابی سفیان سے کروں، میں آپ کے حکم کو پورا کرتا ہوں اور اپنی طرف سے چارسو دینار مہر دیتا ہوں یہ کہہ کر اس نے لوگوں کے سامنے دینار انڈیل دیئے، پھر خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کہی۔ پھر کہا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے ام حبیبہ بنتِ ابوسفیان کا عقد آپ کے ساتھ کرتا ہوں۔ اللہ اپنے رسول کو برکتیں عطا فرمائے، نجاشی نے دنانیر حضرت خالد کے حوالے کیے۔ (انہوں نے حضرت ام حبیبہ تک پہنچا دیے) جب لوگ اُٹھنے لگے تو بادشاہ نے کہا: ٹھہرو! یہ سنتِ انبیاء ہے کہ نکاح پر کھانا کھلایا جائے، پھر اس نے کھانا منگوایا اور سب کو کھلایا۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا تھا کیونکہ حضرت ام حبیبہ کی والدہ صفیہ بنت ابوالعاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 303 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مروی ہے کہ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے یاام المؤمنین کہہ کر بلا رہا ہے۔ میں نے اس کی یہی تعبیر لی کہ رسول اللہ ﷺ مجھے عقد زوجیت میں لیں گے، اس کے بعد حضور سرورِ عالم ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) کو آپ کی طرف سے پیغام نکاح دیں اور اس کے بعد نکاح منعقد کریں۔ اس کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو وکیل مقرر کیا یوں یہ نکاح انجام پایا۔ (مدارج النبوۃ جلد 3 صفحہ 430)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی محبتِ رسول ﷺ:

امام ابن ہشام متوفی 213ھ سیرت نبویہ میں لکھتے ہیں: (فتح مکہ سے قبل) ابوسفیان، رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ آیا۔ وہ اپنی بیٹی ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے گھر گیا، جب وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہ نے لپک کر بستر کو لپیٹ دیا، وہ کہنے لگا: اے میری بیٹی! کیا تم نے بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے بستر

کے لائق نہیں سمجھا؟ انہوں نے جواب دیا:

بَلْ هُوَ فِرَاشُ رسولِ الله ﷺ وَ اَنْتَ رَجلٌ مشرِكٌ نَجَسٌ. فلم اُحِبَّ ان تَجلِسَ علٰی فراشِ رسولِ الله ﷺ نہیں، بلکہ یہ بسترِ رسول خدا ﷺ ہے اور تم ایک مشرک و ناپاک شخص ہو (اور رسول پاک ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔)

(سیرت ابن ہشام، ذکر فتح مکہ صفحہ 541 مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

الحمدللہ مجھ ناچیز محمد طیب غفرلہٗ کو اللہ رب العزت نے پوری سیرت طیبہ منظوم لکھنے کی سعادت دی ہے۔ میں نے اس واقعہ میں یہ اشعار لکھے ہیں۔ ع

مگر اس جا پہ حیرت ہے کہ صورت ہے جداگانہ
نہیں اچھا لگا بیٹی کو کچھ بھی باپ کا آنا
کہ وہ دشمن تھا محبوبِ خدا سرکارِ عالم کا
کہ جو ہیں مرکزِ رشد و ہدایت سارے عالم کا
ابو سفیان نے چاہا کہ بیٹھے ان کے بستر پر
سمیٹا اٹھ کے بیٹی نے رسول پاک کا بستر
کہا اے باپ تو ناپاک ہے کافر ہے اکفر ہے
نبی پاک کا بستر ہے یہ، طاہر ہے اطہر ہے
مشرف ہے کیا آقا نے اس کے اصل وظاہر کو
نہیں اس پر بٹھاؤں گی کبھی میں ایک کافر کو

اندازہ فرمائیں۔کس قدر محبت تھی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو سرور دو عالم ﷺ کے ساتھ، بیٹیوں کو اپنے ماں باپ سے کس قدر محبت ہوتی ہے اور باپ سے انہیں بچھڑے قریباً سولہ برس ہو چکے تھے۔ کیونکہ وہ سن بعثت پانچ میں ہجرت کر کے حبشہ گئیں، پھر وہاں سے سیدھی مدینہ طیبہ چلی آئیں، کیونکہ رسول اللہ سے ان کی شادی ہو گئی تھی۔ اور ابو سفیان فتح مکہ سے قبل مدینہ طیبہ آیا تھا، قریباً سولہ برس کے بعد باپ بیٹی کی ملاقات تھی مگر بیٹی نے اس آیت پر عمل کا حق ادا کر دیا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ

اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ

تم ان لوگوں کو جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے ہیں ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں خواہ وہ ان کے باپ دادا ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا دیگر خاندان والے، اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح (جبریل علیہ السلام) کے ذریعے ان کی تائید فرمائی ہے۔ (سورہ مجادلہ آیت 22)

حضور ﷺ کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا یہ لحاظ تھا کہ امام زہری نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ان کی وجہ سے اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا عقد عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا: کیونکہ حضرت ام حبیبہ کی والدہ صفیہ بنتِ ابوالعاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھی۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 253، باب مناقب ام حبیبۃ زوج النبی ﷺ)

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا وصال مدینہ طیبہ میں سن 40 یا 44 ہجری میں ہوا۔ ان سے 65 احادیث نبویہ مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ ہیں ایک صرف مسلم میں ہے باقی حدیثیں دیگر کتب میں ہیں۔ (مدارج النبوۃ)

فصل ہشتم:

ام المؤمنین زینب بنتِ خُزیمہ رضی اللہ عنہا:

امام ابن اثیر جزری فرماتے ہیں:

حضرت زینب بنتِ خزیمہ بھی قریش میں سے ہیں۔ انہیں ام المساکین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مساکین کو کھانا کھلانے اور ان پر صدقات کے لٹانے میں معروف تھیں۔ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ حضرت عبداللہ جحش رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے برادر نسبتی ہیں ان کی سگی بہن زینب بنتِ جحش رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مُطہرہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح فرمایا، اس کے علاوہ آن کا رسول اللہ ﷺ سے یہ تعلق بھی تھا کہ وہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی اضافی بہن تھیں یعنی دونوں کی ماں ایک تھی۔ (اسد الغابہ جلد 7 صفحہ 130)

امام احمد قسطلانی فرماتے ہیں:

حضرت زینب بنتِ خزیمہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقد سن ہجری 3 میں غزوۂ احد کے بعد ہوا۔ وہ آپ کے عقد میں صرف دو یا تین ماہ رہیں اور فوت ہو گئیں۔ بعض نے آٹھ ماہ بھی ذکر کیے ہیں، گویا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت

ومعیت میں ایک برس بھی نہ پایا۔ وہ ربیع الاوّل سن ہجری 4 میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے عقد میں قریباً آٹھ ماہ جئیں۔ ورنہ ان کا ہجری 4 کے ربیع الاوّل میں فوت ہونا صحیح نہیں بنتا۔ (مواہب لدنیہ جلد 2 صفحہ 89 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

یہاں تک ہم نے جن سات ازواج مطہرات امہات المؤمنین کا ذکر کیا ہے وہ قریش سے تھیں۔ آگے ہم ان مقدس ازواج پاک کا ذکر کریں گے جو قریش میں سے نہ تھیں دیگر قبائل سے تھیں۔

فصل نہم:

ام المؤمنین سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا:

سیدہ زینب بنتِ جحش قبیلہ بنو اسد بنی خزیمہ سے تھیں، نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں، ان کی والدہ امیمہ بنتِ عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی سگی پھوپھی ہیں۔ ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں جو قدیم الاسلام ہیں دارارقم میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے پھر انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی۔

سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا بھی اپنے بھائی کی طرح السابقون الاولون میں سے ہیں۔ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئیں۔

حضور ﷺ سے شادی:

حضور ﷺ نے ان کا نکاح پہلے اپنے آزاد کردہ غلام اور اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا تاکہ غلاموں کی عزت افزائی ہو، لوگ غلاموں کو ادنیٰ مخلوق سمجھتے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس فرق کے مٹانے کیلئے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب کا نکاح اپنے غلام سے فرمایا، اگرچہ وہ دلی طور پر اس نکاح کے لیے آمادہ نہ تھیں، مگر جب حکم رسول آیا تو سر تسلیم خم کر دیا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

کسی مومن مرد کے لیے مناسب ہے نہ کسی مومنہ عورت کے لیے، کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر انہیں اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔ (سورہ احزاب آیت 36)

ابن جریر اور ابن مَردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح کرنا چاہا آپ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور انہیں یہ بات کہی۔ وہ کہنے لگیں۔ لَسْتُ بِنَا كِحَتِهٖ میں اس سے نکاح نہیں کرنے والی۔ آپ نے فرمایا: بلٰی، فَانْكِحِيْهِ، کیوں نہیں، تم اس سے نکاح کرو، وہ کہنے لگیں یارسول اللہ ﷺ میں اس بارے میں سوچوں گی۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یہ آیت اتری وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا: الخ۔

یعنی جب اللہ و رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی اختیار نہیں کہ اس کو رد کریں، حضرت زینب عرض کرنے لگیں یارسول اللہ ﷺ میں راضی ہوں میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کر سکتی، میں خود کو زید کے نکاح میں دیتی ہوں۔ (درمنثور جلد 5 صفحہ 381 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اسی جگہ تفسیر ابن جریر میں یہ روایت بھی ہے کہ سیدہ زینب نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں حسب ونسب میں زید سے بہتر ہوں۔ اوران کے مزاج میں کچھ تیزی بھی تھی تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (حوالہ مذکورہ)

اگر سوال کیا جائے کہ جب سیدہ زینب حضرت زید سے نکاح نہیں کرنا چاہتی تھیں تو ان کا نکاح ان کی مرضی کے خلاف کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ دراصل اس کا مقصد ہی امت کو یہ بتانا تھا کہ غلاموں کو گھٹیا انسان نہ سمجھو وہ تمہارے ہی جیسے انسان اور اولاد آدم ہیں۔ ان سے شادیاں کرو، لونڈیوں کو آزاد کر کے ان سے شادی کرو اور غلاموں کو آزاد کر کے انہیں اپنے داماد بناؤ اور اس نکاح کا دوسرا مقصد یہ بتانا تھا کہ منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہو سکتے تفصیل آگے آتی ہے۔

بہر حال یہ شادی ہوگئی مگر میاں بیوی کے درمیان ذہنی موافقت پیدا نہ ہوسکی۔ دراصل قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو زوجیتِ سرورِ عالم ﷺ میں لانے والا تھا۔ چنانچہ حضرت زید رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت زینب کی تلخ مزاجی کا شکوہ کیا، نبی اکرم ﷺ کے قلبِ مبارک میں خیال آیا کہ اگر واقعی زید سے یہ عورت خوش نہیں تو پھر اسے ہمیشہ اس کے ساتھ جوڑے رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر زید اسے اپنی خوشی سے طلاق دیدے تو میں اسے اپنے نکاح میں لا سکتا ہوں مگر آپ کو یہ بھی ڈر تھا کہ اگر میں زینب کو اپنی زوجیت میں لایا تو منافقین کہیں گے دیکھو انہوں نے اپنی سابقہ بہو سے شادی کرلی ہے کیونکہ آپ نے حضرت زید کو اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا حالانکہ وہ حقیقی بیٹے نہ تھے مگر منافقین ومخالفین تو بات کرنے کا موقع ڈھونڈتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا تم طلاق دینے میں جلدی نہ کرو اور اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھو، حضور ﷺ کی اس کیفیت و حالت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ

وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ

اور اے محبوب کریم ﷺ یاد کریں جب آپ اس شخص سے، جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے انعام کیا، (یعنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور تم لوگوں کے طعنوں سے ڈرتے ہو جبکہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو، (سورۃ الاحزاب آیت 37)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت زینب کا شکوہ لے کر آئے اور آپ ان سے فرمانے لگے۔ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، حضرت انس کہتے ہیں اگر حضور ﷺ قرآن میں سے کوئی چیز چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپاتے۔
(صحیح بخاری کتاب التوحید 23 حدیث 7420)

الغرض، حضرت زید اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان قریباً ایک برس تک نکاح رہا، مگر جب دونوں میں نہ نبھ آئی تو آخر انہوں نے حضرت زینب کو طلاق دیدی، حدیث کے مطابق جب ان کی عدت ختم ہوگئی تو حضور ﷺ نے حضرت زید ہی کو سیدہ زینب کے پاس بھیجا اور انہیں اپنی طرف سے پیغام دیا کہ آپ ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، اس موقع پر حضرت زید کا انتخاب اس لیے کیا گیا تاکہ سب کو معلوم ہو کہ زید نے اپنی مرضی سے طلاق دی ہے اسے آپ نے یا کسی نے اس پر مجبور نہیں کیا۔ وہ گئے، انہوں نے حضرت زینب کو آپ کا پیغام دیا، انہوں نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کروں گی، وہ وضو کر کے سجدے میں گر گئیں، ادھر اللہ نے قرآن نازل فرما دیا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

جب زید نے اپنی بیوی سے رغبت ختم کر دی (طلاق دیدی) تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی حرج (اعتراض) نہ رہے۔ جب وہ انہیں طلاق دیدیں اور اللہ کا کام ہو کر رہتا ہے۔ (سورہ احزاب آیت 37)

یعنی اللہ رب العزت نے حکمت بتادی کہ کیوں حضرت زینب کا نکاح پہلے حضرت زید سے کیا گیا پھر انہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں لایا گیا تاکہ مومنوں پر واضح کیا جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور جب وہ بیوی کو طلاق دیدے تو عدت کے بعد تم خود اس سے نکاح کر سکتے ہو، اس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ کسی کا نسب نہ بدلو، جو منہ بولا بیٹا ہے وہ صرف منہ بولا ہے۔ اس کا وہ حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ حقیقی بیٹا وہ اسی کا ہے جو اس کا حقیقی باپ ہے، وہ اسی کا وارث ہے، وہ

منہ بولے باپ کا وارث نہیں ہے۔عرب میں دستور تھا کہ جس نوجوان کو لائق دانا بہادر اور مالدار دیکھتے اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے اور اسے حقیقی بیٹا قرار دیتے تا کہ اس کے ذریعے مالی مفادات حاصل کریں۔اللہ نے اس جہالت اور زیادتی کے خاتمہ کے لیے قصۂ زید وزینب رضی اللہ عنہما کا انعقاد فرمایا، یہ ساری تفصیلات میں نے اپنی تفسیر برھان القرآن میں کھول کر بیان کی ہیں۔

جب اللہ نے قرآن میں فرمادیا زَوَّجْنٰکَهَا کہ اے پیارے رسول ہم نے اس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا ہے تو پھر کسی ایجاب و قبول کسی گواہ اور کسی خطبہ ومہر کی ضرورت نہ تھی، اس لیے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں بغیر اجازت تشریف لے گئے وہ اس وقت سر برہنہ تھیں، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے بے خطبہ و بے گواہ فرمایا: اللہ الْمُتَزَوِّجُ وَجِبرِیلُ الشَّاهِدُ اللہ نکاح کرنے والا ہے اور جبریل علیہ السلام گواہ ہیں۔
(مدارج النبوۃ جلد 3 صفحہ 423 تذکرۂ امہات المؤمنین)

فضیلتِ سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا:

یہ ان کی عظیم فضیلت ہے کہ ان کا نکاح خود رب نے آسمانوں سے قرآن میں نازل فرمایا۔ابن سعد اور ابن عساکر نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: اللہ کی قسم میں دوسری ازواج رسول اللہ ﷺ کی طرح نہیں ہوں ان کی شادیاں حق مہر کے ساتھ ہوئیں اور ان کے گھر والوں نے ان کی شادیاں کیں۔جبکہ میرا نکاح خود اللہ نے کیا اور اس پر قرآن اتارا جسے مسلمان پڑھ رہے ہیں اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہوسکتا اللہ نے فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی تھیں اللہ زینب بنتِ جحش پر رحمت فرمائے انہوں نے اس دنیا میں وہ شرف پایا جس تک کوئی صاحب شرف نہیں پہنچ سکتا۔اللہ نے انکا نکاح اپنے نبی ﷺ سے کیا اور قرآن نے اس کی گواہی دی۔

حاکم نے شعبی سے روایت کیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتی تھیں۔میرا حق آپ پر آپ کی دیگر ازواج سے زیادہ ہے، میرا نکاح کرنے والا سب سے اعلیٰ ہے (یعنی اللہ رب العالمین) میں قرابت میں آپ کے ساتھ سب سے بڑھ کر ہوں، میرا نکاح آپ سے خدائے رحمان نے عرش کے اوپر کیا، اور جبریل علیہ السلام اس پر اللہ کا سفیر بن کر آئے، میں آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں، آپ کی ازواج میں سے کسی کو یہ قرابت حاصل نہیں۔

(درمنثور سورۃ الاحزاب جلد 5 صفحہ 383 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدہ زینب کی شادی سن ہجری چھ میں ہوئی۔ ان کی شادی پر رسول اللہ ﷺ نے جو ولیمہ فرمایا وہ تمام دیگر ازواج سے بہتر تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب کے لیے جو ولیمہ فرمایا وہ تمام دیگر ازواج سے بہتر تھا۔ آپ نے صحابہ کرام کو گوشت روٹی کھلائی۔ (عموماً ستو اور کھجوریں کھلائی جاتی تھیں) (صحیح مسلم کتاب النکاح باب زواج زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حدیث 3504)

سیدہ زینب یہ فخر بھی فرمایا کرتی تھیں کہ میری وجہ سے حجاب نازل ہوا (کنز العمال) جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا اور ولیمہ منعقد کیا تو لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر چند صحابہ کرام بیٹھے باتیں کرتے رہے، وہ نہ گئے، حضور ﷺ ان کے جانے کا انتظار فرماتے رہے۔ آپ بے حد حیا والے تھے۔ آپ نے ان سے کچھ نہ کہا۔ خود باہر چلے گئے تمام ازواج کے حجرات کا چکر لگایا سب کو سلام کیا واپس آئے تو وہ لوگ ابھی بیٹھے تھے۔ آخر ان لوگوں نے محسوس کیا اور چلے گئے، ان کے جاتے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ

اے ایمان والو! نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں داخل نہ ہو تا آنکہ تمہیں اس کی اجازت دی جائے۔ آپ کے برتنوں کو نہ دیکھتے رہو۔ بلکہ جب تمہیں بلایا جائے تو آؤ اور جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ۔ نہ کہ وہاں بیٹھ کر باتیں شروع کر دو، یہ چیز نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتی ہے۔ وہ تم سے حیا کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ حق بتانے سے حیا نہیں فرماتا اور جب تم ازواج رسول ﷺ سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ (سورۃ الاحزاب آیت 53)

حضرت انس کہتے ہیں پہلے میں نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں آتا جاتا تھا، جب یہ آیت اتری تو میرے اور آپ کے درمیان حجاب ڈال دیا گیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ابی حاتم وغیرہ)

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا وصال:

نبی اکرم ﷺ کے بعد آپ کی ازواج میں سے جس کا وصال سب سے پہلے ہوا وہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں اور اس کی خبر رسول اکرم ﷺ نے پہلے دیدی تھی۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول

اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا:

اَسْرَعُکُنَّ لِحَاقاً بِی اَطْوَلُکُنَّ یَداً

تم میں سے میرے پاس سب سے پہلے آنے والی وہ ہے جس کا ہاتھ تم میں سب سے لمبا ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ازواج رسول ﷺ اپنے ہاتھ ایک دوسری کے ساتھ جوڑ کر ناپتی تھیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے۔ تو وہ لمبے ہاتھ والی حضرت زینب نکلیں، کیونکہ وہ ہاتھ سے محنت کر کے صدقہ زیادہ کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل زینب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا حدیث 6316)

(وگرنہ جسمانی طور پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ ازواج مطہرات میں سب سے لمبا تھا کیونکہ وہ ان سب میں دراز قد تھیں، مگر سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا کہ وہ سب سے سخیہ تھیں۔

حضرت زینب کا وصال سن ہجری 20 میں ہوا۔ انہیں حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار دراہم بھیجے تھے، وہ انہوں نے اپنے اقرباء اور یتامیٰ میں بانٹ دیے اور دعا کی اے اللہ آئندہ مجھے یہ سرکاری وظیفہ نہ ملے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے بعد جلد وصال دیدیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ پڑھا۔ جبکہ محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے انہیں لحد میں اتارا۔ انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 128)

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی یہ فضیلت بھی ہے کہ ان کی وجہ سے سورہ احزاب کی متعدد آیات کا نزول ہوا کچھ تو ابھی پیچھے بیان ہوئی ہیں۔ مزید یہ ہے کہ جب ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا تو منافقین نے اعتراض کیا کہ دیکھو یہ ہمیں اولاد کی (مطلقہ یا بیوہ) بیویوں کے ساتھ شادی سے منع کرتے ہیں جبکہ خود انہوں نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے۔ کیونکہ انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی؟

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور سب سے آخری نبی ہیں۔

(سورۃ الاحزاب آیت 40)

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ۞ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ

اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا۔ یہ تمہارے منہ کی کہی ہوئی باتیں ہیں۔
جبکہ اللہ حق بیان کرتا اور سیدھا راہ دکھاتا ہے، لوگوں کو ان کے حقیقی باپ دادا کی طرف ہی منسوب کرو، یہی
اللہ کے ہاں زیادہ عدل والی بات ہے۔ اور اگر تمہیں کسی کے باپ دادا معلوم نہ ہوں تو وہ دین میں
تمہارے بھائی اور دوست ہیں۔ (سورۃ الاحزاب آیت 4۔5)

فصل دہم:

ام المؤمنین سیدہ صفیہ بنتِ حُیی بن اخطب رضی اللہ عنہا:

آپ یہودی قبیلہ بنو نضر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں، یہ قبیلہ پہلے مدینہ طیبہ میں آباد تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا مگر عین اس وقت جب وہ آپ پر دیوار سے بڑا پتھر گرانے والے تھے اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے اٹھ گئے۔ تب اس قبیلہ کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا۔ یہ لوگ خیبر میں جا آباد ہوئے۔ یہ قبیلہ ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ آگے جا کر ان کا سلسلۂ نسب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے لاوی سے مل جاتا ہے۔ اسی لیے انہیں بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام تھا جو جبریل علیہ السلام نے رکھا تھا۔ یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بچپن مدینہ طیبہ ہی میں گزرا تھا، آپ سے ایک روایت بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ آئے تو میں خوب سمجھ دار تھی۔ جب آپ قبا میں اترے تو میرا باپ اور میرا چچا دونوں آپ سے مل کر آئے، واپسی پہ وہ بہت مغموم تھے گرتے پڑے واپس آئے۔ میں نے سنا وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے میرا چچا میرے باپ سے کہہ رہا تھا کیا یہ وہی نبی ہے؟ اس نے کہا ہاں یہ وہی نبی ہے۔ (جس کا ذکر تورات میں ہے) چچا نے کہا: کیا تم نے خوب پہچان لیا ہے؟ کہا: ہاں، چچا نے پوچھا: پھر تم دل میں کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا عداوتہ واللہ ما بقیتُ، اللہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اس سے عداوت رکھوں گا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)
(سیرت ابن ہشام حدیث صفیہ عن ابیہا صفحہ 241 مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

پھر ہجری چار میں جب بنو نضر کو مدینہ طیبہ سے نکالا گیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے خاندان کے ساتھ جانا پڑا مگر کون جانتا تھا کہ وہ صرف دو برس بعد ام المؤمنین بن کر مدینہ طیبہ میں واپس آنے والی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی:

یہود بنی نضیر تو مدینہ طیبہ سے خیبر میں جا بیٹھے مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشوں سے باز نہ آئے، انہوں نے

قریش مکہ کو آپ کے خلاف بھڑکایا، یوں اہل مکہ نے بہت بڑا لشکر لیکر مدینہ پر چڑھائی کی اور غزوۂ احزاب رونما ہوا اللہ نے حق کو غلبہ عطا فرمایا پھر حدیبیہ میں قریش کے ساتھ مصالحت ہوگئی۔ اور دس سال کے لیے جنگ بندی پر دو طرفہ دستخط ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے سکون ملا تو آپ نے بنونضیر کو ان کی سازشوں پر سبق سکھانے کا ارادہ فرمایا: اگر آپ ایسا نہ کرتے تو وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آتے اور آئے روز نئی دردِ سر کھڑی کرتے رہتے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے: حدیبیہ سے واپسی پر آپ نے مدینہ طیبہ میں صرف دو ہفتہ قیام فرمایا اور خیبر کا رخ کیا، آپ نے خیبر کے قلعہ قموص کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ انہی دنوں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا۔ اس وقت وہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کے عقد میں تھیں، اور نئی شادی ہوئی تھی۔ انہوں نے خواب میں یوں دیکھا جیسے چاند ان کی جھولی میں آ گرا ہے، انہوں نے اپنا خواب اپنے شوہر کو بتایا وہ کہنے لگا تمہاری تمنا ہوگی کہ تم شاہِ حجاز محمد (ﷺ) سے شادی کرلو اس بدبخت نے انہیں اس زور سے تھپڑ مارا کہ ان کی آنکھ میں خون اتر آیا اور شادی کے بعد جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو ابھی تک ان کی آنکھ میں وہ سرخی باقی تھی۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے ساری بات بتائی۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ 514)

یہاں میں یہ بھی بتاؤں کہ کنانہ بن ربیع مذکور سے قبل حضرت صفیہ کا نکاح ایک یہودی سلام بن مشکم کے ساتھ تھا وہ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کا دل سے معترف تھا، جب یہود بنونضیر نے مدینہ میں نبی اکرم ﷺ کے قتل کی سازش کی تو اسے بہت برا لگا اس نے یہود کو بہت برا کہا۔ پھر اس نے یہود کو دعوتِ اسلام دی اور کہا کہ تم خوب جانتے ہو وہ اللہ کے سچے رسول ہیں صرف تمہیں یہ حسد کھاتا ہے کہ آخری نبی بنی ہارون میں سے کیوں نہیں آیا۔ اگر تم اسلام لے آؤ تو تم مدینہ ہی میں اپنے گھروں میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہو گے۔ ورنہ تمہیں یہاں سے نکال دیا جائیگا۔ مگر یہود نہ مانے، آخر انہیں مدینہ سے بصد ذلت و رسوائی نکلنا پڑا۔ اس کے بعد سلّام مشکم جلد فوت ہوگیا، ممکن ہے وہ مرتے ہوئے ایمان کے ساتھ مرا ہو، کیونکہ موت کے حالات اللہ ہی جانتا ہے۔ بہرحال حضرت صفیہ نے اپنے پہلے شوہر سے رسول اللہ ﷺ کی صداقت وحقانیت سن رکھی تھی، اس لیے ان کے دل میں آپ کی محبت پہلے سے جاگزیں تھی۔ یہی سبب ہوا کہ انہیں خواب میں بشارت دی گئی۔

بہرحال غزوۂ خیبر میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا شوہر کنانہ بن ربیع جو رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا مارا گیا۔ جبکہ ان کا باپ حُیی بن اخطب اس سے قبل غزوۂ بنوقریظہ میں قتل ہوگیا تھا۔ اور خود حضرت صفیہ قیدیوں میں لائی گئیں غزوہ خیبر کے تمام مرد وعورت قیدیوں کو غلام اور باندیاں بنایا گیا۔ کسی کو رہا نہ کیا گیا نہ کسی سے فدیہ لے کر چھوڑا گیا۔

امام ابن اثیر جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب خیبر فتح ہوا اور قیدی جمع کیے

گئے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نبی اکریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیدیوں میں سے مجھے بھی ایک باندی عطا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: اِذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً۔ جاؤ (قیدیوں میں سے) کوئی لونڈی لے لو، وہ گئے اور حضرت صفیہ کو پکڑ لیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ یہودِ قریظہ ونضیر کی سردار ہے۔ (یعنی یہود کے بڑے سردار حُیی بن اخطب کی بیٹی ہے) یہ صرف آپ کے لیے موزوں ہے (تاکہ دوسرے مجاہدین کی دل شکنی نہ ہو) نبی اکرم ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی سے فرمایا: تم قیدیوں میں سے کوئی دوسری باندی لے لو۔ (بعض روایات میں ہے کہ آپ نے انہیں دو باندیاں عطا فرمائی۔) رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنی ملکیت میں لے لیا، انہیں آزاد کیا اور ان سے نکاح فرمایا وہ عقلمند ترین خواتین میں سے تھیں، (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 168)

سنن ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور اُن کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ (سنن ترمذی کتاب النکاح باب 24 حدیث 1115)

حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ سے نکاح فرمالیا تو (خیبر سے واپسی پر) راستہ میں ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جناب صفیہ کو دلہن بنایا (اچھے کپڑے پہنائے اور کنگھی پٹی کی) پھر انہیں رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، صبح آپ لوگوں کے پاس بطور دولہا تشریف لائے، آپ نے فرمایا: جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے لے آئے۔ ایک چٹائی بچھائی گئی، کوئی شخص تھوڑی سی پنیر لے آیا، کوئی کھجوریں لے آیا، کوئی گھی لے آیا، پھر ان چیزوں سے حیس بنایا گیا (گھی، کھجور اور ستو سے بنے ہوئے کھانے کو حیس کہتے ہیں۔ منجد) جو سب لوگوں نے کھایا یہی رسول اللہ ﷺ کا ولیمہ تھا (ایک روایت میں ہے کہ وہ تھوڑا سا حَیس تھا جو پورے لشکر نے سیر ہو کر کھالیا، یعنی ایک عظیم معجزہ ظاہر ہوا۔)

اس جگہ اگر سوال کیا جائے کہ جب کوئی عورت جنگ میں قیدی بن کر آئے اور اسے لونڈی بنا کر کسی مسلمان کی ملکیت میں دیدیا جائے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ ایک حیض کے آنے تک اس کے قریب نہ جائے، تاکہ دو مردوں کا پانی ایک برتن میں جمع نہ ہو اسے استبراء رحم کہتے ہیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں ایسا کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ استبراء رحم کی نفی کہیں مذکور نہیں۔ اور فتح خیبر اور واپسی میں قریباً ڈیڑھ ماہ صرف ہوا، آپ ماہ محرم ہجری چھ کے وسط میں خیبر گئے اور صفر کے اختتام پر واپس آئے، اور واپسی پہ راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس دوران اتنا وقت گزرا ہے کہ استبراء رحم ہو، لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے محبت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا جبکہ آپ نے ان کے باپ، بھائی (اور شوہر) کو قتل کیا تھا (آپ کے حکم سے قتل کیا گیا تھا) پھر حضرت بلال ان کو وہاں سے لیکر گزرے جہاں مقتول یہود کی لاشیں پڑی تھیں۔) (ان پر اتنے صدمات گزر چکے تھے) پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو انہیں آزاد کر دیا جائے وہ اپنی قوم میں چلی جائیں اور چاہیں تو اسلام لے آئیں اور حضور ﷺ انہیں اپنے نکاح میں لے لیں۔ انہوں نے کہا: اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُولَه' میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ (اپنی قوم میں واپس نہیں جانا چاہتی) اسے صاحب صفوۃ نے روایت کیا ہے۔

اور حافظ مروزی دمشقی نے اپنے فوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: هَلْ لَكِ فِيَّ کیا تم مجھ میں رغبت رکھتی ہو (کہ مجھ سے شادی کرلو؟) وہ کہنے لگیں یارسول اللہ ﷺ

لَقَدْ كُنْتُ اَتَمَنّٰى ذٰلِكَ فِى الشِّرْكِ فَكَيْفَ اِذَا مَكَّنَنِى اللّٰهُ فِى الْاِسْلَامِ

میں حالتِ شرک میں اس کی آرزو رکھتی تھی۔ تو اب ایسا کیوں نہ کروں گی جبکہ اللہ نے مجھے توفیق ایمان عطا فرمادی ہے۔

(المواہب اللدنیہ جلد 2 مقصد ثانی فصل ثالث فی ازواج النبی ﷺ صفحہ 93 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ حضرت صفیہ سے کچھ ناراض ہوئے، انہوں نے مجھ سے کہا اے عائشہ! کیا تم ایسا کرتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کرو اور میں اپنی باری تمہیں دیدیتی ہوں؟ میں نے کہا: ٹھیک ہے: تو میں نے زعفران میں رنگی ہوئی خوشبودار چادر اوڑھ لی پھر اس پر پانی چھڑکا، تاکہ اس کی خوشبو مزید مہکے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا: اِلَيْكِ عائشة اے عائشہ مجھ سے پرے رہو۔ فَاِنَّه ليس يُومُكِ کیونکہ آج تمہارا دن نہیں ہے۔ (حضرت صفیہ کا دن ہے) میں نے کہا ذٰلِكَ فضلُ الله يُؤتيه من يشآء (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیدے) پھر میں نے ساری بات بتائی تو رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ سے خوش ہو گئے۔ (کنزالعمال بروایت ابن نجار جلد 13 صفحہ 704 کتاب الفضائل مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

حضور ﷺ کا حضرت صفیہ سے حسنِ معاملہ:

حضرت ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو حسنِ اخلاق والا نہیں دیکھا، جب ہم خیبر سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ سواری پر پیچھے بٹھالیا، رات کا وقت تھا، میں اونگھنے

لگی، میرا سر کجاوے کے پچھلے بازو سے ٹکرانے لگا: آپ اپنے ہاتھ سے میرے سر کو روکتے اور فرماتے اے دخترِ حُیی خیال رکھ۔ پھر جب ہم مقام صہباء پہنچے تو آپ نے فرمایا: اے صفیہ! میں نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کیا اس پر میں تم سے معذرت کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی یہ زیادتی کی، اسے ابویعلی نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے، پہلی سند کے تمام رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 255 باب مناقب صفیۃ بنت حُیی زوج النبی ﷺ)

حضور ﷺ کے معذرت کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اس غزوہ میں جو تکلیف پہنچی کہ باپ بھائی شوہر اور دیگر اقرباء قتل ہو گئے، اس پر آپ نے انہیں اپنا عذر بیان کیا، باب اعتذر یعتذر کا معنیٰ عذر پیش کرنا ہے۔ یعنی آپ نے بتایا کہ ایسا کرنا کیوں ضروری تھا۔ لہٰذا انہیں اس پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

امام ابن اثیر جزری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، جبکہ مجھے حضرت حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے کوئی بات سننے کو ملی تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا: تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی جبکہ میرے شوہر محمد ﷺ ہیں، میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں، دراصل حضرت سیدہ عائشہ وسیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما نے جناب صفیہ سے کہا تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاں زیادہ اکرام والی ہیں کیونکہ ہم آپ کی ازواج بھی ہیں اور چچے کی بیٹیاں بھی، (یعنی ہم خاندانِ قریش سے ہیں)

(اسد الغابہ معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 169)

یہ پیچھے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنونضیر سے تھیں جن کا سلسلۂ نسب ہارون علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ حضرت ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اعتکاف میں بھی اپنے پاس گفتگو کے لیے بلا لیا کرتے تھے، دراصل آپ کو لحاظ تھا کہ اسلام کی تلوار سے ان کے باپ، بھائی اور دیگر اعزہ کو قتل کیا گیا تھا اس لیے آپ انہیں زیادہ خوش رکھتے تھے۔

امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ فرماتی ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بات چیت کے لیے حاضر ہوئی جبکہ آپ مسجد میں معتکف تھے۔ آپ میرے ساتھ اٹھے تا کہ مجھے میرے گھر تک چھوڑ دیں (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرات کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے) اتنے میں انصار میں سے دو آدمی آ گئے، جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو (کسی خاتون کے ساتھ جاتے) دیکھا تو وہ واپس لوٹ پڑے۔ آپ نے ان سے فرمایا ادھر آؤ سنو یہ صفیہ ہے۔ وہ کہنے لگے: نعوذ باللہ سبحان اللہ یا رسول اللہ ﷺ! (ہم آپ کے بارے میں کوئی غلط بات کیسے سوچ سکتے ہیں؟) آپ نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَجْرِیْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مجریٰ الدم)
بے شک شیطان ابن آدم میں یوں چلتا ہے جیسے خون۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 337۔ مطبوعہ دارالفکر بیروت)
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے 36ھ میں وصال فرمایا اور ایک روایت میں سن 50ھ بھی آیا ہے۔

فصل یاز دہم:

ام المؤمنین سیدہ جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنی مصطلق کے دوران اسلام میں آئیں، وہ اس قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار بن حبیب عائذ کی بیٹی تھیں، اس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں، یہ غزوہ سن ہجری پانچ یا چھ میں وقوع پذیر ہوا۔ مریسیع جگہ کا نام ہے جو مکہ و مدینہ کے درمیان ساحل سمندر کے قریب رابغ شہر کے ساتھ واقع ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول ﷺ میں آنا:

یہ پیچھے گزر گیا ہے کہ حضرت جویریہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ وہ امہات المؤمنین ازواجِ مطہرات میں کیسے شامل ہوئیں اس کا واقعہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں یوں روایت کیا ہے۔
ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضرت جویریہ بنت حارث بن مصطلق ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے بھتیجے کے حصہ میں آئیں، انہوں نے خود پر کتابت کر لی۔ (یعنی کہا میں اتنا مال دے دیتی ہوں مجھے آزاد کر دو) وہ بہت حسن و جمال والی تھیں نظر اُن پہ ٹھہر جاتی تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضرت جویریہ رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں تا کہ اپنی کتابت کے بارے میں آپ سے بات کریں۔ جب وہ دروازہ پر کھڑی ہوئیں تو مجھے ان کا وہاں کھڑا ہونا اچھا نہ لگا۔ میں نے جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں اسی طرح دیکھیں گے جیسے میں جانتی ہوں۔ (یعنی آپ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں گے) وہ عرض کرنے لگیں یارسول اللہ ﷺ میں جویریہ بنتِ حارث ہوں۔ میرا معاملہ آپ پر مخفی نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں کہ آپ میری کتابت میں میری مدد فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَهَلْ لَكِ إِلَىٰ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ؟
کیا تمہیں وہ چیز نہ مل جائے جو اس سے بہتر ہے؟ وہ کہنے لگیں۔
وما هو يارسول الله۔ یارسول اللہ ﷺ وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا:

اُؤَدِّی كِتَابَتَكِ وَاَتَزَوَّجُكِ میں تمہاری کتابت خود بھرتا اور تم سے نکاح کرتا ہوں۔ وہ کہنے لگیں: مجھے منظور ہے۔

(اس جگہ مسند احمد بن حنبل میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے یہ بات کہی (کہ حضرت جویریہ کی کتابت مجھ سے لے لو) حضرت ثابت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان! وہ آپ ہی کے لیے ہیں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ان کا بدل کتابت ادا فرمایا، پھر انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا۔)

جب صحابہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا ہے تو ان کے ہاتھوں میں جتنے قیدی (حضرت جویریہ کے خاندان سے) تھے وہ انہوں نے سب آزاد کر دیے۔ وَقَالُوا اَصْهَارُ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔ صحابہ نے کہا: اب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرال والے بن گئے ہیں۔ (انہیں قیدی بنا کر رکھنا احترام رسول ﷺ کے خلاف ہے) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

فَمَا رَأَيْنَا اِمْرَأَةً كَانَتْ اَعْظَمَ بَرَكَةً عَلٰى قَوْمِهَا مِنْهَا۔ اُعتِقَ فِی سَبَبِهَا مِاْئَةُ اَهلِ بَيتٍ مِن بَنِی المُصطَلِقِ۔

ہم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنی قوم کے لیے باعثِ برکت نہیں دیکھا کہ ان کے سبب سے بنی مصطلق کا ایک سو گھرانہ آزاد کر دیا گیا۔ (سنن ابوداؤد کتاب العتق باب 2 حدیث 3931)

حضرت جویریہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے سبب ان کی قوم کے سو گھرانے کو صحابہ کرام کا آزاد کر دینا سنن ابوداؤد کے علاوہ ان کتب میں بھی موجود ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 179 سنن بیہقی جلد 9 صفحہ 75۔ المستدرک للحاکم جلد 4 صفحہ 6، صحیح ابن حبان حدیث 1547 الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 83 اور کنز العمال للھند حدیث 39708)

صحابہ کرام کا احترامِ اہل بیت رسول اللہ ﷺ:

اس کے علاوہ اس واقعہ کو شیعہ موزخ مرزا محمد تقی ایرانی نے بھی ناسخ التواریخ میں بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

"بالجملہ چوں مسلماناں بدانستند کہ جویریہ خاصِ رسول خدا گشت، گفتند: روانہ باشد نہ خویشانِ صحیح پیغمبر در اسر و رقیت باشد پس ہر زن کہ از بنی المصطلق اسیر داشتہ آزاد ساختند، عائشہ گفت ہر گز نشنیدم زنے را در حق خویشاوندانِ خود آن فضل و برکت کہ جویریہ بود و بہ روایتے جویریہ را علی علیہ السلام بحضرت رسول آورد"

بالجملہ جب مسلمانوں نے سنا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں چلی گئی ہیں تو انہوں نے کہا: یہ

ہمارے لیے جائز نہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کے قریبی عزیزوں کو ہم اسیری و بردگی میں رکھیں چنانچہ بنی مصطلق کی جو عورت بھی ان کے ہاں قید میں تھی وہ انہوں نے آزاد کردی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے کسی عورت کو جویریہ کی طرح اپنے خاندان کے لیے باعث فضل و برکت نہیں دیکھا۔ ایک روایت میں حضرت جویریہ کو مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ (ناسخ التواریخ حالاتِ پیغمبر جلد 2 صفحہ 67 وقائع سال پنجم)

اہل تشیع کے لیے مقام فکر وعبرت:

جب صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کا اس قدر لحاظ و پاس ہے کہ ابھی وہ اسلام بھی نہیں لائے مگر صحابہ نے وہ سب آزاد کر دیے تو سوچیے ان کے دل میں دامادِ مصطفی مولیٰ علی المرتضیٰ اور دختر رسولِ مکرم جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لیے کس قدر احترام ہوگا۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان پہ ظلم وستم کریں اس کا حق ماریں ان سے خلافت اور باغ فدک چھین لیں۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں بلکہ خود نبی اکرم ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلّی پر کھڑا کر کے گئے یعنی اپنی خلافت سونپ کر گئے میں کہا کرتا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ نے خلافت و امامت مولا علی المرتضیٰ کا واقعی اعلان کیا ہوتا اور کوئی دوسرا شخص آپ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کا حق مار لیتا تو صحابہ کرام اس سے بدلہ لینے کے لئے اپنی جانیں لڑا دیتے۔

والدسیدہ جویریہ کا اسلام اور معجزہ علم غیب کا ظہور:

امام ابن ہشام کہتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنو مصطلق سے واپس آئے اور سیدہ جویریہ بنت حارث ام المؤمنین رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں اور آپ لشکر اسلام کے امور میں مصروف تھے تو آپ نے حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا (کی سواری) کو ایک انصاری صحابی کی نگرانی میں دیا اور انہیں حفاظت کا حکم فرمایا اور یوں آپ مدینہ طیبہ پہنچے۔ تو پیچھے ان کا باپ حارث بن ابی ضرار بھی اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر چل پڑا۔ جب وہ مقام عقیق پر آیا تو وہ فدیہ کے لیے جو اونٹ لایا تھا ان پہ اس نے نظر ڈالی، ان میں سے دو اونٹ اسے پسند آ گئے، وہ اس نے عقیق کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چھپا دیئے۔ (وادی عقیق مدینہ طیبہ کے ساتھ ہی ہے) پھر وہ بارگاہِ رسول خدا ﷺ میں حاضر ہوا: کہنے لگا یا محمد تم نے میری بیٹی کو قید کر لیا ہے۔ یہ اس کا فدیہ ہے (اس کو لے لیں اور بیٹی کو چھوڑ دیں) غیب کی خبریں رکھنے والے رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

فَأَيْنَ الْبَعِيْرَانِ اللَّذَانِ غَيَّبْتَهُمَا بِالعقيقِ فِي شِعبِ كذا و كذا

یعنی وہ دو اونٹ کدھر ہیں جنہیں تم وادی عقیق کی ایسی ایسی گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔

حارث نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم اللہ کے سوا کسی کو اس پہ اطلاع نہیں تھی۔ تو حضرت حارث اسلام لے آئے، ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے بھی اسلام لے آئے

اور دیگر بہت سے لوگ اسلام لائے، انہوں نے وہ دو اونٹ منگوائے، اونٹوں کو نبی اکرم ﷺ کے سپرد کیا۔ ان کی بیٹی حضرت جویریہ کو ان کے سپرد کیا گیا حضرت جویریہ اسلام لائیں اور عمدہ اسلام قبول کیا نبی اکرم ﷺ نے ان کے باپ سے رشتہ مانگا تو اس نے بیٹی کا آپ سے نکاح کر دیا، آپ نے انہیں چار سو درہم حق مہر دیا۔

(سیرتِ ابن ہشام غزوہ بنی المصطلق صفحہ 493)

یعنی ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وہ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ غنیمت میں آئیں، انہوں نے انہیں کتابت دیدی، نبی اکرم ﷺ نے انہیں قیمت دے کر اپنی مکتب میں لے لیا۔ پھر جب ان کے والد نے انکا فدیہ دیا تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا، آزادی کے بعد آپ نے ان سے نکاح فرمایا لہٰذا جن روایات میں ہے کہ آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی وہ اسی صورت پر محمول ہے۔

اسلام سے قبل حضرت ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا خواب:

محدث واقدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مجھے حرام بن ہشام نے بتایا اسے اس کے والد نے بتایا، کہتے ہیں حضرت ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی ہمارے علاقہ میں تشریف آوری سے تین رات قبل میں نے خواب دیکھا جیسے چاند یثرب سے (مدینہ طیبہ سے) چلا اور میری جھولی میں آ گرا ہے میں نے پسند نہ کیا کہ یہ خواب کسی کو بتاؤں تا آنکہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ پھر جب ہم قیدی بنائے گئے تو مجھے اس خواب کی تمنا ہوئی۔ (کہ شائد اس خواب کی کوئی تعبیر سامنے آئے) جب نبی اکرم ﷺ نے مجھے آزاد کر کے مجھ سے شادی فرمائی تو اللہ کی قسم میں نے اپنی قوم کی آزادی کے لیے آپ سے کوئی بات نہ کی تا آنکہ خود مسلمانوں نے ہی انہیں آزاد کر دیا اور مجھے تو اس کا علم ہی ایک لڑکی کے ذریعے ہوا جو میرے چچا کی بیٹیوں میں سے تھی اس نے مجھے سارا واقعہ سنایا تو میں اللہ عزوجل کی حمد بجالائی۔

(کتاب المغازی للواقدی غزوہ المریسیع جلد اول صفحہ 348)

امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ متوفی 630ھ فرماتے ہیں حضرت ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے بَرَّۃ تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بدل کر جویریہ رکھا۔ (برہ کا معنیٰ نیکو کار عورت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو پسند نہ آیا کہ اگر کوئی پوچھے **ھل ھنا برۃ** کیا یہاں برہ ہے تو جواب دیا جائے **لیس ھنا برۃ** یہاں کوئی برہ نہیں یعنی کوئی نیکو کار نہیں)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ، ابن عمر اور عبیدہ بن سباق رضی اللہ عنہم نے احادیث روایت کی ہیں۔

امام جزری فرماتے ہیں ہمیں ابوجعفر نے بتایا اس نے اپنی سند کے ساتھ ابن اسحاق سے روایت کیا وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنتِ جحش کے بعد جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اس سے پہلے

حضرت جویریہ ان کے ایک چچازاد کے نکاح میں تھیں جس کو ابن ذی الشفر کہتے تھے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 58 رقم 6829)

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی عبادت:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نماز فجر کے لیے سیدہ جویریہ کے گھر سے باہر چلے گئے۔ پھر آپ تب واپس آئے کہ سورج بلند ہوگیا تھا۔ حضرت جویریہ ابھی تک اپنی جائے نماز میں بیٹھی تھیں۔ (رسول اللہ ﷺ کے پوچھنے پر) انہوں نے بتایا کہ وہ صبح سے یہاں عبادت میں مصروف رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے بعد چند کلمات پڑھے ہیں اگر ان کا وزن تمہاری عبادت کے ساتھ کیا جائے تو وہ بھاری رہیں گے۔ میں نے پڑھا ہے:

سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ مداد كلماته

(اللہ کے لیے پاکیزگی ہے جس قدر اس نے تخلیق فرمائی۔ اللہ کے لیے پاکیزگی ہے جس قدر اس کی رضا ہے، اللہ کے لیے پاکیزگی ہے جس قدر اس کے عرش کا وزن ہے، اللہ کے لیے پاکیزگی ہے جس قدر اس کے کلمات کی روشنائی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 94 ذکر ازواج رسول اللہ ﷺ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہما کے پاس آئے جبکہ جمعہ کا دن تھا اور وہ روزہ سے تھیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا: کیا تم آئندہ کل روزہ رکھنا چاہتی ہو؟ کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: تب تم روزہ افطار کردو۔ (حوالہ مذکورہ)

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے ربیع الاول سن 56 ہجری میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا اس وقت خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا اور مروان حاکم مدینہ تھا اسی نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ اسوقت ان کی عمر 65 برس تھی۔

فصل دوازدہم:

ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا:

آپ قبیلہ بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتی تھیں وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں اور مشہور صحابیہ اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں، گویا وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سگی خالہ ہیں اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے ہاں جا کر رات

گزارتے تھے تاکہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ رات کو عبادت کیسے کرتے ہیں، ان کا نام پہلے بَرّۃ تھا نبی اکرم ﷺ نے بدل کر میمونہ رکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی:

امام ابن اثیر جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ نے سن ہجری سات میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نکاح فرمایا، ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جعفر بن ابی طالب کو ان کے پاس پیغام نکاح دیکر بھیجا، انہوں نے اپنا معاملہ عم رسول عباس بن عبدالمطلب پہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (جب رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو) عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میمونہ بنت حارث کا شوہر ابورہم بن عبدالعزیٰ فوت ہوگیا ہے تو کیا آپ کو ان سے نکاح کی رغبت ہے؟ تب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ان کے ساتھ شادی کی۔

سرورِ عالم ﷺ نے عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ میں تین دن قیام فرمایا۔ (کیونکہ صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ آپ اگلے سال ذوالعقدہ میں آ کر عمرہ کرسکیں گے اور تین دن مکہ مکرمہ میں ٹھہر سکیں گے) تین دن مکمل ہوتے ہی سہل بن عمرو اہل مکہ کے چند افراد کے ساتھ آپ کے پاس آیا، وہ لوگ کہنے لگے: اے محمد آج آخری دن ہے تین دن آپ کا وقت ہے لہٰذا آپ اپنے وقت کے اندر مکہ سے نکل جائیں (حیرت ہے کہ انہیں مکہ سے نکلنے کے لیے کہا جا رہا ہے جن کے صدقہ میں یہاں کعبۃ اللہ بنایا گیا اور بانی کعبہ ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد دعا کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ الخ۔ (سورہ بقرہ آیت 129)

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: مجھے اتنی مہلت دو کہ میں نے جو نکاح کیا ہے تو میری بیوی میرے پاس آ سکے۔ اور میں تم اہل مکہ کے لیے کھانا بنا سکوں، انہوں نے کہا: ہمیں تمہارے کھانے کی حاجت نہیں ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے نکل آئے اور مقام سرف پہ پہنچ کر آپ کے ہاں حضرت میمونہ کی رخصتی ہوئی۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 7 صفحہ 263)

مقام سرف مکہ مکرمہ سے 12 کلومیٹر دور شمال کی جانب راہِ مدینہ میں ایک مقام ہے۔ یہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، یہیں ان کا وصال ہوا اور یہیں تدفین ہوئی۔ آج وہاں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر مرجع خلائق ہے اور وہاں مسجد میمونہ کے نام سے بڑی مسجد بھی ہے۔

ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے آخری ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا، ان

کے بعد آپ نے کسی خاتون سے شادی نہیں فرمائی۔

اس جگہ یہ اختلافِ روایات ہے کہ حضور ﷺ کا سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا حالتِ احرام میں تھا یا احرام سے فارغ ہونے کے بعد، بعض روایات میں ہے کہ آپ نے احرام میں نکاح کیا۔ انہی روایات کی بنیاد پر فقہاء کہتے ہیں کہ حالتِ احرام میں نکاح کیا جا سکتا ہے مگر مجامعت نہیں کی جا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی احرام کے بعد ہوئی بلکہ مکہ سے باہر جا کر مقام سرف پہ ہوئی، کما تقدم۔

ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کا حسنِ معاملہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اِنَّ النبی ﷺ و میمونۃ کان یَغْتَسِلانِ من اِناءٍ واحدٍ۔ حضور ﷺ اور سیدہ میمونہ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الغسل حدیث 253 باب 3)

یعنی نبی اکرم ﷺ تہبند باندھ لیتے پھر آپ اور سیدہ میمونہ اکٹھے غسل کرتے تھے اور ایسا معاملہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کے ساتھ بھی ہوا جیسا کہ بخاری و مسلم میں اس پر کثیر احادیث وارد ہیں۔

عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ اپنی خالہ سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ وہ حالتِ حیض میں ہوتیں اور انہوں نے نماز نہ پڑھنا ہوتی، ایسے میں وہ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں زمین پر لیٹی ہوتیں اور آپ کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے، جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ کی چادر کا کچھ حصہ ان پر گر رہا ہوتا۔
(صحیح بخاری کتاب الحیض باب 30 حدیث 333، مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 330)

ان احادیث کو محدثین ان زُمرہ میں لاتے ہیں کہ یہود اپنی بیویوں کو حالتِ حیض میں ناپاک قرار دے کر اپنے قریب نہیں آنے دیتے بلکہ اپنے بستر پر نہیں بیٹھنے دیتے مگر اسلام نے ان توہمات کا خاتمہ کیا ہے اور حضور ﷺ نے اپنی ازواج کو ان کی اس حالت میں دورانِ نماز اپنے قریب تر رکھ کر بتایا کہ عورت کا حالتِ حیض میں ہونا اسے اچھوت نہیں بنا دیتا۔ صرف چند امور سے اس پر پابندی لگتی ہے۔

ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ میرے پاس تھے، آپ رات کو اٹھ کر باہر تشریف لے گئے، میں نے دروازہ بند کر لیا، جب آپ واپس آئے تو آپ نے فرمایا دروازہ کھولو، میں نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا، میں نے کہا آپ میری باری میں دیگر ازواج کے پاس گئے تھے؟ آپ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے۔ میں قضائے حاجت کے لیے گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 109 ذکر ازواج النبی ﷺ)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کس طرح اپنی ازواج کی دلداری و ناز برداری فرماتے تھے۔ ازواج کے ساتھ آپ کا معاملہ جابرانہ نہیں مشفقانہ تھا۔ اس لیے آپ فرماتے تھے خیرُکم خیرُکم لاھلہٖ وانا خیرُکم

لاھلی۔تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے اچھا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنے اہل خانہ کے لیے اچھا ہوں۔(سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب 50)

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال:

یزید بن اصم روایت کرتے ہیں کہ سیدہ میمونہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں، ان پر مرض موت کا حملہ ہوا، انہوں نے کہا مجھے مکہ سے نکالو، میں یہاں مرنا نہیں چاہتی کیونکہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مکہ میں موت آنے سے بچنا، (یہ اس لیے تھا کہ مہاجر جس جگہ سے اللہ کے لیے ہجرت کر جائے اسے وہاں دوبارہ ٹھہرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے تاکہ اس کے اجرِ ہجرت میں کمی نہ آئے۔) چنانچہ لوگوں نے ان کی چار پائی اٹھالی اور انہیں مقام سرف میں لے آئے، اس درخت کے نیچے لا رکھا، جہاں وہ حضور ﷺ کے پاس شب رخصتی حاضر ہوئی تھیں۔ پھر وہیں ان کا وصال ہوا، اور وہیں ان کی تدفین کی گئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کی لحد میں اُترے، اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں۔(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 252 باب مناقب میمونہ زوج النبی ﷺ)

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنے سر کے بال منڈوا دیے تھے، یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے ترک دنیا کر لیا تھا، (مجمع الزوائد حوالہ مذکورہ)

یہاں ازواج مطہرات کا تذکرہ اختتام کو پہنچا، یہی وہ گیارہ ازواج رسول ﷺ ہیں جن کا زوجیت مصطفیٰ ﷺ میں آنا متفق علیہ ہے۔ ان میں سے سات قریش میں سے ہیں سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ سودہ، سیدہ ام سلمہ، سیدہ ام حبیبہ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہ، اور چار غیر قریش سے سیدہ صفیہ، سیدہ جویریہ، سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہن۔ ان میں سے سیدہ خدیجہ اور سیدہ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہرہ میں وصال کر گئیں باقی نو (9) ازواج پاک وصال نبوی کے وقت موجود تھیں۔

ان کے علاوہ کچھ خواتین ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا مگر ان کی رخصتی نہ ہوئی اور ان سے تفریق ہو گئی یا ان کا وصال ہو گیا۔ وہ ازواج مطہرات امہات المؤمنین میں سے نہیں ہیں۔ جیسے کلابیہ بنتِ ضحاک، اسماء بنتِ نعمان، ملیکہ بنتِ کعب، شرفہ بنتِ خلیفہ کلبیہ وغیرہ۔ مواہب لدنیہ ومدارج النبوۃ میں ان کا مفصل تذکرہ ہے۔

باب ہشتم:

دیگر آئمہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

اہل تشیع حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کر امام مہدی تک بارہ آئمہ اہل بیت کو اللہ کی طرف سے منصوص و معصوم آئمہ مانتے ہیں اور ان کا درجہ تمام انبیاء ورسل سے بلند تر جانتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک ان کا یہ عقیدہ الحاد و ضلالت ہے مگر اہل سنت کے نزدیک یہ آئمہ اہل بیت آسمان ولایت کے درخشندہ ستارے ہیں ان میں سے ہر کوئی اپنے وقت کا غوثِ مُغیث ہے اس لیے میں نے چاہا کہ اس کتاب میں ان آئمہ اہل بیت کا ذکر خیر بھی کیا جائے۔ جناب علی المرتضیٰ اور حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ آپ نے پڑھ لیا۔ اب ہم ان کے بعد والے آئمہ کا تذکرہ کتب اہل سنت میں سے پیش کرتے ہیں۔

فصل اول:

حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب یوں ہے، علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔

آپ کی کنیت ابو محمد، ابو الحسن یا ابو بکر ہے۔ ایک سے زائد کنیات بھی ہو سکتی ہیں۔ آپ کا لقب سجاد ہے اور زین العابدین بھی اور زین العابدین سے آپ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے والد امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کی والدہ سیدہ شہر بانو رضی اللہ عنہا ہیں جو حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ لائی گئیں جب ایران فتح ہوا اور شاہِ یزد جرد بھاگ گیا تو اس کے اہل خانہ گرفتار ہو گئے ان میں اس کی بیٹی شہر بانو بھی تھیں جب وہ مدینہ طیبہ آئیں تو اسلام لے آئیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں دیا۔ کسی نے کہا بہتر ہے کہ آپ اسے اپنے بیٹے عبداللہ کی ملکیت میں دیں کیونکہ یہ بادشاہ کی بیٹی ہے تو اسے خلیفۃ المسلمین کے بیٹے کے عقد میں دیا جائے حضرت عمر نے فرمایا

نہیں۔اس کی شان کے لائق ہم میں نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسین بن علی ہیں۔

سیدہ شہر بانو کا دورِ خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں مدینہ طیبہ آنا اور حضرت عمر کا انہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کی مِلک میں دینا اور ان سے امام زین العابدین کا پیدا ہونا) اہل تشیع کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں تفصیلاً مذکور ہے۔
(اصول کافی کتاب الحجۃ باب مولا علی بن الحسین صفحہ 282 مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

امام زین العابدین کی ذات خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صداقت پر دلیل ہے:

معلوم ہوا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے والد مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو جائز سمجھتے تھے۔اگر جائز نہ جانتے تو ان کے جہاد کو جہاد نہ جانتے اور ان کے لائے ہوئے مال غنیمت کو ہرگز قبول نہ کرتے کیونکہ حاکم کا ہدیہ قبول کرنا اس کی حکومت کو تسلیم کرنے کے معنیٰ میں ہے۔پھر اسی ہدیہ سے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور آگے ان سے تمام آئمہ اہل بیت امام باقر امام جعفر امام کاظم تا امام حسن عسکری رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔جن کو اہل تشیع آئمہ معصومین مانتے ہیں معلوم ہوا آئمہ اہل بیت کا نورانی مبارک سلسلہ حضرت فاروق اعظم کے ہدیہ سے معرض وجود میں آیا۔

آج وہ اہل تشیع جو خود کو حسینی سادات سمجھتے ہیں ذرا غور کریں کہ وہ کس ماں کی اولاد ہیں وہ جو ہدیہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہے اور وہ جو دلیل صداقتِ خلافت راشدہ ہے پھر وہ کس منہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر تبرا بولتے ہیں۔

پیدائش:

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہجری 36 یا 38 میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے اس وقت خلافت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دور تھا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی مدینہ طیبہ میں گزاری۔صرف اپنے والد گرامی امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا گئے اور واپس مدینہ طیبہ آگئے پھر حج کے سوا کسی سفر پہ نہ گئے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ ہی میں وصال فرمایا۔

اساتذہ جن سے علم حدیث حاصل کیا:

آپ نے قرآن و حدیث کے علوم اپنے والد گرامی امام حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے تایا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل کیے اس کے علاوہ آپ اپنے جد امجد مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی 2 رسال علم حاصل کرتے رہے اور چونکہ آپ نے مدینہ طیبہ میں زندگی بسر فرمائی۔اس لیے کثیر صحابہ کرام اور امہات المؤمنین سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا جیسے ابن عباس، مسور بن مخرمہ، ابوہریرہ اور حضور ﷺ کے غلام رافع رضی اللہ عنہ اور امہات المؤمنین میں سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ، ام المؤمنین صفیہ بنت حیی اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہن (تہذیب التہذیب جلد 4 صفحہ 192 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام زین العابدین کا زہد وورع اور خوفِ خدا:

حضرت جویریہ بن اسماء کہتی ہیں حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے کبھی قرابت رسول ﷺ کی وجہ سے ایک درہم بھی کسی سے حاصل نہ کیا۔ حضرت سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کا زہد وورع نہ دیکھا۔ سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں امام زین العابدین نے حج کے لیے احرام باندھا جب سواری پہ بیٹھے تو ان کا چہرہ زرد ہوگیا اور ان پہ کپکپی طاری ہوگئی اور منہ سے لبیک نہ نکل سکا۔ ان سے کہا گیا آپ تلبیہ کیوں نہیں پڑھ رہے؟ کہنے لگے مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ آواز نہ آئے لا لبیك۔ یعنی تمہارا کوئی لبیک قبول نہیں۔ عرض کیا گیا کہ آپ کو احرام باندھنے کے لیے تلبیہ تو کہنا پڑے گا جب انہوں نے تلبیہ شروع کیا تو غشی طاری ہوگئی اور بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے۔ پھر پورے سفر میں جب بھی تلبیہ کہتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اسی حالت میں انہوں نے حج مکمل کیا۔

مصعب زبیری کہتے ہیں حضرت امام زین العابدین جب تلبیہ کہنے لگے تو غش کھا کر گر گئے اور زخمی ہو گئے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہر روز ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے اور یہ سلسلہ ان کے وصال تک جاری رہا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں۔ اہل مدینہ کو ان کے معاش میں امام زین العابدین کی وجہ سے بہت برکت ملتی تھی۔ جب وہ وصال کر گئے تو ان کو رات کے وقت جو مال ملتا تھا وہ ختم ہوگیا۔ (تہذیب التہذیب جلد 4 صفحہ 193)

امام زین العابدین کی کرامات:

ابن حمدون نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ امام زین العابدین کو خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے گرفتار کرلیا گیا۔ انہیں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور پہرے دار بٹھا دیے گئے۔ امام زہری ان کے پاس انہیں مدینہ طیبہ سے وداع کہنے کے لیے آئے اور رونے لگے اور کہا کاش آپ کی جگہ مجھے پکڑ لیا جاتا۔ امام زین العابدین فرمانے لگے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ بیڑیاں مجھے تکلیف دیتی ہیں، اگر میں چاہوں تو یہ نہ رہیں۔ مگر یہ مجھے اللہ کا عذاب یاد دلاتی ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے ہاتھ اور پاؤں بیڑیوں سے آزاد کر کے دکھائے کہ دیکھ لو کوئی بیڑی نہیں رہی۔ پھر حضرت زین العابدین نے فرمایا: میں دو دن تک ان کے ساتھ مدینہ میں رہوں گا۔ واقعی دو دن کے بعد آپ اچانک غائب ہو گئے۔ سپاہی آپ کو ڈھونڈھتے رہ گئے مگر آپ کسی کو نظر نہ آئے۔ بہت تلاش کیا گیا مگر آپ نہ ملے۔

امام زھری کہتے ہیں میں خلیفہ عبدالملک کے پاس گیا اس نے مجھ سے امام زین العابدین کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے آپ کی کرامت سے آگاہ کیا۔ خلیفہ کہنے لگا جس دن لوگوں نے ان کو مدینہ میں گم پایا وہ اس دن یہاں میرے پاس (دمشق میں) آئے اور آتے ہی کہنے لگے تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا آپ بے

شک میرے پاس ٹھہریں وہ کہنے لگے میں تمہارے پاس نہیں ٹھہرنا چاہتا۔ پھر وہ میرے پاس سے چلے گئے اور میرا دل ان کی ہیبت سے بھر گیا۔

پھر خلیفہ عبدالملک نے اپنے امیر حجاج بن یوسف کو حکم نامہ بھیجا کہ بنی عبدالمطلب کی جانیں محفوظ رکھی جائیں ان کا خون نہ بہایا جائے مگر ساتھ یہ کہا کہ میرا یہ حکم مخفی رکھا جائے۔

مگر امام زین العابدین کو کشف سے خلیفہ کے اس حکم کا پتہ چل گیا۔ آپ نے خلیفہ کو خط لکھا اس میں فرمایا تم نے حجاج بن یوسف کو فلاں دن ہم بنو عبدالمطلب کے بارے میں ایک حکم نامہ بھیجا ہے جس میں ہمارے خون سے درگزر کا امر کیا ہے۔ اللہ نے تمہارے اس عمل کو قبول فرمایا ہے۔ جب یہ خط خلیفہ عبدالملک کو ملا تو اس میں جو تاریخ درج تھی وہ اس تاریخ کے عین مطابق تھی جب عبدالملک نے حجاج کو خط لکھا تھا۔ خلیفہ نے جان لیا کہ امام زین العابدین صاحب کشف بزرگ ہیں اور ان پر اس کا حال مخفی نہیں ہے تو وہ آپ سے گہری عقیدت رکھنے لگا۔ اس نے اپنے غلام خاص کے ہاتھ بہت سے دراہم اور کپڑے آپ کی خدمت میں روانہ کیے اور درخواست کی کہ آپ اپنی خاص دعاؤں میں اسے یاد رکھیں۔

(الصواعق المحرقہ باب 11 فصل 3 صفحہ 284 مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی)

ایک دن آپ چند ساتھیوں کے ساتھ ایک صحرا میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک ہرنی آئی اور زمین پر اپنے پاؤں مار کر چیخنے لگی حاضرین نے پوچھا اے فرزند رسول! یہ ہرنی کیا کہہ رہی ہے؟ آپ نے فرمایا یہ فریاد کر رہی ہے کہ فلاں قریشی شخص نے اس کے بچے کو اٹھا لیا ہے۔ اس نے دودھ نہیں پیا ہوا میں اسے دودھ پلانا چاہتی ہوں جب وہ دودھ پی لے تو وہ شخص اسے لے جا سکتا ہے۔ حاضرین کے دل میں اس بات پہ کچھ شک گزرا۔ امام صاحب نے اس قریشی کو بلایا اس سے واقعہ پوچھا اس نے من وعن سارا واقعہ اس طرح بتایا۔ پھر اس نے ہرنی کا بچہ حاضر کر دیا۔ ہرنی نے اس کو دودھ پلایا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے قریشی سے درخواست کی کہ اس بچے کو آزاد کر دیا جائے اس نے اسے آزاد کر دیا اور دونوں ماں بیٹا چوکڑیاں بھرتے ہوئے بھاگ گئے۔ جاتے ہوئے ہرنی نے پھر شور مچایا۔ حاضرین نے کہا اب وہ کیا کہتی ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شکریہ ادا کر رہی ہے۔

(شواہد النبوۃ تصنیف علامہ عبدالرحمان جامی علیہ الرحمہ صفحہ 313 مکتبہ نبویہ لاہور)

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ حسنہ

آپ کی حیاتِ مبارکہ میں صبر کا بہت غلبہ تھا۔ کربلا کا قیامت خیز دلدوز واقعہ آپ کے ساتھ بپا ہوا آپ اس وقت بھرپور جوان تھے بائیس تیئس برس عمر تھی۔ ہر بات کو خوب اچھی طرح سمجھتے جانتے تھے۔ اس واقعہ نے آپ کی سیرت پر گہرا اثر ڈالا۔ آپ زندگی بھر اس واقعہ کو بھلا نہ سکے جب آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کے سارے خاندان کو بے دردی سے

شہید کیا گیا۔ باپ بھائی چچے اور چچازاد بھائی سب شہید ہوئے۔اس لیے واقعہ کربلا کے بعد آپ کو بہت کم کسی نے ہنستے یا مسکراتے دیکھا۔آپ اکثر سنجیدہ رہتے اور عبادت میں سکون پاتے تھے۔

مگر کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ آپ نے واقعہ کربلا پر ماتم بپا کیا ہو۔گریبان پھاڑا ہو۔سینہ کوبی کی ہو یا مرثیہ خوانی کی ہو جیسا کہ آج کل اہل تشیع کرتے ہیں۔آپنے ہمیشہ صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔

آپ عفو و درگزر سے کام لینے والے تھے کسی سے اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے ایک شخص آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔آپ نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ آپ کو نہیں کہہ رہا اس نے کہا اِیَّاكَ اَعۡنِیۡ میں آپ کو گالی دے رہا ہوں۔آپ نے فرمایا: وَعَنۡكَ اُغۡضِیۡ میں بھی تجھ سے چشم پوشی کر رہا ہوں۔(الصواعق المحرقہ صفحہ 285)

ایک بار آپ مسجد سے باہر نکلے۔کسی بدزبان نے آپ کو برا کہا آپ کے بھائی اور غلام نے جوابی کاروائی کرنا چاہی۔ آپ نے ان کو روک دیا اور اس شخص سے کہا دیکھو ہمارے حالات تم سے مخفی نہیں ہیں۔ہم تمہاری مدد کرسکتے ہیں جس چیز کی ضرورت ہو ہم سے بلا دھڑک کہو۔وہ شخص نادم ہوا۔آپ نے اسے پانچ ہزار درہم اور ایک کمبل عنایت فرمایا۔اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعتہً آپ اولاد رسول ﷺ ہیں۔

امام زین العابدین کی خلفاء راشدین سے عقیدت و محبت:

عبدالعزیز بن حازم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں سن رہا تھا۔امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

كَيۡفَ كَانَتۡ مَنۡزِلَةُ اَبِیۡ بَكۡرٍ وَّ عُمَرَ مِنۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا مقام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کیسا تھا؟

حضرت امام نے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَنۡزِلَتُهُمَا مِنۡهُ السَّاعَةَ۔

جو منزلت ان دونوں کو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میسر ہے وہی منزلت ان کی بارگاہِ رسالت میں ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد 4 صفحہ 193)

اور پیچھے ہم اہل تشیع کی معتبر کتاب کشف الغمہ سے مفصل لکھ آئے ہیں کہ ایک بار اہل کوفہ کے کچھ (شیعہ) لوگ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے انہوں نے ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے بارے میں بے ادبی کے الفاظ کہے، جب وہ بات کر چکے تو آپ نے ان سے فرمایا کیا تم مہاجرین ہو جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ

انہیں ان کے گھروں سے اور اموال سے نکالا گیا کیونکہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار اور اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ (سورہ حشر آیت 8)

وہ کوفی لوگ کہنے لگے نہیں: ہم ان مہاجرین سے نہیں ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا تو کیا تم ان انصار میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان کے پاس ہجرت کر کے آئے انہوں نے ان کے لیے اپنے ایمان اور اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے وہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان کو اپنی ضروریات پہ ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود حاجت میں ہوں۔ (سورہ حشر آیت 9)

کوفیوں نے کہا: نہیں ہم ان انصار میں سے نہیں ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا جب تم نے مان لیا کہ تم مہاجرین و انصار میں سے نہیں ہو تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ (اگلی آیت میں) فرماتا ہے کہ جو لوگ مہاجرین و انصار کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اللہ ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے قبل ایمان کے ساتھ چلے گئے۔ (سورہ حشر آیت 10)

تب امام زین العابدین نے ان کوفی لوگوں سے فرمایا جو ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدکلامی کر رہے تھے۔

اُخرجوا عنّی فعَلَ اللہ بکم۔

ترجمہ: میرے پاس سے نکل جاؤ۔ (دفع ہو جاؤ۔) اللہ تمہیں سزا دے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 2 صفحہ 213 مطبوعہ مکتبۃ الفجر بیروت)

معلوم ہوا جو شخص خلفاء راشدین کو برا بھلا کہے جیسے آج اہل تشیع کرتے ہیں تو امام زین العابدین ان کو منہ لگانے کے لیے تیار نہیں ہیں اور انہیں اپنی مجلس سے پھٹکار کر نکال دیتے ہیں اور یہ بات ایک شیعہ عالم علامہ علی بن عیسیٰ اربلی نے لکھی ہے۔

امام زین العابدین اپنے دادا جان مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، اتنے میں ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما آگئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

هذان سیدا کهول اهل الجنة من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین لا تخبرهما یا علی۔

ترجمہ: یہ دونوں (ابو بکر و عمر) تمام اگلے پچھلے اہل جنت میں سے بزرگ لوگوں کے سردار ہیں، سوا انبیاء و مرسلین کے، اے علی یہ بات ان کو نہ بتانا۔ (ترمذی کتاب المناقب حدیث 3665)

یعنی امام زین العابدین فضائل صدیق اکبر وعمر فاروق کے راوی ہیں، یہ چیز ان کی محبت خلفائے راشدین پہ دلالت کرتی ہے

وصال:

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے باختلاف روایات سن ہجری 94 یا 99 میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں آپ کو آپ کے تایا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کی زندگی کے پہلے دو برس اپنے دادا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ میں گزرے۔ پھر دس برس اپنے تایا امام حسن کے ساتھ گزرے پھر گیارہ برس اپنے والد گرامی امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گزرے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر 75 برس تھی۔

آپ کے آٹھ بیٹے تھے جن کے نام شیعہ عالم علی بن عیسیٰ اربلی نے یہ لکھے ہیں۔ (1) محمد باقر (2) زید جو کوفہ میں شہید ہوئے۔ (3) عبداللہ (4) عبیداللہ (5) حسن (6) حسین (7) علی (8) عمر۔ (کشف الغمہ جلد 2 صفحہ 215)

معلوم ہوا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا۔ کیا آج کوئی شیعہ یہ گوارا کرتا ہے کہ اپنے بیٹے کا نام عمر رکھے؟ تو پھر ان کا امام زین العابدین کی تعلیمات و نظریات سے کیا تعلق ہے؟

فصل دوم

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب یہ ہے۔ محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب۔ آپ کی کنیت ابوجعفر ہے۔ آپ کی والدہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پوتی ہیں۔ آپ باقر کے لقب سے مشہور ہیں۔

ولادت:

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ تحقیقی روایت یہ ہے کہ آپ سن ہجری 60 میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ گویا واقعہ کربلا کے وقت آپ کی عمر ایک برس تھی۔ اور وہ شیر خوار تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد 5 صفحہ 225)

جن اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا:

آپ کی زندگی مدینہ طیبہ میں گزری۔ آپ نے جب ہوش سنبھالا تو مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کی کچھ تعداد موجود تھی۔ جن سے آپ نے استفادہ کیا۔ جن میں آپ کے اجداد میں سے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے آپ نے استفادہ کیا اور امہات المؤمنین میں سے حضرت ام سلمہ سے آپ نے حدیث حاصل کی۔ جبکہ تابعین میں سے سعید بن مسیّب، ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن ابی رافع اور عطاء بن یسار رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر محدثین آپ کے اساتذہ وشیوخ میں سے ہیں۔

علاوہ ازیں آپ نے بطور ارسال اپنے اجداد گرامی، امام حسین رضی اللہ عنہ، امام حسن رضی اللہ عنہ اور مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اور دیگر صحابہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد 5 صفحہ 225)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا آپ کو رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچانا:

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ ابن مدین نے روایت کیا کہ جب امام باقر رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے تو صحابی رسول حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کر کے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو سلام بھیجا تھا۔ حضرت جابر سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا واقعہ ہے؟ کہنے لگے: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کی جھولی میں تھے اور آپ ان سے کھیل کر رہے تھے اس دوران آپ نے فرمایا:

یا جابرُ یُولَدُ لہٗ مولودٌ اِسمہٗ علیٌّ اذا کان یومُ القیامۃِ نادیٰ مُنادٍ لِیقُمْ سیدُ العابدین فیقومُ ولدُہٗ ثم یُولَدُ لَہٗ وَلَدٌ اسمہٗ محمدٌ فَاِن اَدْرَکتَہٗ فَاقْرَأْہُ مِنّی السلامُ۔

ترجمہ: یعنی اے جابر اس (حسین) کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کا نام علی ہوگا (یعنی امام زین العابدین) اور روز قیامت ایک ندا کرنے والا نداء کرے گا کہ سید العابدین (عابدوں کا سردار) اٹھے تو اس کا وہ بیٹا اٹھے گا۔ پھر اس (سید العابدین) کے ہاں ایک بیٹا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا۔ اے جابر اگر تم اسے پاؤ تو اسے میرا سلام پہنچانا۔ (الصواعق المحرقہ باب 11 فصل 3 صفحہ 286 مکتبہ الحقیقۃ استنبول ترکی)

شواہد النبوۃ میں اس واقعہ کے اندر یہ اضافہ بھی ہے کہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت ان کی بصارت ختم ہوگئی تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے جواب دے کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں یہ سن کر انہوں نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا بیٹا رسول اللہ

ﷺ نے تمہیں سلام بھیجا تھا۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ پر بھی اللہ کی رحمت برکتیں اور صلوٰۃ وسلام ہو۔ پھر میں نے واقعہ پوچھا تو انہوں نے سارا واقعہ سنایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ 94 ہجری میں مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے اور وہ مدینہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی تھے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی بعض کرامات:

ایک بار آپ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس سے گزرے وہ اس وقت ایک محل کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ مکان خراب وتباہ ہو جائے گا حتیٰ کہ لوگ اس کی مٹی بھی اٹھالیں گے اور یہ کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گا۔ راوی کہتا ہے مجھے آپ کی باتوں پہ بہت تعجب ہوا کہ بادشاہ کا محل کون تباہ کر سکتا ہے۔ آخر جب ہشام کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے ولید بن ہشام کے حکم سے اس محل کو مسمار کر دیا گیا اور وہ کھنڈر بن گیا لوگ اس کی مٹی بھی اٹھا کر لے گئے اور حضرت امام کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ (شواہد النبوۃ صفحہ 318)

راوی کہتا ہے ایک بار میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی ایک وادی میں سفر کر رہا تھا۔ آپ ایک خچر پہ سوار تھے اتنے میں پہاڑی سے ایک شخص اتر کر آیا اور آپ کے خچر کی نگہبانی کرنے لگا اور ایک بھیڑیا آپ کے خچر کی زین سے اپنے اگلے پنجے لگا کر کھڑا ہو گیا اور وہ آپ سے کچھ کہنے لگا۔ آپ سنتے رہے۔ کافی دیر بعد آپ نے بھیڑیے سے فرمایا جاؤ تمہارا کام ہو گیا۔ وہ چلا گیا۔ پھر آپ نے مجھے فرمایا جانتے ہو بھیڑیا کیا کہہ رہا تھا؟ میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا: وہ کہہ رہا تھا: میری جُفت (بیوی) اس وقت دردِ زہ (بچہ جننے کی درد) میں مبتلا ہے۔ دعا کریں اللہ اس کی مشکل آسان کرے اور میری نسل میں سے کسی بھیڑیے کو آپ کے کسی عقیدت مند پر مسلط نہ کرے۔ چنانچہ میں نے دعا کر دی۔ (شواہد النبوۃ 320)

ایک بزرگ کہتے ہیں مکہ مکرمہ میں رہائش کے دوران مجھے امام محمد باقر کی زیارت کا شوق ہوا میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ رات کو سخت بارش ہوئی جس سے بہت سردی ہو گئی۔ آدھی رات کے بعد میں آپ کے درِ دولت پہ پہنچا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ابھی دروازہ کھٹکھٹاؤں یا صبح تک صبر کروں تاکہ آپ خود باہر تشریف لائیں۔ اچانک اندر سے آپ کی آواز آئی۔ آپ اپنی لونڈی سے فرما رہے تھے اٹھو فلاں مہمان کے لیے دروازہ کھول دو کیونکہ اسے آج سخت سردی نے ستا رکھا ہے چنانچہ دروازہ کھلا اور میں اندر چلا گیا۔

امام باقر کی ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما سے گہری عقیدت ومحبت:

عروہ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے ابوجعفر امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تلوار کو زیور (سونا چاندی) لگانا جائز ہے؟ انہوں نے فرمایا:

لَا بَأْسَ بِهٖ قَدْ حَلّٰى اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ سَيْفَهٗ۔

اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو زیور لگا رکھا تھا۔ میں نے کہا: کیا آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں؟ راوی کہتا ہے:

فَوَثَبَ وَثْبَةً وَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَ قال نَعَمِ الصِّدِّيْقِ نَعَمِ الصديقُ نعم الصديق فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ الصديقُ فلا صَدَّقَ اللهُ لَهُ قَوْلًا فى الدُّنيا وَ لا فى الآخِرَةِ۔

ترجمہ: یعنی یہ سن کر امام محمد باقر (غصے سے) اچھل کر کھڑے ہو گئے، اور قبلہ کو رخ کر لیا اور کہا: ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں اور جو ان کو صدیق نہ کہے اللہ اس کی کسی بات کو سچا نہ کرے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ امام خامس محمد بن علی جلد 2 صفحہ 286 مکتبہ منشورات الفجر بیروت)

گویا شیعہ عالم علامہ اربلی کی روایت کے مطابق حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ابوبکر صدیق کے لقب صدیق پر اعتراض کیا گیا تو حضرت امام باقر غصے میں آ گئے اور سخت جلال میں مذکورہ ارشاد فرمایا۔ اس کی روشنی میں اہل تشیع کو اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔

اسی طرح سالم بن ابوحفصہ کہتے ہیں میں نے امام باقر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) سے پوچھا کہ ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

يَا سَالِمُ تَوَلَّهُمَا وَ ابْرَأْ مِنْ عُدُوِّهِمَا فَاِنَّهُمَا اِمَامَىْ هُدًى وَ عَنْهُ قَالَ: مَا اَدْرَكْتُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ اِلَّا وَ هُوَ يَتَوَلَّاهُمَا۔

ترجمہ: یعنی اے سالم تو تم ضرور ان دونوں (ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھو اور ان کے دشمن سے دور رہو کیونکہ وہ دونوں ہدایت کے امام ہیں۔

اور امام باقر نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے تمام خاندان اہل بیت میں سے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو ان دونوں سے محبت و عقیدت نہ رکھتا ہو۔ (تہذیب التہذیب جلد 5 صفحہ 225)

الحمد للہ اللہ نے اہل سنت و جماعت کو امام باقر اور تمام اہل بیت کرام والا عقیدہ عطا فرمایا ہے۔

وصال:

امام باقر رضی اللہ عنہ کے سالِ وصال میں روایات کا اختلاف ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق سب سے معتبر روایت یہ ہے کہ آپ سن ہجری 114ھ میں فوت ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں آپ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں اہل بیت کرام کے احاطہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

فصل سوم:

امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب یوں ہے:

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب۔ کُنیت ابوعبداللہ ہے آپ لقب صادق سے مشہور ہیں، آپ کی والدہ کا نام سیدہ ام فروہ رضی اللہ عنہا ہے جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کی بیٹی ہیں۔ یعنی جناب امام جعفر صادق کا تولد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی سے ہوا۔ اور ام فروہ کی ماں یعنی امام جعفر صادق کی نانی کا نام اسماء ہے جو عبدالرحمان بن ابو بکر صدیق کی بیٹی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ 385 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہی حقیقت اہل تشیع کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں یوں لکھی ہے:

وُلِدَ ابُو عبدِ اللہ سَنَۃَ ثَلاثٍ و ثَمانِینَ و اُمُّہُ اُمُّ فَرْوَۃَ بنتُ القَاسِمِ بنِ محمدِ بنِ ابی بکرٍ وَ اُمُّھَا اسماء بنتُ عبدِ الرحمانِ بنِ ابی بکرٍ۔

ترجمہ: یعنی حضرت امام جعفر صادق سن 83 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ام فروہ بنتِ قاسم بن محمد بن ابو بکر ہے اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنتِ عبدالرحمان بن ابی بکر ہے۔

(اصول کافی کتاب الحجۃ مولا ابی عبداللہ جعفر الصادق صفحہ 286 دار المجتبیٰ نجف اشرف عراق)

اس طرح مشہور شیعہ عالم علی بن عیسیٰ اربلی نے لکھا:

امه ام فروة و امها اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر الصدیق و لذالك قال جعفر علیه السلام و لقد ولدنی ابوبکر مرتین۔

ترجمہ: یعنی امام جعفر کی والدہ سیدہ ام فروہ ہیں اور ان کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق ہیں۔ اس لیے امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ابو بکر صدیق نے دو طرح سے پیدا کیا ہے (یعنی وہ دو رشتوں سے میرے باپ لگتے ہیں۔) (کشف الغمہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 2 صفحہ 272)

ان دو رشتوں کو آپ اس نقشہ میں یوں دیکھ سکتے ہیں:

ابوبکر صدیق ← محمد ← قاسم

ابوبکر صدیق ← عبدالرحمان ← اسماء

قاسم + اسماء ← ام فروہ ← امام جعفر صادق

اس لیے شیعہ عالم نعمۃ اللہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں لکھا ہے کہ اہل تشیع کے دل میں جو غیظ و غضب عمر بن خطاب کے بارہ میں ہے وہ ابوبکر بن ابی قحافہ کے بارہ میں نہیں ہے کیونکہ آئمہ اہل بیت کے نسب میں حضرت ابوبکر داخل ہیں۔

تو اہل تشیع کو سوچنا چاہیے کہ امام جعفر صادق کی والدہ ام فروہ کی نسبتیں کیا ہیں وہ امام محمد باقر کی بیوی اور امام زین العابدین کی بہو ہیں اور دوسری طرف وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی بھی ہیں اور پڑنواسی بھی۔ گویا خاندانِ اہل بیت اور خاندان صدیق اکبر میں گہرے مراسم ہیں اور امام جعفر صادق سے لے کر امام حسن عسکری تک سب کی رگوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خون شامل ہے۔ تو آج جو شیعہ لوگ خود کو حسینی سادات کہتے ہیں اور ان کا نسب امام جعفر تک جاتا ہے وہ سوچیں کہ وہ کس منہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق تو فخر سے کہتے ہیں:

ولدنی ابوبکر مرتین۔

ترجمہ: میں دو لحاظ سے ابوبکر کا بیٹا ہوں۔

کاش اہل تشیع اس بات پہ غور کریں اور تبرا بازی سے باز آئیں۔

ولادت:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ولادت سن 80 ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ آپ نے شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زندگی بسر کی۔ عباسی خلیفہ منصور دوانقی نے آپ کو ایک بار بغداد بلوایا۔ آپ گئے اور واپس مدینہ طیبہ آگئے پھر یہیں رہے اور یہیں وصال فرمایا۔

اساتذہ:

آپ نے اجلّہ تابعین سے اکتسابِ علم کیا جس میں آپ کے والد گرامی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور محمد بن منکدر ہیں جو حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے شاگردِ خاص ہیں اور آپ کے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں عطاء بن یسار ہیں عروہ بن زبیر ہیں اور یہ دونوں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مشہور شاگرد ہیں اس طرح آپ کے اساتذہ میں حضرت نافع ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور شاگرد خاص ہیں۔

آگے آپ سے علمی استفادہ کرنے والوں میں وقت کے عظیم آئمہ دین اور محدثین شامل ہیں جیسے امام مالک، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، سفیان بن عُیینہ، آپ کے بیٹے امام موسیٰ کاظم اور علم قراءت کے امام حضرت شعبہ و دیگر۔

امام جعفر صادق کی بعض کرامات:

علامہ ابن جوزی نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حج کے دنوں میں مکہ معظمہ میں ایک دن نماز عصر پڑھی پھر میں جبل ابوقبیس پر چڑھا وہاں ایک شخص مسجد میں روبقبلہ دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ تو جانتا ہے میں بھوکا ہوں اور میں تیرے سوا کسی سے نہیں مانگنا چاہتا اور میرا لباس پرانا ہو گیا ہے میرے پاس دوسرا لباس نہیں ہے اور میں تیرے سوا کسی سے نہیں مانگنا چاہتا۔ پھر اس شخص نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا حتیٰ کہ اس کا سانس پھول گیا۔ ابھی اس کی دعا مکمل نہ ہوئی تھی کہ میں دیکھتا ہوں اس کے پاس دو چادریں پڑی ہیں اور انگوروں کا خوشہ پڑا ہے۔ وہ دعا ختم کر کے انگور کھانے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ کوئی غیبی انگور ہیں اور یہ اللہ کا خاص بندہ ہے میں نے بھی کھانے کی درخواست کی انہوں نے مجھے بھی انگور دیے۔ ان کا ذائقہ ایسا تھا کہ میں نے ایسی لذت کہیں نہیں دیکھی۔ پھر انہوں نے مجھے کہا تم ذرا پرے ہٹو میں لباس بدلنا چاہتا ہوں۔ میں الگ ہو گیا۔ انہوں نے وہ نئی چادریں پہنی اور پہلے والی چادروں کو ہاتھ میں پکڑ کر نیچے آ گئے۔ جب وہ صفا و مروہ کے درمیان پہنچے تو ایک شخص نے ان سے کہا اے فرزندِ رسول مجھے لباس کی ضرورت ہے یہ چادریں مجھے عنایت فرمائیں۔ انہوں نے وہ اسے دے دیں۔ میں نے اس سائل سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟ اس نے کہا تم نہیں جانتے یہ امام جعفر صادق ہیں تو میں دنگ رہ گیا۔ پھر میں نے آپ کو تلاش کیا مگر آپ نہ ملے۔ (شواہد النبوۃ صفحہ 331)

علامہ ابن جوزی نے یہ واقعہ عیون الحکایات میں بھی لکھا ہے۔

امام جعفر صادق کی کرامات میں سے یہ بھی ہے کہ جب بنو اُمیہ کی حکومت کمزور پڑ گئی اور امام حسن مجتبیٰ کے پوتے عبداللہ محض کے دو بیٹے محمد نفس زکیہ اور ابراہیم حصول خلافت کے لیے کوشش کرنے لگے تو انہوں نے سادات کرام کی

میٹنگ بلائی امام جعفر صادق کو بھی اس میں بلایا گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ نفس زکیہ کے حق میں بیعت کریں۔ آپ نے انکار کیا تو سمجھا گیا کہ شائد آپ ان سے حسد رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا واللہ مجھے حسد نہیں ہے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خلافت نہ مجھے ملے گی نہ تمہیں۔ بلکہ اس زرد چادر والے کو ملے گی۔ آپ نے منصور عباسی کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت زرد چادر لیے وہاں بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا اسے خلافت ملے گی مگر ان کی خلافت کے ساتھ لوگ یوں کھیلیں گے جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔ چنانچہ جیسے آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا اور کچھ ہی عرصہ بعد عباسی خلافت قائم ہوگئی اور منصور عباسی اس کا پہلا باقاعدہ خلیفہ بنا۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ 288 مطبوعہ مکتبۃ الحقیقت استنبول ترکی)

امام جعفر صادق کی خلفاء راشدین سے عقیدت ومحبت:

زہیر بن معاویہ کہتے ہیں میرے والد نے امام جعفر سے کہا: میرا ایک پڑوسی آپ کے بارہ میں سمجھتا ہے کہ آپ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو برا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تمہارے پڑوسی کا برا کرے۔

وَاللهِ اِنِّی لَاَرجُو اَنْ یَنْفَعَنِی اللهُ بِقَرَابَتِی مِنْ اَبِی بَکرٍ۔

ترجمہ: اللہ کی قسم میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو قرابت حاصل ہے (جس کا ذکر پہلے ہو چکا) اللہ مجھے اس سے ضرور نفع دے گا۔ (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ 386)

اور پیچھے بھی گزر چکا کہ امام جعفر صادق فخر کے ساتھ کہتے تھے:

وَلَدَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ مَرَّتَیْنِ۔

ترجمہ: میں دو نسبتوں سے ابوبکر صدیق کا بیٹا ہوں۔

اسی طرح اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب فروع کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا:

قَالَ اَبُوبَکرٍ عِندَ مَوتِهٖ حَیثُ قِیلَ لَهٗ اَوصِ فَقَالَ اُوصِیْ بِالخُمسِ وَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَهٗ الثُلُثَ عِندَ مَوتِهٖ وَلَو عَلِمَ اَنَّ الثُلُثَ خَیرٌ لَهٗ لَاَوصٰی بِهٖ۔

ترجمہ: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت جب ان سے وصیت کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا میں صرف پانچویں حصے کی وصیت کرتا ہوں حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ایک تہائی تک وصیت کی جاسکتی ہے اور اگر وہ تہائی کی وصیت بہتر جانتے تو اس کی وصیت کرتے۔ (فروع کافی کتاب المعشیۃ جلد 5 صفحہ 68 مطبوعہ ایران)

یعنی امام جعفر صادق فرما رہے ہیں کہ ایک تہائی تک وصیت کی اجازت ہے مگر ضروری نہیں کہ تہائی ہی کی وصیت کی جائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف پانچویں حصے کی وصیت کی۔ اگر ان کے نزدیک تہائی کا وصیت کرنا اچھا کام ہوتا تو وہ ضرور اسے کر گزرتے۔ یعنی وہ کسی نیکی سے پیچھے رہنے والے نہ تھے۔

پتہ چلا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل کو اپنے لیے اور امت کے لیے حجت سمجھتے تھے اور اس سے استدلال پکڑتے تھے۔

وصال:

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے سن 148 ہجری میں شوال میں وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر 78 برس تھی۔ کہا جاتا ہے کہ منصور کے دور میں آپ کو اس کے حکم سے زہر دے کر شہید کیا گیا۔ بہر حال آپ کو جنت البقیع میں اپنے آباء و اجداد کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

حضرت امام جعفر صادق کے کونڈوں کی حقیقت:

بعض لوگ ہر سال 22 رجب کو حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے کونڈوں کا ختم دلاتے ہیں۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ 22 رجب کو آپ کی پیدائش ہے نہ آپ کا وصال، میں نے کتب اہل سنت میں سے تہذیب التہذیب، سیر اعلام النبلاء، البدایۃ والنہایہ و دیگر کتب رجال و تاریخ میں دیکھا، سب میں امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی سن پیدائش 80 ہجری یا 83 ہجری اور سن وصال 148 ہجری لکھا ہے۔ لیکن مہینہ کونسا ہے اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ کتب شیعہ میں کچھ تفصیل ہے چنانچہ مشہور شیعہ مورخ شیخ محمد مفید متوفی 413ھ لکھتا ہے:

کان مولدہ بالمدینۃ سنۃ ثلاث و ثمانین و مطی فی شوال سنۃ ثمان و اربعین و مأۃ

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ولادت مدینہ طیبہ میں سن 83 ہجری میں ہے اور آپ کا وصال شوال سن 148 ہجری میں، (الارشاد للشیخ المفید صفحہ 525 مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

کتب شیعہ میں سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں ہے:

ولد ابو عبداللہ علیہ السلام سنۃ ثلاث و ثمانین و مطی فی شوال سنۃ ثمان و اربعین و مأۃ

حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سن 83 ہجری میں پیدا ہوئے اور شوال سن 148 ہجری میں دنیا سے گئے۔
(اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ 286 مطبوعہ مکتبہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

شیعہ مؤرخ حاج محمد ہاشم خراسانی متوفی 1352ھ لکھتا ہے پس معلوم شد کہ اصح در باب شہادت آن بزرگوار آنست کہ در ماہ شوال سن صد و چہل وہشت بودہ، چنانچہ مجلس در جلاء العیون فرمودہ، خلافے نیست کہ رحلت آں بزرگوار در سال صد و

چہل و ہشت واقع شد و اشہر آنست کہ در ماہ شوال بودہ

یعنی پس معلوم ہوا کہ حضرت امام بزرگوار امام جعفر کی شہادت کے بارے میں صحیح تر یہی ہے کہ ماہ شوال سن 148 ہجری میں ہے، چنانچہ علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں فرمایا: اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ امام بزرگوار کی رحلت سال ہجری 148 میں واقع ہے اور مشہور یہ ہے کہ ماہ شوال میں ہے۔

(منتخب التواریخ باب ہشتم ذکر امام جعفر صادق علیہ السلام صفحہ 464 مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران)

جب 22 رجب سے بلکہ ماہ رجب ہی سے امام جعفر صادق کی ولادت یا شہادت کا کوئی تعلق نہیں تو اس دن خصوصاً آپ کا ختم دلانے کا کیا معنی ہے۔ نفس ایصال ثواب میں کوئی کلام نہیں ہے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سمیت تمام آئمہ اہل بیت کرام کے لیے ایصال ثواب کرنا باعث خیر و برکت ہے مگر 22 رجب سے اختصاص کا کیا معنی ہے۔ پھر یہ رسم بنی ہے کہ صبح ہی صبح کونڈوں کا ختم ہوگا اس کے بعد نہیں اور یہ کھانا باہر نہیں لیجایا جائے گا اور صرف مرد کھا سکتے ہیں خواتین نہیں۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔

البتہ 22 رجب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یوم وصال تحقیق سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام ابن اثیر جزری متوفی 630ھ فرماتے ہیں۔

وقیلَ تُوُفِّی یومَ الخمیسِ لثمانٍ بقینَ من رجبٍ سنَۃَ تسعٍ وخمسین

کہا گیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بروز جمعرات 22 رجب سن 59ء کو فوت ہوئے۔

(اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 203 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن کثیر دمشقی متوفی 774ھ فرماتے ہیں۔

اس میں اختلاف نہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رجب سن 60 ہجری میں فوت ہوئے ایک جماعت کے مطابق آپ نصف رجب میں فوت ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ بروز جمعرات 22 رجب سن 60 ہجری میں آپ کا وصال ہوا

(البدایۃ والنہایہ جلد 10 صفحہ 145 ذکر سن 60 ہجری مطبوعہ دار الریان بیروت)

امام ابن عبد البر متوفی 463ھ فرماتے ہیں:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف رجب سن ساٹھ کو دمشق میں فوت ہوئے وہیں دفن ہوئے، اسوقت ان کی عمر 78 برس تھی یا 76 برس تھی، ولید بن مسلم کا کہنا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی خلافت ساڑھے انیس برس رہی، دوسرے علماء کے مطابق امیر معاویہ دمشق میں فوت ہوئے اور بروز جمعرات 22 رجب سن 59 کو انہیں دمشق میں دفنایا گیا۔

(الاستعیاب علی حامش الاصابہ جلد 3 صفحہ 398 مطبوعہ دار صادر بیروت)

جب یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ 22 رجب کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یوم وصال ہے تو میں ان سنی لوگوں سے کہتا

ہوں جو 22 رجب کو امام جعفر صادق کے کونڈوں کا ختم دلاتے ہیں کہ اگر آپ نے یہ ختم دلانا ہی ہے تو ٹھیک ہے ضرور دلائیں، ایصال ثواب کسی دن بھی ہوسکتا ہے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔ مگر مناسب ہوگا کہ 22 رجب کو کونڈوں کے ختم میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیکر ان کے لیے بھی ایصال ثواب کیا جائے کیونکہ 22 رجب کو انہی کا وصال ہے، اس طرح آپ ثابت کریں گے کہ ہم کونڈوں کا ختم شیعوں کی پیروی میں نہیں کہلوا رہے، کیونکہ 22 رجب کو کونڈوں کا ختم ایجادِ شیعہ ہے، اور چونکہ 22 رجب کو یوم وصال امیر معاویہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ اس لیے شیعوں نے 22 رجب کو جمع ہونا شروع کیا۔ وہ تقیہ سے کام لیتے ہیں انہوں نے بظاہر ختم امام جعفر کا نام رکھا اور مقصد ان کا یہ تھا کہ 22 رجب کو حضرت امیر معاویہ پر مل کر لعن طعن کی جائے۔ اسی لیے انہوں نے یہ بدعت ایجاد کی کہ یہ ختم صبح ہی صبح ہوسکتا ہے اور اس کا کھانا باہر نہیں جاسکتا تاکہ اس کو خفیہ رکھا جائے، شیعوں کی دیکھا دیکھی بعض اہل سنت نے بھی اسے اپنالیا۔ اس لیے اہل سنت میں سے اگر کسی نے 22 رجب ہی کو امام جعفر صادق علیہ السلام کا ختم دلانا ہے تو وہ ساتھ میں تمام صحابہ کرام بشمول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی ختم میں نام لے۔ تاکہ شیعوں سے برأت واضح ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کونڈوں کا ختم دلانے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر اس میں یہ التزام کچھ ضرور نہیں کہ صبح ہی صبح دلا سکتے ہیں بعد میں نہیں، آپ دوپہر کو ختم دلائیں یا شام کو کوئی حرج نہیں اور مگر اس میں یہ التزام کچھ ضروری نہیں کہ صبح ہی صبح دلا سکتے ہیں بعد میں نہیں، آپ دوپہر کو ختم دلائیں یا شام کو کوئی حرج نہیں۔ اور اس میں تمام صحابہ واہل بیت کا نام لیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ آج 22 رجب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یوم وصال ہے تو ہم انہیں بھی ایصال ثواب کرتے ہیں۔ کسی صحابی رسول کے لیے ایصال ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ باعثِ برکت ہی ہے۔

فصل چہارم:

امام ابوالحسن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب یوں ہے۔
موسیٰ بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین شہید کربلا بن مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔ کنیت ابوالحسن ہے اور لقب کاظم یعنی غصہ پینے والا۔

ولادت:

آپ سن 128 ہجری میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی زندگی گزاری۔ پھر عباسی خلیفہ مہدی نے آپ کو بغداد بلوایا۔ پھر واپس بھیج دیا تو آپ ہارون الرشید کے عہد تک مدینہ طیبہ میں رہے پھر ہارون الرشید 179 ہجری میں ماہ رمضان کے عمرہ کے لیے آیا اور امام کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور بغداد میں لے جا کر قید میں ڈال دیا۔ اسے ڈر تھا کہ آپ اس کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں چنانچہ آپ نے قید ہی میں وصال فرمایا۔ (آپ کو چند دن قید میں رکھا گیا۔)

آپ کی کرامات:

جب آپ کو پہلی بار عباسی خلیفہ مہدی کے حکم پر گرفتار کر کے بغداد لایا گیا تو مہدی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسے یہ آیت قرآنی سنا رہے ہیں:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: کیا تم سے یہی توقع ہے کہ زمین میں فساد کرو گے اور اپنی رشتہ داریاں کاٹو گے۔ (سورہ محمد آیت 22)

مطلب یہ تھا کہ اے خلیفہ تم نے موسیٰ کاظم کو گرفتار کر کے زمین میں فساد کیا اور رشتہ داری کاٹ ڈالی ہے۔

چنانچہ خلیفہ مہدی نے خواب سے اٹھتے ہی حکم دیا کہ موسیٰ بن جعفر کو میرے پاس لایا جائے جب آپ آئے تو اس نے بڑی گرم جوشی سے آپ سے معانقہ کیا اور عزت وتکریم سے بٹھا کر اپنا خواب سنایا اور کہنے لگا کیا آپ یہ نہیں کر سکتے کہ

میرے اور میرے بچوں کے خلاف بغاوت کا سلسلہ ترک کر دیں؟ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے ایسا کوئی ارادہ نہیں کیا اور نہ یہ بات مجھے زیب دیتی ہے۔ خلیفہ مہدی نے کہا آپ صحیح کہتے ہیں پھر اس نے آپ کو بہت سا مال و اسباب دے کر عزت و تکریم کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ (شواہد النبوۃ صفحہ 346)

ابو خالد زبانی کی روایت ہے کہ جب آپ کو پکڑ کر بغداد لے جایا جا رہا تھا اور خلیفہ مہدی کے کارندے آپ کے ساتھ تھے تو راستے میں انہوں نے مقام زبانہ پہ پڑاؤ کیا۔ میں وہاں حاضر خدمت ہوا آپ کو کچھ چیزوں کی ضرورت تھی فرمایا یہ مجھے خرید کر لا دو۔ میں دوڑ کر وہ چیزیں خرید کر لایا اور پیش کر دیں۔ میں بہت پریشان تھا کہ آپ جیسے عظیم الشان شخص کو پکڑ کر لے جایا جا رہا ہے پتہ نہیں آپ سے کیا سلوک ہو گا۔ آپ نے فرمایا: تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ سنو میں فلاں ماہ کی فلاں تاریخ رات کے وقت تمہارے پاس واپس آجاؤں گا میرا انتظار کرنا۔ میں حیران ہوا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

بہر حال آپ چلے گئے اور میں اس وقت کا شدید انتظار کرنے لگا۔ آخر جب وہ دن آیا تو جو جگہ آپ نے بتائی تھی میں رات کو ادھر جا نکلا۔ مگر وہاں کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ رات کا کچھ حصہ گزرا تو عراق کی جانب سے کچھ لوگ آتے دکھائی دیے میں آگے بڑھا تو دیکھا آپ سب سے آگے خچر پر سوار تھے میں نے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم کو شک ہونے لگا تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ کی حمد ہے جس نے آپ کو ظالموں کی قید سے آزادی عطا فرمائی۔

حضرت امام موسیٰ کاظم کی جلالتِ علمی:

ایک بار خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا تم لوگ اولادِ رسول کہلاتے ہو تم تو اولادِ علی المرتضیٰ ہو اولادِ رسول کیسے ہو؟ آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ: یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام ہیں اور ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام ہیں وہ سب نعمت کے سزاواروں سے ہیں۔ (انعام آیت 85)

امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے کیسے ہیں؟ صرف اپنی والدہ کی وجہ سے ہیں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیدہ مریم کی نسبت سے اولادِ ابراہیم ہو سکتے ہیں تو ہم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے اولادِ رسول ﷺ کیوں نہیں ہو سکتے؟ خلیفہ ہارون الرشید یہ جواب سن کر مبہوت ہو گیا۔

امام موسیٰ کاظم نے ایک اور آیت پڑھی۔ اللہ فرماتا ہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ

ترجمہ: تو آؤ ہم اپنے بیٹے لاتے ہیں تم اپنے بیٹے لے آؤ ہم اپنی بیٹیاں لاتے ہیں تم اپنی بیٹیاں لے آؤ ہم خود آجاتے ہیں تم خود آجاؤ۔ (سورہ آل عمران آیت 61)

اس آیت کے تحت نبی اکرم ﷺ حسنین کریمین کو لفظ ابناءنا کے تحت لے کر نکلے یعنی ان کو اپنے بیٹے قرار دیا۔ یعنی اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ اور اس کے رسول نے اولادِ رسول ﷺ قرار دیا ہے۔ یہ جواب سن کر خلیفہ کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ 203 مطبوعہ مکتبۃ الحقیقت استنبول)

وصال:

امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے بروز جمعۃ المبارک 25 رجب 186 ہجری میں بغداد میں وصال فرمایا۔ آپ اس وقت خلیفہ ہارون الرشید کی قید میں تھے۔ بغداد ہی میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

فصل پنجم:

حضرت امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب یہ ہے:

علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اور لقب رضا۔

ولادت:

آپ مدینہ طیبہ میں سن 153 ہجری میں 11 ربیع الاول بروز بدھ پیدا ہوئے یعنی آپ اپنے دادا امام جعفر صادق کے وصال کے 35 برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ام ولد تھیں ان کا نام اُروی یا نجمہ لکھا گیا ہے۔

خلیفہ مامون الرشید کی آپ سے عقیدت:

ہارون الرشید کے بعد اس کا بیٹا مامون خلیفہ بنا اسے حضرت امام علی رضا سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی حتیٰ کہ اس نے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا اور سن 201 ہجری میں اعلان کر دیا کہ اس کے بعد ولی عہد آپ ہیں، آپ خلیفہ

ہوں گے اور اس پر اس نے کثیر لوگوں کو گواہ بنایا مگر افسوس کہ آپ مامون کی حیات ہی میں وصال فرما گئے۔ اس پر مامون نے بے حد افسوس کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مامون بعد میں آپ سے بدظن ہو گیا تھا اس لیے اس نے آپ کو زہر کھلا دیا۔ مگر یہ بات بعید از قیاس ہے۔

امام علی رضا کی بعض کرامات:

حاکم نے ابو حبیب سے روایت کیا ہے کہتے ہیں کہ ہمارے شہر میں جہاں حجاج کے پڑاؤ کا مقام ہے وہاں میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اترے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا، میں نے دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک تھال پڑا ہے جس میں کھجوریں ہیں جن کو صحبانی کہا جاتا ہے آپ نے مجھے ان میں سے اٹھارہ کھجوریں عطا فرمائیں۔ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ میں مزید اٹھارہ برس جیوں گا۔ جب اس خواب کو بیس دن گزرے تو امام علی رضا مدینہ طیبہ سے تشریف لائے اور حجاج کے پڑاؤ والے مقام پر مسجد کے قریب اترے۔ لوگ آپ کی زیارت کے لیے دوڑے۔ میں بھی حاضر ہوا۔ آپ اُسی جگہ بیٹھے تھے جہاں میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو بیٹھے دیکھا تھا اور آپ کے سامنے وہی کھجوریں پڑی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے سامنے پڑی تھیں، میں نے آپ کو سلام عرض کیا آپ نے مجھے اپنے قریب کیا اور ان کھجوروں میں سے کچھ دیں تو وہ پوری اٹھارہ تھیں، میں نے کہا کچھ مزید بھی عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ نے اس سے زائد دی تھیں تو میں بھی زائد دے دیتا ہوں۔ (الصواعق المحرقہ باب 11 فصل 3 صفحہ 291، مطبوعہ استنبول)

جب خلیفہ مامون الرشید نے آپ کو ولی عہد مقرر کیا تو اس کے بعد آپ جب بھی خلیفہ کے پاس آتے تو سرکاری خدام دروازے پہ لٹکے ہوئے پردے فوراً اٹھا دیتے تاکہ آپ بلا رُکے سیدھے اندر تشریف لے جائیں یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر کچھ حاسدوں کو یہ برا لگا وہ کہنے لگے جب آپ آئیں تو وہ پردہ نہیں اٹھائیں گے نہ استقبال کو کھڑے ہوں گے۔ مگر آپ تشریف لائے تو انہوں نے اٹھ کر استقبال بھی کیا اور پردہ بھی اٹھا دیا، آپ اندر تشریف لے گئے۔ تب وہ باہم ایک دوسرے کو کوسنے لگے۔ پھر باہم طے کیا کہ آئندہ جب آپ تشریف لائیں تو وہ ڈٹے رہیں گے پردہ نہیں اٹھائیں گے جب آپ آئے تو وہ کھڑے تو ہو گئے مگر پردہ نہ اٹھایا، اُسی وقت اللہ نے تیز ہوا چلائی جس نے پردہ خود بخود اٹھا دیا اور آپ اندر چلے گئے ساتھ ہی ہوا بند ہو گئی جب آپ واپس آئے تو پھر ہوا سے پردہ اٹھ گیا اور آپ باہر نکل آئے۔ تب وہ حاسدین کہنے لگے جسے اللہ دوست رکھتا ہو اسے کون نیچا دکھا سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی روش درست کر لی۔ (شواہد النبوۃ صفحہ 344)

امام علی رضا رضی اللہ عنہ کی جلالتِ علمی:

آپ ایک مرتبہ نیشا پور تشریف لے گئے۔ آپ کی زیارت کو اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ بازار بھر گئے۔ آپ کے اوپر

سائبان تھا جس کی وجہ سے آپ دکھائی نہیں دے رہے تھے، دو حافظان حدیث امام ابو زرعہ رازی اور امام محمد بن اسلم طوسی ساتھ تھے اور ان دونوں محدثین کے ساتھ طلباء علم حدیث کی اتنی بڑی جماعت تھی جس کا شمار ممکن نہیں۔ دونوں محدثین نے آپ سے گذارش کی کہ لوگوں کو زیارت کروائیں اور کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے اپنے آباء کرام سے روایت کی ہو۔ آپ نے اپنی سواری کو ٹھہرایا اور خادموں سے کہا کہ سائبان بند کر دیں۔ تب آپ نے اپنی زیارت سے لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی کیں، آپ کے بال دو زلفوں کی صورت میں تھے جو آپ کے کندھوں تک آ رہی تھیں، آپ کی زیارت کر کے لوگوں میں سے کوئی (خوشی سے) نم دیدہ تھا اور کوئی وجد میں گریہ کناں تھا، کچھ لوگ آپ کی سواری کو چوم رہے تھے۔

تب علماء نے پکار کر کہا کہ لوگو چپ ہو جاؤ، لوگ چپ ہو گئے دونوں محدثین آپ سے حدیث سن کر لکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا:

مجھے میرے باپ امام موسیٰ کاظم نے بتایا ان کو ان کے باپ امام جعفر صادق نے بتایا ان کو ان کے باپ امام محمد باقر نے بتایا ان کو ان کے باپ امام زین العابدین نے بتایا ان کو ان کے باپ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بتایا اور ان کو ان کے باپ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے بتایا آپ نے فرمایا مجھے جبریل امین علیہ السلام نے بتایا انہوں نے کہا میں نے اللہ رب العزت کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ فَمَنْ قَالَھَا دَخَلَ حِصنِی وَمَنْ دَخَلَ حِصنِی اَمِنَ عَذَابِیْ۔

یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (پورا کلمہ طیبہ) میرا قلعہ ہے جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا وہ میرے قلعہ میں آ گیا اور جو میرے قلعہ میں آ گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

یہ کہہ کر آپ نے پردہ گرا دیا۔ تب وہ لوگ گنے گئے جنہوں نے یہ حدیث اس وقت لکھی تو ان کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ تھی امام احمد نے کہا: اگر یہ سند کسی مجنون پر پڑھی جائے تو اس کا جنون جاتا رہے۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ 292)

وصال:

آپ نے بروز جمعۃ المبارک ماہ رمضان سن 202 ہجری میں خراسان میں وصال فرمایا اور آپ کو خلیفہ ہارون الرشید کے قبہ کے مغربی پہلو میں دفنایا گیا۔

فصل ششم:

حضرت امام محمد تقی بن امام علی رضا رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن امام حسین بن مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔
آپ کی کنیت ابوجعفر ہے جیسے امام باقر کی کنیت ابوجعفر تھی اسی لیے آپ کو ابوجعفر ثانی بھی کہتے ہیں اور لقب تقی ہے۔

ولادت:

آپ کی ولادت رجب سن 195 ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہوئی آپ کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام خیزان یا ریحانہ ہے۔

آپ کا علم وفضل:

جب بغداد میں آپ کے والد گرامی کا وصال ہوگیا تو اس کے ایک سال بعد ایک دن آپ بغداد کی ایک گلی میں کھڑے تھے اس وقت آپ کی عمر تیرہ برس تھی۔ اتنے میں خلیفہ مامون الرشید وہاں سے گزرا وہاں اور لڑکے بھی کھیل رہے تھے جب انہوں نے خلیفہ کی سواری دیکھی تو دوڑ کر دائیں بائیں ہو گئے مگر امام محمد تقی وہیں کھڑے رہے، جب خلیفہ قریب آیا تو اس کے دل میں آپ کا رعب اور احترام پیدا ہوا۔ کہنے لگا اے لڑکے جب سارے لڑکے بھاگ گئے تو تم کیوں نہ بھاگے۔
آپ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین راستہ تنگ نہیں ہے کہ مجھے تمہارے لیے گنجائش بنانی پڑے اور میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ تم سے ڈروں اور تمہارے بارہ میں میرا گمان بھی اچھا ہے کہ تم کسی بے گناہ کو نقصان نہیں دیتے۔
خلیفہ مامون کو آپ کے کلام اور حُسنِ صورت نے تعجب میں ڈال دیا۔ کہنے لگا تمہارا کیا نام ہے اور تمہارے والد کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا میں محمد ہوں میرے باپ کا نام علی رضا ہے، خلیفہ نے پہچان لیا اور آپ کے والد کے لیے رحمت کی دعا کی اور آگے چل دیا۔
اس وقت خلیفہ کے پاس ایک باز تھا جو شکار کے لیے تھا، جب خلیفہ آبادی سے باہر نکلا تو اس نے باز کو ایک چکور پہ چھوڑا۔ باز نظروں سے غائب ہوگیا۔ جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں چکور کی بجائے ایک نیم جان مچھلی تھی، خلیفہ کو حیرت ہوئی کہ اس کے منہ میں مچھلی کہاں سے آگئی۔

جب خلیفہ واپس آیا تو بچے وہیں کھیل رہے تھے اور امام محمد تقی بھی وہیں تھے، لڑکے بھاگ گئے مگر حضرت امام کھڑے رہے۔ خلیفہ ان کے قریب آیا۔ کہنے لگا بتاؤ میرے ہاتھوں میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے سمندر میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں جن کو بادشاہوں اور خلفاء کے باز شکار کر لیتے ہیں تاکہ وہ اہل بیت رسول کی اولاد سے امتحان لے سکیں۔ خلیفہ کہنے لگا بیٹا تم واقعی امام علی رضا کے بیٹے ہو۔ اس نے آپ کو اپنے ساتھ لے لیا اور آپ کی تعظیم و تکریم میں پوری کوشش کرنے لگا۔

بعد ازاں جوں جوں آپ کا علم و فضل خلیفہ پہ ظاہر ہوتا گیا آپ کی عزت و تکریم اس کے دل میں جاگزیں ہوتی گئی۔ آخر اس نے ارادہ کر لیا کہ آپ سے اپنی بیٹی اُم فضل کا عقد کر دے حالانکہ ابھی آپ کی عمر کم تھی۔ مگر عباسی خاندان نے اس کو ایسا کرنے سے روک دیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ خلیفہ آپ کو اس طرح ولی عہد بنا دے جیسے اس نے اس سے قبل آپ کے والد حضرت علی رضا کو داماد اور ولی عہد بنایا تھا۔

خلیفہ نے کہا لوگو! میں اس نوجوان کو اس لیے محبوب رکھتا ہوں کہ یہ علم و معرفت اور حلم و تدبر میں کم سنی کے باوجود سب اہل علم پہ فوقیت رکھتا ہے۔ لوگوں کو اس پہ یقین نہ آیا کہنے لگے کسی اہل علم کو چاہیے کہ اس کا امتحان لے۔ چنانچہ یحییٰ بن اکثم کو بلایا گیا۔ اسے کہا گیا کہ اس نوجوان کو لاجواب کرو تمہیں بہت انعام دیا جائے گا۔

تب وہ سارے خلیفہ کے پاس آئے ابن اکثم بھی ان کے ساتھ تھا اور سب ارکانِ سلطنت جمع ہو گئے۔ مامون بادشاہ نے حضرت امام محمد تقی کے لیے خوبصورت قالین بچھایا۔ آپ اس پہ بیٹھے، یحییٰ بن اکثم آپ سے سوالات کرنے لگا، آپ اس کے ہر سوال کا وافی و شافی جواب دیتے گئے۔ آخر وہ خاموش ہو گیا، خلیفہ کہنے لگا۔ اے ابوجعفر آپ نے بہترین جوابات دیے ہیں اب اگر آپ چاہیں تو یحییٰ بن اکثم سے کوئی سوال کریں، خواہ ایک ہی سوال ہو۔

آپ نے اس سے پوچھا اس مرد کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں جو ایک عورت کو صبح کے وقت دیکھتا ہے تو وہ اس پر حرام ہوتی ہے پھر دن چڑھے اس پر حلال ہو جاتی ہے۔ پھر ظہر کے وقت حرام ہو جاتی ہے۔ پھر عصر کے وقت حلال ہو جاتی ہے پھر مغرب کے وقت حرام ہو جاتی ہے پھر عشاء کے وقت حلال ہو جاتی ہے پھر آدھی رات کے وقت حرام ہو جاتی ہے اور پھر فجر کے وقت حلال ہو جاتی ہے؟ یہ سوال سن کر یحییٰ بن اکثم کو چکر آ گیا۔ کہنے لگا میں تو کچھ نہیں جانتا۔

امام محمد تقی نے فرمایا: اس سے مراد وہ لونڈی ہے کہ صبح کے وقت اسے ایک اجنبی مرد نے شہوت کے ساتھ دیکھا تو وہ اس وقت اس پہ حرام تھی، اس نے دن چڑھے اسے خرید لیا تو وہ اس پر حلال ہو گئی۔ پھر ظہر کے وقت اسے آزاد کر دیا تو وہ اس پر حرام ہو گئی۔ پھر عصر کے وقت اس سے نکاح کر لیا تو اس پر حلال ہو گئی پھر مغرب کے وقت اس نے ظہار کر لیا تو اس پر حرام ہو گئی۔ پھر عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دے دیا تو اس پر حلال ہو گئی۔ پھر آدھی رات کو اسے طلاق رجعی دے دی تو وہ

اس پر حرام ہوگئی اور فجر کے وقت اس سے رجوع کر لیا۔ (شائد اس کا یہ معنیٰ ہے کہ آدھی رات کو طلاق بائن دے دی پھر فجر کے وقت اس سے نکاح کر لیا) اہل مجلس یہ سن کر دنگ رہ گئے۔

تب خلیفہ مامون نے عباسیوں سے کہا تم جو چیز نہیں جانتے تھے کیا اب تم نے جان لی ہے؟ پھر اس نے اسی مجلس میں اپنی بیٹی ام فضل کا نکاح حضرت امام محمد تقی سے کر دیا۔ آپ بیوی کو لے کر مدینہ طیبہ آ گئے۔ پھر ام فضل نے اپنے والد کو خط لکھا کہ حضرت امام تقی دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ باپ نے جواب بھیجا کہ ہم نے تمہارا نکاح ان سے اس لیے نہیں کیا کہ ان پر حلال کو حرام قرار دو آئندہ ایسا خط نہ لکھنا۔

وصال:

پھر ایک بار آپ اپنی بیوی کو لے کر مدینہ طیبہ سے بغداد گئے۔ وہاں آپ بیمار پڑے اور وہیں وصال فرمایا۔ (ممکن ہے عباسیوں میں سے کسی نے زہر دے دیا ہو کہ شائد ان کو آگے چل کر ولی عہد بنا دیا جائے) تو آپ کو آپ کے دادا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف 25 برس تھی۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ 292 تا 293)

آپ کا وصال عباسی خلیفہ معتصم کے دور میں ہوا۔

فصل ہفتم:

حضرت امام علی نقی بن امام محمد تقی رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن امام حسین بن مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ آپ کی والدہ ام ولد ہیں جن کا نام ثمانہ تھا کہتے ہیں کہ یہ ام فضل بنت مامون کی لونڈی تھی۔

ولادت:

آپ کی ولادت 13 رجب سن 214 ہجری کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

آپ کا جود وسخا:

آپ اپنے علم وفضل اور جود وکرم میں اپنے والد گرامی امام محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی وارث تھے۔

آپ کے جود وسخا پہ یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ آپ کے پاس اہل کوفہ میں سے ایک دیہاتی آیا کہنے لگا۔ حضور میں آپ کے دادا جان مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہوں۔ میں آپ کے پاس صرف اس لیے آیا ہوں کہ مجھ پر قرض کا بوجھ بہت زیادہ ہوگیا ہے اور ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا قرض کتنا ہے؟ کہنے لگا دس ہزار درہم، آپ نے فرمایا فکر نہ کرو یہ قرض ادا ہو جائے گا۔ آپ نے اسے تحریر لکھ دی کہ میں نے اس دیہاتی کو دس ہزار درہم قرض دینا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ میرے پاس کسی کھلی محفل میں آنا جب بہت سے لوگ میرے پاس بیٹھے ہوں اور مجھ سے دس ہزار کا مطالبہ کرنا اور ذرا سختی سے کام لینا تو اس نے ایسے ہی کیا وہ آپ کی تحریر لے کر مجمع عام میں آگیا اور شدت سے قرض کا مطالبہ کرنے لگا۔ آپ نے اس سے تین دن کی مہلت مانگی۔

یہ خبر خلیفۂ وقت متوکل کو پہنچی۔ اس نے آپ کو تیس ہزار درہم بھیج دیے۔ جب یہ رقم آئی تو آپ نے وہ ساری اعرابی کو دے دی۔ اس نے کہا حضور میرا قرض دس ہزار درہم ہی ہے مجھے وہی کافی ہے آپ نے فرمایا میں تیس ہزار میں سے ایک درہم بھی نہیں رکھوں گا کیونکہ یہ تمہارے ہی لیے آیا ہے۔ وہ دیہاتی جب واپس گیا تو یہ آیت پڑھ رہا تھا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط

آپ کی کرامت:

خلیفہ متوکل کے بعض اہل دربار نے آپ کو رسوا کرنے کے لیے ایک شعبدہ باز جادوگر کو جو ہندوستان سے آیا تھا۔ تیار کیا کہ وہ امام علی نقی کو محفل میں رسوا کرے اسے ہزار درہم دیا جائے گا۔ چنانچہ بادشاہ کی محفل میں کھانا لایا گیا۔ سب کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا وہ شعبدہ باز حضرت امام کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ جب آپ نے روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو روٹی آگے کھسک گئی۔ تین بار ایسے ہی ہوا سب حاضرین خوب ہنسے۔ امام صاحب نے دیکھا کہ اس جگہ جو قالین بچھا ہوا تھا اس میں شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آپ نے اس تصویر کو حکم دیا کہ اس شعبدہ باز کو پکڑ لو وہ تصویر زندہ شیر بن کر کھڑی ہوگئی اور اس شعبدہ باز کو پکڑ کر زمین میں گاڑ دیا۔ پھر واپس اسی طرح قالین میں نقش ہوگئی۔ متوکل نے بڑی عاجزی سے کہا کہ اس غریب کو زمین سے نکال دیں۔ آپ نے فرمایا اسے تم کبھی نہ دیکھو گے۔

وصال:

آپ کا وصال عراق کے شہر سرمن رآی میں جمادی الاخریٰ 252 ہجری میں ہوا۔ خلیفہ متوکل نے آپ کو مدینہ طیبہ سے عراق بلوایا تھا۔ اسی دوران آپ کا یہاں وصال ہوا آپ کو آپ کے گھر میں دفن کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف 40 برس تھی۔

فصل ہشتم:

امام حسن عسکری بن امام علی نقی رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

حسن عسکری بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین شہید کربلا بن مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔ آپ کو حسن خالص بھی کہا جاتا ہے اور حسن عسکری بھی۔

ولادت:

آپ کی ولادت سن 231 ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ام ولد ہیں جن کا نام سوسن تھا۔

آپ کے اخلاق عالیہ:

آپ مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے مگر آپ کی زیادہ عمر سرمن رآی (عراق) میں گزری۔ آپ کی سخاوت بھی اپنے آباء کرام کی طرح معروف تھی۔ ایک حسینی سید محمد بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ کاظم تنگ دستی میں مبتلا تھے وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے راستے میں ان کے والد ان سے کہہ رہے تھے، اگر امام حسن عسکری نے ہمیں پانچ سو درہم دیے تو ہم دوسو درہم کے کپڑے خرید لیں گے۔ دوسرے سے کھانے پینے کا سامان اور ایک سو سے دوسری اشیاء ضرورت خریدیں گے۔ جبکہ انہوں نے کہا کہ اگر امام صاحب نے تین سو درہم دیے تو ایک سو سے کپڑے ایک سو سے آٹا دانا اور ایک سو سے گدھا خریدیں گے اور کوہستان جائیں گے۔ جب وہ امام حسن عسکری کے پاس گئے تو آپ بہت تکریم سے ملے اور فرمایا تم لوگ ہمیں ملنے کیوں نہیں آتے۔ کہنے لگے میرے والد صاحب نے کہا ہم غریب لوگ ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ کوئی سوچے کہ شائد یہ فلاں کے پاس کچھ لینے جاتے ہیں۔ جب ہم ملاقات کر کے نکلے تو آپ کے غلام نے ہمیں تھیلی دی جس میں پانچ سو درہم تھے۔ غلام نے میرے والد کو تفصیل دیتے ہوئے کہا:

امام صاحب نے فرمایا ہے کہ دوسو سے کپڑے دوسو سے آٹا دانا اور ایک سو سے دیگر ضروری اشیاء خریدنا پھر دوسری تھیلی دی جس میں تین سو درہم تھے اور کہا کہ امام صاحب فرماتے ہیں ایک سو سے آٹا ایک سو سے کھانا اور ایک سو سے گدھا خریدنا مگر کوہستان نہ جانا۔ (شواہد النبوۃ صفحہ 363)

یعنی باپ بیٹا دونوں نے جو سوچا تھا امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ نے دونوں کے مطابق ان کو نوازا اور انہوں نے جو باہم گفتگو کی تھی وہ بھی ان کو ساری بتادی۔ یہ آپ کی عظیم کرامت ہے اس کو کشف صدور کہا جاتا ہے۔

ابن خلقان نے لکھا ہے کہ آپ بچپن میں ایک بار کسی جگہ بیٹھے رو رہے تھے جبکہ دوسرے بچے کھیل رہے تھے۔ مشہور صوفی حضرت بہلول وہاں سے گزرے انہوں نے دیکھ کر کہا اے بچے تم کیوں رو رہے ہو کیا تمہارے پاس کھیلنے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے؟ کیا میں تمہیں کچھ خرید کر دوں؟ آپ نے فرمایا اے بندۂ خدا ہم کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے، بہلول نے پوچھا پھر ہم کس لیے پیدا کیے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم عبادت کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اس نے کہا اس کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟

(سورہ مومنون، آیت 115)

حضرت بہلول نے آپ سے کہا آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے ان کو چند اشعار سنائے جن میں عبرت خیز بیان تھا۔ اشعار پڑھتے پڑھتے امام حسن عسکری پہ غش طاری ہوگئی، جب آپ کو ہوش آیا تو حضرت بہلول نے کہا: ابھی تو آپ بچے ہیں آپ کے پاس کوئی گناہ نہیں ہے۔ پھر آپ رو رو کر بے ہوش کیوں ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ میری والدہ جب چولہا جلاتی ہے تو بڑی لکڑیوں کو آگ لگاتی ہے، اگر آگ نہ لگے تو چھوٹی لکڑیوں کو آگ لگا کر ان میں ڈالتی ہے تاکہ بڑی لکڑیاں بھی جل اٹھیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے جہنم کی چھوٹی لکڑی نہ بنا دیا جائے۔

(الصواعق صفحہ 294)

آپ کا علم وفضل:

جن دنوں آپ کو عباسی خلیفہ معتمد نے گرفتار کر رکھا تھا۔ عراق میں قحط پڑا، خلیفہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تین دن مسلسل باہر نکل کر دعاء کریں۔ لوگوں نے ایسا کیا مگر بارش نہ ہوئی۔ تب نصاریٰ دعا کے لیے نکلے اس کے ساتھ ان کا راہب تھا وہ جب بھی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا تو بارش شروع ہو جاتی اس نے تین دن دعا کی تینوں دن بارش ہوئی۔ چنانچہ کئی لوگ شک میں پڑ گئے بلکہ کئی عیسائی ہو گئے۔

خلیفہ نے یہ حالت دیکھی تو امام حسن عسکری کو گھبرا کر بلایا اور عرض کیا کہ اپنے نانا جان محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کو گمراہی سے بچائیے۔ ایسا نہ ہو کہ سب ہلاک ہو جائیں امام حسن عسکری نے فرمایا: کل سب لوگ میدان میں پھر نکلیں، میں

سارا شک زائل کر دوں گا ان شاء اللہ۔ چنانچہ خلیفہ کے حکم سے آپ کو قید سے رہا کر کے عزت و تکریم کے ساتھ لایا گیا۔ ادھر عیسائی لوگ اپنے اس راہب کے ساتھ پھر میدان میں نکلے جب اس راہب نے ہاتھ اٹھائے تو آسمان پہ بادل اُمڈ آئے۔ امام حسن عسکری نے لپک کر راہب کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس میں ایک ہڈی تھی۔ آپ نے اس سے وہ ہڈی لے لی اور فرمایا اب دعاء کرو اس نے ہاتھ اٹھائے مگر کوئی بادل نہ آیا بلکہ جو بادل تھے چلے گئے اور سورج نکل آیا۔ لوگ حیران ہوئے خلیفہ نے پوچھا اے حسن عسکری یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کسی پیغمبر کی ہڈی ہے جو کسی طرح اسے ملی ہے اور جب بھی کسی پیغمبر کی ہڈی آسمان کے سامنے پیش کی جائے تو بادل امڈ آتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے شبہات دور ہو گئے اور خلیفہ کے ہاں امام حسن عسکری کا گہرا احترام پیدا ہوا خلیفہ نے آپ کو رہا کیا اور بقیہ زندگی آپ کی بارگاہ میں تحائف بھیجتا رہا۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ 295)

اس حکایت کی توجیہہ یہ ہے کہ قرآن کے بقول بنی اسرائیل انبیاء کرام کو شہید کرتے تھے۔ (سورہ بقرہ، آیت 61) تو ممکن ہے یہ کسی پیغمبر کو شہید کر کے اس کے جسم سے ہڈی حاصل کی گئی ہو ورنہ قبر کی مٹی تو کسی پیغمبر کے جسم کو کھا نہیں سکتی کیونکہ انبیاء زندہ ہیں۔

وصال:

امام حسن عسکری نے 254 ہجری عراق کے شہر سرمن رآئ میں وصال فرمایا اس وقت آپ کی عمر صرف 28 برس تھی۔ آپ کو آپ کے والد گرامی امام علی نقی رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

فصل نہم:

امام محمد بن عبد اللہ المہدی رحمہ اللہ

امام مہدی رحمہ اللہ قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے حدیث کے مطابق جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو پہلی نماز امام مہدی کے پیچھے ادا کریں گے اور یہ اس لیے ہو گا تا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام بطور نبی مبعوث نہیں ہوئے بلکہ امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہو کر آئے ہیں۔

امام مہدی اس امت کے آخری خلیفہ ہوں گے وہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہوں گے۔ اہل تشیع کا یہ عقیدہ غلط

ہے کہ امام مہدی حضرت حسن عسکری کے کسی بیٹے کا نام ہے جو غائب ہو گیا ہے اور دنیا کے کسی خفیہ مقام پر حکومت کرتا ہے اور قرب قیامت میں ظاہر ہو گا اور معاذ اللہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو ان کی قبور سے نکال کر ان کی لاشوں کو نذر آتش کرے گا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کوڑے مارے گا یہ سب ملحدانہ و کافرانہ خیالات ہیں۔

امام مہدی کے بارہ میں احادیث نبویہ:

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

اَلْمَهْدِیُّ مِنْ عِتْرَتِی مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ۔

ترجمہ: مہدی میری اولاد میں سے ہو گا یعنی اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔ (سنن ابو داؤد شریف کتاب المہدی حدیث 4284)

اس حدیث کو ابن ماجہ، طبرانی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب المہدی کے اندر یہ حدیث بھی درج کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن کی طرف دیکھا اور کہا:

ان اِبنی هٰذا سَیِّدٌ کما سماهُ النبیُّ ﷺ و سَیَخرُجُ من صُلبهٖ رَجُلٌ یُسَمّٰی باسمِ نبیُکم یُشبهُهٗ فی الخُلُقِ ولا یُشبهُهٗ فی الخَلْقِ یَمْلَاءُ الاَرْضَ عَدْلاً۔

ترجمہ: یہ بیٹا (حسن) سردار ہے جیسا کہ نبی (رسول اللہ ﷺ) نے اس کا یہ نام رکھا ہے اور اس کی نسل سے وہ شخص آئے گا جس کا نام تمہارے نبی ﷺ کے نام والا ہو گا (یعنی محمد) اس کا خُلق آپ جیسا ہو گا مگر خَلق (حلیہ) نہیں وہ ساری زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ (سنن ابو داؤد کتاب المہدی حدیث 4290)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اصل میں حدیث رسول ﷺ ہے کیونکہ یہ آئندہ کی پیش گوئی ہے جو حضرت علی اپنی طرف سے نہیں دے سکتے اور دوسری احادیث اس کی تائید کر رہی ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام مہدی حضرت امام حسن کی اولاد سے ہوں گے۔ اس لیے اہل تشیع کا امام حسن عسکری کے بیٹے کو امام مہدی بنانا پھر انہیں غائب کر دینا اور انہیں آخر زمانہ میں ظاہر کرنا خود ساختہ باتیں ہیں کیونکہ حضرت حسن عسکری تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

محدث نعیم بن حماد اور ابن عساکر نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسن کی اولاد میں سے ایک شخص مشرق کی طرف سے نکلے گا اگر پہاڑ بھی اس کے سامنے آئیں گے تو وہ ان کو گرا دے گا اور ان میں سے راستہ بنا لے گا۔ (العرف الوردی فی اخبار المہدی لسیوطی جلد 2 صفحہ 62)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مہدی مجھ سے ہے (میری اولاد سے ہے) اس کی پیشانی روشن ہو گی ناک اونچا ہو گا وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ اس سے قبل ظلم و ستم سے بھر چکی ہو گی

وہ زمین میں سات برس حکومت کرے گا۔ (سنن ابوداؤد کتاب المهدی حدیث 4285)

اس حدیث کو نعیم بن حماد اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابونعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر مہدی ان سے کہے گا آئیے آپ نماز پڑھائیں وہ کہیں گے سنو تم ہی ایک دوسرے کے لیے امیر ہو (یعنی امام ہو) یہ اس امت کی کرامت کے لیے ہے۔

ابونعیم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مِنَّا الَّذِيْ يُصَلِّي عيسٰى بن مريم خَلْفَهٗ۔

ترجمہ: ہم (اہل بیت) میں سے وہ بھی ہوگا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

(العرف الوردی لاخبار المهدی جلد 2 صفحہ 61)

عیسیٰ علیہ السلام کا امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھنا اس کا اشارہ بخاری و مسلم کی اس متفق علیہ حدیث سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔

ترجمہ: تمہارا کیا حال ہوگا جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث 3449، مسلم کتاب الایمان حدیث 244)

پھر مسلم کی یہ حدیث مزید وضاحت کرتی ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ حق پر جہاد کرتے رہیں گے اور کامیاب ہوں گے۔ آگے فرمایا:

فَيَنْزِلُ عيسٰى ابنُ مريمَ فَيَقُولُ اَمِيرُهُم تَعَالَ صَلِّ لِنا، فَيَقُولُ اِنَّ بَعْضَكُم على بعضٍ امرآءُ تكرِمَةً لهٰذه الاُمّةِ۔

ترجمہ: پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا آئیے آپ ہمیں نماز پڑھائیں وہ فرمائیں گے نہیں۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے لیے امر (ا ہ) ہو یہ اس امت کی تکریم کے لیے ہے۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث 248)

یعنی یہ اس امت کی عظیم کرامت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھیں۔

الغرض امام مہدی آخر زمانہ میں ایک امام ہوں گے جو اہل بیت رسول ﷺ میں سے ہوں گے۔ حسنی سادات میں سے آئیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد ان کے پیچھے ایک نماز پڑھیں گے اور امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مل

کر دجال سے جنگ کریں گے اور اسے جہنم میں پہنچائیں گے پھر دونوں مل کر زمین میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔امام مہدی تو صرف سات برس حکومت میں شامل رہیں گے جیسا کہ حدیث میں گزرا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک حکومت کریں گے، پھر فوت ہونگے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روضۂ رسول ﷺ میں دفن ہونگے۔

فصل دہم:

بحث درود شریف

سادات کرام میں اولیاء وائمہ دین:

نئی فصل محبت اہل بیت میں غلو سے حذر

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی اولاد میں ہمیشہ ایسے آئمہ دین اور اولیاء کاملین پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے جن کے ذریعہ اللہ دین کو قوت وشوکت عطا فرماتا ہے۔اہلِ تشیع نے تو صرف بارہ افراد میں شانِ اہل بیت کو منحصر کر دیا ہے، جبکہ اس خاندانِ رسالت میں صرف بارہ نہیں ہزاروں لوگ آسمان رشد و ہدایت کے تابندہ و درخشندہ ستارے ہیں۔امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے حضرت عبداللہ محض ہیں جو امام حسن کے پوتے ہیں۔عظیم محدث ہیں۔پھر حضرت عبداللہ محض کے بیٹے نفس زکیہ ہیں جن کے عظیم فضائل ہیں بلکہ احادیث میں ان کے بارہ میں اشارات ہیں۔

بلکہ وہ وقت بھی آیا جب اموی خلافت زوال پذیر تھی تو تمام علوی وفاطمی سادات نے اور تمام اولادِ عباسی عم رسول ﷺ نے نفس زکیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کو خلافت کے لیے امیدوار وحقدار قرار دیا، جن میں خود امام جعفر صادق رحمہ اللہ بھی تھے۔مگر حالات نے عجیب کروٹ لی اور آلِ عباس میں سے سفاح نے حکومت قائم کرلی اور نفس زکیہ کو گرفتار کرلیا اور بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔(شیعوں کا ایک فرقہ نفس زکیہ کو امام غائب اور امام مہدی سمجھتا ہے، جو قرب قیامت ظاہر ہوگا)

پھر سادات میں سے حضرت زید بن امام زین العابدین بھی ہیں جن کے بارہ میں بقول ابو الفرج اصفہانی حضرت [illegible] روز قیامت خود رسول اللہ ﷺ اٹھ کر اس کا استقبال

کریں گے۔(مقاتل الطالبین صفحہ 120)

شیعوں کا زیدی فرقہ سمجھتا ہے کہ حضرت زید فوت نہیں ہوئے وہ غائب ہو گئے ہیں وہ امام مہدی ہیں اور قرب قیامت میں نمودار ہوں گے۔

پھر سادات کرام میں سے حضرت حسین بن علی بن حسن بن ثلث بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں جو بہت عابد و زاہد تھے جنہوں نے امام موسیٰ کاظم کے زمانہ میں کوفہ میں حکومت کے خلاف اس طرح خروج کیا تھا جیسے امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں کیا اس لیے ان کو حسین ثانی کہا جاتا ہے۔شیعان اہل کوفہ نے ان سے بھی اس طرح بے وفائی کی جیسے امام حسین رضی اللہ عنہ سے کی تھی۔تب سے شیعوں کو رافضہ کہا جاتا ہے یعنی ساتھ چھوڑ دینے والے اور بے وفائی کرنے والے۔

پھر سادات کرام میں سے حضرت امام جعفر صادق کے بیٹے محمد بن جعفر ہیں کتب سیرت میں ان کے کثیر فضائل درج ہیں۔

پھر ساداتِ کرام میں سے غوث الثقلین نجیب الطرفین حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمہ اللہ ہیں۔ جو سردار اولیاء ہیں جن کے ذریعہ دین اسلام کو نئی زندگی ملی اسی لیے ان کو محی الدین بھی کہا جاتا ہے۔ہزاروں لاکھوں لوگ ان کے ہاتھ پہ کفر یا گناہوں سے تائب ہوئے۔

پھر ساداتِ کرام میں سے سیدنا علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے فیض سے سارا برصغیر روشن ہوا اور ہو رہا ہے۔

پھر ساداتِ کرام میں سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سنجری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے فیض سے اولیاء چشت کی ایک عظیم جماعت پیدا ہوئی اور ایک جہان ان کے نور ہدایت سے روشن ہوا۔

ساداتِ کرام میں سے ہر زمانہ میں بڑے بڑے محدثین، محققین اور مفسرین پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا اے لوگو میں تم میں قرآن اور اپنی عترت یعنی اپنے اہل بیت چھوڑ رہا ہوں تم جب تک ان سے وابستہ رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور قرآن اور اہلبیت ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے تا آنکہ روز قیامت میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچ جائیں گے۔(مسلم کتاب الفضائل)

مگر حیرت ہے کہ شیعہ فرقہ اہل بیت میں سے صرف بارہ افراد کو سب فضائل کا محور جانتا ہے اور مذکورہ تمام آئمہ دین اور اولیاء کاملین کو کافر و ملحد گردانتا ہے۔یہ حب اہل بیت نہیں بغض اہل بیت ہے۔الحمدللہ اہل سنت و جماعت اہل بیت رسول ﷺ کے بچے بچے سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔

علومِ اسلامیہ کے طلباء کیلئے بالعموم اور علماء کیلئے بالخصوص

حدیث مبارکہ کی عربی شرح کا نادر تحفہ

جس کا مطالعہ دوسری شروحات سے بے نیاز کردے

إِسْعَافُ الْحَاجَة

فِي شَرْح

سُنَنِ ابْنِ مَاجَة

مفسرِ قرآن شارح سنن ابوداؤد ابن ماجہ و طبرانی صغیر

علامہ حافظ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر انگلینڈ

سرپرست: جامعہ رسولیہ بلال گنج لاہور

ناشر

مکتبۃ برہان القرآن

مرکز الاویس، دربار مارکیٹ، لاہور

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب ۴۰)

دلائلِ ختمِ نبوّت

مع

ردِّ قادیانیّت

تصنیف

مفسرِ قرآن شارح سُنن ابُوداوٗد، ابن ماجہؒ و طبرانی صغیر

علامہ حافظ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر برمنگھم انگلینڈ

ناشر: مکتبہ برہان القرآن

مرکز الاویس داتا دربار مارکیٹ لاہور 0321-4298570

دیگر مطبوعات

محقق اسلام علامہ محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

شرح مؤطا امام محمد

تحفہ جعفریہ (5 جلدیں)

فقہ جعفریہ (4 جلدیں)

عقائد جعفریہ (4 جلدیں)

دشمنان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ (2 جلدیں)

نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میزان الکتب

تعارف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

منکرین وجوب اللحیہ کا شرعی محاسبہ

قانونچہ رسولیہ

اطیب الحواشی شرح اصول الشاشی

مفسر قرآن علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ابن ماجہ کا عربی حاشیہ بنام اسعاف الحاجہ

دلائل ختم نبوت مع ردِ قادیانیت

مسئلہ خلافت وشان صحابہ رضی اللہ عنہم

دعا بعد نمازِ جنازہ کا جواز

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعقائد اہل سنت

دلائل النبوۃ (امام ابو نعیم اصفہانی)

جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواز

عظمت اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جمال الوردہ فی شرح قصیدہ بردہ

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواز

تفسیر برہان القرآن (زیر طبع)

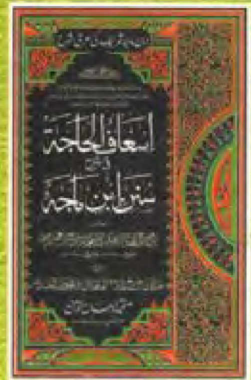
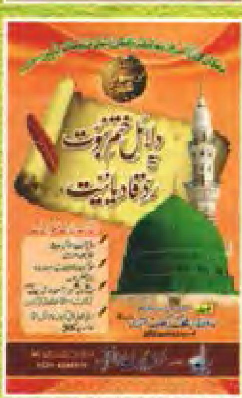
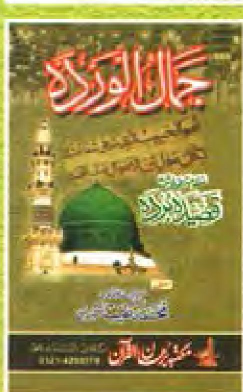
سیرت خلفائے راشدین از کتب شیعہ (زیر طبع)

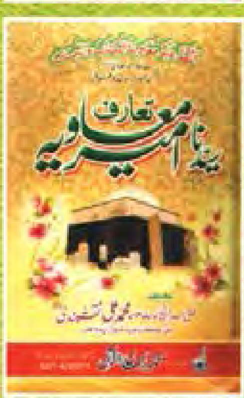
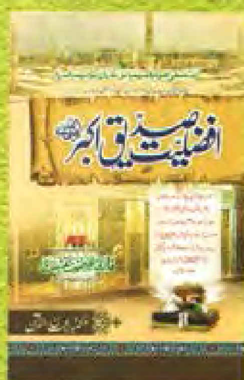
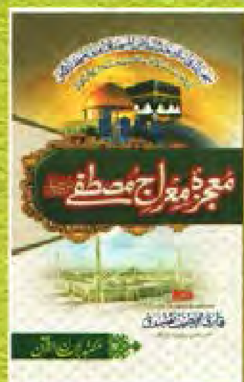
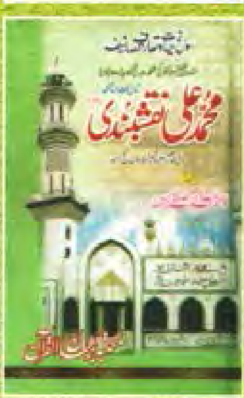
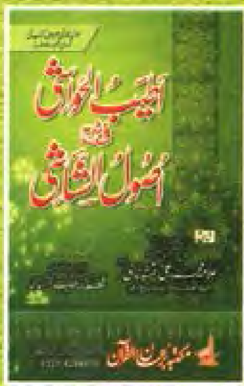
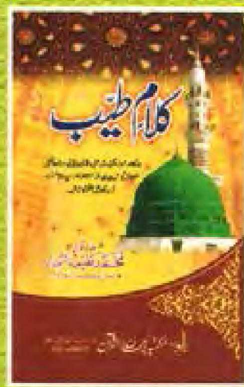
الکلام المحمود فی شرح سنن ابوداؤد (زیر طبع)

فضل الہادی فی شرح مسند الحمیدی (زیر طبع)

عطاء الربانی فی شرح جامع الصغیر الطبرانی (زیر طبع)


الکلام المحمود
سنن ابو داود


اسعاف الحاجة
سنن ابن ماجة

دلائل ختم نبوت
رد قادیانیت

جمال الوردة

نور العینین

تعارف
سیدنا امیر معاویہ

افضلیت صدیق اکبر

معجزہ معراج مصطفےٰ

محمد علی نقشبندی

اطیب الحواشی
اصول الشاشی

کلام طیب